ماہنامہ
کراچی
# پاکیزہ

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول
مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول
مدیرہ: انجم انصار
معاون: آمنہ حماد

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ماڈل : مہوش
میک اپ روز : بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر: موسیٰ رضا

## شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789
نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
رانا اے حمید 0323-2895528
نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے
قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات
جلد: 43 شمارہ: 03، جون 2015ء

## اداریہ



## سلسلے وار ناول



## ناولٹ



## مکمل ناول



## افسانے



## خصوصی مضامین




پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ھاکی اسٹیڈیم کراچی

## مستقل عنوانات




Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com
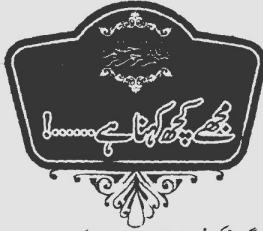
یہ بات مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو اور اپنے مقاصد کو سمجھنے کی مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ جب تک ہم اپنی ذات سے سمجھوتا نہیں کریں گے، ہم دوسروں کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

دوسروں کے ساتھ بہتر اور خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لیے لازم ہے کہ آپ پہلے اپنی ذات کے ساتھ اچھے تعلق کو استوار کریں۔ آج کی دنیا میں کوئی بھی فرد دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتا اس کے لیے دوسروں کے ساتھ رہنا، کام کرنا اور تعلقات رکھنا ناگزیر ہے۔

زندگی کا سب سے بڑا فن دوسروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنا ہے...... بہت سارے رشتے دار، عزیز و اقارب ایسے ہوتے ہیں جن سے بات کرنا تو در کنار ان کی جانب دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا...... ان کے کڑوے کسیلے رویے...... دل میں ایک دکھ کی کیفیت بھی رقم کر دیا کرتے ہیں مگر بحیثیت مسلمان...... ہم یہ جانتے ہیں کہ قطع رحمی کرنا سخت گناہ ہے...... اس لیے ہمیں ہر صورت اپنی رشتے داریوں کو نبھانا چاہیے...... اور اگر خوش اسلوبی سے نبھا لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے اور اگر آپ کو یہ فن نہیں آتا تو آپ کی ساری فہم و دانش اور اہلیت بھی زندگی کو حقیقی مسرتوں سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔

اپنے عزیز و رشتے داروں سے مل جل کر رہنا اور ہر ایک سے محبت اور خلوص کے رشتے استوار رکھنا اور ہر ماحول میں ہم آہنگ ہو جانا...... وہ فن ہے جو زندگی کو انمول مسرتیں عطا کرتا ہے...... اور دل میں دکھ کے چھا جانے والے اثرات کو بھی آسانی سے زائل کر دیتا ہے۔

تو آئیں سب رنجشوں کو بھلا کر...... دوستی کی شاہراہ پر قدم بڑھائیں...... کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ رشتے داریاں توڑنا سخت گناہ ہے...... اور جس کا کوئی اپنا اس سے ناراض ہو اس کے روزے بھی قبول نہیں کیے جاتے...... آپ سب سے جانے انجانے میں کی ہوئی ناگوار بات بولنے یا لکھنے میں (جس سے آپ ناراض ہوئے ہوں) کی معافی کے ساتھ آپ سب کو پیشگی رمضان مبارک......

مدیرہ
انجم انصار

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سجھائی تک نہیں دیتی۔

ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑکھڑاتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے وہیں کِھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصّہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

''یہ میری بیٹی ہے ارتقاع۔'' بابر نے تعارف کروایا۔

''اوہ ہاں......ارتقاع۔'' عنبرین کی آنکھوں کی چمک یک دم ماند پڑی تھی۔ اس نے بہت بے دلی سے اسے گلے لگایا لیکن ارتقاع نے اس کے چہرے اور آنکھوں سے جھلکتی مایوسی کو نہیں دیکھا تھا وہ بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی جس طرح وارفتگی سے ہاتھ بڑھائے وہ اس کی طرف بڑھی تھی اسے گمان گزرا تھا کہ وہ اس کی سگی ماں ہے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا......کیا بابر ابھی کوئی انکشاف کرنے والا تھا کیا وہ اسے بتانے لگا تھا کہ وہ اس کی ماں ہے؟

''اور یہ مسز عنبرین ہیں، میری کولیگ تھیں' ہم نے بہت عرصہ ایک ہی آفس میں جاب کی تھی۔ شادی سے پہلے میں نے تجربہ حاصل کرنے کے لیے کچھ عرصہ جاب بھی کی تھی شاید تمہیں اس کا علم نہ ہو عنبرین بھی وہاں ہی جاب کرتی تھی اور عنبرین میری اچھی دوست تھی۔ ابھی پچھلے دنوں جب ڈیڈی کی ڈیتھ ہوئی تو اچانک عنبرین سے طویل عرصے بعد ملاقات ہوگئی، تم بور ہو رہی تھیں سوچا تمہیں اس سے ملوالاؤں کچھ بوریت دور ہو جائے گی۔'' بابر نوید نے لمبی بات کی۔

''تو یہ عورت میری ماں نہیں ہے۔'' چند لمحوں میں جو کچھ اس نے سوچ ڈالا تھا وہ سب غلط تھا محض اس کا گمان...... ''اگر یہ عورت میری ماں نہیں ہے تو پاپا مجھے یہاں کیوں لائے ہیں اور یہ اتنی بے تابی سے میری طرف بیٹی کہہ کر کیوں بڑھی تھی؟'' ارتقاع الجھ گئی تھی۔

''اور اگر میری ماما زندہ ہیں مری نہیں ہیں (جیسا کہ اس کا خیال تھا کہ وہ وفات پا چکی ہوں گی) تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پاپا اور ان کی علیحدگی ہو چکی ہوگی اور اگر یہ وہی ہیں تو علیحدگی کے بعد پھر پاپا کا ان سے کیا تعلق؟ وہ کیوں ملوانے لائے ہیں اس سے......اور پھر ہم عامر چاچو کی طرف بھی تو جاسکتے تھے لیکن پاپا کبھی انہیں اُدھر لے کر نہیں جاتے تھے۔'' اس نے عنبرین کی طرف دیکھا جو بابر کی طرف متوجہ تھی اور بابر اسے بتا رہا تھا۔

''اس کے نانا کا چالیسواں تھا، ہمیں کچھ دن رکنا پڑ گیا تو یہ بور ہو رہی تھی اور اسے اس بات کی ٹینشن بھی تھی کہ اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے تو میں اسے یہاں لے آیا یقیناً تمہاری کمپنی میں اس کی بوریت دور ہو جائے گی۔'' عنبرین نے ایک شکوہ بھری نظر بابر پر ڈالی اور دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی کچن میں چلی گئی جس کا دروازہ ٹی وی لاؤنج میں ہی کھلتا تھا اور ایک کھڑکی بھی لاؤنج کی طرف ہی کھلتی تھی جس کا شیشہ ہٹا ہوا تھا اور عنبرین صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے کیبنٹ سے گلاس نکال کر ٹرے میں رکھے اور فریج کی طرف بڑھ گئی۔ اب اس کی پیٹھ ارتقاع کی طرف تھی۔

''عنبرین۔'' اس نے زیرِ لب کہا اور اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ ''اگر میں ان کی بیٹی ہوں تو یہ چھپا کیوں رہی ہیں اور پاپا......؟'' اس نے بابر کی طرف دیکھا جو اپنے سیل فون پر کسی کو میسج کر رہا تھا۔

''پتا نہیں وہ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔ بھلا یہاں ماما کی عمر کی خاتون سے باتیں کر کے میری بوریت کیسے دور ہوگی۔ اس سے تو اچھا تھا کہ پاپا مجھے عامر چاچو کے ہاں لے جاتے۔ کتنا عرصہ ہوگیا تھا عامر چاچو کی فیملی سے ملے۔ پتا نہیں پاپا کے اپنے بھائیوں سے کیا اختلافات ہوگئے تھے کہ بہت کم ان کے ہاں جاتے تھے۔''

کراچی میں اگرچہ بابر کی اکلوتی بہن تھیں لیکن وہاں بھی وہ انہیں لے کر نہیں جاتا تھا۔ سوائے خاص، خاص موقعوں کے۔ اس نے ایک بار پھر بابر کی طرف دیکھا جو اَب سیل فون پر آئے میسج پڑھ رہا تھا۔

''پاپا'' اس نے آہستگی سے پکارا۔ ''کیا یہ یہاں اکیلی رہتی ہیں اور ان کے ہسبینڈ کہاں ہوتے ہیں؟'' ارتقاع نے بوریت کے انداز میں سوال کیا۔

''ہاں۔'' بابر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''اس کے ہسبینڈ باہر ہوتے ہیں ملک سے باہر۔'' بابر نے بلند آواز میں بتایا تا کہ کچن میں کھڑی عنبرین بھی سن لے۔ عنبرین نے برا سا منہ بنایا اور گلاسوں میں جوس ڈالنے لگی۔

''سال میں دو چکر لگاتے ہیں۔'' وہ کچن سے باہر آتی عنبرین کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں سے ناراضی جھلک رہی تھی۔ عنبرین نے قریب آ کر ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھی اور ایک گلاس اٹھا کر بابر کو پکڑا دیا۔ بابر ہلکا سا مسکرایا لیکن اس کی مسکراہٹ نظر انداز کر کے اس نے دوسرا گلاس اٹھایا اور ارتقاع کو پکڑاتے ہوئے بہت غور سے اسے دیکھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ بابر اپنی بیٹی کو اس کے پاس کیوں لے کر آیا ہے۔ کیا اس سے ملوانے؟ کیا اس نے ایمل کو اس کے متعلق بتانے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس لیے وہ ارتقاع کو لے کر آیا ہے شاید وہ پہلے اپنے بچوں کو اعتماد میں لینا چاہتا ہے۔ دلِ خوش فہم نے خود ہی ارتقاع کی آمد کا جواز گڑھ لیا تھا۔

''تو مجھے ارتقاع سے اچھی طرح پیش آنا چاہیے۔ آنے والے دنوں میں ہو سکتا ہے ہمیں ایک ہی جگہ رہنا ہو۔'' اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اپنا جوس کا گلاس ٹرے سے اٹھا کر سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی اور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

تنہا رہتے، رہتے وہ تھک چکی تھی اور اب ایک خاندان کا حصہ بن کر رہنا چاہتی تھی۔ جب تک اماں زندہ تھیں تو وہ کبھی کبھار چکر لگا لیا کرتی تھیں۔ کبھی دل گھبراتا تو وہ خود چلی جاتی تھی لیکن اگر اس کی بہنوں میں سے کوئی اماں کے گھر آیا ہوا ہوتا تو اماں اسے منع کر دیتیں اور اب اماں کے بعد تو اس کا اپنی بہنوں کے ساتھ کوئی رابطہ ہی نہیں تھا اور نہ ہی ان کے شوہر پسند کرتے تھے کہ وہ ان سے کوئی رابطہ رکھے حالانکہ اس کا کتنا جی چاہتا تھا کہ وہ کبھی ثمرہ یا آپا سے ملے اور ان سے اس کے متعلق پوچھے۔ وہ کیسی ہے اب اور...... اور کیا پتا اب تک اس کی شادی بھی ہو گئی ہو یا ہو سکتا ہے وہ پڑھ رہی ہو۔ ایک بار جب اماں زندہ تھیں تو انہوں نے بتایا تھا کہ اسے بھی پڑھائی کا بہت شوق ہے۔ اس نے ارتقاع کی طرف دیکھا۔

''کتنی پیاری ہے بابر کی بیٹی...... اور وہ بھی تو بہت پیاری تھی اب پتا نہیں کیسی ہو گی۔ اس کی آنکھیں کیسی تھیں اور اس کے ہونٹ۔'' اس نے یاد کرنے کی کوشش کی لیکن تب وہ صرف چند ماہ کی ہی تھی جب اس نے احمد علی کا گھر چھوڑا تھا جب وہ گھر سے نکلی تھی تو وہ سو رہی تھی اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا اور دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے قدموں کی زنجیر بن جائے لیکن اب وہ بار، بار مڑ کر دیکھتی تھی اور انگلیوں پر اس کی عمر کا حساب لگاتی تھی اور دل سے اٹھتے درد کو دبانے کی کوشش کرتی تھی وہ پچھتانا نہیں چاہتی تھی لیکن پچھتا رہی تھی۔ اس نے وہ سب کچھ پا لیا تھا جسے پانے کی تمنا کی تھی لیکن یہ سب پانے کی کوشش میں اس نے اسے کھو دیا تھا۔

احمد علی اس کی بہن کا دیور تھا اور اماں نے اس کے ساتھ اس کا رشتہ اس وقت ہی طے کر دیا تھا جب انہوں نے اپنی بڑی بیٹی یعنی اس کی آپا کی شادی کی تھی تب وہ اسکول میں پڑھتی تھی، اماں، اکبر علی اور آپا کی زندگی سے مطمئن تھیں لیکن اس نے تو دسویں جماعت میں آتے ہی اور طرح کے خواب دیکھنے شروع کر دیے تھے اور ان خوابوں میں احمد علی کا کہیں گزر نہیں تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ احمد علی کے ساتھ شادی کر کے ہرگز ایسی زندگی نہیں گزارے گی جیسی زندگی اس کی آپا گزار رہی تھی۔ ہر چیز کے لیے ترستے ہوئے لیکن اس کے سارے پلان اس وقت دھرے کے دھرے رہ گئے جب اماں نے بی اے کے بعد اسے گھر بٹھا لیا اور اس کی شادی کی تیاریاں کرنے لگیں۔ وہ بہت روئی پیٹی، چیخی، چلائی تھی کہ ابھی اسے پڑھنا ہے اور پھر پڑھ کر نوکری کرنی ہے لیکن اماں نے تو جیسے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی۔ احمد علی ایک سیدھا سادہ شریف آدمی تھا اپنا رکشا چلاتا تھا۔ اماں کو انکار کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی ان کے خیال میں اس کے لیے اس سے بہتر رشتہ کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا لہٰذا وہ اس کے انکار پر توجہ دیے بغیر شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ کبھی ایک جوڑا لے لیا کبھی چند برتن خرید لائیں۔ وہ چڑتی، بڑبڑاتی لیکن اماں کو پروا ہی کب تھی۔ جب

ان کی دانست میں جہیز تیار ہو گیا تو کمیٹی ڈال کر انہوں نے شادی کی تاریخ بھی طے کر دی۔ عنبرین ہکا بکا رہ گئی۔
''اماں میں نے کہہ دیا تھا مجھے احمد علی سے شادی نہیں کرنی پھر بھی......''
''کیوں؟'' اس روز وہ ساری تیاری کر کے اطمینان سے بیٹھی تھیں۔
''میں نے ایسے ننگے بھوکے بندے سے شادی نہیں کرنی جو بیوی کو سونے کی ایک انگوٹھی بھی نہ پہنا سکے مجھے تو کسی امیر آدمی سے شادی کرنی ہے۔'' اس کے خواب اس کی آنکھوں میں اتر آئے تھے۔
''کیا کوئی ڈھونڈ رکھا ہے؟'' اماں نے پوچھا تھا۔
''نہیں......لیکن ڈھونڈ لوں گی۔''
''اور جیسے وہ امیر آدمی تجھ ہی سے شادی کرے گا۔'' اماں کا اطمینان قابلِ دید تھا وہ جل ہی تو گئی تھی۔
''یہ خناس دل سے نکال دے بینو...... امیر آدمی تجھ جیسی مزدور عورت کی بیٹی سے شادی نہیں کرتے...... ہاں وقت ضرور پاس کر لیں گے۔''
''جو بھی ہو اماں، اکبر بھائی اور آپا کو بتا دیں مجھے احمد علی سے شادی نہیں کرنی اگر آپ نے زبردستی کی تو زہر کھا لوں گی۔''
''حرام موت مرے گی؟'' وہ ذرا سا پریشان ہوئی تھی لیکن پھر فوراً ہی فیصلہ کیا تھا۔
''اچھا ٹھیک ہے حرام موت نہیں مروں گی گھر سے بھاگ جاؤں گی کہیں بھی چلی جاؤں گی کسی بھی ادارے میں۔ ایدھی ہوم میں لیکن احمد علی سے شادی نہیں کروں گی۔''
''یہاں سے باہر نکلی تو ٹانگیں توڑ دوں گی تیری۔'' اماں نے غصہ دکھانے کی کوشش کی تھی۔
''مولوی کے سامنے انکار کر دوں گی بھلے ٹانگیں توڑنا یا گردن کاٹ دینا، ہاں نہیں کروں گی۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اماں پریشان ہو گئی تھیں۔ کتنی ہی دیر تک وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی تھیں اور اسے ماں کی پریشان صورت دیکھ کر یقین ہو گیا تھا کہ اب اماں زبردستی نہیں کریں گی۔ ان کی پریشانی اسے خوش کر رہی تھی اور کچھ دیر اِدھر اُدھر چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخنے کے بعد اماں نے آپا کو بلوا بھیجا تھا اور ساری بات بتا دی تھی۔ آپا نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے آپا کو بھی صاف، صاف بتا دیا تھا کہ اسے ہرگز احمد علی سے شادی نہیں کرنی اور آپا شام کو واپس لوٹ گئی تھیں اور اماں سے جاتے، جاتے کہہ گئی تھیں کہ وہ اکبر علی کو بتا دیں گی زبردستی کا بھی کیا فائدہ۔ اماں چپ تھیں اور وہ بہت خوش لیکن اس کی ساری خوشی خاک میں مل گئی جب آپا شام کو تینوں بچوں سمیت دوبارہ آ گئیں۔ اکبر علی نے اسے گھر سے نکال دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر عنبرین کا رشتہ احمد علی کے لیے نہ دیا گیا تو وہ اسے بھی طلاق دے دے گا۔
اس کے طبقے میں ایسا ہوتا رہتا تھا کہ ایک بہن کا رشتہ نہ ملنے پر دوسری کو طلاق ہو جانا کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن اماں اور آپا تو اس طرح رو رہی تھیں جیسے کوئی انہونی بات ہو گئی ہو اور اسے غصہ آ رہا تھا۔
''ٹھیک ہے دے دیں طلاق...... میں نوکری کر لوں گی اور تمہارے بچے پال لوں گی۔'' اس نے آپا کو دلاسا دینا چاہا تھا لیکن آپا نے اسے دھکا دے کر ہٹا دیا تھا۔
''پرے ہٹ، مجھے نہیں ضرورت تیری ہمدردی کی۔ ہائے اماں تم نے یہ کیسی بیٹی پیدا کی ہے جو اپنی بہن کا گھر برباد کر رہی ہے۔''
ساری رات اماں اور آپا روتی اور بین کرتی رہی تھیں۔ اسے امیروں کی طرح زندگی گزارنے کی چاہ تھی لیکن

اسے اپنی آپا اور بچوں سے محبت بھی تھی۔ سو وہ صبح تک ہتھیار پھینک چکی تھی۔ یوں وہ بیاہ کر احمد علی کے گھر آ گئی تھی لیکن یہاں زندگی اس کے تصور سے زیادہ مشکل تھی۔ گھر میں تو وہ تھوڑی بہت من مانی بھی کر لیتی تھی۔ احمد علی جو سیدھا سادہ اور شریف آدمی تھا اس نے عنبرین کے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ تعلقات میں پہلے دن سے ہی... سرد مہری پیدا ہو گئی تھی۔ وہ نوکری کر کے گھر کے معاشی حالات میں بہتری لانا چاہتی تھی لیکن احمد علی اسے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ ایک بیٹی کی ماں بھی بن گئی تھی لیکن دونوں کے جھگڑے ختم نہیں ہوئے تھے۔ چھوٹی، چھوٹی باتوں پر لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ احمد علی اسے پڑھائی کے طعنے دیتا اور جھگڑا بڑھ جاتا۔ اس روز بھی ایک معمولی سی بات پر جھگڑا شروع ہوا اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ احمد علی نے کھڑے، کھڑے اسے طلاق دے دی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ سن سی ہو گئی تھی بالکل ساکت کھڑی وہ احمد علی کو دیکھ رہی تھی جو بار، بار اپنے کہے الفاظ دُہرا رہا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے اندر خوشی کی تتلیاں رقص کرنے لگی تھیں اب وہ آزاد تھی اور اس کے سامنے ایک وسیع میدان تھا وہ اپنے خوابوں کو مٹھی میں لینے کی کوشش کر سکتی تھی۔

وہ بنا کچھ کہے احمد علی کے گھر سے نکل آئی تھی حتیٰ کہ جب احمد علی نے بیٹی اپنے پاس رکھنے اور اسے نہ دینے کی بات کی تھی تب بھی اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور اسے لینے کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔

ابھی وقت اس کے ہاتھ میں تھا اس کی شادی کو ابھی دو سال بھی نہیں ہوئے تھے وہ پھر سے تعلیم کا سلسلہ شروع کر سکتی تھی کہیں جاب کر سکتی تھی چھوٹے موٹے کورس کر کے اپنے لیے بہتر راستہ تلاش کر سکتی تھی۔ احمد علی بہت پچھتاتا تھا مولویوں اور مفتیوں سے فتوے لیتا پھرتا تھا لیکن اسے...... اسے تو دوبارہ وہ زندگی شروع کرنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اماں نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ جانتی تھیں کہ طلاق تو ہو چکی سو اس نے گھر میں ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا اور شارٹ ہینڈ وغیرہ کے کورسز میں بھی ایڈمیشن لے لیا۔ عدت کے بعد اس نے جاب کی تلاش شروع کر دی تھی۔ جانتی تھی کہ صرف جاب حاصل کر لینے سے اسے وہ زندگی حاصل نہیں ہو سکتی تھی جس کی اسے تمنا تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ کوئی دولت مند لڑکا اس سے شادی کرے اور اس کے لیے اسے خود ہی کوشش کرنا تھی چنانچہ جاب ملتے ہی اس نے اس کے لیے جائزہ لینا شروع کر دیا تھا اور اس کی نظریں بابر نوید پر ٹھہر گئی تھیں۔ بابر نوید کا لباس، گاڑی، بات چیت سب ظاہر کرتی تھی کہ اس کا تعلق کس طبقے سے ہے۔ وہ خود ہی اس کی طرف بڑھی تھی اور اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں اور بہت جلد اسے لگا تھا کہ وہ اسے متاثر کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ کئی بار وہ بابر کے ساتھ آؤٹنگ پر گئی تھی۔ کئی بار وہ دونوں آفس سے لنچ کرنے باہر نکلے تھے۔

''آنٹی۔'' ارتقاع نے جوس کا خالی گلاس ٹیبل پر رکھا اور اسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
''آپ کے بچے ہیں؟''

''ایک بیٹی ہے۔'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔ بابر نے ایک تنبیہ کرتی نظر اس پر ڈالی تو وہ سٹپٹا گئی۔

''کہاں ہے وہ ملوائیں ناں۔'' ارتقاع کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

''اپنی نانو کے گھر گئی ہوئی ہے۔'' عنبرین نے بات بنائی۔ ''اور ابھی جب تم آئیں تو میں نے سمجھا وہ آئی ہے۔'' عنبرین نے ایک ناراض شکوہ کرتی نظر بابر پر ڈالی لیکن بابر ایک بار پھر اپنے فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ عنبرین خالی گلاس اٹھا کر کچن میں چلی گئی تو پتا نہیں کیوں ارتقاع کا دل بجھ سا گیا۔

''پتا نہیں میری ماما کون تھیں کبھی پاپا نے ذکر ہی نہیں کیا لیکن اب میں ضرور پوچھوں گی پاپا سے اگر وہ زندہ نہیں ہیں تو ان کی کوئی نہ کوئی تصویر ضرور ہو گی پاپا کے پاس لیکن اگر پاپا نے نہ بتایا تو..... میں خود ہی تلاش کر لوں

گی...... کہیں نہ کہیں ان کے کمرے میں' اسٹڈی میں' ان کے کاغذات میں ان کی تصویر ضرور ہوگی۔ پاپا مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں تو یقیناً ماما سے بھی بہت محبت کرتے ہوں گے اور ان کی کوئی نہ کوئی تصویر ضرور ان کے پاس ہوگی۔'' ارتقاع ایک بار پھر بھول بھلیوں میں کھوگئی تھی اور اسے اپنی بے وقوفی پر ہنسی بھی آئی تھی کہ'' بھلا میں نے عنبرین آنٹی کو کیسے اپنی امی سمجھ لیا تھا۔ وہ اگر میری ماما ہوتیں تو وہ یہاں کیوں ہوتیں اور پاپا، ایمل ماما سے کیوں شادی کرتے تو یہ طے ہے کہ میری ماما اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن میرا حق تو بنتا ہے ناں کہ میں اپنی ماں کے متعلق جان سکوں اور اس بارے میں پاپا سے کھل کر بات کروں گی کراچی جاکر۔'' اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا اور مسکرا کر بابر کی طرف دیکھا جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا خاموش بیٹھا تھا۔

'' پاپا کہیں باہر چلیں یہاں آکر میری بوریت دور نہیں ہوئی آپ کو لیگ خاصی بور ہیں۔'' بابر اس کے جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ عنبرین ٹرالی دھکیلتی ہوئی کچن سے نکلی دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

'' آپ خواہ مخواہ تکلفات میں پڑگئیں آنٹی یہاں ہمارے پاس آکر بیٹھیں تھوڑی دیر گپ شپ لگائیں۔'' عنبرین قریب آئی تو ارتقاع نے خلوص سے کہا۔

'' دراصل میں نے کوئی ملازم نہیں رکھا ہوا خود ہی کرلیتی ہوں سب۔ ایک بندے کا کام ہی کتنا ہوتا ہے۔''

'' کیا آپ کی بیٹی ہمیشہ اپنی نانو کے پاس رہتی ہے؟''

'' نہیں...... وہ......'' عنبرین نے جھک کر ٹرالی کے نچلے حصے سے پلیٹ اٹھا کر ارتقاع کو پکڑائی اور سوچنے لگی کہ کیا کہے کہ بابر نے فوراً کہا۔

'' دراصل عنبرین کی والدہ کا گھر اس کی یونیورسٹی کے قریب ہے اس لیے وہ وہاں رہتی ہے۔ ویک اینڈ پر گھر آتی ہے۔'' اور بابر کو تو بات بنانے میں ملکہ حاصل تھا ورنہ عنبرین کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اب کیا کہے۔

'' اگر ہم ویک اینڈ تک یہاں ہی ہوئے تو میں ضرور آؤں گی آپ کی بیٹی سے ملنے۔'' ارتقاع نے اس کی بڑھائی ہوئی ڈش سے ایک کباب اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھا۔

'' ضرور۔'' عنبرین مسکرائی اور ایک شاکی نظر بابر پر ڈالی۔ کیا تھا اگر بابر، احمد علی اور ثمرہ سے بات کر کے اس کی بیٹی کو اس سے ملانے لے آتا لیکن...... ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے بابر کی طرف ڈش بڑھائی۔

بابر نے تھینک یو کہتے ہوئے کباب اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھا تب ہی اس کا فون بجنے لگا۔ اسکرین پر وسیم کا نام چمک رہا تھا۔

'' ہاں ہیلو...... وسو۔'' وہ فون آن کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور فون پکڑے، پکڑے لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ بھاگ رہا تھا اس کے بال اور پاؤں دھول میں اٹے ہوئے تھے لیکن وہ بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے، بھاگتے وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا اور اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کے پیچھے آنے والا شخص اب اطمینان سے چلتا ہوا اس کے قریب آرہا تھا۔ وہ یک دم اٹھ کر پھر بھاگنے لگا اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بھاگتے، بھاگتے اس کی سانس پھولنے لگی تو وہ سڑک سے ہٹ کر جنگل میں گھس گیا اور گھنی جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور جھاڑیوں کے پیچھے سے اس نے دیکھا وہ شخص بھی جنگل میں داخل ہوگیا تھا اور اِدھر اُدھر محتاط نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ دبک کر بیٹھ گیا اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ اچھل کر پلٹا اس کے پیچھے وہی کھڑا تھا ہاں اس کا تعاقب کرنے والا وہی شخص...... اس کے دائیں رخسار پر بڑا سا سیاہ مسّہ تھا۔ اس نے جوں

ہی اس کی طرف ہاتھ بڑھائے اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا ساتھ ہی عظام نے بیڈ لیمپ آن کیا اوراس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا رواحہ شاید تم خواب میں ڈر گئے ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے پیشانی سے پسینے کے قطرے صاف کیے اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا اور دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

''سوری عظمی، تم سو جاؤ۔ میں خواب میں ڈر گیا تھا۔'' اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی اور مسکرایا۔

''کیا بہت خوف ناک خواب تھا؟'' عظام نے پوچھا۔

''نہیں...... بس کبھی کبھی اس طرح کے خواب آ جاتے ہیں مجھے، بچپن سے ہی دیکھتا آ رہا ہوں یہ خواب کہ کوئی شخص میرا تعاقب کر رہا ہے اور میں ڈر کر بھاگ رہا ہوں۔'' عظام نے سر ہلایا۔

''کبھی کبھی کوئی خوف ذہن میں بیٹھ جاتا ہے، نکلتا ہی نہیں...... پانی لا دوں؟'' عظام اٹھنے لگا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور واپس لیٹ گیا۔ عظام کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے سیکڑوں بار ایسے اور اس سے ملتے جلتے خواب دیکھے تھے۔ کبھی تو مسلسل وہ ایک ہی خواب دیکھتا رہتا اور کبھی مہینوں گزر جاتے اسے یہ خواب نہ آتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ کسی چھوٹے بچے کو بھاگتے ہوئے دیکھتا کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھاگ رہا ہے اور بہت سارے لوگ اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے تعاقب کرنے والوں میں سے کسی کی شکل دیکھی ہو لیکن آج اس نے...... وہ یک دم چونکا۔ اس نے تعاقب کرنے والے شخص کو بالکل سامنے روبرو دیکھا تھا اور وہ دائیں رخسار پر سیاہ بڑا سا مسہ...... مٹھا سائیں کا سڑک پر ٹہلتا ہوا گارڈ وہی خواب والا شخص مجسم اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ خواب والا شخص بالکل وہی تھا ظفری کے چاچا کا گارڈ۔

''تو کیا وہ شخص اس قدر میرے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے کہ اب خواب میں بھی وہی نظر آنے لگا ہے۔ وہ ایک بے ضرر سا شخص جو ظفری کے چاچا کا گارڈ تھا۔'' پتا نہیں کیوں وہ اس سے خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اسے ابھی تک اپنی اس روز کی کیفیت کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''تو کیا میرے لاشعور میں ظفری کا خوف ہے؟'' اس نے خود سے پوچھا۔ ''جو اس گارڈ کی شکل میں میرے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے لیکن مجھے بھلا ظفری سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے عظام کی طرف دیکھا جو آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا ہوا تھا۔ اس روز وہ دونوں آگے پیچھے ہی گھر پہنچے تھے۔ عظام اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں رواحہ؟'' عظام نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہی پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے خدا بخش سے کہا کہ وہ بابا کو ان کے آنے کا بتا دے اور خود لاؤنج میں رکے بغیر کمرے میں آ گیا تھا۔

''تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے رواحہ۔ ظفری کی باتوں کا تم نے زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔'' عظام بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں آیا تھا۔

''نہیں ظفری کی بات نہیں عظمی، ویسے ہی سر بھاری ہو رہا ہے۔'' وہ خود اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''تھوڑی دیر سو جاؤ تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔'' عظام نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔

''ہاں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ریسٹ کرنے سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی لیکن میں ظفری کے اس طرح بلانے اور بات کرنے کا مقصد نہیں سمجھا۔'' وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے جھک کر جوتے اتارنے لگا۔
''یار تم نے جو لڑکیوں کے متعلق اس کے دوستوں کو بے ہودہ باتیں کرنے سے منع کیا تھا تو شاید اس لیے......'' عظام نے خیال ظاہر کیا تھا۔
''لیکن وہ بات تو وہیں ختم ہو گئی تھی پھر اس طرح پہلے تمہیں بہانے سے گھر لے جانا، مجھے فون کر کے دھمکی دینا اور پھر وہاں رتی کے حوالے سے بات کرنا؟''
''شاید وہ تمہیں خوف زدہ کرنا چاہتا ہو۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ رتی کو پسند کرتا ہے۔'' عظام نے جواد کے پاس سے لائی ہوئی کتابیں نکالیں۔
''تو کیا رتی بھی اسے پسند کرتی ہے؟'' رواحہ کی سوالیہ نظریں عظام کی طرف اٹھی تھیں۔
''معلوم نہیں لیکن ظفری اس کے آس پاس ہی دکھائی دیتا ہے۔'' عظام تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''محبت کوئی زبردستی کا سودا تو نہیں ہے عظمی ......اگر رتی اسے پسند کرتی ہے تو میں اسے مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اسے پسند نہ کرے وہ ہماری کلاس فیلو ہے لیکن اس سے دور رہنے کی دھمکی......ظفری نے انتہائی بے وقوفانہ بات کی ہے۔''
''بہرحال ہمیں آئندہ ان کے معاملات میں انٹرفیئر کرنے کی ضرورت نہیں ہے رواحہ۔'' عظام کا انداز سمجھانے والا تھا۔
''لیکن یہ بھی تو غلط بات ہے کہ اگر وہ لوگ کسی کے ساتھ بدتمیزی کریں تو ہم دیکھتے رہیں۔ بہرحال دیکھا جائے گا۔'' اس نے عظام سے کہا تھا لیکن آج چار دن سے اس کا ذہن الجھا ہوا تھا تب ہی تو آج خواب میں اس نے ظفری کے چاچا کے گارڈ کو دیکھا تھا۔ ظفری پر یونیورسٹی میں آتے جاتے نظر تو پڑی تھی لیکن ان کے درمیان بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں رتی اسے نظر نہیں آئی تھی اس نے عالیہ سے سنا تھا وہ کسی لڑکی کو بتا رہی تھی کہ رتی لاہور گئی ہوئی ہے۔
''رواحہ۔'' عظام نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
''نہیں یوں ہی بس نیند نہیں آ رہی......تم نہیں سوئے ابھی تک؟''
''مجھے بھی نیند نہیں آ رہی۔'' عظام اٹھ کر بیٹھ گیا اور سائڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آن کیا۔
''سوری عظمی، میری وجہ سے تمہاری نیند خراب ہوئی۔''
''کیسی بات کر رہے ہو تم......یوں بھی صبح ہونے والی ہے۔ اب نیند نہیں آئے گی اور تم اتنے اجنبی سے کیوں لگ رہے ہو۔ چار دن سے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت چپ، چپ اور خاموش ہو گئے ہو، کیا مجھے نہیں بتاؤ گے؟''
''کوئی بتانے والی بات ہو تو بتاؤں عظمی، سب کچھ تو تمہارے سامنے ہے۔ میں ظفری کی دھمکی سے پریشان نہیں ہوں نہ خوف زدہ ہوں بس یوں ہی دل اداس ہے۔ پتا نہیں کیوں خود بھی نہیں جانتا۔''
''میں بتاؤں رواحہ، تم رتی کے لیے اداس ہو۔ تم اس سے محبت کرتے ہو اور......''
''رتی مجھ سے محبت نہیں کرتی۔'' رواحہ نے اس کی بات مکمل کی اور لمحہ بھر کے لیے عظام کی طرف دیکھتا رہا۔ ایک دلگرفتگی سی اندر ہی اندر اسے کاٹنے لگی۔ ''یہ محبت بڑی عجیب شے ہوتی ہے عظمی، سمجھ سے بالاتر، کیسے......کس طرح دل ایک اجنبی کے لیے تڑپنے لگتا ہے اور اس کی محبت کیسے دل میں اتر جاتی ہے، قبضہ کر لیتی ہے......میں خود نہیں جانتا کہ میں اسے کتنا چاہنے لگا ہوں لیکن نارسائی کا احساس ہر لمحہ مجھے ڈبو چتا رہتا ہے۔''
''محبت کبھی اپنی گہرائی سے آشنا نہیں ہوتی......روی میں جانتا ہوں سمجھ سکتا ہوں کہ تم اس سے کتنی شدید محبت

کرنے لگے ہو...... کیا تم رتی کا خیال دل سے نکال نہیں سکتے ؟'' عظام نے افسردگی سے کہا۔
''کیا یہ ممکن ہے عظام؟'' یہ کہتے ہوئے اس کی سوالیہ نظریں عظام کی طرف اٹھیں۔ان نظروں میں کیا تھا، دکھ،اذیت،نارسائی کا کرب۔عظام کو لگا یہ نارسائی کرب اور اذیت اس کے اندر تک اتر گئی ہو''
''محبت اگر ایک بار دل میں گھر کر جائے تو کیا اسے دل سے نکالنا آسان ہوتا ہے؟'' اس نے خود سے پوچھا...... ''شاید نہیں......'' آنکھوں کے سامنے بھی بجل کا نازک سا سراپا آ گیا......اس نے صرف دوبار اسے دیکھا تھا......دل نے اسے صرف پسندیدگی کی سند عطا کی تھی یا وہ پہلی نظر کی محبت میں گرفتار ہوا تھا لیکن وہ اسے بھلا نہیں پایا تھا۔
وہ جس سے دوبارہ ملنے کی امید بھی نہیں......اور رواحہ...... وہ کیسے رتی کا خیال دل سے نکال سکتا ہے۔اس نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔
''نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔'' عظام نے جواب دیا۔
رواحہ نے نظریں جھکا لیں۔
''میں بہت دنوں سے خود کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن اس کا خیال دل سے جاتا نہیں۔ جتنا میں اس کا خیال دل سے نکالنے کی کوشش کرتا ہوں اتنی ہی شدت سے اس کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔'' رواحہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔
''روی یار تم ایک بار اس سے اپنی محبت کا اظہار تو کرو، پہلے بھی کہا تھا تمہیں شاید......''
''نہیں عظمی۔'' رواحہ نے اس کی بات کاٹی۔ ''محبت میں رد ہونے کا احساس بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔اگر اس نے میری محبت کو رد کر دیا تو...... میں تو اپنی نظروں میں گر جاؤں گا۔''
''محبت میں تو سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔تم ایک بار اس سے اپنے جذبوں کا اظہار تو کرو۔'' عظام نے پھر کہا۔
''کیا بات کروں......چھوڑو یار، پتا نہیں لوگ کیسے بڑے، بڑے ڈائیلاگ بول لیتے ہیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔''کتنا آکورڈ لگتا ہے ناں کہ میں اس سے جا کر کہوں رتی مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا پتا نہیں لوگ کیسے محبت کر لیتے ہیں۔''
''اس کا ایک آسان سا حل ہے۔'' عظام نے مشورہ دیا۔''بابا سے کہو وہ سیدھے رتی کے گھر جا کر تمہارے لیے اس کا رشتہ مانگ لیں اور پھر شادی کے بعد کرتے رہنا محبتوں کا اظہار۔''
''اور جیسے اس کے والدین میرا رشتہ قبول کر ہی لیں گے ناں۔'' اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔
''کیوں،تم میں کیا کمی ہے؟'' عظام نے اسے گھورا۔
''وہ ایک بزنس مین کی بیٹی ہے اور میں ظفری جتنا دولت مند نہیں ہوں۔''
''ضروری تو نہیں کہ ہر شخص کے نزدیک معیار کا پیمانہ دولت ہو۔'' عظام نے کہا۔
''ہو بھی سکتی ہے۔'' اس کا لہجہ اندرونی کرب سے چیخ گیا تھا۔''خیر...... میں نے تمہاری بھی نیند خراب کر دی سو جاؤ اب۔''
''اب کیا سونا، اذان ہونے والی ہے نماز پڑھ کر تھوڑی دیر لیٹ جائیں گے۔'' عظام اٹھ کر واش روم چلا گیا تو وہ ایک بار پھر اپنے خواب کے متعلق سوچنے لگا۔

''یہ خواب کیوں آتا ہے مجھے...... بار، بار وقفے، وقفے سے، کیا اس خواب کا میری زندگی سے کوئی تعلق ہے؟'' آج وہ پہلی بار سوچ رہا تھا اور پھر ناشتے کی میز پر ناشتا کرتے ہوئے اس نے بابا سے پوچھ بھی لیا۔

''بابا کیا میرے بچپن میں میرے ساتھ کوئی حادثہ ہوا تھا؟''

''کیسا حادثہ؟'' انہوں نے آملیٹ اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

''مثلاً کسی نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی ہو یا اغوا کرلیا ہو؟''

''نہیں۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر سلائس پر بٹر لگاتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اب وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''اس خواب کی وجہ سے جو پہلے بھی کبھی، کبھی آتا تھا آج رات پھر میں نے وہی خواب دیکھا۔'' رواحہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''ہوسکتا ہے تم نے بچپن میں کوئی کہانی پڑھی ہو کسی سے سنا ہو ایسا کوئی واقعہ جو تمہارے لاشعور میں بیٹھ گیا ہو۔'' ان کا انداز سمجھانے والا تھا۔ ''تم اس خواب کو خود پر طاری مت کیا کرو...... بیٹا پہلے بھی تمہیں سمجھایا تھا انسانی ذہن بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ تمہارے بھی ذہن کے کسی گوشے میں یہ خواب اٹک کر رہ گیا ہے اور اب repeat ہوتا رہتا ہے۔''

عظام خواب کے متعلق تفصیلات نہیں جانتا تھا اس لیے وہ سر جھکائے ناشتا کررہا تھا لیکن رواحہ کی اگلی بات پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''بابا کیا آپ کسی مٹھا سائیں کو جانتے ہیں؟''

''مٹھا سائیں!'' انہوں نے دُہرایا۔ ''یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔'' ان کے چہرے سے مکمل اجنبیت جھلکتی تھی۔ ''کون ہے یہ شخص اور تم کیسے جانتے ہو؟''

''میں نہیں جانتا بابا، ظفری کے چاچا ہیں وہ ایم پی اے ہیں سکندر سومرو نام ہے لیکن مٹھا سائیں کے نام سے مشہور ہیں۔''

''لیکن مجھے تو کبھی سیاست یا سیاست دانوں سے دلچسپی نہیں رہی۔'' ان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اس روز ظفری نے اپنے چاچا کے متعلق بتایا تو مجھے یہ نام جانا پہچانا سا لگا جیسے میں نے یہ نام پہلے بھی کہیں سنا ہو۔ میں نے سوچا شاید میرے بچپن میں آپ کے اس نام کے کوئی دوست ہوں۔''

''نہیں یار۔'' ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''اس نام کا میرا کوئی دوست نہ تھا نہ ہے۔''

رواحہ سر ہلا کر ناشتا کرنے لگا وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے اس نے برائے نام ناشتا کیا تھا۔ اس نے آدھے سے بھی کم سلائس کھا کر پلیٹ آگے کردی تھی اور اب چائے کے لیے خدا بخش کو آواز دے رہا تھا۔ اس کی ہر دم مسکراتی آنکھوں سے اداسی جھلک رہی تھی۔ ان کے دل کو یک دم کچھ ہوا تھا۔

کیا وہ ماضی کی یادوں میں کچھ اس طرح کھو گئے تھے کہ انہوں نے رواحہ کی طرف دھیان دینا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اپنے آپ میں گم وہ اس کی طرف سے کتنے بے خبر سے ہوگئے کتنے ہی دن ہوگئے تھے انہوں نے اس کی ہنسی نہیں سنی تھی نہ اس نے خدا بخش سے چھیڑ چھاڑ کی تھی نہ ان سے کوئی شرارت۔

''رواحہ میری جان کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکے اور بے تابی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں بابا، مجھے بھلا کیا ہونا ہے؟'' اس نے خدا بخش کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا۔

''نہیں کچھ تو ہے رواحہ میری زندگی ..جو تمہاری آنکھیں اتنی بجھی، بجھی لگ رہی ہیں، کیا اپنے بابا سے بھی چھپاؤ گے؟''

''ارے نہیں بابا، آپ سے کیا چھپاؤں گا۔ رات خواب دیکھ کر جاگ اٹھا پھر نیند نہیں آئی۔ عظمی سے پوچھ لیں پھر صبح تک ہم دونوں باتیں کرتے رہے۔'' انہوں نے عظمی کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا تم اس خواب کی وجہ سے پریشان ہو؟'' وہ پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''نہیں بابا بس یونہی خیال آ گیا تھا کہ میں نے اتنی بار اس خواب کو دیکھا ہے تو شاید اس کا تعلق میرے بچپن کے کسی حادثے سے ہو۔'' اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا اور سوچنے لگا۔ ''ہو سکتا ہے جب میں ماما کے ساتھ نانا کے گھر پر تھا تو شاید وہاں کچھ ایسا ہوا ہو۔''

''اس اداسی کا سبب وہ لڑکی بھی تو ہو سکتی ہے جو رواحہ کو اچھی لگی تھی۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں سے جھلکتی اداسی کو اپنے دل پر پھیلتے محسوس کیا اور دل ہی دل میں دعا کی۔ ''ربا میرے اس بچے کو محبت کے آزار سے بچانا۔ محبت کی طلب فطری سہی لیکن محبت میں نامرادی کی اذیت سہنا آسان نہیں ہوتا اور......'' انہوں نے اس کے چہرے پر بکھرے سوز سے اخذ کیا کہ وہ ضرور محبت کے دکھ سے گزر رہا ہے۔

''یا اللہ اگر محبت اس کے نصیب میں نہیں ہے تو اس کے دل سے اس محبت کو کھرچ دے، مٹا دے، میرا اتنا نازک بیٹا کیسے سہہ پائے گا اس دکھ کو جو محبت کی دین ہے۔'' وہ جانتے تھے اسے سہنا اتنا آسان نہیں ہے، اس ہستی کے بچھڑ جانے کا احساس جسے آپ دل و جان سے چاہتے ہوں کس قدر جان لیوا ہوتا ہے۔ یہ کوئی ان کے دل سے پوچھتا۔ ان سے بہتر کون جان سکتا تھا کہ محبت نہ ملنے کی اذیت کیا ہوتی ہے۔ وہ وہیں بیٹھے، بیٹھے ماضی میں کھو گئے تھے۔

وہ رات ان کے لیے قیامت بن کر آئی تھی اور اس رات وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپے تھے اور بابا جان کی گود میں سر رکھ کر بلک، بلک کر روئے تھے۔ وہ رات کتنی طویل تھی انہیں لگتا تھا کبھی ختم نہیں ہو گی۔ چندا کے ڈیڈی نے معذرت کر لی تھی انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ بے یقینی سے بابا جان کی طرف دیکھتے رہے تھے، یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ چندا نے خود کہا تھا انہیں کہ اس نے اپنے ڈیڈی سے بات کر لی ہے اور وہ اپنے بابا جان کو بھیج دے پھر ایسا کیا ہو گیا تھا اور پھر......

''ہمارے اور ان کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے اور اس کے ڈیڈی کے خیال میں چندا ابھی اپنا برا بھلا نہیں سمجھ سکتی۔ وہ عمر کے اس حصے میں ہے جب صرف جذبات مدِ نظر ہوتے ہیں لیکن بڑوں کو سب پہلو دیکھنا ہوتے ہیں۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔'' بابا جان ہولے، ہولے دھیمے لہجے میں بتا رہے تھے اور وہ ساکت کھڑے تھے۔

''انہوں نے کہا چندا میری اکلوتی بیٹی ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ آپ کے بیٹے کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔'' وہ تھکے، تھکے اور نڈھال سے بیٹھ گئے تھے۔

''وہ میرے ساتھ خوش رہ سکتی ہے بابا جان۔'' وہ ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے بابا جان کے ہاتھ تھام لیے۔ ''اس نے خود مجھ سے کہا ہے کہ وہ میرے ساتھ کسی جھونپڑی میں بھی خوش رہ سکتی ہے، اس نے کہا اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم کرایے کے گھر میں رہتے ہیں۔'' بہت سارے آنسو ان کی آنکھوں میں مچلے تھے۔

''لیکن اس کے ڈیڈی کو فرق پڑتا ہے بیٹا، انہوں نے تمہاری ہر خوبی کا اعتراف کیا لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی بیٹی تمہارے ساتھ گزارہ نہیں کر سکے گی، وہ جن آسائشوں کی عادی ہے تم اسے وہ مہیا نہیں کر سکتے۔'' بابا جان بے حد

دکھی ہو رہے تھے۔

''میں اس لیے ڈرتا تھا ہمارا ان کا کوئی میل نہیں ہے صحیح تو کہا انہوں نے کہ بچے جذباتی ہوتے ہیں لیکن بڑوں کو تو ہر پہلو جانچنا ہوتا ہے۔''

بابا جان ان کے ہاتھوں کو مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں دبائے نرمی سے کہہ رہے تھے لیکن اب وہ بابا جان کی بات نہیں سن رہے تھے ان کے اندر ٹوٹ پھوٹ مچی تھی۔ ابھی شام کو جب بابا جان جا رہے تھے تو وہ کتنے پُرامید تھے۔ پھپھو نہیں آسکی تھیں تو بابا جان اکیلے ہی چلے گئے تھے انہوں نے چندا کو فون کر کے بتا دیا تھا۔

''چندا! بابا جان آ رہے ہیں۔ میرا دل بہت ڈر رہا ہے تمہارے ڈیڈی کہیں انکار ہی نہ کر دیں۔'' اور چندا ہنس دی تھی۔

''پاگل اگر ڈیڈی کو انکار ہی کرنا ہوتا تو وہ تمہارے بابا جان کو کیوں بلاتے، مجھے پورا یقین ہے ڈیڈی انکار نہیں کریں گے۔''

اور چندا کا یقین کیسے ریزہ، ریزہ ہوا تھا۔ انہوں نے کتنا سمجھایا تھا چندا کو کہ کچھ انتظار کر لے وہ کسی قابل ہو جائیں اپنا گھر بنا لیں لیکن کیا خبر وہ تب بھی چندا کے ڈیڈی کو قابل قبول نہ ہوتے۔

''بابا جان!'' انہوں نے آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔ ''وہ لوگ جو ہمارے مقدر کی لکیروں میں نہیں ہوتے دل ان سے کیوں مل جاتے ہیں؟''

''جانِ پدر۔'' بابا جان نے انہیں گلے لگایا تھا تسلی دی تھی۔ غم سہنے کے قرینے اور آداب بتائے تھے لیکن ان کا دل تو جیسے زخمی پرندے کی طرح پھڑکتا تھا۔ یہ محبت اتنی ظالم اتنی جان لیوا کیوں ہوتی ہے۔ وہ ساری رات سوچتے رہے تھے کہ کیا وہ جی پائیں گے اور اگر جی لیے تو کیسی زندگی ہوگی وہ جس میں چندا ان کی ہم سفر نہیں ہوگی۔ اماوس کی راتوں کی سی زندگی ان کا مقدر ہوئی انہوں نے دل کو بہلانے کے سو حیلے بہانے سوچے تھے لیکن دل تو بہلتا ہی نہیں تھا۔ وہ بار بار بابا جان کی طرف دیکھتے تھے۔

''بابا جان ایسا کیوں ہوا، کیوں میرے دل نے اسے چاہا کیوں اسے پانے کی تمنا کی؟'' اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں۔

وہ ساری رات مضطرب اور بے چین رہے تھے اور ساری رات بابا جان ان کا ہاتھ تھامے بیٹھے رہے تھے۔ اپنے نرم، نرم لفظوں سے ان کے زخموں پر مرہم رکھتے تھے لیکن جانتے تھے کہ زخم بھرنے میں وقت لگے گا۔ ابھی تو زخم تازہ تھا اور خون رستا تھا اگلے کئی دن تک وہ یونیورسٹی نہیں جا سکے تھے۔ بابا جان نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ انہیں لگتا تھا وہ چندا کو دیکھیں گے تو اپنا اختیار کھو بیٹھیں گے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بے اختیاری چندا کو اور انہیں رسوا کر دے سو وہ سارا دن اپنے کمرے میں چپ لیٹے رہتے تھے گو بظاہر آنکھیں خشک ہو گئی تھیں لیکن آنسو اندر گرتے تھے۔ پہلے تین دن تو شدید بخار میں اپنے حواس سے بیگانہ، جانے بابا جان سے کیا، کیا کہتے رہے تھے لیکن اب ہونٹ سی لیے تھے۔ تین دن بابا جان اپنے کالج سے چھٹی کیے ان کی چارپائی سے لگے بیٹھے رہے تھے۔ تین دن بعد انہوں نے کالج جانا شروع کیا تھا لیکن کالج سے آ کر ان کے پاس بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے۔ ان دنوں جیسے وہ پڑھنا بھی بھولے ہوئے تھے جس کے بغیر انہیں چین نہیں آتا تھا۔ ان چند دنوں میں بابا جان نے ان سے ڈھیروں باتیں کی تھیں لیکن انہوں نے تو چپ سادھ لی تھی بس خالی، خالی آنکھوں سے انہیں دیکھتے رہتے تھے لیکن اس روز بابا جان نے اپنا بازو ان کے گرد حمائل کر کے اور ان کا سر سینے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''جانِ بابا...... ایسا کب تک چلے گا حوصلہ کرو۔ ہمت کرو میری جان اپنے آپ کو سنبھالو اور یونیورسٹی جانا شروع کردو، تمہارا آخری سال ہے۔''

''کیسے...... کیسے بابا جان؟ کیسے سامنا کروں گا چندا کا۔ کیسے دیکھ پاؤں گا اسے اس احساس کے ساتھ کہ وہ میرے مقدر کا ستارہ نہیں ہے اسے کہیں اور کسی اور شبستان میں دمکنا ہے۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔''

''اور اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ میرے لیے خود کو سنبھال لو میری جان۔ اپنے اس بوڑھے بابا کا خیال کرو جس کا تم واحد سرمایہ ہو۔''

''بابا جان کیا کروں آپ ہی بتائیں؟'' انہوں نے بے بسی سے بابا جان کی طرف دیکھا۔

''یہ زندگی ہے میری جان، یہ جتنی ظالم ہے اتنی ہی مہربان بھی...... کبھی بہت ظالم کبھی بہت مہربان اگر آج یہ غم نہ سہار پائے تو کل پھر کوئی بڑا غم کیسے سہار پاؤ گے۔ کیسے جی پاؤ گے۔ کل کو میں نہ رہا تو میرا غم کیسے سہو گے؟''

''بابا جان!'' آنسو بہت دنوں بعد خشک آنکھوں کو نم کر گئے تھے۔

''جانِ جگر، چندا اس دنیا میں ہے۔ سانس لیتی ہے سوچو اگر اس کی سانسیں تھم جائیں، وہ اس دنیا سے چلی جائے تو......؟''

''بابا جان!'' انہوں نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''دونوں غموں میں سے کون سا غم انتخاب کرو گے اگر کرنا پڑا تو؟''

''وہ جیتی رہے، زندہ رہے، ہنستی مسکراتی رہے۔'' بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

''یہ محبت ہے، خالص اور سچی محبت...... ایسی محبت ہمیشہ بے غرض ہوتی ہے۔ حاصل، حصول کے چکر میں نہیں پڑتی۔ حاصل نہ بھی ہو تو محبت ختم نہیں ہوتی۔''

اور اس روز بابا جان نے اور بھی بہت سی باتیں کی تھیں۔ دل سے درد کی ٹیسیں تو ایسے ہی اٹھ رہی تھیں۔ دکھ ایسے ہی کسی نیزے کی انی کی طرح دل میں چبھا تھا اور تکلیف دیتا تھا لیکن انہوں نے بابا جان کی خاطر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

اس روز اتنے دنوں بعد وہ اپنے کمرے سے نکلے تھے۔ خدا بخش کا حال چال پوچھا تھا اور فریش ہو کر بابا جان کے کمرے میں آئے تھے۔

''سوری بابا جان میری وجہ سے آپ ڈسٹرب ہوئے۔''

''تمہاری وجہ سے نہیں، اس دکھ کی وجہ سے جو تمہیں جھیلنا پڑا۔ میں نے تمہارے لیے ہمیشہ لازوال خوشیوں کی دعائیں کی ہیں اور راحتوں کی طلب کی ہے۔ تمہارا ہر آنسو میرے دل پر گرتا رہا ہے لیکن میں سوائے اللہ سے دعا کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔ اللہ تمہیں اس غم سے نکلنے اور سنبھلنے کا حوصلہ دے۔'' کچھ دیر پہلے انہیں سمجھانے والے بابا جان اب بہت دلگرفتہ ہورہے تھے۔

''بابا جان پلیز بھول جائیں سب...... میں اب ٹھیک ہوں۔ کل سے یونیورسٹی جاؤں گا۔'' بابا جان کی حالت دیکھ کر انہیں احساس ہورہا تھا ان بیتے دنوں میں بابا جان نہ ٹھیک سے سوئے تھے نہ ٹھیک سے کھانا کھایا تھا۔ وہ مسکرائے۔

''مجھے یقین تھا میرا بیٹا بہت بہادر ہے۔'' تب ہی فون کی بیل ہوئی تھی اور بج بج کر بند ہوگئی تھی۔ نہ انہوں نے اور نہ ہی بابا جان نے فون اٹینڈ کیا تھا لیکن کچھ دیر بعد بیل پھر ہونے لگی تھی۔ تب بابا جان نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا تھا۔

''جی میں ہی ہوں، فرمائیں آپ کون......؟''
انہوں نے مڑ کر بابا جان کو بات کرتے دیکھا تھا اور پھر بیڈ پر پڑی کتاب اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگے تھے۔ بابا جان کس سے اور کیا بات کر رہے تھے انہوں نے دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ تو سوچ رہے تھے...... کیا وہ چندا کو بھول پائیں گے کیا ایسا ممکن ہے.. کہ ان کے دل سے اس کی محبت ختم ہو جائے۔
تب ہی بابا جان نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا انہوں نے مڑ کر دیکھا تو انہوں نے بازو پھیلا دیے۔ ان کا چہرہ جگمگا رہا تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے حیرانی سے بابا جان کو دیکھا تھا اور پھر اٹھ کر ان کے کھلے بازوؤں میں سما گئے تھے۔
''مبارک ہو میری جان بہت مبارک ہو۔ چندا کے ڈیڈی نے تمہارا رشتہ قبول کر لیا ہے...... یہ ان کا ہی فون تھا۔''
وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگے تھے اور بابا جان ان کی پیشانی چوم کر انہیں تفصیل بتانے لگے تھے اور ان کا دل جیسے دھڑک، دھڑک کر باہر آنے کو بے تاب ہوا تھا۔
''آپ کی چائے تو کب کی ٹھنڈی ہو گئی صاحب۔'' خدا بخش ناشتے کے برتن سمیٹنے آیا تو انہیں خاموش سوچوں میں گم دیکھ کر کہا تو وہ چونکے گویا ماضی سے واپس حال میں آ گئے تھے۔ سامنے کی کرسیاں خالی تھیں۔ انہیں پتا ہی نہیں چلا تھا کب رواحہ اور عظام اٹھ کر چلے بھی گئے۔ انہوں نے سامنے پڑا چائے کا ٹھنڈا کپ اٹھایا۔
''لو اب ٹھنڈی چائے پینے مت بیٹھ جایئے گا۔ میں تازہ بنا لاتا ہوں۔ اب ٹھنڈی چائے بھی کوئی چائے ہوتی ہے بھلا۔ چائے پی لو یا شربت ایک ہی بات ہے۔'' خدا بخش بڑبڑاتے ہوئے ناشتے کے برتن اکٹھے کر رہا تھا۔
''سارا کچھ ایسے کا ایسا ہی پڑا ہے نہ آملیٹ کھایا نہ فرائی ایگ کو ہاتھ لگایا۔ نہیں کھانا تھا تو بتا دیتے۔ خدا بخش بس پکا، پکا کر رکھتا رہے کھائے کوئی نہ۔''
''خدا بخش کیا ہو گیا ہے؟ اتنے ناراض کیوں ہو رہے ہو؟'' ماضی کی خوشگوار جھلک نے ان کے لہجے کو بھی شگفتہ کر دیا تھا۔
''کیا ہونا ہے صاحب، کتنے دن ہو گئے ہیں سب ہی بس چکھنے کو ٹیبل پر بیٹھتے ہیں۔ جو پکتا ہے سب کا سب ماسی مختاراں کے گھر جا رہا ہے جیسے خدا بخش تو بس اب ماسی مختاراں کے لیے ہی پکاتا ہے...... کل بھی ڈونگا بھر کے چکن کڑاہی اور پورا دیگچا چاولوں کا لے کر گئی ہے۔''
''تو کیا ہوا خدا بخش، اس کے بچے کھا لیں گے۔'' وہ مسکرائے تھے۔
''پر کوئی خدا بخش کو بھی بتائے کہ سب کی بھوک اچانک کیوں مر گئی؟'' اس نے ناراضی سے ان کی طرف دیکھا اور ٹرے میں سب سامان رکھ کر ٹرے اٹھانے لگا۔ ''لیکن خدا بخش غیر جو ہوا کون سا اپنا ہے جو کوئی بتائے۔''
اس کی عادت تھی کہ جب کسی بات پر ناراض ہوتا تو اسی انداز میں اپنا نام لے کر بات کرتا۔ اگرچہ وہ بہت کم ہی ناراض ہوتا تھا اور اس کی ناراضی زیادہ دیر تک باقی بھی نہیں رہتی تھی۔
''ارے نہیں خدا بخش، تم یوں ہی دل برا کر رہے ہو بچے ہی کہیں کھا پی کر آ جاتے ہوں گے۔''
''نہ خدا بخش کی آنکھیں نہیں ہیں کیا؟ رواحہ صاحب ہیں تو ان کا چہرہ یہ لٹکا ہوا اداس ہیرو بنے پھرتے ہیں اور آپ...... آپ ہیں تو گم صم آپ تو خیر...... لیکن یہ اپنے رواحہ صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟''
''خدا بخش ادھر بیٹھو۔'' وہ یک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔ خدا بخش کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں اب بتاؤ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ رواحہ کچھ پریشان ہے؟''
''کیا آپ کو نہیں لگتا صاحب کہ وہ کچھ کھوئے، کھوئے سے لگتے ہیں؟'' اس نے الٹا سوال کر دیا۔ ''ضرور کوئی بات ہے آپ پوچھیں تو۔''
''کیا بات ہوسکتی ہے بھلا خدا بخش؟'' وہ پُرخیال انداز میں خدا بخش کو دیکھ رہے تھے۔
''اس عمر میں کیا بات ہوسکتی ہے صاحب۔'' خدا بخش معنی خیزی سے مسکرایا گویا اس کی ناراضی دور ہوگئی تھی۔
''کہیں دل ول تو نہیں لگا بیٹھے صاحب زادے؟'' اس نے ٹرے اٹھائی اور معنی خیز انداز میں ان کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرادیے۔
''پہلے خوب اچھی سی گرما گرم چائے پلواؤ پھر سوچتے ہیں اس مسئلے پر کچھ۔''
''ابھی لایا صاحب۔'' خدا بخش ٹرے لے کر چلا گیا تو وہ اٹھ کر لاؤنج میں آگئے اور فائل اٹھائے لاؤنج میں آتے عظام کو دیکھا اور سوچا وہ عظام سے بات کریں گے اور پوچھیں گے کہ وہ لڑکی کون ہے جو رواحہ کو اچھی لگی ہے اور جس نے ان کے اتنے پیارے بیٹے کی آنکھوں میں اداسیاں بھر دی ہیں۔
''کیا رواحہ نہیں جا رہا یونیورسٹی؟'' رواحہ کو عظام کے ساتھ نہ آتے دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔
''نہیں بس آرہا ہے۔'' عظام ٹیبل سے اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا۔ تب ہی رواحہ بھی آگیا۔ اپنی کتابیں اور فائل اٹھائے تازہ شیو کے ساتھ کافی فریش لگ رہا تھا انہیں آرام سے بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔
''آپ آج بھی کالج نہیں جائیں گے بابا؟''
''نہیں، آج تو جانا ہے بس کچھ دیر تک نکلوں گا فی الحال تو چائے کا انتظار کر رہا ہوں۔''
''آپ کب تک واپس آئیں گے؟''
''معمول کے مطابق اڑھائی تین بجے تک یا کچھ پہلے۔'' انہوں نے بغور اسے دیکھا۔
''ٹھیک ہے مجھے آپ کے ساتھ کچھ شاپنگ کرنی ہے۔'' اس نے عظام کی طرف دیکھا جو اخبار دیکھ رہا تھا اور ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کے لبوں پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں کسی خیال سے جگمگا رہی تھیں۔
''کوئی خاص شاپنگ ہے کیا؟'' انہوں نے پوچھا۔
''ہوں۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ تب ہی خدا بخش چائے لے کر آگیا۔ انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا اور پھر رواحہ کی طرف۔
''یہ خدا بخش کو تم سے کچھ شکایت ہے رواحہ۔''
''کیا مجھ سے؟'' رواحہ حیران ہوا۔ عظام بھی اخبار ٹیبل پر رکھ کر اب اِدھر ہی دیکھ رہا تھا۔
''یہ کہہ رہا تھا کہ اب تمہیں اس کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ یہ جو کچھ پکاتا ہے ویسے کا ویسے ہی پڑا رہتا ہے، تم لوگ کھاتے ہی نہیں ہو۔ شاید اب اس کے ہاتھ کا کھانا تمہیں پسند نہیں رہا۔''
''اوہ۔'' رواحہ نے اطمینان بھری سانس لی اور خدا بخش کا بازو تھپتھپایا۔
''خدا بخش چاچا آپ کی ضرورت تو ہمیشہ رہے گی۔ میری تو بیوی بھی آگئی تب بھی آپ سے ہی کھانا پکواؤں گا۔'' رواحہ ہنس رہا تھا۔
''بھلے وہ منہ پھلالے...... کہ'' اس نے آواز باریک کر کے ذرا نخرے سے کہا۔ ''آپ کو میرے ہاتھ کا کھانا کیوں پسند نہیں آتا۔''

''لیکن ہم بھی کہہ دیں گے کہ نہیں آتا۔ ہمارے چاچا خدا بخش جیسا کھانا بھلا کون پکا سکتا ہے۔'' رواحہ خدا بخش سے ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ ہنس رہا تھا ان کا دل جیسے مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆

ثمر حیات ڈی ون میں اپنے لیے مخصوص کیے گئے کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ ٹہلتے، ٹہلتے وہ رائٹنگ ٹیبل کے پاس آیا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے ٹیبل پر پڑی فائل اٹھا کر کھولی اور اس میں موجود فہرست پر نظر ڈالی۔ یہ بیس نام تھے اس نے نمبر ون سے نام پڑھنے شروع کیے اور پھر ایک نام پر رک گیا۔ نبیل احمد ولد شکیل احمد اس نے نام دُہرایا اور کتنی ہی دیر تک اس نام پر قلم کی نوک رکھے ساکت بیٹھا رہا۔

اخبار میں اشتہار چھپنے کے بعد انہیں تین سو سے زیادہ درخواستیں موصول ہوئی تھیں جن میں سے بگ بانے پچاس درخواستیں منتخب کر کے انہیں انٹرویو کال بھیجی تھی اس روز کے بعد اس کی بگ با سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی سو آج صبح نو بجے پی سی کے ایک روم میں ان پچاس افراد کا انٹرویو لیا گیا تھا۔ وہ ولسن کے ساتھ ہی روم میں موجود تھا لیکن زیادہ تر سوالات ولسن ہی کر رہا تھا۔ ولسن کی اردو بہت اچھی تھی وہ بالکل اہلِ زبان کی طرح بولتا تھا۔ وہ خاموش بیٹھا ولسن کو سوالات کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا نظر آ رہا ہے... ان لڑکوں کا انتخاب کسی فلاحی مقصد کے لیے نہیں کیا جا رہا پس پردہ کچھ اور ہی کہانی ہے لیکن کس مقصد کے لیے اس کے متعلق وہ کچھ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اخبارات اور ٹی وی بہت کم دیکھتا تھا۔ اسے ملکی حالات کے متعلق بھی کچھ زیادہ معلومات نہیں تھی تاہم اسے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ کچھ غیر ملکی طاقتیں اس کے ملک کے اندر دخل اندازی کر رہی ہیں اور ملک میں سازشوں کا جال پھیلا ہوا ہے اور ملک دہشت گردی کا شکار ہو چکا ہے۔ اس نے غور کیا تھا کہ ولسن ان کی تعلیمی قابلیت کے متعلق سوالات کرنے کے بجائے ان کے خاندانی حالات جاننے کے متعلق زیادہ انٹرسٹڈ تھا اور اسی نوعیت کے سوال کر رہا تھا، وہ جن ناموں پر نشان لگا رہا تھا ان سب کے مالی حالات بہت خراب تھے اور سب اپنے خاندان کے لیے کچھ کرنے کا عزم رکھتے تھے ایک اور بات جو سب میں مشترک تھی وہ یہ تھی کہ ان کی عمریں پچیس سال سے زیادہ نہیں تھیں وہ مضبوط ہاتھ پاؤں رکھتے تھے اور سب کچھ کر گزرنے کا عزم ان کی آنکھوں سے جھلکتا تھا۔

وہ بیزار سا بیٹھا ولسن کو سوال کرتے دیکھ رہا تھا جب وہ لڑکا اندر داخل ہوا جس کی عمر سترہ، اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن قد لمبا تھا گو اس کا لباس قیمتی نہیں تھا عام سی شرٹ اور قدرے پرانی جینز کے باوجود وہ اب تک آنے والے سب لڑکوں سے مختلف لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں کچھ کر لینے کے عزم کے ساتھ بلا کی معصومیت تھی شاید اس کی کم عمری کی وجہ سے اور اس کے چہرے سے ایک بے نیازی سے بھی جھلکتی تھی یقیناً اس نے اچھا وقت بھی دیکھا ہو گا وہ جو اس سے پہلے آنے والے چہروں پر غربت کی ایک چھاپ سی لگی تھی وہ اس کے چہرے پر نہیں تھی۔

''تمہارا نام؟'' ولسن پوچھ رہا تھا۔

''نبیل احمد۔''

''تم نے ابھی انٹر بھی نہیں کیا جبکہ تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا ہے۔'' ولسن اس کی سی وی اور دوسرے کاغذات دیکھ رہا تھا۔

''جاب کیوں کرنا چاہتے ہو؟''

''والد کی بیماری کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی۔ میں اپنے پانچ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا ہوں۔''

''ایک تو تم پاکستانیوں کو آبادی بڑھانے کا بہت شوق ہے۔'' ولسن اس کی طرف دیکھ کر ہنسا تو اس نے بہ مشکل اپنی ناگواری کو چھپایا تھا۔ لومڑی کی سی مکار آنکھوں والا یہ شخص پہلی نظر میں ہی اسے برا لگا تھا۔

''تم نے لاہور سے میٹرک کیا ہے؟'' ولسن پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''یہاں کراچی میں کب سے ہو اور کیسے آئے ہو؟'' لاہور کا نام سن کر آج بھی اس کا دل دھڑک اٹھتا تھا۔ لاہور جہاں وہ پیدا ہوا تھا پلا بڑھا تھا جہاں اس کا گھر تھا۔ اب وہ دلچسپی سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔

''دو تین ماہ پہلے نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ یہاں ایک جاننے والے کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔ وہی دراصل مجھے لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا یہاں بہتر جاب مل جائے گی۔''

''کیوں، لاہور میں جابز نہیں تھیں؟'' ولسن بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''دو تین جگہ جاب کی تھی لیکن کچھ مسائل تھے، میں زیادہ کما نہیں پاتا تھا تو ابو کے یہ جاننے والے مل گئے انہوں نے کہا ان کے ساتھ چلوں یہاں زیادہ کما لوں گا پھر اس اشتہار پر نظر پڑی تو یوں ہی آزمانے کے لیے درخواست دے دی حالانکہ جانتا ہوں کہ میں اس جاب کے لیے مناسب نہیں ہوں......سوری سر۔'' وہ افسردہ نظر آنے لگا تھا۔

''تم یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہو کہ تم اس جاب کے لیے موزوں ہو یا نہیں؟'' ولسن مسکرایا تھا۔

''سب امیدوار ہر لحاظ سے مجھ سے زیادہ قابل ہیں۔''

''آج کل کیا کام کر رہے ہو؟''

''مزدوری۔'' جواب دیتے ہوئے اس کی آنکھوں سے کرب جھلکنے لگا۔ اسے اپنے تاثرات چھپانے میں مہارت نہ تھی، ہر تاثر اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے سے جھلکتا تھا وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھے تھوڑا سا جھکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا وہ اس کے شہر سے آیا تھا اور اس سے اس کی شدید خواہش تھی کہ اسے یہ جاب مل جائے تاکہ وہ اپنی فیملی کو سپورٹ کر سکے۔ ولسن ایک بار پھر اس کے کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''تمہارے شناختی کارڈ کی کاپی نہیں ہے۔''

''میرا شناختی کارڈ ابھی نہیں بنا، میری عمر اٹھارہ سال سے کچھ کم ہے۔''

''آج کل اس ملک میں تخریب کاری بہت ہو رہی ہے اور تمہارے پاس شناختی کارڈ بھی نہیں ہے۔'' ولسن نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے سے مایوسی جھلکنے لگی۔

''سر صرف دو تین ماہ کی بات ہے، میں اٹھارہ سال کا ہو جاؤں گا تو کارڈ بن جائے گا۔''

''کیا تمہارے پاس اپنے فادر کے شناختی کارڈ کی کاپی ہے؟''

''جی......جی ہے۔'' اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔ اس نے اپنی فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ولسن نے کاغذات اِدھر اُدھر کیے۔ میٹرک کی سند، فرسٹ ایئر کی مارکس شیٹ کے علاوہ اس کی غیر نصابی، ہم نصابی سرگرمیوں کے کافی سارے سرٹیفکیٹ کی کاپیاں تھیں۔ ولسن نے شناختی کارڈ کی کاپی نکالی، سرسری سی نظر ڈال کر کاپی رکھ دی تو بالکل غیر ارادی طور پر ثمر حیات نے شناختی کارڈ کی وہ کاپی اٹھالی۔

شکیل احمد ولد منظور احمد۔ پتا مکان نمبر 204، گلی نمبر 3، اسلامیہ پارک، لاہور۔

وہ چونکا تھا اس نے دوبارہ پتا پڑھا پھر تیسری بار پڑھا شکیل احمد کی تصویر کو بغور دیکھا اور پھر پتا پڑھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر آ گیا تھا۔ وہ اسلامیہ پارک کی گلی نمبر 3 کے مکان نمبر 204 کے دروازے پر کھڑا تھا اور چھوٹے ماموں منظور احمد اسے دھکے دے رہے تھے اس کے کانوں میں ان کی آوازیں گونجنے لگیں اور دل سے درد کی

لہریں سی اٹھنے لگیں۔ شکیل احمد کی تصویر پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اس نے شناختی کارڈ کی کاپی فائل میں رکھ دی۔
بھلا جس بچے کو اس نے سات آٹھ سال کی عمر میں دیکھا تھا اسے اب اتنے سالوں پر کیسے پہچان سکتا تھا۔ آخری بار جب وہ ماموں کے گھر گیا تھا تو شکیل کی عمر سات آٹھ سال ہی ہوگی، وہ چاروں بہنوں سے چھوٹا تھا۔ اس نے نبیل احمد میں شکیل احمد کی شباہت تلاش کرنے کی کوشش کی اور مایوس ہو کر ولسن کی طرف دیکھنے لگا تھا جو نبیل احمد سے پوچھ رہا تھا۔
''تمہارے والد کیا کام کرتے ہیں؟''
''اب تو کچھ نہیں کرتے......دراصل وہ پچھلے کئی سالوں سے بیمار ہیں۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا اور ایک بار پھر نبیل کو دیکھنے لگا تھا جو سر جھکائے بتا رہا تھا۔
''میرے دادا کا بہت اچھا کاروبار تھا، اچھرے اور رنگ محل میں کپڑے کی دو بڑی دکانیں تھیں ایک پر ابو اور دوسرے پر دادا بیٹھتے تھے۔ پہلے ایک دکان ابو کی بیماری کی وجہ سے بک گئی اور دوسری کو آگ لگ گئی سارا کاروبار تباہ ہو گیا۔'' وہ خاموش ہو گیا تھا لیکن ثمر حیات کے دل میں کوئی دبا ہوا درد جاگ اٹھا تھا۔
''کیا یہ مکافاتِ عمل ہے؟'' اس نے خود سے پوچھا تھا وہ جس اذیت سے گزرا تھا اور گزرتا آیا تھا اس کے نشان اب بھی وجود پر ثبت تھے اور اس اذیت میں ان سب کا بھی ہاتھ تھا کہیں نہ کہیں۔
''اگر تم سلیکٹ ہو جاتے ہو تو تمہیں چھ ماہ کی ٹریننگ دی جائے گی۔ ٹریننگ کے دوران بھی پوری تنخواہ ملے گی۔'' ولسن اسے بتا رہا تھا اور کم و بیش اس نے ہر اس لڑکے کو جس کے نام کے آگے اس نے ٹک لگایا تھا یہی تفصیلات بتائی تھیں۔
''او کے، اب تم جا سکتے ہو۔'' ولسن نے اس کی فائل بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ اس کی نظروں نے دروازے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ اپنے سامنے موجود فہرست میں اس کے نام کے آگے ولسن نے رائٹ کا نشان لگایا اور دوسری فائل اٹھالی۔ اس کے بعد کتنے لڑکے آئے، ولسن نے ان سے کیا، کیا پوچھا ثمر حیات نے دھیان نہیں دیا تھا وہ وقت اسی ایک لمحے میں ٹھہر گیا تھا جب وہ ماموں منظور کی منتیں کر رہا تھا اور وہ اسے دھکے دے رہے تھے۔
انٹرویو ختم ہوئے تو ولسن نے فہرست اس کی طرف بڑھائی بیس لڑکوں کے ناموں کے آگے نشان لگے تھے۔
''یہ بیس لڑکے فی الحال میں نے منتخب کیے ہیں چند دن کے اندر، اندر مجھے ان کے متعلق مکمل معلومات چاہئیں۔'' اس نے ان لڑکوں کی فائلیں جو پہلے ہی الگ کر کے رکھی ہوئی تھیں اس کی طرف بڑھائی تھیں۔ ان میں ان کے سی ویز اور دوسرے مکمل کاغذات تھے۔
''معلومات کے بعد ان کو اپائنٹمنٹ لیٹر بھیجیں گے اس کے بعد کیا کرنا ہے اس کے متعلق ہم بگ باسے ڈسکس کرلیں گے۔ او کے ثمر حیات آپ کے اس تعاون کا شکریہ۔'' اس نے رخصت ہونے سے پہلے ثمر حیات سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔
''آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ انٹرویوز کے دوران بھی آپ خاصے بیزار سے لگ رہے تھے۔'' ولسن کی نظر خاصی تیز تھی۔
''آپ نے صحیح اندازہ لگایا میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں میرا سر کچھ بھاری ہو رہا ہے۔''
''God bless you with health۔'' کہتا ہوا ولسن چلا گیا تو وہ بھی فائلیں لے کر ڈی ون میں آگیا تھا اور اب فہرست سامنے رکھے بیٹھا تھا۔ اس نے قلم کی نوک اس نام سے اٹھائی اور زیر لب کہا۔
''نبیل احمد ولد شکیل احمد۔''

''شکیل احمد چار بہنوں سے چھوٹا منظور ماموں کا اکلوتا بیٹا۔'' اس نے نبیل احمد کی فائل اٹھائی جو سب سے اوپر پڑی تھی اور اسے کھول کر اس میں سے شناختی کارڈ کی کاپی اٹھائی۔

''شکیل احمد ولد منظور احمد مکان نمبر 204 ......'' وہ کوئی ساتویں بار پڑھ رہا تھا۔ شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی یہ پتا تو اسے ازبر تھا وہ کتنی ہی بار اماں کے ساتھ اس گھر گیا تھا اور یہ نام وہ کبھی بھولا نہیں تھا۔ اگر اس رات منظور احمد اسے دھکے دے کر گھر سے نہ نکالتے اور منصور احمد گلی کے غنڈوں سے اس کی پٹائی نہ کرواتے۔ اس کے گھر اور دکان پر قبضہ نہ کرتے تو آج زندگی کا رنگ کچھ اور ہوتا، وہ یہ نہ ہوتا جو آج ہے شاید وہ اپنے گھر میں فرحی کے ساتھ ایک پُرسکون زندگی گزار رہا ہوتا لیکن شاید اس کی تقدیر میں ایسے ہی لکھا گیا تھا پھر بھی اس زندگی کی طرف دھکیلنے میں ان کا کچھ نہ کچھ ہاتھ تو تھا۔ وہ کیسے اسے بھول سکتا تھا۔ وہ شناختی کارڈ کی کاپی ہاتھ میں لیے ماضی میں کھو گیا۔

وہ خانیوال آ گیا تھا اس کے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ شیر خان انہیں چھوڑنے آیا تھا۔ زیتون بانو وہ بیوہ خاتون جنہیں جلیل خان، فرحی کو رخصت کروانے کے لیے لایا تھا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ جلیل خان نے کہا تھا۔

''زیتون بانو میری دور پار کی عزیزہ ہیں۔ بیوہ اور بے اولاد ہیں۔ یوں تو میں انہیں چند دنوں کے لیے لایا تھا کہ فرحی کی رخصتی کے بعد واپس بھیج دوں گا لیکن تم دونوں اکیلے ہو سر پر کوئی بڑا نہیں ہے اور فرحی کو اکیلے گھر سنبھالنے کا تجربہ بھی نہیں ہے جب تک ضرورت محسوس کرتے ہو یہ تمہارے ساتھ رہیں گی جب تمہیں لگے کہ تمہیں ان کی ضرورت نہیں ہے تو بتا دینا، یہ اپنے گھر چلی جائیں گی۔''

جلیل خان نے زیتون بانو کے ساتھ جا کر فرحی کے لیے کچھ کپڑوں اور دوسرے سامان کی خریداری بھی کی تھی۔ خانیوال کے ایک محلے میں یہ دومنزلہ گھر بہت اچھا تھا ان کے اپنے لاہور والے گھر سے کچھ بڑا ہی تھا۔

انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ جلیل خان کے کس، کس احسان کا شکریہ ادا کریں۔ جلیل خان نے ایسے وقت میں انہیں سہارا دیا تھا جب زندگی ان پر تنگ ہوگئی تھی جب خون کے رشتوں سے اس کا اعتبار اٹھ گیا تھا جو اس کے اپنے تھے جو اسے جانتے تھے جہاں وہ پلا بڑھا تھا انہوں نے اسے ٹھکرا دیا تھا اور جلیل خان جو اُن کا کوئی نہیں تھا اس نے نہ صرف یہ کہ انہیں اپنا لیا تھا بلکہ انہیں تحفظ بھی دیا تھا ان کی بات سنی تھی اور اس پر یقین بھی کیا تھا اور اب یہ گھر اس گھر میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ شیر خان جانے سے پہلے فریج میں کھانے پینے کا سامان بھر گیا تھا مزید جس چیز کی ضرورت ہوتی زیتون بانو جا کر لے آتی۔ جلیل خان نے آتے ہوئے اخراجات کے لیے کافی رقم دی تھی جو اس نے زیتون بانو کو دے دی تھی۔

زیتون بانو یہاں کی رہنے والی تھی۔ گلیاں، بازار سب اس کے جانے پہچانے تھے۔ اس نے دودھ والے کو بھی لگوا لیا تھا۔ اگر زیتون بانو نہ ہوتی تو وہ شاید بھوکے ہی مرجاتے۔ زیتون بانو ناشتا کھانا تیار کر کے ٹیبل پر لگا دیتی تو وہ مشینی انداز میں ٹیبل پر بیٹھ جاتے، وہ کپڑے استری کر کے واش روم میں لٹکا دیتی تو وہ نہا کر بدل لیتے۔ جلیل خان نے زیتون بانو کو ان کے ساتھ بھیج کر کتنا اچھا کیا تھا۔ کتنی ہی بار انہوں نے سوچا تھا اور زیتون بانو کا شکریہ ادا کیا تھا۔ تب ایک بار زیتون بانو نے دونوں کا باری، باری ماتھا چوم کر کہا تھا۔

''میرے نصیب میں اولاد کی خوشی نہیں تھی۔ اللہ نے مجھے تمہاری صورت میں بیٹا اور بیٹی دونوں دیے ہیں۔ تمہارے طفیل اللہ نے مجھے بیٹا' بیٹی اور بہو کا سکھ دیا۔''

وہ بھلا اسے کیا سکھ دے رہے تھے۔ وہ حیران رہ گئے تھے الٹا وہ ان کی ناز برداری کرتے تھکتی نہ تھی۔ خوش ہوتی تھی اور انہوں نے بھی اپنی، اپنی جگہ زیتون بانو کو ماں کا درجہ دے دیا تھا اور پھر اپنی آخری سانسوں تک وہ ان کے ساتھ ہی رہی تھی۔

انہوں نے اس صورتِ حال کو قبول کر لیا تھا۔ ہولے، ہولے سنبھل بھی رہے تھے پھر بھی وہ اور فرحی دن میں ایک بار ضرور آنسو بہاتے تھے۔ اسے ابا یاد آتے اماں یاد آتیں جن کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔

وہ اماں ابا کو یاد کر کے روتا تو فرحی کے آنسو بھی ساتھ ہی بہتے تھے اور فرحی، ڈیڈی، ممی اور بھائی کو یاد کر کے روتی تو وہ اس کے ساتھ روتا تھا۔ پورا ایک مہینہ انہوں نے ایک دوسرے سے نظریں چراتے اور آنسو بہاتے گزار دیا تھا اور پورے ایک ماہ بعد جلیل خان آیا تھا۔ اس کے لیے اور فرحی کے لیے ڈھیروں تحائف سے لدا پھندا......

''اس سب کی کیا ضرورت تھی سر؟'' وہ شرمندہ ہوا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے ثمر حیات' میں اپنی بیٹی کے گھر خالی ہاتھ آتا۔ یہ ہماری روایات میں ہے کہ بیٹیوں کے گھر خالی ہاتھ نہیں آتے اور تم داماد ہو، یہ ہم باپ بیٹی کا معاملہ ہے تم اس معاملے میں مت بولا کرو۔''

اور آئندہ جب بھی وہ ان کے گھر آیا یونہی لدا پھندا آیا اور ثمر نے اس معاملے میں بولنا چھوڑ دیا تھا اور اس روز جلیل خان نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھا لیا تھا۔

''تم دونوں کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ تم نے ابھی تک حالات کو قبول نہیں کیا ہے۔''

وہ خاموش رہے تھے جلیل خان صحیح کہہ رہا تھا حقیقت قبول کرنے کے باوجود وہ قبول نہیں کر پا رہے تھے کہ ان کے ساتھ ایسا ہوگیا ہے۔

''یہ زندگی جتنی مہربان ہے اتنی ہی ظالم بھی ہے اور دنیا اور اس کے لوگ بہت ظالم ہیں۔ یہاں بعض اوقات لوگوں کے ساتھ اس سے بھی برا ہوتا ہے جو تمہارے ساتھ ہوا۔ کبھی کبھی لوگ ناحق مارے جاتے ہیں، یہ اللہ کی

مصلحتیں ہیں اور وہ بہتر جانتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔ عام لوگوں کی اصطلاح میں تم مجھے غنڈا کہہ سکتے ہو۔ میں کم عمری میں ہی یتیم ہوگیا تھا۔ میرا باپ کوئی امیر آدمی نہیں تھا جو ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ کر مرتا۔ دنیا نے مجھے تنہا جان کر اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا لیکن میں نے کچھ عرصے بعد ہی دنیا کو ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں۔ لڑائی بھڑائی میں شروع سے ہی تیز تھا سو غلط راستے پر چل پڑا۔ میں اپنی صفائی نہیں پیش کر رہا کہ میں اس لیے برا بنا ہوں کہ دنیا نے میرے ساتھ برا کیا، دنیا بہت ساروں کے ساتھ برا کرتی ہے لیکن وہ برے راستے پر نہیں چلتے۔ خرابی میرے اپنے اندر ہی تھی۔ دو تین بار جیل گیا تو زیادہ نڈر ہو کر باہر آیا اور پھر خود بخود ہی میرے جیسے کچھ لوگ میرے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ ماں میرا غم کرتے، کرتے مر گئی تو میں ہر خوف سے آزاد ہو گیا۔ زیادہ تفصیل کیا بتاؤں مجھے اس مقام تک آنے میں وقت لگا۔ اب میرا ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ مختلف کام کرتا ہوں۔ اسمگلنگ بھی کرتا ہوں۔ زیادہ جھگڑے کا قائل نہیں ہوں۔ میرے گروہ کے سب لوگ میرے بہت وفادار ہیں۔ ان میں سے ایک شہباز بھی تھا۔ میرا ایک قطرۂ خون گرنے پر جان دے دینے والا۔ یتیم خانے سے بھاگ کر میرے پاس آیا تھا۔ تمہارے آنے سے چند ماہ پہلے سرحد پار سے سامان لاتے ہوئے مارا گیا۔ جب تم پہلی بار میرے گھر میں داخل ہوئے تو میں نے سوچا تھا تم میرے لیے شہباز کا نعم البدل ثابت ہو سکتے ہو، میں تمہیں ٹریپ کرنے کے طریقے سوچنے لگا لیکن پھر فرحی نے میرے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ شاید لفظ بیٹی میں اتنی ہی حدت ہوتی ہے کہ پتھر کو بھی پگھلا دے۔ ماں کے بعد پہلی بار میں نے کسی کے لیے نیک نیتی سے سوچا اور پوری کوشش کی کہ فرحی کو اس کے والدین تک پہنچا دوں۔ ناکام ہو کر پھر یہ بھی چاہا کہ تم دونوں اپنے گھر میں ایک پُرسکون زندگی بسر کرو اگرچہ دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش موجود تھی کہ تم میرے ساتھ کام کرو، میرے لیے شہباز بن جاؤ اور میں اس خواہش پر شرمندہ بھی ہو جاتا کہ میں نے فرحی کو بیٹی کہا ہے اور تم اس کے شوہر ہو۔ میں چاہوں تو اپنے بندوں کی مدد سے تمہارا گھر تمہیں واپس دلوا دوں لیکن میں تمہارے محلے میں کئی بار گیا ہوں، لوگوں سے ملا ہوں اور محسوس کیا ہے کہ وہ لوگ نہیں چاہتے کہ تم ان کے درمیان رہو۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارے اپنوں نے تمہارے متعلق جو افواہیں وہاں پھیلائی ہیں ان افواہوں کے بعد تم ان کے لیے پسندیدہ نہیں رہے۔ اس کا بھی ایک حل ہو سکتا ہے کہ تم کہیں کسی اور جگہ اپنی مرضی سے اپنی زندگی شروع کر دو۔ پڑھے لکھے ہو جلد یا بدیر تمہیں جاب مل جائے گی۔ تم یہاں اس گھر میں خانیوال میں بھی رہ سکتے ہو میں تمہارے ماموؤں کو سبق سکھا سکتا ہوں اور تمہارا حق بھی تمہیں دلوا دوں گا اس لیے کہ فرحی میری بیٹی ہے۔ فیصلہ تمہیں خود کرنا ہے ثمر حیات چاہو تو میرے ساتھ کام کرو، میرے لیے شہباز کا نعم البدل بن جاؤ چاہو تو اپنی مرضی سے زندگی شروع کرو۔ ایک بار پھر انتخاب کا حق تمہیں دے رہا ہوں۔ اگر تمہیں میرے ساتھ کام کرنے سے انکار ہے تو میں تمہیں آج کے بعد نظر نہیں آؤں گا۔ دونوں آپشن تمہارے سامنے ہیں۔''

جلیل خان نے اس کے سامنے دونوں آپشن رکھے تھے لیکن اس کے دل میں بہت غصہ تھا بہت ناراضی تھی۔ بہت گلے تھے اور اسے لگتا تھا جیسے اس کے پاس اس سے بہتر کوئی آپشن نہیں ہے۔ سر اٹھا کر جینے کے لیے ضروری تھا کہ وہ جلیل خان کی طرح طاقت ور ہو۔ جلیل خان جس کی ایک دہاڑ سے سارا ہجوم چھٹ گیا تھا اور وہ لوگ جو اسے کمزور اور اکیلا جان کر اس پر برس رہے تھے جلیل خان اور شیر خان کے ڈر سے گھر سے نکل گئے تھے۔

وہ ثمر حیات نہیں جلیل خان بننا چاہتا تھا۔ بے شک وہ ماسٹرز کر چکا تھا لیکن اس کے اندر ابھی اتنی پختگی نہیں آئی تھی کہ وہ صحیح فیصلہ کر سکتا۔ اندر ابھی خام تھا جو نقش بنے تھے انہوں نے اس سے جو فیصلہ کروایا تھا اس پر بعد میں ایک دوبار پچھتایا بھی، ندامت بھی ہوئی تھی لیکن پھر اس نے اسے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔

جلیل خان اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔
''یہ زندگی آپ کی ہے، جیسے چاہیں جس طرح چاہیں ہم زندگی اب ویسے ہی گزاریں گے۔ ہمارا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے سر۔ ہم اب آپ کو کھونا نہیں چاہتے۔''
''میں ایسا نہیں چاہتا ثمر حیات کہ تم میرے ساتھ کسی مجبوری کے رشتے میں بندھو۔ ہمارے کام میں مجبوری نہیں چلتی۔ دل کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ تم اپنے لیے راستے کا انتخاب اپنی مرضی سے کرو جبر سے نہیں۔'' جلیل خان نے پھر کہا۔
''میں اپنی مرضی سے اور دل کی پوری رضامندی سے ہی راستے کا انتخاب کر رہا ہوں۔ مجھے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑنا۔ کوشش کروں گا کہ شہباز کا نعم البدل بن سکوں۔'' اس نے کہا تھا لیکن فرحی کی طرف نہیں دیکھا تھا جو حیران سی بیٹھی تھی۔
''چاہے میرا ساتھ تمہیں کھائی میں گرا دے؟'' جلیل خان مسکرایا تھا۔
''ہاں...... چاہے کھائی میں گرا دے چاہے کنویں میں۔'' اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور جلیل خان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔
''ٹھیک ہے...... ابھی تم گھومو پھرو...... مری یا کاغان چلے جاؤ۔ تمہارا جانا بنتا بھی ہے۔ سب شادی شدہ جوڑے گھومنے پھرنے جاتے ہیں۔ جہاں بھی جانے کا پروگرام بنے مجھے بتا دینا میں انتظام کروا دوں گا۔''
''اور کام کب شروع کرنا ہے؟'' ثمر حیات نے پوچھا۔
''فی الحال کوئی کام نہیں جب ہوا تو بتا دوں گا۔ میں لاہور واپس جاتے ہی پہلے تو تمہارے ماموؤں سے دو، دو ہاتھ کرتا ہوں اور تمہارا حق......''
''نہیں۔'' اس نے منع کر دیا تھا۔ ''میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ ماں رہی نہ باپ۔'' وہ دلگرفتہ ہوا تھا۔
''ہاں تمہاری اماں کے متعلق ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا۔ یہاں آنے سے پہلے شیر خان کو بھیجا تھا تمہارے محلے اور تمہارے محلے کی مسجد کے مولوی صاحب کو بھی ہدایت کر دی ہے کہ جب بھی ان کی خبر ملے تو ہمیں اطلاع دے دیں۔''
وہ دل ہی دل میں جلیل خان کا پھر ممنون ہوا تھا۔ کیسا آدمی تھا یہ جلیل خان کوئی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی ان کا سب کچھ بن گیا تھا۔ ہر رشتہ اسی سے جڑ گیا تھا۔ جلیل خان انہیں مزید وقت دے کر چلا گیا تھا۔
''یہ تم نے کیا، کیا ثمر؟'' اور فرحی حیران تھی، ناراض تھی۔
''تو اور کیا کرتا...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا فرحی ایسا لگتا ہے جیسے ہمارے سارے راستے بند ہو گئے ہیں اور ہم کسی بند گلی میں پھنس گئے ہوں جدھر بھی جائیں گے لٹیرے گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ایسے میں مجھے یہی بہتر لگا ہے کہ میں جلیل خان کے ساتھ رہوں تا کہ ہماری طرف کوئی انگلی نہ اٹھائے۔ جن کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا دنیا انہیں جینے نہیں دیتی۔''
''نہیں ثمر، یہ غلط ہے...... تمہارے اندر مایوسی نے ڈیرا جما لیا ہے اس لیے تم ایسا سوچتے ہو۔ تم انکار کر دو تم ایک اسمگلر کے ساتھی نہیں بن سکتے۔ ایک غنڈے کے ساتھ کیسے کام کر سکتے ہو۔ تم ایک پڑھے لکھے شخص ہو۔ خان بابا نے تمہیں مجبور نہیں کیا ثمر۔'' وہ جلیل خان کو اس کے اصرار پر خان بابا کہنے لگی تھی۔
''انہوں نے تمہارے سامنے سارے آپشن رکھے ہیں...... فیصلہ تو تم نے کرنا تھا تو پھر تم نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟'' وہ بے حد اپ سیٹ تھی۔

''ہاں، یہ فیصلہ میں نے اپنی مرضی سے ہی کیا ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی پر اب جلیل خان کا حق ہے وہ اگر ہمیں پناہ نہ دیتا تو سوچو ہمارے ساتھ کیا ہوتا اور اگر وہ مجھے جیل سے لے کر نہ آتا تو میں جھوٹے قتل کے الزام میں پھانسی چڑھ جاتا۔ یہ بہت بے انصاف معاشرہ ہے فرحی، یہاں سروائیو کرنے کے لیے جلیل خان بننا پڑتا ہے۔'' وہ اپنے فیصلے میں اٹل تھا۔

''تمہاری سوچ غلط ہے ثمر ایسا نہیں ہے۔'' فرحی پھر کہہ رہی تھی۔

''چلو ایسا نہیں ہے...... نہیں ہوگا ایسا لیکن میرا سر جلیل خان کے احسانوں کے بوجھ سے جھکا ہوا ہے شاید اس طرح اس کے ساتھ کام کر کے میں اس کے احسانوں کا بدلہ چکا سکوں۔'' اس نے فرحی کو قائل کرنے کے لیے کیا، کیا دلیلیں نہیں دی تھیں لیکن اصل بات یہ تھی کہ اس کے اندر آگ لگی تھی، شعلے بھڑک رہے تھے اور اس آگ میں سارے احساسات سوچنے سمجھنے کی ہر حس جل کر خاک ہو گئی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ جلیل خان کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اب تک کی جو زندگی انہوں نے گزاری تھی خواب ہوئی اور اب جو زندگی وہ گزار رہے تھے وہ اس سے بالکل مختلف تھی۔ فرحی بھی اسے قائل کرتے، کرتے تھک کر خاموش ہو گئی تھی۔ بہت جلد اس نے شہباز کی جگہ لے لی تھی اور جلیل خان کے متعلق بہت کچھ جان لیا تھا۔ اس کی اپنے علاقے میں ایک دھاک تھی، وہ خان دادا کہلاتا تھا اور لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ وہ اسمگلنگ بھی کرتا تھا اور اس کے بندے سرحد پار سے چیزیں لاتے لے جاتے تھے جن میں معمولی چیزوں سے لے کر گولڈ تک شامل تھا لیکن وہ منشیات کی اسمگلنگ نہیں کرتا تھا۔

کئی سیاسی لیڈروں نے چاہا تھا کہ وہ ان کی پارٹی میں شامل ہو، ہر سیاسی لیڈر کے ساتھ کچھ لڑنے بھڑنے والے بندے ہوتے ہیں اور جلسے جلوسوں میں بوقتِ ضرورت ان ہی بندوں سے ہنگامے کروائے جاتے ہیں لیکن جلیل خان انکار کر دیتا تھا اور جلیل خان کی یہی کچھ ایسی باتیں تھیں جو اسے جلیل خان سے جوڑے ہوئے تھیں اور وہ جلیل خان کے پیچھے چل رہا تھا اس نے پچھتانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ صوفی نصیر احمد بزاز کا بیٹا جو جب سفید ٹوپی اوڑھ کر اپنے باپ کے ساتھ نماز کے لیے مسجد جاتا تو لوگوں کو اپنے باپ کا احترام کرتے اور ان سے مسئلے پوچھتے دیکھ کر اپنے اندر وہ ایک انوکھی خوشی پھیلتے محسوس کرتا تھا اب زندگی کا وہ چلن بھول گیا تھا، وہ جس نے زندگی میں کبھی ریوالور کی شکل تک نہیں دیکھی تھی اب ہر قسم کے اسلحے کا استعمال کرتے ہوئے ذرا نہیں جھجکتا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ جلیل خان نے اپنی محدود زندگی کو وسیع کر لیا تھا۔ اب صرف سرحد پار ہی نہیں ہانگ کانگ، بنکاک، سنگاپور تک کے چکر لگتے تھے۔

فرحی کی رہائش خانیوال میں ہی تھی۔ زیتون بانو اس کے ساتھ ہی رہتی تھیں، وہ کام کے سلسلے میں آتا جاتا رہتا تھا۔ لاہور میں اس کا قیام جلیل خان کے ساتھ اسی گھر میں ہوتا تھا جہاں انہوں نے پناہ لی تھی۔ فرحی نے چپ سادھ لی تھی۔ اس نے ثمر حیات سے کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کسی حد تک خود کو بھی قصوروار سمجھتی تھی کہ نہ وہ اس طرح اپنے گھر سے آتی اور نہ ثمر حیات کے ساتھ ایسا ہوتا...... اور وہ جلیل خان کے ساتھ تھا ہر قدم۔ اب جلیل خان کے بندے اس کا بھی بے حد احترام کرتے تھے۔

باہر کہیں کسی کمرے کا دروازہ زور سے کھلا تو وہ چونکا اور ہاتھ میں پکڑے شکیل احمد کے شناختی کارڈ کی کاپی کو دیکھا جو ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی اور اس نے ایک گہری سانس لی۔

''تو یہ ہے نبیل احمد میرے ماموں کا پوتا۔'' دنیا واقعی گول ہے اتنے سالوں بعد جب وہ سب کچھ بھلا چکا تھا اور اس کے خیال میں سارے زخم بھر گئے تھے۔ یہ نبیل احمد ان زخموں کو کریدنے آ گیا تھا تو...... آج نبیل احمد بھی اس زندگی میں قدم رکھنے آ گیا تھا جس زندگی کی طرف وہ اپنی مرضی سے نہیں آیا تھا بلکہ اسے دھکیلا گیا تھا اور نبیل احمد اپنی

مرضی سے..... وہ اندازہ لگا سکتا تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ نبیل احمد کی آئندہ زندگی سیدھی سادی نہیں ہوگی۔ بہت پھیر ہوں گے اس میں شاید اس سے بدتر زندگی، اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی ولسن اور ایرک کے عزائم اچھے نہیں تھے۔

''تو.....'' اس نے پھر جیسے خود سے کہا۔ ''میں کیا کر سکتا ہوں؟'' کندھے جھٹک کر وہ کھڑا ہوگیا لیکن پھر بیٹھ گیا۔ فائل میں سے اس کی سی وی نکال کر اس کا موجودہ پتا دیکھا۔ فون نمبر بھی پتے کے ساتھ لکھا تھا۔ یہ موبائل فون کا نمبر تھا۔ بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے نمبر ملایا۔ کچھ دیر بعد کال ریسیو کر لی گئی۔

''نبیل احمد سے بات کرنی ہے۔''

''جی میں نبیل احمد ہوں آپ کون؟''

''آج صبح ہم نے تمہارا انٹرویو لیا تھا۔''

''جی..... جی سر۔'' وہ بوکھلا گیا تھا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں نبیل احمد۔''

''جی.....'' اس کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔

''تم اس وقت کہاں ہو، کیا اپنے گھر میں؟''

''نہیں سر، میں لبرٹی کیفے کے سامنے فٹ پاتھ پر ہوں۔''

''او کے، تم وہاں ہی میرا ویٹ کرو میں کچھ دیر میں آرہا ہوں۔''

''جی میں انتظار کر رہا ہوں۔'' اس کے لہجے کی حیرت کم نہیں ہوئی تھی۔ فون آف کر کے اس نے اپنی چیک بک جیب میں ڈالی۔ وہ کیا سوچ رہا تھا اور کیا کرنا چاہتا تھا خود بھی پوری طرح اس پر واضح نہیں تھا۔ اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور بالی کو آواز دی۔ دوسرے ہی لمحے بالی موجود تھا اس نے نبیل احمد کی فائل الگ کر کے باقی فائلیں اسے لے جانے کے لیے کہا۔

''تم اور سیمو ان لڑکوں کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر کے چند دن کے اندر بگ باکو دو گے۔''

''کیا سب لڑکے کراچی کے ہیں؟'' بالی نے پوچھا۔

''معلوم نہیں..... سب کے کوائف موجود ہیں دیکھ لینا۔''

''کس طرح کی معلومات؟'' بالی نے پوچھا۔

''ان کا فیملی بیک گراؤنڈ، معاشی حالات، کیریکٹر، ذرائع آمدن وغیرہ۔''

''جی باس۔'' بالی فائلیں اٹھا کر چلا گیا تھا تو وہ کچھ دیر یونہی کمرے کے وسط میں کھڑا رہا اور پھر باہر نکل گیا۔

اور کچھ ہی دیر بعد وہ کیفے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ لکڑی کی چوکور میز پر دونوں کے سامنے چائے کے کپ رکھے تھے۔ اس نے اسے فٹ پاتھ سے پک کیا تھا اور اس کیفے میں لے آیا تھا۔ نبیل احمد کی آنکھوں میں حیرت تھی اور وہ بے حد الجھا، الجھا سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں سمجھ نہیں سکا کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

ثمر نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے بتایا تھا کہ تم نے اپنے والد کی بیماری کی وجہ سے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی حالانکہ تمہارا تعلیمی ریکارڈ تو بہت اچھا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے والد کو کیا بیماری ہے؟''

''انہیں جگر کا کینسر ہے۔'' اس کی آنکھوں کی سطح پر نمی سی پھیلی تھی۔

''اوہ..... کب سے؟'' اس کی آنکھوں کے سامنے سات آٹھ سال کا صحت مند شکیل احمد آ گیا تھا جو گھر بھر کا لاڈلا تھا اور اماں بھی اس کے بہت لاڈ اٹھاتی تھیں۔

''چار سال پہلے پتا چلا تھا۔ پہلے ہیپا ٹائٹس diagnose ہوا، دو سال اس کا علاج چلتا رہا پھر پتا چلا جگر میں سوراخ ہو گیا ہے۔'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ ''ہمارے حالات بہت اچھے تھے۔ دکان میں آگ لگنے کے بعد دادا جان پھر سنبھل نہیں سکے۔ ابو کی بیماری پر پہلے ہی ساری جمع پونجی لگ چکی تھی۔ ابو کی دکان تو پہلے ہی بک گئی تھی۔ جگر ٹرانسپلانٹیشن کے لیے دادا، ابو کو لے کر انڈیا چلے گئے سنا تھا وہاں کم خرچ ہوتا ہے لیکن وہاں بھی کم خرچ نہیں ہوا۔ میری بہن کے جگر سے پیس لیا گیا وہ بھی ٹھیک نہیں رہتی اور ابو بھی بالکل ٹھیک نہیں ہیں...... سوائے گھر کے کچھ نہیں بچا تو میں نے جاب کر لی۔ ایک دکان پر سیلز مین کی جاب ملی تھی۔ مالک اچھے کردار کا نہیں تھا جاب چھوڑ دی اور پھر فوراً ہی ابا کے جاننے والے مل گئے تو کراچی آ گیا۔ دادا بار، بار بلاتے ہیں کہ لاہور آ کر وہیں جاب ڈھونڈوں۔''

''تمہارا اور کوئی عزیز رشتے دار نہیں جو اس مشکل وقت میں ہاتھ تھامتا؟'' اس نے تفصیل بتائی تو ثمر حیات نے پوچھا۔

''نانا جان اور ماموں کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے ہیں جس سے وال روٹی چل رہی ہے۔ وہ فیصل آباد میں رہتے ہیں۔''

''اور کوئی چچا تایا نہیں ہیں کیا؟'' ثمر حیات نے پوچھا۔

''ابا کے تایا ہیں تو سہی لیکن ان کی اپنی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ کبھی ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں لیکن زیادہ تر ان کو اپنا ہوش نہیں ہوتا۔ دراصل ان کے ساتھ بڑی ٹریجڈی ہوئی۔ ایک بیٹے نے پتا نہیں کیوں ریل کے نیچے آ کر خودکشی کر لی۔ دوسرا بیٹا کسی ایجنٹ کے تھرو باہر گیا illegal ذرائع سے گیا تھا پکڑا گیا۔ کئی سالوں سے یونان کی کسی جیل میں ہے۔ پتا نہیں زندہ بھی ہیں یا نہیں۔'' ثمر حیات کا دل ایک لمحے کے لیے ڈوب کر ابھرا تھا۔

''ان کا نام؟'' پوچھنے کی ضرورت تو نہیں تھی پھر بھی پوچھ لیا تھا۔

''منصور احمد۔'' اس کی اماں کو اپنے دونوں بھائیوں سے بہت محبت تھی۔ دونوں بھائی ان سے چھوٹے تھے تو وہ بہت لاڈ اٹھاتی تھیں ان کے اور بڑے ماموں کے بیٹے اس نے یاد کرنے کی کوشش کی بڑا بیٹا شکیل سے سال بھر ہی بڑا تھا اور چھوٹا تو گود میں تھا۔

''اور کیا یہ مکافاتِ عمل ہے؟'' سامنے بیٹھے نبیل احمد کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سوچا۔ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا اور......

''میں نے سب کو معاف کیا'' اس نے دل ہی دل میں کہا اور سامنے پڑی چائے کی پیالی کو دیکھنے لگا جس پر ٹھنڈی ہو کر تہ جم گئی تھی۔

''کیا آپ مجھے جاب دے دیں گے سر؟'' نبیل احمد پرامید نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں تم لاہور واپس چلے جاؤ اور اپنی پڑھائی کا چھوڑا ہوا سلسلہ پھر سے شروع کر دو۔''

''یہ ممکن نہیں ہے سر مجھے اگر جاب نہ ملی تو یہاں کراچی میں رہ کر مزدوری کر لوں گا بلکہ اب بھی کر رہا ہوں۔ وہاں لاہور میں مزدوری نہیں کر سکتا کہ کہیں کوئی جاننے والا دیکھ نہ لے۔''

''کیا تمہارا کوئی ذاتی اکاؤنٹ ہے؟'' ثمر حیات نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔

''نہیں..... ابو کا اکاؤنٹ ہے ماموں اسی میں رقم بھیجتے ہیں۔''

''ہوں۔'' ثمر حیات نے پاکٹ سے چیک بک نکال کر چیک لکھا اور اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ تیس لاکھ کا چیک ہے تمہارے دادا کاروباری آدمی ہیں ان کے مشورے اور رہنمائی سے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کردو اور کسی نائٹ کالج میں ایڈمیشن لے لو۔''

''لیکن آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟'' اس نے چیک لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک تھے اور حیرت تھی۔

''بس تمہیں دیکھ کر میرا جی چاہا کہ کوئی نیکی کا کام کروں شاید یہی میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔''

''لیکن جاب دے کر بھی آپ یہ نیکی کر سکتے ہیں سر...... اس جاب کی تنخواہ جو اشتہار میں لکھی ہوئی تھی وہ اتنی ضرور ہے کہ میں اپنا گھر چلا سکتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت جلد سب کچھ سیکھ جاؤں گا۔ میں ہر کام کر سکتا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں لیکن یہ جاب تمہارے لیے موزوں نہیں ہے۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو اور اپنے خاندان کے واحد نام لیوا ہو...... یہ خطرے والی جاب ہے۔''

''لیکن سر......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں نبیل احمد' ایک بار ایک اجنبی نے مجھے سہارا دیا تھا۔ میرا ہاتھ پکڑا تھا میرے لیے چھت مہیا کی تھی...... آج تمہاری مدد کر کے میں یہ قرض اتار رہا ہوں۔'' وہ مسکرایا لیکن اس کی مسکراہٹ بہت بجھی بجھی تھی۔ اسے اماں یاد آ رہی تھیں۔ اماں ہوتیں تو اپنے بھائیوں کے حالات پر ضرور تڑپتیں۔ اس نے پھر چیک اس کی طرف بڑھایا لیکن پھر کسی خیال کے تحت ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''تمہیں اپنے ابا کا اکاؤنٹ نمبر پتا ہے؟ یہ زیادہ بہتر رہے گا کہ میں آن لائن رقم ان کے اکاؤنٹ میں منتقل کروا دوں۔''

اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے اپنی ڈائری سے دیکھ کر بینک کا نام، اکاؤنٹ نمبر اور دوسری معلومات اسے نوٹ کروائیں۔

''تھینک یو نبیل احمد۔'' ثمر حیات اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تم لاہور کب جاؤ گے؟''

''میں کل ہی چلا جاؤں گا۔'' نبیل احمد کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''تمہارے والد کے علاج کے لیے بھی کچھ مزید رقم مزید بھجوا دوں گا۔'' اسے یک دم خیال آیا تھا کہ شکیل احمد بیمار ہے۔

''سر میں آپ کا احسان مند ہوں اور احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتا مر کر بھی نہیں۔''

''میں نے کوئی احسان نہیں کیا نبیل احمد، تم کیا جانو میں نے اپنے نانا کا نام باقی رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ہونا تو وہی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا ہو۔'' اس نے سوچا اور مسکرایا۔

''تم بدلہ اتار سکتے ہو نبیل احمد۔ جب اللہ تمہیں بہت نواز دے تو پھر کسی ضرورت مند کی مدد کر دینا...... سمجھو تم نے احسان کا بدلہ اتار دیا۔'' وہ کھڑا ہو گیا اور اس کے کندھے تھپتھپائے۔ ''میری ایک بات یاد رکھنا کبھی کسی کا حق نہ مارنا اور زیادتی نہ کرنا کسی کے ساتھ کہ اللہ کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے کبھی کسی کو بلاوجہ تکلیف مت دینا بیٹا۔'' نبیل احمد نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں اپنے محسن کا نام جان سکتا ہوں؟''

ثمر حیات نے جواب نہیں دیا تھا۔ اس کی نم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر اس کے کندھے تھپتھپائے تھے

اور تیزی سے باہر نکل گیا تھا جبکہ نبیل احمد کی آنکھوں میں چمکتے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔ یہ آنسو احسان مندی کے تھے کہ تشکر کے لیکن بہتے چلے گئے اور نبیل احمد کو ان پر اختیار نہیں تھا۔

☆☆☆

بابر کا موڈ بے حد خراب تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑے، کھڑے اس نے دو تین بار قہر برساتی نظروں سے ایمل کی طرف دیکھا جو کسی گہری سوچ میں گم وارڈ روب کھولے کھڑی تھی۔

بابر نے ہاتھ میں پکڑا ہیر برش ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخا تو ایمل نے چونکتے ہوئے مڑکر اسے دیکھا۔ بابر اب ڈریسنگ ٹیبل سے Hugo کی بوتل اٹھا رہا تھا وہ ہولے، ہولے چلتی ہوئی بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ بابر کے ماتھے پر بل تھے اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ ایمل لمحہ بھر اسے خود پر اسپرے کرتے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے، آپ کا موڈ کیوں خراب ہے بلکہ جب سے ہم لاہور سے آئے ہیں تب سے ہی آپ کا موڈ ٹھیک نہیں ہے؟''

اس کا صرف موڈ ہی خراب نہیں تھا بلکہ وہ غصے سے کھول رہا تھا اور اس کی ایک نہیں کئی وجوہات تھیں جو وہ ایمل کو نہیں بتا سکتا تھا۔ ایک تو وہ وسو کمبخت کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ اتنے مہینوں سے اس نے اسے ایک کام کہہ رکھا تھا اور اس روز اس نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس کا کام ہو گیا ہے تب ہی تو وہ ارتقاع کو ساتھ لے کر عنبرین کی طرف گیا تھا۔ ورنہ اسے کیا پڑی تھی کہ وہ ارتقاع کو عنبرین کی طرف لے کر جاتا۔ عنبرین کا موڈ الگ خراب ہوا تھا اور ارتقاع بھی خواہ مخواہ شک میں پڑ گئی تھی اور کئی بار اس سے پوچھ چکی تھی کہ عنبرین ہی تو اس کی ماں نہیں۔ دوسرا ہمدانی صاحب کی گفتگو نے اسے تپا دیا تھا۔ کرنل حامد کے وکیل نہیں آسکے تھے کیونکہ ان کے ڈاکٹرز انہیں مزید دو ہفتے انڈر آبزرویشن رکھنا چاہتے تھے۔ گو ہمدانی صاحب نے فون پر تفصیلاً بتا دیا تھا اور کہا تھا جیسے ہی وہ آئیں گے وہ انہیں انفارم کر دیں گے لیکن بابر ان سے ملنے چلا گیا تھا۔ پاکستان لیدر کے نام سے کرنل حامد کی ایک فیکٹری تھی اور ہمدانی صاحب اس کے منیجر تھے لیکن کرنل حامد کے ساتھ ان کا دوستی کا رشتہ بھی تھا بہت مخلص دوست تھے ان کے' بابر کو دیکھ کر ذرا سا حیران ہوئے تھے اور بابر نے ان کی حیرانی سے محظوظ ہوتے ہوئے فوراً ہی اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

''ہمدانی صاحب میں چاہ رہا ہوں کہ میں ایک دفعہ ساری پراپرٹی اور بزنس وغیرہ کا جائزہ لے لوں، وکیل صاحب تو جانے کب تک آئیں گے اور میں کب باضابطہ طور پر سب سنبھالوں گا' آپ کو پتا تو ہے ناں ہمدانی صاحب، انکل کی اچانک ڈیتھ کی وجہ سے لوگوں کو موقع مل جائے گا فائدہ اٹھانے گا۔'' ہمدانی صاحب نے بڑے تحمل سے اس کی بات سنی تھی۔

''آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بابر صاحب، اپنی زندگی میں ہی کرنل صاحب نے تمام اختیارات میجر طاہر کو دے دیے تھے وہی سب بزنس کے نگران ہیں۔''

''Who is he?''

''آپ نہیں جانتے میجر طاہر کو؟'' ہمدانی صاحب کو حیرت ہوئی تھی۔

''کرنل مجیب کے بیٹے ہیں۔ کرنل مجیب، کرنل صاحب کے گہرے دوستوں میں سے ہیں اور میجر طاہر آرمی چھوڑ چکے ہیں۔ کرنل صاحب کو بہت ٹرسٹ تھا ان پر اور وہ واقعی بہت مخلص اور ایماندار آدمی ہیں۔''

''آپ کی بات ٹھیک ہے، ہوں گے میجر طاہر مخلص آدمی لیکن میرے ہوتے ہوئے کیسے انکل نے ان کو نگران بنا دیا...... میں داماد ہی نہیں بیٹا بھی ہوں ان کا؟''

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں بابر صاحب لیکن کرنل صاحب نے یہی بہتر سمجھا ہوگا انہیں میجر طاہر پر بہت بھروسا تھا یوں بھی آپ کا اپنا بزنس ہے تو شاید اس لیے.....'' ہمدانی صاحب نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
''وہ تو ہے لیکن حقداروں کے ہوتے ایک غیر شخص کو ان پر فوقیت دینا عجیب سا لگتا ہے۔'' اس نے خیال ظاہر کیا تھا۔
''میجر طاہر، بیگم صاحبہ کو ہی حساب کتاب دیں گے۔ بیگم صاحبہ اور ایمل بی بی ہیں حقدار۔ کرنل صاحب بڑے اصولی آدمی تھے۔ ایک بار میری ان سے بات ہوئی تھی شرعاً لے پالک بیٹے کا وراثت میں کوئی حق نہیں ہوتا، اس لیے سب کچھ بیگم صاحبہ اور ایمل بی بی کا ہی ہے۔'' ہمدانی صاحب نے اپنی دانست میں اسے اُلجھن سے نکالنے کے لیے وضاحت کی تھی۔
''باقی وصیت کے متعلق مجھے علم نہیں، وہ تو وکیل صاحب کے آنے پر ہی پتا چلے گا۔'' اور بابر کا خون تب سے کھول رہا تھا اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ کرنل صاحب کو ttitude لیے کیوں وکھار ہا تھا رابطے میں رہتا تو۔
''بابر کیا آپ کو کچھ پریشانی ہے؟'' ایمل نے پھر پوچھا۔
''ہاں... نہیں تو وہم ہے تمہارا۔'' اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی حالانکہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ایمل کو کھری، کھری سنائے کہ تمہارا... باپ مجھے اپنے داماد کو جسے بیٹا بنا رکھا تھا قابلِ بھروسا نہیں سمجھتا تھا لیکن میں بھی بابر نوید ہوں دیکھ لوں گا اس میجر طاہر کو بھی۔
''وہم نہیں ہے میرا بابر، کوئی بات تو ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔''
ایمل کے لہجے سے پریشانی جھلکتی تھی۔
''کیا چھپاؤں گا ایمل؟'' وہ پرفیوم کی بوتل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف مڑا۔
''کچھ تو ہے ناں جس کی وجہ سے آپ اتنے پریشان ہیں۔''
''بزنس کی پریشانی ہے یار۔'' بابر نے ایک گہری سانس لی۔
لمحوں میں کھڑے، کھڑے اس نے پلاننگ کی تھی۔ عنبرین صحیح کہتی تھی کہ اسے بات بنانے میں ملکہ حاصل ہے۔ کوئی بھی سچوئیشن ہوتی وہ فوراً ہینڈل کر لیتا تھا۔
''بزنس کی کیا پریشانی ہے؟''
''کیا بتاؤں...... بہت نقصان ہو گیا ہے۔ بس تم سے ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔''
''تو کیا ہوا، بزنس میں نفع و نقصان تو ہوتا ہی ہے۔'' ایمل کو اطمینان ہوا۔
''ہاں وہ تو ہے، بزنس میں نفع نقصان تو ہوتا رہتا ہے۔ آج نقصان ہوا کل نفع ہو جائے گا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں نے کچھ کاٹن کا سودا کیا تھا لیکن میرے اکاؤنٹ میں اتنی رقم نہیں ہے کہ میں بقایا پے منٹ کرسکوں یہ سودا منسوخ بھی ہوسکتا ہے لیکن بزنس میں زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، میں نے آگے یہ کاٹن سیل بھی کر دی تھی اور ایڈوانس بھی لے لیا تھا جو.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
''کتنی پے منٹ کرنی ہے آپ کو؟'' ایمل نے پوچھا۔
''فوری طور پر تو تیس لاکھ کرنی ہے۔''
''آپ مجھ سے کہتے خواہ مخواہ خود ہی پریشان ہوتے رہے۔''
''تمہارے اکاؤنٹ میں تو چند ہزار سے زیادہ نہ ہوں گے تم سے کہنے کا کیا فائدہ تھا، الٹا تمہیں بھی پریشان کرتا۔''
بابر نے کن انکھیوں سے ایمل کی طرف دیکھا۔
ایمل کا یہ اکاؤنٹ شادی سے پہلے کا تھا اور ڈیڈی شادی سے پہلے اس میں وقتاً فوقتاً کچھ رقم جمع کرواتے رہتے

تھے لیکن ایمل کو کبھی کوئی خاص ضرورت نہیں پڑی تھی لیکن شادی کے بعد جب بابر نے اپنا بزنس اسٹارٹ کیا تھا تو اس نے ساری رقم بابر کو دے دی تھی اور اکاؤنٹ میں واقعی معمولی سی رقم تھی لیکن اب ممی نے اسے بتایا تھا کہ ڈیڈی نے اپنی وفات سے پہلے دو تین بار اس کے اکاؤنٹ میں خاصی بڑی رقم جمع کروائی تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اس رقم کا ذکر بابر سے نہ کرے۔ حالات کا کچھ پتا نہیں ہوتا کسی مشکل وقت میں اس کے کام آئے گی۔ اسے ممی کی بات پر حیرت تو ہوئی تھی لیکن اس نے بابر سے ذکر نہیں کیا تھا کیونکہ ڈیڈی نہیں چاہتے تھے لیکن اب جب بابر پریشان تھا تو۔

''ممی نے مجھے بتایا تھا کہ ڈیڈی نے میرے اکاؤنٹ میں کچھ رقم جمع کروائی تھی، میں صبح نکلوادوں گی۔''

''اوہ! تھینک یو ایما، تم نے ایک بڑی پریشانی دور کردی ہے۔'' بابر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔ اس کا داؤ کبھی ناکام نہیں ہوتا تھا۔

''اس میں مجھے بہت زیادہ پرافٹ کی امید ہے جوں ہی پے منٹ ہوئی تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کروادوں گا۔''

''کیسی باتیں کررہے ہیں آپ؟ میں اور آپ کوئی الگ تو نہیں ہیں۔''

''پھر بھی یہ تمہارے ڈیڈی کا گفٹ ہے ناں۔'' اس نے نثار ہوتی نظروں سے اسے دیکھا اور دو انگلیوں سے اس کے رخسار کو چھوا۔

''مجھے ایک بزنس ڈنر پر جانا ہے، تم رات کھانے پر انتظار نہ کرنا ہوسکتا ہے مجھے آج کچھ دیر ہو جائے۔''

ایمل نے سر ہلایا۔

''تم نے میری وہ شرٹ دھلوادی تھی؟''

''وہی ڈھونڈ رہی تھی۔'' ایمل اٹھ کر پھر وارڈروب کی طرف بڑھی تو وہ مدھم سُروں میں سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل گیا۔

ارتفاع لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی، اسے نیچے اترتے دیکھ کر بے چینی سے اس کی طرف بڑھی۔

''پاپا میں اتنی دیر سے آپ کا انتظار کررہی تھی۔''

''کیوں، خیریت؟'' بابر مسکرایا۔ ''اس وقت کیا کوئی نئی فرمائش ہے ہماری لاڈلی کی؟''

''پاپا مجھے ڈنر پر جانا ہے ایک کلاس فیلو کے ہاں..... آپ سے اجازت بھی لینی تھی اور آپ سے یہ بھی کہنا تھا کہ مجھے ڈراپ بھی کردیں۔ میرا خیال تھا کہ افنان گھر پر ہوگا تو اس کے ساتھ چلی جاؤں گی لیکن وہ کسی دوست کی طرف گیا ہوا ہے اور عالیہ فون ہی پک نہیں کررہی۔''

''ٹھیک ہے وہ تو میں تمہیں ڈراپ کردوں گا لیکن تم نے ایمل سے اجازت لے لی؟''

''نہیں، آپ کو پتا تو ہے انہوں نے منع ہی کردینا ہے اس لیے میں آپ کا انتظار کررہی تھی۔ دراصل یونیورسٹی سے آکر میں سوگئی اور کچھ دیر پہلے ہی میری آنکھ کھلی ہے۔''

''کون کلاس فیلو ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ظفری..... سب ٹریٹ مانگ رہے تھے اس سے، پچھلے دنوں اس کے بھائی کا نکاح ہوا ہے ناں تو اس کی۔''

''لیکن ظفری!'' بابر نے پُرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''افنان اس کے متعلق کچھ اچھی رائے نہیں رکھتا۔''

''افی کی بات چھوڑیں پاپا..... سب جائیں گے، میں اگر نہ گئی تو اچھا نہیں لگے گا پہلے بھی ظفری ابھی تک گلہ کرتا ہے۔ سب نے اتنا انجوائے کیا تھا وہاں۔''

''اوکے..... پانچ منٹ میں تیار ہو کر آجاؤ۔''

''میں تو تیار ہوں پاپا، بس آپ ڈراپ کردیں واپسی پر عالیہ کے ساتھ آجاؤں گی۔''

''اور تمہاری گاڑی ورکشاپ سے نہیں آئی؟''

''بابا وہ تو ہر دوسرے دن خراب ہو جاتی ہے اب آئل لیک ہو رہا تھا اس کا۔ بس اب مجھے نئی گاڑی چاہیے یہ بھی کوئی گاڑی تھی۔''

''او کے...... اب تمہاری پسند کی گاڑی آئے گی۔ اس وقت بھی ایمل نے کہا کہ فی الحال یہ مہران ہی ٹھیک ہے ورنہ میں تو تمہیں ہنڈا سٹی ہی لے کر دے رہا تھا۔''

''تھینک یو پاپا، یو آر سو سوئٹ۔'' ارتفاع نے صوفے پر پڑا اپنا پاؤچ اٹھایا اور شرٹ ہاتھ میں لیے نیچے اترتی ایمل کو دیکھا۔

''اللہ حافظ۔''

''یہ تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟'' ایمل کی نظریں سامنے کلاک پر پڑیں۔

''ایک دوست نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔'' اس نے جان بوجھ کر ظفری کا نام نہیں لیا۔

''لیکن ارفی بیٹا مجھے پسند نہیں اس طرح رات کے وقت دوستوں کی طرف دعوتوں میں جانا۔''

''یار ایما آج جانے دو، میں نے اجازت دے دی ہے۔ آئندہ مت جانے دینا۔ میں ڈراپ کر دوں گا واپسی پر عالیہ کے ساتھ آ جائے گی۔'' ایمل نے سر ہلا کر ارتفاع کی طرف دیکھا۔

''اپنی فرینڈز کو کہو کہ اس طرح کی دعوتیں دن کے وقت رکھا کریں۔''

ارتفاع خاموش رہی تھی۔

''یار کیا ہو گیا ہے تمہیں اتنی دقیانوسی تو نہیں تھیں تم۔'' بابر نے ایمل سے کہا۔

''بیٹیوں کی ماؤں کو دقیانوسی ہی ہونا چاہیے بابر... بعد میں پچھتانے سے بہتر ہے کہ پہلے ہی احتیاط کر لی جائے۔'' ایمل سنجیدہ تھی۔

''ہمیں اپنے بچوں پر اعتماد ہونا چاہیے ایما۔''

''اپنے بچوں پر تو اعتماد ہے لیکن دوسروں پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔'' ایمل نے بابر کی بات کا جواب دے کر ارتفاع کی طرف دیکھا۔

''ڈنر کے بعد زیادہ دیر مت رکنا، فون کر دینا افی لینے آ جائے گا۔''

ارتفاع سر ہلا کر بابر کے ساتھ چل دی۔ بابر نے مسکرا کر ایمل کی طرف دیکھا۔

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' وہ دروازے تک ساتھ آئی۔

''میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں ماما اب منع ہی نہ کر دیں۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ارتفاع نے کہا تو بابر مسکرایا۔

''بھئی تمہارے پاپا کے ہوتے ہوئے بھلا وہ تمہیں منع کر سکتی تھی۔''

''وہ تو ہے۔'' اس نے بہت مان اور ناز سے پاپا کو دیکھا اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے پاپا اس سے اتنی محبت کرتے ہیں ورنہ اکثر تو دوسری شادی کے بعد باپ پہلی اولاد کی پروا نہیں کرتے لیکن وہ تو اپنے پاپا کی جان تھی اور پاپا کی وجہ سے ہی ماما نے بھی کبھی ظالم سوتیلی ماں کا کردار ادا نہیں کیا تھا پر ہیں تو سوتیلی ہی ناں خواہ مخواہ نصیحتیں کر کے اچھا بننے کی کوشش کرتی ہیں۔ لاہور سے واپس آ کر ماما اور پاپا کی عدم موجودگی میں ایک روز اس نے ان کے بیڈروم کی ہر دراز دیکھ ڈالی تھی حتیٰ کہ لاکر بھی اور بابر کے ذاتی کاغذات والی الماری بھی دیکھ ڈالی تھی

لیکن کہیں سے کوئی سراغ نہیں ملا تھا اور نہ ہی کوئی تصویر ملی تھی شاید ان کے بہن بھائی بھی نہیں ہوں گے اور نہ ہی والدین حیات ہوں گے ورنہ کبھی تو کوئی اس سے ملنے آتا۔

''کدھر جانا ہے رتی؟'' بابر نے پوچھا تو وہ چونک کر انہیں ایڈریس سمجھانے لگی۔ جو اس نے ظفری سے فون پر سمجھا تھا کچھ ہی دیر بعد وہ ظفری کے گھر کے گیٹ کے باہر تھے۔

''او کے انجوائے کرو۔'' بابر نے گیٹ کے باہر اسے اتارا تو اس نے بیل دی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول کر اسے دیکھا اس نے پیچھے مڑ کر ہاتھ ہلایا تو بابر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''سب مہمان آگئے ہیں کیا؟'' اس نے اندر قدم رکھتے ہوئے چوکیدار سے پوچھا۔ ابھی چوکیدار نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ ظفری ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوا برآمدے میں آیا۔

''آیئے...... آیئے مس ارتفاع، زہے نصیب۔''

ارتفاع نے مسکراتے ہوئے سیڑھیوں پر قدم رکھا۔

''کس کے ساتھ آئی ہو؟''

''پاپا کے ساتھ۔''

ظفری نے سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔ خوب صورت تو وہ تھی ہی لیکن آج خصوصی تیاری کی وجہ سے دل میں اتری جا رہی تھی۔ یونیورسٹی میں تو وہ سادگی سے آتی تھی حتیٰ کہ لپ اسٹک بھی نہیں لگاتی تھی۔

''بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔''

''فضول باتیں نہیں۔'' ارتفاع کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی اور ظفری کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے اس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔ ڈرائنگ روم میں کوئی نہیں تھا۔

''باقی لوگ کہاں ہیں، کیا ابھی تک نہیں آئے؟''

''آجائیں گے تم تو بیٹھو ناں۔'' ظفری نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''تمہاری عالیہ سے بات ہوئی...... میرا تو وہ فون ہی نہیں اٹینڈ کر رہی۔ اس نے آنا ہے ناں؟''

''ہاں آنا تو تھا لیکن وہ میرا بھی فون اٹینڈ نہیں کر رہی۔'' ظفری بہت بے باکی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی تو اس نے پھر پوچھا۔

''باقی لوگ کب تک آجائیں گے؟''

''اگر میں کہوں کہ صرف تم ہی انوائٹڈ ہو تو......!''

''کیا مطلب؟'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''مطلب یہ کہ میں نے کسی اور کو انوائٹ ہی نہیں کیا۔'' وہ بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ سب تم سے ٹریٹ مانگ رہے ہیں بھائی کے نکاح کی؟''

''ظاہر ہے کچھ تو کہنا تھا۔'' وہ بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا۔ ''ویسے میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔''

''اس کا مقصد کیا ہے؟'' اس نے غصے سے کہا۔

''مقصد بھی بتا دیتا ہوں جلدی کیا ہے؟'' ظفری کی آنکھوں میں تمسخر تھا اور زبان میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔

''یہ کیا مذاق ہے؟'' وہ کھڑی ہوگئی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' بیٹھے، بیٹھے ظفری نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ ''اب آئی ہو تو کچھ دیر بیٹھو...... گپ شپ

لگاتے ہیں۔''

''ظفری پلیز مجھے جانے دو۔''اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''ایسے کیسے جانے دوں جانم۔ بڑی مشکل سے تو ہاتھ آئی ہو۔'' وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

''ظفری پلیز!'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تم اس طرح کیوں کر رہے ہو؟''

''بتاؤں؟''ظفری نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔''دو سال پہلے تم نے چاند رات کو ایک لڑکے کو تھپڑ مارا تھا...... تمہیں وہ لڑکا یاد ہے؟''

''نہیں۔''ارتقاع نے نفی میں سر ہلایا، اس کی رنگت زرد پڑ گئی تھی اور ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ اس کی کلائی ابھی تک ظفری کے ہاتھ میں تھی۔

دو سال پہلے وہ عالیہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی تھی اس رات بہت رش تھا اور قریب سے گزرتے ہوئے ایک لڑکے نے اس کے کندھے کے ساتھ اپنا کندھا ٹکرایا تھا۔

''بدتمیز۔''اس نے مڑ کر بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ مارا تھا اور عالیہ اسے کھینچتے ہوئے لے گئی تھی۔ اس نے ٹھیک سے اس لڑکے کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔

''وہ لڑکا میں تھا اور میں جان بوجھ کر تم سے نہیں ٹکرایا تھا۔ جب تم پہلے روز یونی آئیں تو میں نے تمہیں اور عالیہ کو فوراً پہچان لیا تھا ظفری اپنی توہین کبھی نہیں بھولتا اور تم......'' وہ ہنسا۔

''پلیز ظفری۔''اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔''مجھے معاف کر دو اور جانے دو۔''

''تم بہت خوب صورت ہو۔''اس نے اس کی کلائی چھوڑ کر اس کے رخسار پر چٹکی بھری۔

''یا اللہ میری مدد کر۔''اس نے دل ہی دل میں دعا کی اور اس کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔

''آنسو صاف کر و اپنے۔''ظفری نے ایک دم سخت لہجے میں کہا۔''مجھے روتی ہوئی عورتیں پسند نہیں ہیں اور تمہارے رونے دھونے، چیخنے چلّانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میرے گھر والے سب اپنے علاقے میں گئے ہوئے ہیں۔ یہاں صرف میں ہوں اور ایک چوکیدار۔'' وہ زور سے ہنسا۔

''اس روز تمہاری قسمت اچھی تھی بچ گئیں ورنہ فارم ہاؤس سے واپس نہ آپاتیں۔''

''خدا کے لیے ظفری تمہیں اللہ کا واسطہ کیا تمہاری بہنیں......''

''بس...... میری بہنوں کا نام مت لو۔''اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ تب ہی ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ ظفری نے دروازہ کھولا۔ باہر وہی چوکیدار تھا اور چوکیدار نے بہت غیظ نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ظفری سے آہستہ سے کچھ کہا تو ظفری باہر نکل کر دروازے سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو کر اس سے بات کرنے لگا۔ اس نے کھلے دروازے سے دیکھا چھوٹا گیٹ ذرا سا کھلا ہوا تھا یک دم اس نے ڈرائنگ روم سے باہر قدم رکھا اور دبے قدموں سے برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ عین اسی لمحے ظفری نے مڑ کر اسے دیکھا اور اس نے چھلانگ لگاتے ہوئے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ چند لمحے کے لیے ظفری حیران ہوا اور پھر اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ اپنی پوری طاقت سے دوڑتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ باہر سڑک سنسان تھی وہ ایک طرف اندھا دھند دوڑنے لگی تھی اور اس کے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب آ رہی تھی۔

جاری ہے

# خوابِ سراب

شمیم فضلِ خالق

''پیاری نجمہ، السلام علیکم......!
امید ہے کہ تم خیریت سے ہوں گی...... رہی میں تو میرا کیا پوچھتی ہو نجو...... بس پہاڑ سے گرا کھجور میں اٹکا والی مثال مجھ پر فٹ بیٹھتی ہے۔ ابھی کچن کے ہزار کام ختم کر کے آنکھیں چرا کر کمرے میں آئی ہوں کہ تمہیں خط لکھوں...... اب دوبارہ کچن میں جاؤں گی تو ڈھیر جھوٹے برتن اور گندا پڑا کچن میرا منہ چڑا رہا ہوگا۔ وہ کام ختم کرلوں تو شام کی چائے کا

وقت ہوگا...... شام کو چائے کے ساتھ پھر سب کو لوازمات چاہیے ہوں گے...... معلوم نہیں میری سسرال والوں کے پیٹ ہیں یا خندقیں جو بھرنے کا نام ہی نہیں لیتیں...... تم دیکھ لینا ایک دن میں کام کر کر کے اسی کچن میں ختم ہو جاؤں گی۔ سچ کہتی ہوں نجو...... غیر شادی شدہ لڑکی تو شاہی زندگی گزارتی ہے...... شادی شدہ زندگی تو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ تم تو خوش قسمت ہو...... اور پاگل ہو جو شادی نہ ہونے کو اپنی بدقسمتی سے تعبیر کر رہی ہو۔ ارے...... شادی کے لڈو تو جو کھائے وہ بھی پچھتائے اور جو نہ کھائے وہ بھی...... لیکن میں تو کہتی ہوں کہ جو یہ لڈو نہ کھائے وہ بالکل بھی نہیں پچھتائے گا...... شادی والا بندہ زیادہ پچھتاتا ہے...... اب دیکھو گھر میں ساس سسر ہیں...... اب دونوں ایک جیسا کھانا کھاتے تو ٹھیک تھا، ٹرے سجا کر دونوں کے آگے رکھ دیتی...... لیکن توبہ کرو...... ساس صاحبہ کو پھیکے سیٹھے کھانے تو سسر کو چٹخارے دار کھانے مرغوب ہیں۔ جس دن سالن میں مسالا کم پڑا تو موصوف مجھ پر چیخنے لگتے ہیں...... اب سوچو تو نجو...... میں بھی انسان ہوں۔ کبھی موڈ نہیں بھی ہو سکتا کھانا پکانے کا...... کبھی طبیعت بھی خراب ہو سکتی ہے اور بڑی بی بھی نہ کی بیشی برداشت کر سکتی ہیں نہ وقت کا آگے پیچھے ہونا...... صبح ناشتا ٹھیک سات بجے کرتی ہیں اور دوپہر کو کھانا ایک بجے کھاتی ہیں...... ایک بج کر دس منٹ بھی ہو جائے تو منہ پھلا لیتی ہیں...... میں تو مستقل کمر درد کی مریضہ بن کر رہ گئی ہوں...... اور نندیں...... نندوں کی بات کر رہی ہو ناں...... تو نجو...... ایسی پڑھائیاں تو ہر کوئی کر سکتا ہے جیسے میری نندیں کرتی ہیں...... بس فیشن اور پڑھائی...... کسی کام میں مدد کا کہو تو جھٹ پڑھائی کا بہانہ بنا دیتی ہیں...... کچن میں جھانکتی تک نہیں...... یاد ہے، ہم پڑھائیاں بھی کرتے تھے اور گھر کا سارا کام بھی دیکھتے تھے......ہم نے تو نہ کبھی خود پر رحم کھایا ہے نہ گھر میں کسی اور نے ہم پر رحم کھایا...... امتحان کے دنوں میں بھی اپنا معمول کا کام نپٹا کر پھر رات گئے تک امتحان کی تیاری کرتے تھے۔ اب آ کر میرے گھر میں دیکھو تو نندیں امتحان کے دنوں میں جیسے شیشے کی مورتیاں بن جاتی ہیں جو ہاتھ لگانے سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ رات کے وقت ان کو گھڑی، گھڑی دودھ کا گلاس دینا ہوتا ہے جس میں کُٹے بادام شامل ہوتے ہیں کہ دماغ ٹھیک سے کام کرے...... لو جی پھر بھی نمبر کم آتے ہیں...... سچ کہتی ہوں نجو...... جب ان کے امتحان ہوتے ہیں تو مجھے لگتا ہے جیسے میرے امتحان ہو رہے ہیں...... ٹینشن کچھ اور سوا ہوتی ہے...... اچھا اب خط بند کر رہی ہوں تمہارے جواب کا انتظار رہے گا سب کہتے ہیں کہ آج کل خط کا زمانہ نہیں رہا لیکن میرا کتھارسس تو اپنے دکھ کو کاغذ کے سپرد کر کے ہوتا ہے۔ فون پر تو بات نہیں ہو سکتی کہ سارے گھر والوں کے جسم کان بن کر میری باتیں سنتے ہیں...... اب کچن میں جاتی ہوں...... اللہ حافظ......

تمہاری نازنین عرف نازو......"

☆☆☆

"پیاری نجمہ، السلام علیکم......!

"تم نے جواب اتنی دیر سے دیا۔ مجھے تو ہر پل تمہارے خط کا انتظار رہتا تھا...... تم نے میرے میاں سرفراز کا پوچھا ہے تو ان کے بارے میں کیا بتاؤں...... ویسے تو وہ ایک کیئرنگ اور رومینٹک شوہر ہیں۔ مجھے تو کبھی، کبھی لگتا ہے جیسے میں اگر ان سے ان کی جان بھی مانگوں تو انکار نہیں کریں گے اور لگتا ہے جیسے مجھ سے زیادہ ان کے لیے اور کوئی نہیں...... لیکن نجو...... یہ صرف کبھی، کبھی ہوتا ہے۔ اور سب کے سامنے ایسے اجنبی بن جائیں گے جیسے مجھ سے ان کی کوئی جان پہچان ہی نہیں...... نظریں چرائیں گے اور میری شکوہ بھری نظروں سے کبھی نظریں نہیں

ملائیں گے...... جانے لوگ اپنی شخصیت کو دو حصوں میں کیسے تقسیم کر لیتے ہیں...... ہاں تم نے میری شادی شدہ نند کے بارے میں پوچھا ہے تو کیا بتاؤں مجھے تو اس کے ہر وقت کے گھومنے پر غصہ آیا رہتا ہے۔ ہفتے کے پانچ دن تو وہ اِدھر پائی جاتی ہے...... یعنی ہمارے گھر میں، ابھی کل ہی قیمہ کریلے کی فرمائش کر رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ کریلوں کا کام تو بہت لمبا ہوتا ہے۔ ہاں اگر تم کریلے چھیل کر صاف کر دو تو میں ضرور بنا دوں گی...... تو جانتی ہو...... کیا جواب دیا...... منہ پھاڑ کر کہہ دیا کہ چھیلنے کا کام تو مجھ سے نہیں ہوتا ورنہ کیا میں اپنے گھر میں نہ بنا لیتی...... میں کوئی جواب دیے بنا کچن میں جانے لگی تو ساس صاحبہ فرمانے لگیں...... ''مہمان نند نے فرمائش کی ہے اور تم الٹا اسی سے کام لینے کا سوچ رہی ہو...... ارے کیسی بھاوج ہو...... خوش نہیں ہوتیں کہ نند نے فرمائش کی ہے...... اور مانگا بھی تو کیا کریلے ہی بنانے کو کہا ہے ناں...... کوئی پہاڑ سر کرنے کو تو نہیں کہا...... '' اب تم ہی بتاؤ نجو...... کیا جواب دیتی انہیں...... اور کیسے انکار کرتی...... دو ہانڈیوں کے ساتھ، ساتھ کریلوں کی ہانڈی بھی چڑھانی پڑی...... تم نے کہا کہ کبھی، کبھی بیماری کا بہانہ بنا دیا کروں...... تم بہانے کی بات کرتی ہو یہاں تو سچ مچ بیمار پڑ جاؤں تو بھی کوئی معاف نہیں کرتا...... نجو پیاری...... یہ سسرال ہے میکا نہیں...... جہاں کوئی رحم کھائے...... ڈیوٹی ہر حال میں کرنی ہوتی ہے...... اچھا...... اب ختم کرتی ہوں...... خط کا جواب ضرور دینا۔

تمہاری...... نازنین عرف نازو......''

☆☆☆

''پیاری نجمہ، السلام علیکم......!

''اس بار تم نے میرے خط کا جواب بہت لیٹ دیا۔ نجو ایک تم ہی میری واحد دوست ہو جس سے

میں دل کی ہر بات کہہ سکتی ہوں...... لیکن تمہارا خط پڑھ کر میرے اندر کے گلے شکوے خود بخود دم توڑ گئے...... تم بھی سچ کہتی ہو کہ تم بھی خاصی مشکل میں ہو...... سارے گھر کا کام کرتی ہو...... شادی شدہ بہنوں کی مہمان نوازیاں کرتی ہو...... ان کے بچوں کی آیا گیری کرتی ہو...... ماں، باپ کو سنبھالتی ہو...... پھر بھی گھر میں تمہاری کوئی قدر نہیں...... کسی کو تمہارا خیال نہیں...... حتیٰ کہ تمہارے ماں، باپ بھی تمہاری شادی میں دلچسپی نہیں لیتے ...... کتنے ہی رشتے آئے لیکن چھوٹی، چھوٹی باتوں پر انہیں انکار کر دیا گیا...... تمہارے بھائی یہ کہہ کر اپنا دامن جھٹک لیتے ہیں کہ ابھی ہمارے ماں، باپ زندہ ہیں تو رشتے ناتے کرانا ان کی دردِ سری ہے، ہماری نہیں...... رہی بھابیاں...... تو وہ مفت کی ملازمہ بھلا کیوں ہاتھ سے جانے دیں گی...... تم نے اپنے خط میں مجھے خوش قسمت کہا ہے کہ کسی نے میرے رشتے میں روڑے نہیں اٹکائے اور آرام سے میری شادی ہو گئی......

ارے نجو پگلی...... اگر تم خوش نہیں ہو تو میں کون سی خوش ہوں...... تم تو پھر بھی اپنے گھر میں ہو...... اپنے ماں، باپ کی، اپنی بہنوں اور بھائیوں کی خدمت کرتی ہو جبکہ میں تو غیروں میں بیٹھی ان کی خدمتیں کرتی ہوں۔ اور پھر بھی ان کے منہ لٹکے رہتے ہیں۔

چلو مٹی ڈالو سب پر...... میری سسرال والوں کے اتنے قصے ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آتے اس لیے تو ہم اپنی باتیں کر ہی نہیں سکے...... بس ان کم بختوں کی باتیں کیے جاؤ...... ہر روز ایک نیا قصہ...... ہر روز ایک نیا فضیحتہ...... سمجھ میں نہیں آتا اس کا اختتام کب ہو گا...... کب وہ دن آئے گا جب سرفراز مجھے الگ گھر لے کر دے گا...... جہاں میری حکومت ہو گی...... کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہو گا...... لیکن وائے قسمت...... مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہو گا...... کبھی نہیں ہو گا...... ہاں کبھی نہیں...... اچھا اب خط بند کرتی ہوں لیکن نجو...... میری جان خط کا جواب دیر سے مت دینا...... کہ تمہارے خط میری اندھیری زندگی میں روشنی کی کرن بن کر آتے ہیں۔

فقط تمہاری نازنین عرف نازو......''

دروازہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ کھلا...... نازو کے ہاتھ میں کاغذات کا پلندہ تھا ...... اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا...... آنے والی نجمہ تھی۔

''نجو...... تم اس وقت......؟'' نازنین حیرت سے بولی۔ بستر پر دھم کی آواز کے ساتھ نجمہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں میں...... کیا تمہارے گھر آنے کے لیے بھی مجھے مناسب اور نامناسب وقت کو دیکھنا ہو گا۔''

''نہیں...... نہیں'' نازنین تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا...... لیکن تم کبھی اس وقت آئی نہیں ہو ناں...... اس لیے......''

''اس سے پہلے کبھی بھابی کے اتنے ڈھیر سارے رشتے دار اتنی صبح آئے بھی نہیں تھے...... آج تو کسی رشتے دار کی شادی میں صبح، صبح کراچی ٹرین کے ذریعے یہ مجمع سیدھا ہمارے گھر پہنچ گیا...... اور میں بھابی کی ملازمہ بن کر اُن کے سارے رشتے داروں کو ناشتا کرا کر آئی ہوں...... پورے تیس پراٹھے...... دیگچیاں بھر، بھر کر چائے اور بے شمار آملیٹ بنا کر میرے ہاتھ شل ہو گئے...... میں نے گھر میں مارے غصے کے چائے کا ایک کپ تک نہیں پیا...... اور سیدھی تمہارے پاس آ گئی...... کہ تمہارے ساتھ ناشتا بھی کروں گی اور چائے بھی پیوں گی......''

''اچھا...... ٹھیک ہے، تم بیٹھو...... میں ابھی چائے لائی۔''

''ہوں...... ناشتے کے ساتھ......''

''ہاں...... ٹھیک ہے۔'' نازنین کمرے سے باہر نکل گئی...... نجمہ اس کے بستر پر پھیل کر بیٹھ گئی اور

وہ کاغذ اٹھا کر پڑھنے لگی جسے نازنین نے دراز کے اوپر رکھا تھا..... جوں، جوں وہ کاغذ پڑھتی گئی مارے حیرت کے اس کا سارا وجود منجمد ہونے لگا۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا کاغذ وہ پڑھتی گئی اور کاغذات کا سارا پلندہ اس نے ختم کر دیا..... اس کے حواس جیسے ساتھ چھوڑنے لگے..... ہاتھ پیروں میں لرزش ہونے لگی۔ نازنین ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے لیے اندر کمرے میں آ گئی تو اسے یہ سب سمجھنے میں صرف چند منٹ لگے..... اور سب سمجھ کر ناشتے کی ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹتے، چھوٹتے رہ گئی..... اس کا راز عیاں ہو گیا تھا۔ اس کا دل رکنے لگا..... وجود پسینے میں نہا گیا..... بڑی دیر تک دونوں کے بیچ بالکل خاموشی رہی..... پھر پہل نجمہ نے ہی کی۔

''کیا..... پھر کوئی رشتہ آیا ہے..... تمہارے لیے؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا..... بات کرنے کے قابل نہیں رہی تھی..... آنسو حلق میں پھنسنے لگے تھے۔

''ہمیشہ کی طرح چاچا نے چاچی نے بھائیوں نے انکار کر دیا۔ کسی چھوٹی سی بات کو جواز بنا کر..... ہے ناں؟''

اب کے اس کے آنسو بے آواز گرنے لگے..... نجمہ نے اٹھ کر اسے اپنے قریب کر لیا..... اور اس کے لرزتے کانپتے وجود کو خود سے لگا کر وہ بولی۔

''تم نے ان خطوط میں اپنی سسرال کا جو نقشہ کھینچا ہے کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہیں مستقبل میں ایسی سسرال ملنے والی ہے؟''

''نہیں.....'' اس نے اپنے ہونٹ سختی سے کاٹتے ہوئے نفی میں زور، زور سے سر ہلا دیا اور ڈبڈبائی آواز میں بولی۔ ''نہیں..... مجھے معلوم ہے کہ میری شادی کبھی نہیں ہوگی۔ اس لیے میں خود کو سمجھاتی ہوں..... کہ مجھے ایسی سسرال ملے گی اس لیے..... اس لیے کہ مجھے شادی سے نفرت ہو جائے..... وہ اس لیے کہ میری شادی کبھی نہیں ہو سکتی۔''

''ہاں!'' نجمہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''اس لیے کہ تم اور میں اپنے، اپنے گھر والوں کی ملازمائیں ہیں..... اسی طرح خدمتیں کر، کر کے ہم ختم ہو جائیں گی..... ہماری ڈولیاں کبھی نہیں اٹھیں گی..... لیکن نازو..... تم نے اپنے خوابوں کو اپنے خیالوں کو اور اپنے تصورات کو اتنا بدصورت کیوں بنا رکھا ہے۔ میری طرح اپنے خیالات کو خوب صورت کیوں نہیں رکھتیں..... کہ حقیقت میں نہ سہی..... خیالوں میں تو خوشی حاصل ہوگی ناں.....''

نازنین نے اپنی ڈبڈبائی نظریں اس کی طرف اٹھا کر حیرت سے کہا۔

''تو کیا تم بھی.....؟''

''ہاں.....'' اب کے رونے کی باری نجمہ کی تھی۔ ''میرے تصور میں میرا میاں ایک شہزادہ ہے جو مجھ پر فدا ہے اور جب ساس، نندوں کے تیر کمان سے نکلتے ہیں تو وہ سارے تیر اپنے سینے پر سہہ لیتا ہے..... اور ساس نندوں کا چہرہ بھی اتنا بدصورت نہیں..... جتنا تم نے اپنے خطوط میں بتایا ہے۔ اچھا سا ایک پیارا سا گھر ہے، میرا جان چھڑکنے والا میاں ہے..... دو پیارے، پیارے بچے ہیں اور میں ملکہ ہوں اپنے گھر کی..... اپنی راجدھانی کی..... اچھا چھوڑو یہ سب..... پر ایک بات بتاؤ۔'' نجمہ نے اپنے بہتے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف جھک کر پوچھا۔

نازو نے آنکھیں اٹھا کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''اب جو رشتہ آیا تھا..... اس میں لڑکے کا نام سرفراز تھا کیا.....؟'' نازو کی آنکھیں ایک بار پھر سے جل تھل ہو گئیں اس نے اثبات میں سر ہلایا تو نجمہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور دونوں سہیلیاں زار و قطار رونے لگیں۔

چوتھا حصہ

# متاعِ دل

نبیلہ ابرراجا

وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ مائرہ انجانے خدشوں کا شکار ہونے لگی اور وہ خدشے سچ بھی ثابت ہوگئے تھے۔ شاہ زیب کی آنکھوں کی دھندلاہٹ اس کے لیے موت کا خاموش پیغام ثابت ہوئی تھی۔ پہاڑی علاقوں میں ذرا سی غلطی زندگی سے ہمیشہ کے لیے دور کردیتی ہے۔ گاڑی اچانک اچھلی، اس کے قابو سے باہر ہوئی۔ اس کے اگلے ویل چند ثانیے کے لیے ہوا میں معلق ہوئے پھر سب کچھ شاہ زیب کے ہاتھ سے

نکل گیا۔ سڑک کے اس سمت گہری کھائی تھی جو ذرا سی بھول چوک پر جان لینے میں دیر نہیں لگاتی۔ گاڑی کا اگلا حصہ نیچے کی طرف جھکا۔ شاہ زیب نے دیوانہ وار گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر کی طرف نکلنے کی کوشش کی...... یہ اس کی بے وقوفی تھی سامنے خلا تھا پل بھر میں گاڑی کا پچھلا حصہ بھی نیچے کی طرف جھکا۔ اس نے ایک زبردست سا ہچکولا لیا۔ تب تک شاہ زیب بھی دروازہ کھول چکا تھا پر اس وقت تک زندگی، موت سے ہار چکی تھی۔ گاڑی بہت تیزی سے نیچے کھائی کی طرف جارہی تھی۔ اب شاہ زیب کی سماعتوں میں کوئی آواز نہیں تھی، سب کچھ خاموش ہو چکا تھا۔ گہرا سناٹا تھا، نیچے کھائی میں بہت گہرا اندھیرا تھا۔ اس سے بھی گہرا اندھیرا شاہ زیب کے وجود پر اترا ہوا تھا۔ اسے کسی قسم کی طبی امداد کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ موت نے ہر ضرورت سے اسے بے نیاز کر دیا تھا۔ اندھیرے میں کسی نے یہ حادثہ رونما ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

دُرِ یکتا کے لائے گئے پانی کے گلاس سے چند گھونٹ پی کے عمر زیب نے گلاس منہ سے ہٹا لیا تھا۔

''ڈاکٹر عظیم کو فون کروں، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔'' انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''میں ٹھیک ہوں، مجھے شاہ زیب کی طرف سے پریشانی لگی ہوئی ہے۔ ابھی تک اس نے کال نہیں کی ہے۔ میں کیسے رابطہ کر کے پوچھوں کیونکہ وادیِ نیلم میں میرا دور، دور تک کوئی جاننے والا نہیں ہے۔'' وہ بے بسی سے سر پکڑے بیٹھے تھے۔

''پپا ہو سکتا ہے کہ بھائی بھول گیا ہو۔''

''نہیں، نہیں وہ بھول نہیں سکتا۔ اس بار جب وہ جانے سے پہلے مجھ سے ملنے آیا تو اس کے تیور بھولنے والے نہیں لگ رہے تھے۔'' انہوں نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

''پپا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بھائی کو کوئی پرابلم ہو گئی ہو۔'' دُرِ یکتا ان کے بدترین خدشے کو الفاظ کی صورت میں ڈھال چکی تھی۔ انہوں نے وحشت بھری نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا۔ وہ اب کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ اس کا امکان بھی تو بہر حال موجود تھا۔

''ارے مائرہ ہی کال کر دیتی، ان لوگوں نے مجھے ہوٹل کا نمبر ہی نہیں دیا۔ میں وہاں سے پتا کر لیتا۔'' اب وہ غصے میں تھے۔ ان کا حال بہت بے قراری لیے ہوئے تھا۔

''پپا دیکھ لیں ابھی بہت ٹائم ہے، بھائی یا بھابی میں سے کوئی نہ کوئی کال کر لے گا۔'' وہ پورے یقین سے بولی تھی۔ وہ فقط سر ہلا کر رہ گئے۔ کبھی کمرے میں ٹہل رہے تھے، کبھی وال کلاک پر وقت دیکھ رہے تھے، کبھی بیٹھ جاتے تو کبھی کھڑے ہو جاتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ ان کے اضطراب اور کرب میں بجائے کمی ہونے کے اضافہ ہی ہو رہا تھا۔

''اے میرے مولا، میرے بچے کے بارے میں مجھے جلد از جلد آگاہ کر دے۔'' ان کے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی تھی اور فوراً قبولیت کے زینے پر فائز ہوئی کیونکہ یہ ایک مضطرب باپ کے دل سے نکلی دعا تھی۔ عمر زیب کا سیل فون بجنا شروع ہو گیا تھا۔ دُرِ یکتا نے اٹھا کے دیکھا۔ کوئی اجنبی سا لینڈ لائن نمبر تھا۔ عمر نے اشارے سے فون مانگا۔ دریکتا نے آن کرنے سے پہلے ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہیں پوری امید تھی کہ یہ فون کال شاہ زیب کے حال چال کے بارے میں انہیں کوئی آگاہی دینے والی ہے۔ انہوں نے بے تابی سے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف مائرہ تھی، ان کے دل کو جیسے کسی نے اچانک تیز دھار آلے سے چیر ڈالا تھا۔ مائرہ رو رہی تھی۔

''عمر چچا، شاہ زیب کافی دیر سے گاڑی لے کر نکلے ہوئے ہیں ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں۔ ہوٹل کے منیجر نے اپنے کچھ لوگ شاہ زیب کی تلاش میں روانہ کیے وہ ابھی، ابھی واپس آئے ہیں اور بتا رہے

ہیں کہ کچھ پتا نہیں چلا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شاہ زیب کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہیں اور اب وہ صبح ہونے پر ہی دوبارہ تلاش کا کام شروع کریں گے۔'' اس نے روتے، روتے بتایا تھا۔ عمر زیب کے ہاتھ سے سیل فون چھوٹ کے نیچے کارپٹ پر گر گیا۔ وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت وصامت بیٹھے تھے۔ مائرہ نے اتنا کچھ بتایا تھا، وہ ایک لفظ تک نہیں بولے تھے۔ دریکتا نے ایک نظر پپا کی طرف اور دوسری نظر سیل فون پر ڈالی گرنے کے باوجود رابطہ بحال تھا۔ اس نے فون کان سے لگالیا۔ اس کی سماعتوں سے مائرہ بھابی کی جانی پہچانی آواز ٹکرائی۔

''بھابی مجھے کچھ تو بتائیں کیا ہوا ہے۔'' وہ گاہے بگاہے پپا کی طرف بھی دیکھ رہی تھی جو فون سننے کے بعد بالکل خاموش تھے۔ مائرہ بھابی نے جو کچھ بتایا اسے سننے کے بعد دریکتا کو بھی پپا کی طرح چپ لگ گئی۔ وہ ان کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔

''پپا آئیں، اپنے کمرے میں چلیں۔''

''نہیں، میں اِدھر ہی ٹھیک ہوں.....'' دریکتا کو یوں لگا جیسے یہ آواز پپا کے منہ سے نہیں نکلی ہے۔ وہ بہت سرد اور بے حس سے لگ رہے تھے۔ جیسے یہ اس کے پپا نہ ہوں ان کے بھیس میں کوئی اور ہو۔

مائرہ اپنے والدین کو بھی کال کر کے بتا چکی تھی کیونکہ پندرہ منٹ گزرنے کے بعد تایا اورنگزیب، شیریں تائی، سائرہ اور بھائی ان کے گھر چلے آئے۔ شیریں بے حد پریشان تھیں۔ مائرہ انہیں بتانے کے دوران مسلسل روتی رہی تھی۔ اورنگزیب کا بھی بُرا حال تھا۔ وہ رات ان سب نے جاگ کر اکھٹے اِدھر ہی گزاری۔ کسی نے ایک پل بھی آنکھ نہیں جھپکی تھی۔ ایسے عالم میں نیند آنی بھی کس کو تھی۔ عجیب تکلیف اور اذیت سے بھری رات تھی۔ ان سب کا دکھ مشترکہ تھا اس لیے دلوں کے فاصلے جو کچھ عرصہ قبل اچانک در آئے تھے خود سے ہی ختم ہو گئے تھے۔

☆☆☆

مائرہ کی آنکھ تھوڑی دیر کے لیے لگی تھی اور پھر خود ہی کھل گئی۔ اس نے بہت برا خواب دیکھا تھا۔ نیند کے مختصر سے وقفے کے دوران اس نے خواب بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد اس سے سویا ہی نہیں گیا۔ رات گزر ہی نہیں رہی تھی۔ بڑی مشکل سے انتظار کے بعد صبح ہوئی۔

شاہ زیب کی تلاش میں ایک تجربہ کار امدادی پارٹی روانہ ہوگئی تھی۔ مائرہ اپنے کمرے سے اٹھ کر باہر ہوٹل کی بالکونی میں کھڑی ہوگئی تھی۔

☆☆☆

سڑک کے بائیں جانب امدادی پارٹی کے آدمی کو شیشے کے ٹوٹے ہوئے بہت سارے ٹکڑے نظر آئے۔ اس نے چیخ کر اپنے دوسرے ساتھی کو بھی آواز دی۔ سڑک کے بائیں جانب گہری کھائی تھی، اس کے کنارے پہ جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ انہی جھاڑیوں میں اسے پھنسی ہوئی گاڑی کی لائٹ نظر آئی۔ اس نے سڑک کے کنارے بیٹھ کے وہ ٹوٹی ہوئی لائٹ کا ٹکڑا باہر نکالا۔ اتنے میں اس کا دوسرا ساتھی بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے طارق.....'' اس نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

''یہ دیکھو گاڑی کی ہیڈ لائٹس کے ٹکڑے ملے ہیں، میرا خیال ہے کہ گاڑی اسی کھائی میں گری ہے یہ بہت گہری ہے، تم باقی ساتھیوں کو بھی فوراً بلاؤ اور کھائی میں اترنے کا انتظام کرو، میں اتنے میں ہوٹل جا کے اطلاع کرتا ہوں..... نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ بدقسمت نوجوان اسی جگہ کسی حادثے کا شکار ہوا ہوگا۔'' وہ اپنے دوسرے ساتھی سے بات کر رہا تھا۔

طارق ہوٹل آ گیا اور منیجر کو مطلع کیا ساتھ وہ ٹوٹی ہوئی ہیڈ لائٹس کے ٹکڑے بھی دکھائے۔ منیجر خود اس کے ساتھ وہاں پہنچ گیا جہاں سے وہ گاڑی کی لائٹس کے ٹکڑے ملے تھے۔ اسے تاسف سا ہوا۔ اس نے

سڑک سے آگے گہری کھائی میں دیکھا مگر گہرے لامتناہی اندھیروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ طارق کی طرح اس کا دل بھی کہہ رہا تھا کہ شاہ زیب نامی نوجوان مُردہ حالت میں اسی کھائی کی تہ میں موجود ہے۔ طارق کے ساتھی اپنے کام کا آغاز کر چکے تھے۔ شدید جان توڑ محنت کے بعد انہیں کامیابی نصیب ہو ہی گئی مگر انہیں اس کامیابی کی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ شاہ زیب کا مردہ وجود کھائی کی تہ میں موجود تھا۔ بہت مشکل سے اوپر نکالا گیا۔ لاش کی حالت خراب تھی۔ اس کے چہرے پر اذیت اور حسرت رقم تھی۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ خاص طور پر منیجر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کیسا بانکا، سجیلا نوجوان تھا جسے موت کے بے رحم ہاتھ مٹی میں ملا گئے تھے۔

☆☆☆

عمر زیب ٹکر ٹکر ایک، ایک کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ صبح سے سب ایک ہی بات کر رہے تھے کہ شاہ زیب چلا گیا ہے، شاہ زیب چلا گیا ہے۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ ان کا پورا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان کا اپنا حلقۂ احباب خاصا وسیع تھا۔ شاہ زیب کے دوست، ملنے جلنے والے...... اورنگزیب کے توسط سے آئے لوگ، غرضیکہ ایک ہجوم تھا لوگوں کا...... اور اس ہجوم کے بیچ عمر زیب ایک واحد ایسے شخص تھے جن کی آنکھوں سے ایک آنسو تک نہیں ٹپکا تھا۔ وہ سب کے چہروں کی طرف دیکھ رہے تھے اورنگزیب بھائی کا چہرہ، شیریں بھابی کا چہرہ، مائرہ کا چہرہ...... اور تو اور ان چہروں کے درمیان ہارون اور نوید بھائی کا چہرہ بھی تھا۔ ان کی آنکھیں شدتِ گریہ سے لال تھیں۔

طاہر لغاری بھیڑ سے بچتے بچاتے عمر زیب تک پہنچے جو اب بھی غائب دماغی کی حالت میں لوگوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

''میرے دوست رو لے، ایک بار جی بھر کر رو لے...... ورنہ یہ رکے ہوئے آنسو تیرے اندر آگ لگا دیں گے۔ اس زہر کو آنکھوں کے راستے باہر نکال دو۔ دیکھو تھوڑی دیر میں شاہ زیب کو قبرستان لے جانے والے ہیں سب لوگ۔ اٹھو اپنے لاڈلے کا دیدار کرلو۔ آخری بار...... پھر اسے کبھی نہیں دیکھ پاؤ گے...... وہ بچھڑ گیا ہے، ہم سب سے۔ عمر تم نے سنا وہ بچھڑ گیا ہے، ہم سب سے۔''

طاہر لغاری نے ان کے کندھے بری طرح جھنجوڑ ڈالے...... ان کی حالت میں سرمو کوئی تبدیلی بھی واقع نہیں ہوئی۔ وہ اپنی خالی ویران آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے۔ شاہ زیب کا زخمی لاشہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہی تو ایمبولینس سے اتارا گیا تھا۔ لوگ بھانت، بھانت کی بولیاں بول رہے تھے کہ شاہ زیب کی گاڑی وادیٔ نیلم میں ایک کھائی میں گر گئی تھی اور وہ زندہ نہیں بچا۔ لاش کی حالت بہت بری ہے، اس طرح کی اور کتنی باتیں تھیں جو لوگ عمر زیب کے سامنے کر رہے تھے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ نہ چیخے، نہ چلائے، نہ روئے، نہ فریادیں کیں بس خاموشی سے سارا منظر دیکھتے رہے۔ شاہ زیب اجلی چادر والی چارپائی پر ان کے سامنے ہی تو سویا ہوا تھا۔ باقی جسم کے مقابلے میں اس کے چہرے کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا۔ عمر زیب کو اتنا یاد تھا کہ شاہ زیب گھومنے پھرنے کے لیے وادیٔ نیلم گیا ہوا ہے۔ بس انہیں ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ جب وہ لوگ گھومنے پھرنے کے لیے گئے تھے تو پھر یہ ان کے سامنے کیونکر لیٹا ہوا تھا۔ نہ بول رہا تھا، نہ ہل رہا تھا، نہ آنکھیں کھول رہا تھا۔ ایک جگہ پہ ساکت تھا۔ انہوں نے اس سے کتنی بار پوچھا تھا کہ تم کیوں لیٹے ہوئے ہو۔ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہے۔ تمہارے لب خاموش کیوں ہیں۔ میں نے پوری رات تمہاری فون کال کا انتظار کیا ہے سویا نہیں ہوں۔ تم ناراض ہو مجھ سے کسی بات پر تم بتاتے کیوں نہیں......، میں نے تمہاری ساری ضدیں پوری کی ہیں اگر تم نے اپنی کوئی اور ضد منوانے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے تو بتاؤ، میں تمہاری وہ ضد بھی پوری کردوں گا...... تم اٹھو اور چپکے سے میرے کان میں کہہ دو۔ ہاں، ہاں شاباش بول دو ناں اپنے پپا سے بول دو...... پر شاہ

زیب نہیں بولا نہ اس کے ساکت لب ہلے..... انہوں نے اب چیخ، چیخ کے بلند آواز میں بولنا شروع کر دیا۔

''شاہ زیب بولو جواب دو، میں تم سے پوچھ رہا ہوں ناں ...... کیوں نہیں بولتے۔'' انہوں نے اجلی چادر والی چارپائی پہ سوئے ہوئے شاہ زیب کو اچانک دونوں کندھوں سے پکڑ لیا۔ طاہر لغاری اور اورنگزیب دونوں بیک وقت ان کی طرف بڑھے اور بہ مشکل تمام شاہ زیب کے کندھے ان کی گرفت سے آزاد کرائے۔

''دیکھو نہیں بولتا نہیں جواب دے رہا میری بات کا، نافرمان ہو گیا ہے۔ تم لوگ اس سے بات کرو ناں کہ میری بات کا، میرے سوالوں کا جواب دے۔'' طاہر لغاری کا کلیجا اپنے عزیز دوست کو اس حال میں دیکھ کے جیسے منہ کو آنے لگا۔ شاہ زیب کی جوان حسرت ناک موت نے عمر زیب سے ان کے حواس چھین لیے تھے۔ وہ اب ہوش و حواس سے عاری اس شخص کے مانند ہو گئے تھے جسے یہ تک پتا نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے، کیوں کر رہا ہے۔ ہاں، عمر زیب پاگل ہو گئے تھے۔ شاہ زیب کا جنازہ اٹھایا جانے لگا تو تین مردوں نے عمر کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔ وہ بار، بار شاہ زیب کے بے جان جسم کی طرف... لپک رہے تھے۔

''اس سے پوچھو ناں کیوں نہیں بولتا، جواب کیوں نہیں دیتا میری بات کا......؟'' وہ بار، بار یہی سوال کر رہے تھے۔ شاہ زیب اس قابل ہوتا تو بولتا ناں...... وہ اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

شاہ زیب کو اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچا کے سب مرد گھر لوٹ آئے تھے۔

طاہر لغاری اور اشعر بھی عمر زیب کے گھر ہی تھے۔ عمر کی ذہنی و جسمانی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اشعر ڈاکٹر کو گھر لے آیا۔ اس نے عارضی طور پر عمر زیب کو انجکشن لگایا اور سلیپنگ پلز دیں۔ فی الحال نیند ان کے لیے اچھی تھی۔ ڈاکٹر نے جاتے، جاتے گھر والوں سے کہا کہ عمر زیب کو فوراً کسی دماغی معالج کو دکھائیں ورنہ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ ان کی ذہنی حالت ابتر ہوتی جائے گی۔ دریکتا اور مائرہ کو تو اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔ باقی عورتیں اندر پُرسہ دینے والوں کے پاس بیٹھی تھیں۔ اشعر نے زبردستی عمر زیب کو دودھ کے ساتھ نیند کی گولی دی۔ اس نے سارا دن اِدھر ہی گزارا تھا۔ خاصی بھاگ دوڑ کی تھی۔ اب تھکا ہوا تھا اپنے گھر جا کے آرام کرنا چاہ رہا تھا۔ پپا اِدھر ہی تھے وہ اپنی گاڑی لے کر واپس آ گیا۔

بیڈ پر سونے کے لیے لیٹا تو آج کے دن کے سارے واقعات نگاہوں میں پھرنے لگے۔ شاہ زیب کی موت کا اسے بھی بہت زیادہ دکھ تھا۔ دُرّیکتا کو اس نے پھوٹ، پھوٹ کے روتے دیکھا تھا وہ لڑکی سارا دن روتی رہی تھی۔ اشعر نے سوچا پتا نہیں ان لڑکیوں کی آنکھوں میں اتنے آنسو کہاں سے آ جاتے ہیں جو تھکتی ہی نہیں ہیں۔ دریکتا کو پھوٹ، پھوٹ کے روتے دیکھ کے ایک بار اس کے جی میں آئی تھی کہ اسے چپ کروا دے۔ پر وہ اس پر عمل نہیں کر پایا تھا۔ وہ اس کے بعد عورتوں کے ہجوم میں کہیں گم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

شیریں نے مائرہ کو زبردستی تھوڑا کھانا کھلایا۔ وہ کل سے بھوکے پیٹ تھی۔ ایک کھیل تک اس کے منہ میں نہیں گئی تھی۔ ساتھ اس کی طبیعت بھی عجیب گری، گری سی ہو رہی تھی۔ کچھ کھانے کو دل چاہتا بھی نہیں تھا اور دو دن سے بھوک ویسے بھی مری ہوئی تھی۔ شیریں کی ساری توجہ بیٹی پر مرکوز تھی۔ دریکتا کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا۔ غم کا پہاڑ تو اس پر بھی ٹوٹا تھا۔ جوان بھائی کی جدائی کا صدمہ اس نے بھی جھیلا تھا۔ شیریں، مائرہ کی ماں تھیں اس کی تو نہیں جو اِس کے لیے فکر مند ہوتی۔ فوزیہ چچی نے ایک بار اسے کھانے کا پوچھا لیکن اس کے نفی میں سر ہلانے پر دوبارہ نہیں کہا۔ اس کا بی پی لو ہو رہا تھا، چکر آ رہے تھے جہاں بیٹھی تھی

ٹیک لگا کے وہیں سوگئی۔ دنیا کے ہنگامے اپنی جگہ تھے۔ سب اپنے، اپنے معمول کے کام کرنے لگے کب تک شاہ زیب کا غم مناتے یا اسے روتے۔

☆☆☆

عمر زیب کو طاہر لغاری باقاعدگی سے ڈاکٹر کے پاس لے جارہے تھے۔ یہ بات اورنگزیب اور نوید کے ساتھ ہارون کو بھی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ طاہر لغاری کو ناپسند کرنے والوں میں شیریں بھی تھیں۔ وہ ہر روز عمر زیب کا پتا کرنے آتے۔ ان کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے، انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتے۔ کیونکہ گھر میں کسی اور کو ان کا چنداں احساس نہیں تھا کہ عمر زیب کی ذہنی حالت کے پیشِ نظر مکمل علاج اور سکون کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

شاہ زیب کے انتقال کو چالیس دن گزر چکے تھے۔ عمر زیب کے سارے بھائی بھابیاں ابھی شہر میں ان کے گھر میں ہی مقیم تھے۔ سب اس طرح رہ رہے تھے کہ برسوں سے اس گھر کے رہائشی ہوں۔ دُرِ یکتا خود کو اپنے ہی گھر میں اجنبی اور اوپرا اوپرا سا محسوس کرنے لگی تھی۔

مائرہ کی طبیعت آج بہت خراب تھی صبح سے دل بیزار سا تھا اور متلی والی کیفیت تھی۔ شیریں نے اس سے کہا کہ تیار ہو جاؤ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ کمزوری کے باعث اس کی حالت ایسی تھی کہ انکار نہ کرسکی۔ مائرہ چوں چرا کیے بغیر ان کے ساتھ ہولی۔

لیڈی ڈاکٹر نے چیک اپ اور مائرہ کے کچھ ٹیسٹ کرنے کے بعد خوشخبری سنائی کہ آپ کی بیٹی امید سے ہے۔ شیریں بظاہر خوش مگر اندر سے پریشان تھیں۔

''مائرہ بات سنو...... ! گھر جا کے کسی سے اس بات کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو ڈاکٹر نے کہا ہے۔ اس مصیبت کی کسر رہ گئی تھی۔ جو پوری ہوگئی ہے۔ مجھے تمہاری حالت دیکھ کے پہلے ہی اس بات کا شک تھا۔ حیرت ہے تمہیں پتا ہی نہیں چلا۔'' انہوں نے لگے ہاتھوں مائرہ کو بھی جھاڑ ڈالا۔ وہ ڈاکٹر کی سنائی گئی خوشخبری کو مصیبت کہہ رہی تھیں اور پریشان سی تھیں۔ مائرہ خاموشی سے ماں کی بات سن رہی تھی۔

''شاہ زیب خود تو مرگیا، اپنی نشانی تمہارے پیٹ میں زندہ چھوڑ گیا۔'' شیریں کا لہجہ اور انداز بہت ناقابلِ فہم تھا۔

''کیا ٹکر ٹکر مجھے دیکھ رہی ہو...... ہوش کے ناخن لو آنکھیں اور کان کھلے رکھو...... میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی۔ خیر میں خود ہی کچھ کرتی ہوں۔'' شیریں نے اپنا غصہ اس پر نکالا پھر وہ اس کے کانوں میں کھسر پھسر کرنے لگیں۔ اب بات مائرہ کی سمجھ میں آگئی تھی اور شیریں مطمئن تھیں۔

''خیر یہ بتاؤ شاہ زیب کا بینک بیلنس کتنا ہوگا۔ تم دونوں کا اپنا، اپنا اکاؤنٹ تھا کہ جوائنٹ اکاؤنٹ تھا؟'' وہ اب اس سے قدرے دور ہو کے بیٹھ گئیں۔

''ہم دونوں کا اکاؤنٹ جوائنٹ تھا، میں نے بتایا بھی تھا آپ کو......'' پھر اس نے اکاؤنٹ میں موجود رقم کی تفصیل بتائی۔

''ہاں رقم تو اچھی خاصی ہے۔ تمہارے ابو بتا رہے تھے کہ بزنس ڈاؤن جارہا ہے۔'' شیریں یہ تفصیل دانستہ چھپا گئیں کہ ان کے شوہر اور بیٹے کی نااہلی کی وجہ سے بزنس خسارے میں ہے۔ کتنے اداروں کا آرڈر مکمل نہیں کرسکے تھے۔ اچھا خاصا قرضہ چڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

عدنان ہاشمی کاغذات اپنے سامنے رکھے بیٹھا تھا۔ اورنگزیب سمیت نوید اور ہارون بھی موجود تھے۔ ایک کونے میں عمر زیب بھی بیٹھے تھے پر ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ عدنان ہاشمی نے کچھ قانونی تقاضے پورے کرنے تھے اس لیے ان کے پاس آیا تھا۔ اس نے دُرِ یکتا کے حصے کی تفصیلات بتائیں۔ عمر زیب کے تمام کاروبار اس گھر اور دیگر جائداد کا وارث عمر زیب نے اسے ہی بنایا تھا۔ یہ وصیت پرانی تھی جب عمر زیب نے

شازہ زیب کا حصہ اس کو دیا تھا تب انہوں نے دریکتا کے بارے میں بھی وصیت تیار کر لی تھی۔ شاہ زیب کی وفات اور عمر زیب کی ذہنی حالت کے پیشِ نظر عدنان ہاشمی نے خود ان کے پاس آنے میں دیر نہ لگائی تھی۔ عمر زیب کے بھائیوں اور بھابیوں کی موجودگی میں عدنان ہاشمی نے وصیت پڑھ کر دُرّ یکتا کو سنائی۔ اسے دولت و جائداد کی تفصیلات سے دلچسپی نہیں تھی مگر اورنگزیب اور شیریں سمیت باقیوں کی توجہ اسی کی طرف تھی۔ ہارون اور نوید کے چہرے اتر گئے تھے، وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید انہیں بھی کچھ مل جائے۔ ان کے پاس اپنی اچھی خاصی جائداد تھی پھر بھی ان کی ہوس ختم نہیں ہو رہی تھی۔ حالانکہ عمر نے اپنی گاؤں والی زمین برابر، برابر ان تینوں بھائیوں کو بانٹ دی تھی۔ باقی عمر کے پاس جو کچھ تھا وہ عائلہ کا چھوڑا ہوا تھا یا پھر ان کی اپنی محنت تھی جس کی حقدار ان کی بیٹی اور بیٹا تھے۔

☆☆☆

وکیل کے جاتے ہی شیریں اور نگزیب کو لے کر بیٹھ گئیں۔

''آپ نے دیکھا عمر بھائی نے شاہ زیب کے ساتھ کتنی زیادتی کی۔ دُرّ یکتا کو اتنا کچھ دیا اور شاہ زیب کو بس تھوڑا بہت دے دلا کے خوش کر دیا۔'' وہ سراسر غلط بیانی سے کام لے رہی تھیں۔ اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ شاہ زیب کا حصہ دریکتا سے زیادہ ہی تھا۔

''ہاں، کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ مائرہ کے پاس اب صرف وہ گھر اور بینک بیلنس ہی بچا ہے۔'' اورنگزیب نظر چرا گئے تھے۔ شیریں کو جیسے سانپ نے ڈنک مارا۔

''اور وہ کروڑوں کا کاروبار...... وہ کس کا ہے؟'' وہ چمک کر بولیں۔

''کاروبار سمجھ لو ٹھپ ہو گیا ہے شیئرز بیچ کے قرضہ اتارنا پڑے گا۔ اس کے بعد کچھ نہیں بچے گا۔'' اورنگزیب اور ان کے لاڈلے سپوت کی وجہ سے یہ سب ہوا تھا۔ عاشر کا رویہ اسٹاف کے ساتھ بہت حاکمانہ تھا۔ شاہ زیب نے اسے اختیار کیا دیا تھا وہ خود کو کسی اور سیارے کی مخلوق تصور کرنے لگا تھا۔ اس کے اس رویے کی وجہ سے اسٹاف میں بے چینی پیدا ہو رہی تھی۔ شاہ زیب کو اکثر اپنے کاروبار کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی بھی جانا پڑتا تھا۔ ایسی صورت میں عاشر تمام الٹے سیدھے فیصلے خود کرتا...... رہی سہی کسر اورنگزیب نے گھٹیا میٹریل خرید کر پوری کر دی تھی۔ شاہ زیب کے قائم کیے گئے نوزائدہ کاروبار کو سخت دھچکا لگا، وہ دھڑام سے زمین بوس ہوا تھا۔ اورنگزیب اور عاشر بیٹھے بغلیں بجا رہے تھے۔ مائرہ ابھی اس صورتِ حال سے ناواقف تھی۔ وہ تو خوش تھی کہ گھر کے ساتھ، ساتھ کاروبار کی بھی تن تنہا مالک بن گئی۔ بے شک کاروبار خسارے میں ہے پر کاروبار تو ہے ناں...... ماں، باپ یا بھائی کسی نے اسے نہیں بتایا تھا۔ شاہ زیب کی موت کے گرداب سے وہ نکلنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ کیونکہ شیریں اسے مستقبل پر نظر رکھنے پر بار، بار اصرار کر رہی تھیں۔

''مائرہ کو تو پتا ہی نہیں ہے۔'' شیریں نے شوہر کی توجہ اس نکتے کی طرف دلائی۔

''ہاں، اسے میں کچھ دن تک بتا دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ مائرہ کو اپنا گھر کرائے پر دے دینا چاہیے۔ اتنا اچھا اور پوش علاقے میں بنا ہوا گھر ہے۔ کرایہ بھی اچھا مل جائے گا۔ ویسے بھی وہ وہاں اکیلی تو نہیں رہ سکتی۔''

''ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں مائرہ انکار نہیں کرے گی۔ آپ کو وہ گھر کرائے پر دے دینا چاہیے۔''

''چلو میں وہ کام بھی کر لوں گا۔ اب صورتِ حال کافی عجیب سی ہو گئی ہے۔ عمر تو سمجھو آدھے سے زیادہ پاگل ہو گیا ہے۔ اسے کسی چیز کا ہوش نہیں ہے۔ اتنا بڑا کاروبار ہے، دُرّ یکتا نازک سی لڑکی ہے، وہ مردوں والے کام تو نہیں کر سکتی ناں...... میں کل عمر کی فیکٹری جاتا ہوں خود...... اور سب دیکھتا ہوں...... عمر میرا چھوٹا بھائی ہے،

میری ذمے داری ہے، اب سب مجھے ہی دیکھنا ہوگا ناں......'' وہ بہت دردمندی سے بولے۔ شیریں اپنے سرتاج کی عقل مندی پر اش اش کر اٹھیں۔ مگر نوید اور ہارون بھی تو عمر کے بھائی تھے۔ ان دونوں نے ایکا کرلیا تھا۔ اورنگزیب جب عمر کی فیکٹری گئے تو وہاں ہارون اور نوید ان سے پہلے ہی موجود تھے جو کچھ انہوں نے سوچا تھا وہی کچھ ان دونوں کے ذہنوں میں بھی تھا۔ اس موقع پر لڑائی سود مند نہیں تھی، وہ خاموش ہوگئے۔ فیکٹری کا منیجر عمر زیب کے تین، تین بھائیوں کو اکٹھا دیکھ کر الرٹ ہوگیا۔ عمر زیب کی حالت اب ایسی نہیں تھی کہ وہ پہلے کی طرح کاروبار چلا سکتے۔ اس لیے وہ ہفتہ دس دن میں ان کے گھر جاتا اور دریکتا کو آگاہ کرتا رہتا۔ اسے بھی کاروباری سوجھ بوجھ نہیں تھی اپنی عقل اور شعور کے مطابق ہی بات کرتی۔ منیجر وفادار تھا۔ بھانپ چکا تھا کہ اس گھر اور کاروبار کی مالک نو عمر بھی ہے اور اتنی سمجھدار بھی نہیں ہے۔ اس کے دل میں خوفِ خدا موجود تھا' بے ایمانی کا کوئی خیال بھی اس کے دل میں نہیں آیا۔ وہ پہلے کی طرح اپنی خدمات سرانجام دیتا رہا۔ عمر زیب کا رویہ اپنے ملازمین کے ساتھ ماتحتوں والا نہیں تھا۔ اس لیے سب اسے پسند بھی کرتے تھے اور اپنی گزشتہ روش پر قائم تھے۔

عمر زیب نے جیتے جی دُرِ یکتا کو اپنے حصے کا مالک بنادیا تھا۔ قانونی رُو سے اب وہ وارث تھی اور عاقل و بالغ بھی تھی۔ اپنی مرضی سے فیصلے کرسکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا...... کیونکہ پپا نے اسے کاروباری بکھیڑوں سے دور ہی رکھا تھا۔ اس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا تھا۔ منیجر ارسلان دُرانی نے دبے الفاظ میں اسے دو تین بار کہا کہ آپ ہفتے میں ایک بار آفس کا چکر لگالیا کریں۔ آپ کو بہت فائدہ ہوگا...پر دریکتا کا دل نہیں چاہتا تھا کہ پپا کو چھوڑ کے جائے۔ وہ تو کالج بھی مارے بندھے جاتی تھی۔ وہاں بھی اس کا دھیان پپا میں ہی اٹکا رہتا۔ عمر زیب کے بھائیوں نے تو پکے، پکے اِدھر ہی ڈیرے ڈال لیے تھے۔ فرح اور فوزیہ گاؤں لوٹ گئی تھیں مگر شیریں اِدھر ہی تھیں۔ مائرہ نے بھی کہا تھا کہ امی آپ میرے پاس ہی رہیں۔ دریکتا پہ انہوں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ جیسے بحالتِ مجبوری یہاں رہ رہی ہوں۔ ورنہ ان کا بس چلے تو ابھی اور اسی وقت گاؤں واپس لوٹ جائیں۔ مائرہ سے چھوٹی سائرہ بھی پڑھائی کے بہانے اِدھر ہی آگئی تھی۔ ٹھاٹ سے باوردی ڈرائیور کے ساتھ کالج جاتی، وہاں سے واپسی پر شام کو اکیڈمی بھی جاتی۔ اسے مختلف کورس کرنے کا جنون تھا۔ فی الحال تو وہ اپنی پڑھائی کے سلسلے میں اکیڈمی جاتی تھی۔ اس کے بعد اس کا پروگرام کچھ اور تھا۔ شہری رنگ ڈھنگ اسے کچھ زیادہ ہی بھا گیا تھا۔ گاؤں جانے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ یہاں بہت خوش تھی۔ اپنی مرضی سے مائرہ کے ساتھ والا کمرا لیا تھا۔ اس میں سہولت اور اس کی مرضی کی ہر چیز موجود تھی۔ جدید میوزک سسٹم، انٹرنیٹ، کیبل اور اسی نوعیت کی دیگر چیزیں وہ بھی بہت تیزی سے زمانے کا چلن سیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

طاہر لغاری آئے ہوئے تھے۔ آج انہوں نے عمر کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا تھا۔ اورنگزیب سے سامنا ہوا تو انہوں نے سلام کیا۔ اورنگزیب نے بہت سرد مہری سے سلام کا جواب دیا اور اسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ کافی دیر وہ اکیلے بیٹھے رہے۔ کسی نے آکر ڈرائنگ روم میں جھانکا تک نہیں...... وہ پہلے آتے تو کسی اپنے کی طرح عمر زیب انہیں کبھی بیڈ روم میں کبھی اسٹڈی روم میں بٹھالیتے۔ کسی قسم کا کوئی تکلف ہی نہیں تھا مگر جب سے شاہ زیب کی موت ہوئی اور عمر کے بھائیوں، بھابیوں نے یہاں قدم رنجہ فرمائے تو وہ پہلے والی بے تکلفی ختم ہو کے رہ گئی تھی۔ اب وہ صبر سے انتظار کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد اورنگزیب دوبارہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

''میں کافی دیر سے انتظار کررہا ہوں۔ عمر کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔'' انہیں بہت غصہ آیا پر لہجہ نرم ہی تھا۔

''عمر کو میں خود ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔ ایک بہت اچھے ڈاکٹر کا کسی نے بتایا ہے، جس ڈاکٹر سے آپ اس کا علاج کروا رہے ہیں وہاں سے تو میرے بھائی کو کسی قسم کا بھی فرق نہیں پڑا ہے۔ اس کی حالت جوں کی توں بلکہ پہلے سے زیادہ خراب ہے۔ اس لیے میں خود علاج کراؤں گا اس کا۔ آپ نے کافی مدد کی بڑا احسان کیا ہمارے خاندان پر کہ عمر کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے رہے۔ مگر ہم عمر کے بھائی زندہ ہیں۔ ہمارے جیتے جی آپ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں، اس کے لیے فکر مند ہوں، ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ آپ جتنا کر چکے ہیں کافی ہے۔ اور یہ بتائیں کہ کیا لیں گے چائے یا ٹھنڈا......''

اورنگزیب کا لہجہ و انداز اور الفاظ بہت اہانت آمیز تھے۔ آخر میں انہوں نے تحقیر آمیز انداز میں آدابِ میزبانی نبھائے۔ طاہر لغاری کو بہت بے عزتی کا احساس ہوا...... ان کے بدلے رویے تو یہاں آنے جانے کے دوران ہی انہوں نے محسوس کر لیے تھے پر اتنی توہین کا انہوں نے سوچا تک نہیں تھا۔

''نہیں کسی چیز کا بھی دل نہیں ہے۔ بہت، بہت شکریہ...... دریکتا سے اگر ملاقات ہو جاتی تو......'' طاہر لغاری نے آج تک یہ لجاجت بھرا رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔

''وہ تو اس وقت اپنی ایک دوست کے گھر گئی ہوئی ہے۔ میری چھوٹی بیٹی سائرہ کے ساتھ۔'' اورنگزیب نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ طاہر مایوس ہو کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اورنگزیب ان کے ساتھ چلتے چلتے گاڑی تک آئے۔

''ہم عمر کو بہت اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔ ضرورت پڑی تو باہر بھی لے جائیں گے۔ میں فون کر کے آپ کو بتاتا رہوں گا عمر کے بارے میں...... آخر کو آپ اس کے بہت اچھے دوست ہیں۔ بہت ساتھ دیا ہے اس کا...... یہ احسان ہم نہیں اتار سکتے۔'' اورنگزیب نے لفظ دوست پر اچھا خاصا زور دے کر کہا تو طاہر کو اپنے

کانوں کے قریب خطرے کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔
کیا اورنگزیب کو یہ نہیں پتا کہ عمر کی بیٹی ان کے بیٹے اشعر کی منکوحہ ہے، وہ یہ رشتہ کیوں بھول رہا ہے۔ وہ صرف عمر کا دوست نہیں اس کی بیٹی کا سسر بھی ہے۔ اور عمر کا سمدھی بھی ہے۔
''خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' طاہر نے حسب عادت زیادہ ٹینشن نہیں لی۔
اورنگزیب نے ان کے جانے کے بعد گیٹ بند کیا۔
دُرِ یکتا اندر عمر زیب کے پاس بیٹھی تھی۔ اسے طاہر انکل کے آنے اور پھر جانے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ عمر سو رہے تھے اور وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔ گزشتہ ایک ہفتے میں ان کے رویئے میں بہت جارحانہ پن آ گیا تھا۔ چیزیں اٹھا اٹھا کے پھینکتے، اپنے بال نوچتے، کبھی روتے، کبھی ہنستے، شیریں نے اورنگزیب کو مشورہ دیا تھا کہ انہیں نیند کی گولیاں زیادہ دیا کرو تا کہ عمر بھائی سکون سے رہیں۔ اورنگزیب نے دریکتا کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی تھی کہ عمر جب زیادہ شور کرے تو اسے یہ گولیاں دے دو۔ اکثر اوقات وہ انہیں پکڑ کر انجکشن بھی لگا دیتے۔
انجکشن لگتے ہی عمر پرسکون ہو کے سو جاتے۔ باپ کی حالت دیکھ، دیکھ کر دریکتا جی ہی جی میں کڑھتی۔ شاہ زیب کے بعد اس کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہو گئی تھی۔ اس گھر سے خوشی روٹھ گئی تھی۔ وہ بہت کم بولتی، سائرہ کی اپنی دلچسپیاں تھیں۔ مائرہ، شیریں کے ساتھ لگی رہتی۔ باقی اس گھر میں اور ایسا کوئی نہیں تھا جس کے ساتھ وہ کلام کرتی۔ عمر کبھی اسے پہچانتا اور کبھی اسے دیکھتے ہی مارنے کے لیے دوڑتا۔ اس کا رویہ خطرناک تھا پر ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا۔ عام روٹین میں وہ خاموش بیٹھا خلاؤں میں گھورتا یا بڑبڑائے جاتا۔ دریکتا رات کی تنہائی میں روتی، جانے پپا کی حالت میں کب بہتری آنی تھی۔
طاہر انکل آتے تھے تو اسے مضبوطی کا احساس ہوتا پر کچھ دنوں سے انہوں نے بھی چکر نہیں لگایا تھا۔ دریکتا نے ان کا نمبر لینے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔ عمر زیب کے سیل فون میں ان کا نمبر موجود تھا۔ پر نہ جانے ان کا سیل فون کہاں تھا۔ اس کے لاکھ ڈھونڈنے کے باوجود نہیں ملا تھا۔ ورنہ وہ ان سے رابطہ کرتی۔ اس کا کتنا دل کرتا کہ اپنے رکے ہوئے آنسو کسی مہربان کندھے پر سر رکھ کے بہا دے۔ پر وہ مہربان کندھا مونس و غم خوار وجود خود سے بھی بیگانہ ہو چکا تھا۔ فرح اور فوزیہ چچی جو پہلے اس کے واری صدقے جاتی تھیں اب دور، دور ہی رہتیں۔ ویسے بھی وہ واپس گاؤں چلی گئی تھیں۔ صرف نوید اور ہارون چچا ہی اِدھر تھے۔ صبح پپا کے آفس اور فیکٹری جاتے اور پھر شام بہت لیٹ واپس آتے۔ دریکتا ان کی ممنون تھی کہ وہ اپنی جان مار کر ان کے کاروبار پہ توجہ دے رہے تھے۔ پپا تو اس قابل تھے ہی نہیں کہ اب کاروبار دیکھتے...... رہی وہ تو اسے ان باتوں اور کاموں کا کوئی تجربہ ہی نہیں تھا۔ وہ الثاان کی احسان مند تھی۔
شاہ زیب کو یہ دنیا چھوڑے ہوئے تین ماہ سے زائد ہو چکے تھے۔ گھر کے معاملات اور دیگر اس طرح کی چیزیں چچا اور تایا ہی چلا رہے تھے۔ وہ ان فکروں سے بے نیاز تھی۔

☆☆☆

شیریں لان میں بیٹھی تھیں۔ طاہر لغاری کو جاتے ہوئے انہوں نے بھی دیکھا۔ اورنگزیب انہیں چھوڑ کر شیریں کی طرف ہی آ رہے تھے۔ ان کے قریب آ کے دھم سے کرسی پر بیٹھ گئے۔
''یہ کیوں آیا تھا آج...... ؟'' شیریں نے تیوریاں چڑھالیں۔
''کہہ رہا تھا کہ عمر کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے کے جانا ہے۔''
''پھر آپ نے کیا کہا؟''
''وہی جو مجھے کہنا چاہیے تھا۔'' اورنگزیب سکون سے بولے۔
''پھر بھی...... میں بھی تو سنوں۔'' شیریں نے اصرار کیا۔

''میں نے کہا کہ ہم اس کے بھائی ہیں، اس کی فکر کرنے اور ڈاکٹر کے پاس لے کے جانے کے لیے...... بس ٹھیک کر دیا ہے طاہر لغاری کو میں نے۔ عقل ہوئی تو آئندہ اس طرف نہیں آئے گا۔''

''کیوں نہیں آئے گا؟ آپ بھول رہے ہیں کہ وہ دریکتا کا سسر بھی ہے۔'' شیریں نے حقیقت یاد کرائی تو اورنگزیب مسکرانے لگا۔

''ہاں یہ تو ٹھیک کہا تم نے...... لیکن...... خیر اسے بھی دیکھا جائے گا۔ فی الحال میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔''

''کیا......؟'' شیریں اورنگزیب کے رازدارانہ انداز سے چونک گئیں۔ اورنگزیب نے پہلے ادھر اُدھر دیکھا جیسے کسی اور کے یہاں موجود نہ ہونے کا اطمینان کرنا چاہ رہا ہو پھر اس کی طرف کرسی کھسکائی۔

''تمہیں پتا تو ہے ہی شاہ زیب کے کاروبار کے خسارے میں جانے کا۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔ دریکتا کے پاس شاہ زیب سے زیادہ حصہ ہے اگر وہ اس میں سے کچھ دے دے تو ہم ہونے والے نقصان کو ٹال سکتے ہیں۔ اس طرح وہ سارا کاروبار ہم پھر سے شروع کریں گے۔ اب تو مجھے تجربہ بھی ہو گیا ہے۔ کیوں نہ اپنا کاروبار کریں اور مالک بن جائیں۔''

شیریں، اورنگزیب کی بات سن کر سوچ میں ڈوب گئیں۔

''پر یہ سب ہوگا کیسے؟'' شیریں نے کام کا سوال کیا۔

''یہ بھی ہو جائے گا تم دیکھو تو سہی...... میں کیا کرتا ہوں...... بس تم کوشش کرو کہ اس کی بھنک بھی کسی اور کے کانوں میں نہ پڑے۔ ورنہ بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔'' اورنگزیب آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔ شیریں پوری توجہ سے سن رہی تھیں۔

''مجھے عمر بھائی کا یہ دوست طاہر لغاری بہت خطرناک اور تیز انسان لگتا ہے۔ مجھے اس کا یہاں آنا بھی پسند نہیں ہے۔ کچھ کریں کہ اس سے جان چھوٹ جائے۔'' شیریں بہت خائف تھیں۔ خائف تو اورنگزیب بھی تھے پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ انہیں اگر کسی سے خطرہ تھا تو وہ طاہر لغاری ہی تھے۔ اس گھر میں طاہر کا بے محابا، بلا روک ٹوک آنا جانا اورنگزیب کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ عمر زیب ہوش و خرد سے بیگانہ تھے اپنے حواس سے کام لینے پر قادر نہیں تھے۔ طاہر پھر بھی آتے جاتے ان کی کیئر کرتے۔ وہ حقیقی معنوں میں سچے اور مخلص دوست تھے۔ بھلا ان تین سگے بھائیوں کے ہوتے ہوئے طاہر لغاری کی کیا ضرورت تھی۔ وہ خود اپنے بھائی کا خیال رکھ سکتے تھے۔

☆☆☆

شیریں دو دن کے لیے گاؤں آئی ہوئی تھیں۔ انہیں دائی شریفاں سے کام تھا۔ دائی شریفاں ابھی تک اسی کام سے وابستہ تھی اور اس کی صحت بھی اتنی عمر ہو جانے کے بعد شاندار تھی۔ وہ اب خود بہو اور پوتے پڑپوتیوں والی تھی۔ بہت خوش حال اور اپنے گھر کی مالک تھی۔ شیریں نے اسے پیغام دے کر حویلی بلوایا تو وہ حیران رہ گئی کہ اتنے عرصے بعد اسے کیوں یاد کیا جا رہا ہے۔ خیر اسے کام سے غرض تھی آم کھانے سے مطلب تھا اس کی اتنی خوشحالی کا راز بھی یہی تھا۔ وہ افتاں و خیزاں بھاگی آئی۔ حویلی والے معمولی خدمات کے عوض اسے منہ مانگا پیسہ دیتے رہے تھے۔

''آؤ دائی شریفاں کیسی ہو؟'' شیریں اس کے استقبال کے لیے خود کھڑی ہو گئیں۔ شریفاں خوشی سے پھولے نہ سمائی۔

''بس آپ کی دعائیں ہیں بی بی جی......'' وہ خوشامدی لہجے میں از حد انکساری بھر کے بولی۔

''بی بی جی کوئی کام ہے کیا...... سنا ہے زیادہ تر آپ شہر ہی رہتی ہیں۔''

''ہاں شریفاں، کام ہے تب ہی تو شہر کی بڑی، بڑی ڈاکٹرنیوں کو چھوڑ کر تیرے پاس آئی ہوں۔ تیرے ہنر پہ مجھے بہت اعتبار ہے۔'' اپنی اتنی اہمیت پر

شریفاں خوشی سے پھول گئی۔

پھر ذرا ٹھہر کے وہ اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے آگئیں اور آہستہ آہستہ بولنے لگیں۔ شریفاں برابر سر ہلا رہی تھی۔

''بی بی جی آپ فکر مت کریں کام پکا اور سولہ آنے ٹھیک ہوگا۔ میں ابھی گھر جاتی ہوں اور دوائی بنا کر لاتی ہوں۔'' شریفاں نے اس کی ساری فکر دور کر دی تھی۔ وہ فوراً الٹے پاؤں گھر چلی گئی۔ شیریں بے تابی سے اس کے انتظار میں تھیں۔

وکیل عدنان ہاشمی نے وصیت سنا کے ان سب کی مت ہی مار دی تھی۔ ورنہ مائرہ والے مسئلے سے وہ بہت پہلے فارغ ہو جاتیں۔ خیر دائی شریفاں نے انہیں پورا یقین دلایا تھا کہ کام ہو جائے گا۔ شیریں نے اپنی طرف سے عقل مندی کی تھی کہ اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ یہ دوائی کس کے لیے لے کر جا رہی ہیں۔ دائی شریفاں نے خود بھی اس طرح کا کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتی تھی اور مالک لوگوں کا مزاج جانتی تھی۔

شیریں اور مائرہ نے بڑی خوب صورتی سے ابھی تک شاہ زیب کی نشانی کو چھپایا ہوا تھا شیریں کو لگتا تھا جیسے انہوں نے دیر کر دی ہے۔ وہ اور بکھیڑوں میں مصروف تھیں اس طرف سے وقتی طور پر ان کا دھیان ہٹ گیا تھا۔ اب وہ بھاگ دوڑ کر رہی تھیں۔ مائرہ کی ابھی عمر ہی کیا تھی۔ چھوٹی سی عمر میں بیوہ ہوگئی تھی۔ اگر شاہ زیب کا بچہ دنیا میں آ جاتا تو یہ مائرہ کے مستقبل پہ اثر انداز ہوتا...... بے شک وہ خوب صورت تھی، کم عمر تھی، شہری رنگ ڈھنگ جانتی تھی لیکن بچے کی ماں بن جاتی تو اس کی اہمیت کم ہو جاتی۔ شیریں دنیا اور معاشرے کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں۔ یہاں ایک بیوہ اور وہ بھی ایک بچے کی ماں کے ساتھ بھی داغ لگے چاند کا سا سلوک کیا جاتا...... اور مائرہ بہت کم عمری میں یہ داغ اپنے وجود پر سجا بیٹھی تھی۔ چاند پہ داغ ہے اسے دیکھا تو جا سکتا ہے پر آنگن میں نہیں اتارا جا سکتا۔ مائرہ بھی ایسا ہی چاند تھی۔ اور شیریں اس کے مقدر سے خوف کھائی ہوئی تھیں۔ ان کی مائرہ کے بارے میں اپنی پلاننگ تھی اور قدرت کی اپنی پلاننگ تھی۔ شیریں کو جانے کیوں شاہ زیب کے ہونے والے بچے سے پُرخاش سی ہوگئی تھی وہ جلد از جلد مائرہ کو اس عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتی تھیں۔

☆☆☆

فوزیہ اور فرح دونوں باتیں کر رہی تھیں۔ شیریں حویلی آئی ہوئی تھیں ورنہ انہوں نے تو شہر میں ہی ڈیرے ڈالے ہوئے تھے مع اپنے شوہر اور بچوں کے...... شیریں نے اپنی طرف سے راز داری برتی تھی کہ شریفاں کی آمد کا پتا نہیں چلے پر فرح کو خبر ہوگئی تھی۔ اس نے فوزیہ کے آگے پیٹ ہلکا کیا۔

''شیریں بھابی نے شریفاں دائی کو بلوایا ہے۔''

''ارے کوئی کام ہوگا تو بلوایا ہے ناں......''

فوزیہ نے شروع میں اہمیت نہیں دی۔

''اب شیریں کو کون سا ایسا کام ہوگا۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ مائرہ کے ساتھ کچھ گڑبڑ ہے۔'' فرح کی چھٹی حس تیز تھی۔

''اگر ایسی بات ہوتی تو شیریں بھابی خود بتاتیں۔'' فوزیہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔

''لیکن مجھے لگتا ہے کہ ایسی ہی بات ہے...... شیریں بھابی جوڑ توڑ کی ماہر ہیں کیا پتا اندر کون سی کھچڑی پک رہی ہے۔ ہمیں تو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا ہے۔'' فرح کا ملال کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں، کہتی تو تم ٹھیک ہو...... ورنہ کتنا اتنی جائداد کی حصے دار ہے۔ شیریں بھابی کی تو رال ٹپک پڑی ہوگی۔'' فوزیہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ خیر ان دونوں کے لیے ایک پہلو اطمینان بخش تھا کہ نوید اور ہارون بھی عمر بھائی کے کاروبار کی دیکھ بھال کر کے اپنا حق وصول کر رہے تھے۔ یہاں انہوں نے اورنگزیب

بھائی کی چالاکی چلنے نہیں دی تھی۔ انہیں بھی احساس ہوگیا تھا کہ وہ سب کچھ اکیلے ہڑپ اور ہضم نہیں کرسکتے۔ ہادرن اور نوید بھی تو عمر کے بھائی تھے، وہ بھی تو اس کی دولت میں حصے دار تھے۔ بقول نوید اور ہارون کے ہم محنت کر کے جائز کمائی کھا رہے ہیں۔ ہمارا بھی حق بنتا ہے۔ دُرِ یکتا کو پتا ہی نہیں تھا کہ پپا کے کاروبار سے کتنی آمدنی ہورہی ہے۔ اسے بھی معلوم کرنے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ زمانے کی چالاکیوں سے ناآشنا تھی سب کو اپنی طرح صاف نیت تصور کرتی...... اور یہ اس کی بے وقوفی تھی۔

☆☆☆

شیریں گاؤں سے لوٹ آئی تھیں۔ پہلی فرصت میں انہوں نے دائی شریفاں کی دی گئی دوائی اپنی نگرانی میں مائرہ کو کھلائی۔ شریفاں نے کہا تھا کہ بہت جلدی کام ہوجائے گا مگر مقررہ وقت گزر جانے کے باوجود انہیں خوشخبری نہیں ملی تو وہ کچھ اور سوچنے پر مجبور ہوگئیں۔ وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا اور ان کا مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا تھا۔ مائرہ کو کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جانا ناگزیر تھا۔

گھر میں کسی کو بتائے بغیر وہ مائرہ کو لے کر نکل آئیں۔ مائرہ عدت میں تھی۔ شیریں اس کی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے مضبوط جواز کے ساتھ نکلی تھیں۔ انہوں نے ایک ڈاکٹر کا پتا چلالیا تھا جو اس طرح کے کام بھاری معاوضے پر کردیتی تھی۔ پیسہ ان کے پاس موجود تھا سو پریشانی والی بات نہیں تھی۔ اس لیڈی ڈاکٹر نے اپنا ایک چھوٹا سا اسپتال ایک عام سے علاقے میں کھولا تھا۔ شیریں نے پوچھ، پوچھ کے ڈھونڈ ہی لیا۔ ڈاکٹر کے پاس صرف دو عورتیں بیٹھی تھیں۔ ان کے بعد مائرہ کی باری آئی اور نرس اسے اندر لے گئی۔ کچھ دیر بعد شیریں کو بھی اندر بلوالیا گیا۔

''بیٹھیں......'' ڈاکٹر نے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ شیریں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''خاتون بات دراصل یہ ہے کہ اگر آپ اس وقت ابارشن کروانا چاہتی ہیں تو یہ اس بچی کے لیے بہت خطرناک ہوگا۔'' اس کا اشارہ مائرہ کی طرف تھا۔

''اگر آپ میرے پاس کچھ دن پہلے آجاتیں تو یہ مسئلہ حل ہوسکتا تھا مگر اب نہیں...... آپ کی بیٹی کی جان بھی جاسکتی ہے۔ مجھے تو پیسے لینے ہوتے ہیں مگر اب وقت گزر گیا ہے،، بجائے لینے کے دینے پڑسکتے ہیں۔ باقی آپ کی جو مرضی...... میں نے مشورہ دینا تھا دے دیا۔ ویسے اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟'' ڈاکٹر کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ شیریں نے اثبات میں سر ہلا کے پوچھنے کی اجازت دی۔

''آپ کی بیٹی کم عمر ہے اور یہ اس کا پہلا بچہ ہے۔ لوگ تو اس موقع پر بہت خوش ہوتے ہیں آپ کیوں ابارشن کروانا چاہ رہی ہیں؟'' شیریں کچھ دیر کے لیے خاموش سی ہوگئی۔

''اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور شوہر کے مرنے کے بعد ہمیں پتا چلا کہ یہ امید سے ہے، آپ نے ابھی خود کہا ہے کہ میری بیٹی کم عمر ہے، اتنی کم عمری میں اس نے یہ صدمہ بھی جھیل لیا ہے۔ ٹھیک ہے جو ہونا تھا ہوگیا اب اس کے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔ میں چاہتی ہوں کسی اچھے گھرانے میں اس کی شادی کردوں...... بچے کے ساتھ کون قبول کرے گا اسے...... کون اس ہونے والے بچے کو باپ کا پیار دے گا، اس کی پرورش و تعلیم اور کھانے کی ذمے داری کون قبول کرے گا۔ اس نصیبوں جلی کی تو کوئی نہ کوئی مل جائے گا...... اس بچے کا کیا ہوگا؟'' شیریں کا لہجہ بہت تلخ تھا۔ ڈاکٹر خاموشی سے سنتی رہی۔

''خیر آپ اچھی امید رکھیں اپنے رب سے، جو اسے اس دنیا میں لائے گا وہی اس کا پالن ہار بھی ہوگا۔'' ڈاکٹر، مائرہ کے لیے اپنے دل میں عجیب سی ہمدردی محسوس کررہی تھی۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا

تھا۔ اسے اپنے کام سے غرض ہوتی تھی جو عورتیں اس کے پاس آتیں، وہ سب کا کام کر دیتی آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس کے اندر سے ہمدردی اور خدا ترسی کی آواز ابھری تھی۔ شیریں کی زبانی مائرہ کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کا سن کر اسے اور بھی دکھ ہو رہا تھا۔

''آپ ان کا خیال رکھیں، فروٹ، جوس، گوشت، اچھی غذائیں دیں اور مائرہ آپ خوش رہنے کی کوشش کریں میری دعا ہے کہ یہ بچہ آپ کے لیے خوش قسمت ثابت ہو۔'' وہ دونوں سے بیک وقت مخاطب تھی۔ شیریں منہ لٹکائے مائرہ کے ساتھ ڈاکٹر عائشہ کے کلینک سے باہر آئیں۔

اب گھر جا کے انہیں یہ خوشخبری بھی سنانی تھی کہ مائرہ امید سے ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس بات کو مزید چھپا کے مائرہ کی ذات پر بدنامی کا کوئی دھبا لگوائے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہ زیب کی نشانی کو دنیا میں آنا ہی تھا حالانکہ انہوں نے کتنی بار کوشش کی کہ ایسا نہیں ہو۔ شیریں کو غصہ آ رہا تھا۔ بظاہر اوپر سے پرسکون اور خوش تھیں۔ گھر پہنچتے ہی پہلا ٹکراؤ دریکتا سے ہوا۔ شیریں نے سب سے پہلے اسے بتایا۔ اس کے چہرے پر پہلے ایسے تاثرات ابھرے جیسے اسے یقین ہی نہیں آ رہا ہو۔ پھر پورے چہرے نے خوشی کا احاطہ کیا۔ بے اختیار وہ مائرہ سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر یہ خوشی کے آنسو تھے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پپا کو بھی خوش خبری سنائے پر ان کو سنانا نہ سنانا برابر تھا۔ وہ اپنے حواس میں ہوتے تو کتنا خوش ہوتے کہ شاہ زیب کی نشانی اس دنیا میں آنے والی ہے۔ تھوڑی دیر تک مائرہ کے امید سے ہونے کی خبر گاؤں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ شیریں نے فون کر کے فوزیہ اور فرح کو بھی بتا دیا تھا۔

☆☆☆

باسط کچھ دن کے لیے پاکستان آیا ہوا تھا۔ اسے ملائشیا میں ہی مائرہ کے شوہر کے ساتھ ہونے والے حادثے اور پھر مائرہ کی بیوگی کا پتا چل چکا تھا۔ بینا نے روتے ہوئے اسے فون پر یہ خبر سنائی تھی۔ باسط کو اس بات سے کوئی دکھ نہیں ہوا۔ وہ بے حسی سے سنتا رہا تھا، اس نے مائرہ یا شیریں خالہ سے فون پر تعزیت بھی نہیں کی۔ اس کا دل چاہ ہی نہیں رہا تھا کہ ان سے دکھ بھرے جملے بولے یا افسوس کا اظہار کرے۔

ان تین چار ماہ کے دوران وہ بہت مصروف رہا تھا۔ اب اس کا جی چاہ رہا تھا کہ گھر جائے اور سکون سے وقت گزارے۔ اس بار وہ اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں لایا تھا۔ جس طرح پہلے لاتا اور لے جاتا تھا۔ اس لیے ہر فکر سے آزاد تھا۔

بینا اور حمزہ احمد بیٹے کو اپنے درمیان پا کے بہت خوش تھے۔ اس نے پہلے تو سب کو جی بھر کے شاپنگ کروائی پھر ایک اور نئی گاڑی خریدی۔ وہ بڑی ترنگ میں تھا۔ آج سارا دن نئی گاڑی دوڑائی تھی۔ پھر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کیا..... گھر لوٹا تو جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹ گیا۔ بینا لپک کے اس کے پاس آئی۔

''آج کہاں رہے سارا دن؟'' وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور اس کے ماتھے پر آئے بال پیچھے ہٹائے۔

''بس آوارہ گردی کرتا رہا ہوں۔ پھر تو واپس چلے جانا ہے۔ وہاں تو مجھے ان عیاشیوں کا ٹائم نہیں ملتا بس کام، کام اور صرف کام.....''

''اوہو..... تمہارے جانے کے نام پہ یاد آیا کہ تم اپنی شیریں خالہ کی طرف سے تو ہو آؤ۔ اتنا بڑا صدمہ گزر رہا ہے ان پر..... غم کا پہاڑ ٹوٹا ہے مائرہ پر..... کلیجا منہ کو آتا ہے میرا۔'' سچ مچ بینا بہت پریشان لگ رہی تھی۔ عمر زیب کی طرف سے برسوں پرانی خلش اور ٹھکرائے جانے کی اذیت آج بھی اس کے دل میں موجود تھی پر عمر کے جوان بیٹے کی موت نے اسے بھی غمزدہ کر دیا تھا۔ وہ بھی دو بیٹوں ایاز اور باسط کی ماں تھی۔ اس نے عمر کا غم اپنے دل میں محسوس کیا اب تو وہ نیم پاگل ہو چکا تھا۔ بینا کو اس پر ترس آتا تھا۔ کسی کمزور لمحے میں

برسوں پہلے اس کے دل نے عمر زیب کی تباہی و بربادی کی خواہش کی تھی۔ اب اپنی اس خواہش پر اسے ندامت تھی۔ وہ اپنی اولاد کی طرف سے مطمئن تھی بیچارے عمر زیب نے کیا پایا تھا۔ پہلے من چاہی بیوی نے دو چھوٹے، چھوٹے بچوں کا تحفہ چھوڑ کر خود اس دنیا سے ابدی دنیا کا سفر کیا۔ دوسری شادی کی تو وہ بیوی بھی زیادہ عرصے اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ اب جوان بیٹے کی حسرت ناک موت نے اسے نیم پاگل بنا دیا تھا۔ کیا ملا تھا عمر کو بھلا...... بینا جتنا غور کرتی اسے عمر زیب پر اتنا ہی ترس آتا۔ عمر زیب کے مقابلے میں اس کا شوہر نہ تو اتنا خوب صورت تھا اور نہ بے پناہ دولت کا مالک تھا۔ شروع میں بینا بہت روتی تھی۔ آہستہ، آہستہ حالات میں تبدیلی آئی۔ باسط کو جاب ملی اب ان کے پاس بہت خوب صورت گھر، گاڑی، نوکر، سب کچھ ہی تھا۔ اس کی اولاد اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ اس نے کوئی ایسا صدمہ نہیں اٹھایا تھا جس طرح کہ عمر زیب اٹھا چکا تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ خوش قسمت تھی۔ اب تو وہ ملال بھی ختم ہوگئے تھے جنہوں نے برسوں پہلے دل میں گھر کیا تھا۔

''امی آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔''

''نہیں، بیٹا میں ہو آئی ہوں۔ تم جاؤ۔ شیریں خالہ، مائرہ کے ساتھ شہر میں ہی ہیں۔ تم جاؤ، ہم مرنے والے کو واپس تو نہیں لا سکتے پر ان کا دکھ تو بانٹ سکتے ہیں ناں......'' بینا نے دانستہ دامن بچایا۔ وہ عمر زیب کو اس حال میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے زخم بھر چکے تھے وہ انہیں کریدنے کے چکر میں پھر سے پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے امی میں کل چلا جاؤں گا۔'' وہ آرام سے مان گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ بینا اسے آرام کرتا چھوڑ کر اس کے پاس سے اٹھ آئی۔ باسط نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا کہ مائرہ اور شیریں خالہ کے بارے میں۔

''ٹھیک ہے مائرہ بیگم میں کل آرہا ہوں۔ تم سے تعزیت کرنے...... ذرا دیکھوں تو سہی اتنا بڑا صدمہ اٹھا کے تم کیسی ہوگئی ہو، تمہارا حال کیسا ہے اب...ہ کل دیکھوں گا۔'' باسط کے لبوں پر زہر میں ڈوبی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

سائرہ گیٹ کے پاس ٹہل رہی تھی۔ موسم بہت خوب صورت ہو رہا تھا۔ ایک دم سے آسمان پر بادل امڈ آئے تھے۔ گیٹ کے باہر کوئی گاڑی رکی تھی۔ اب باہر سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ اتنے میں گیٹ کھل گیا اور کالے رنگ کی اکارڈ اندر آگئی۔ سائرہ روش کے پاس ہی تھی۔ گاڑی زن سے اس کے پاس سے گزر گئی تھی، وہ سائڈ پہ ہوگئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اسے کسی نوجوان کی شکل نظر آرہی تھی۔ جب تک وہ گاڑی روک کر دروازہ کھول کے نیچے اترا سائرہ اس کے قریب پہنچ گئی۔ پولیس یونیفارم میں ملبوس دراز قامت گھنی مونچھوں، مضبوط شخصیت اور پُر اعتماد انداز والا یہ نوجوان اس کے لیے اجنبی تھا۔ وہ پہلی نگاہ میں ہی اسے سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

''السلام علیکم، میں اشعر لغاری ہوں، عمر انکل کا پتا کرنے آیا ہوں، کافی دن سے آنا چاہ رہا تھا پر مصروفیات بہت زیادہ تھیں۔ اب بھی آفس سے سیدھا اِدھر ہی آرہا ہوں۔ آپ اطلاع دے دیں گھر والوں کو۔'' وہ شائستگی و اعتماد سے بولتا اسے بہت اچھا لگا۔ پتا نہیں کون تھا۔ سائرہ نے اسے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اتنے اعتماد سے بول رہا تھا ''یقیناً عمر چچا کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی تعلق تو ضرور ہوگا۔'' اس نے سوچا اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا۔ اشعر بیٹھ چکا تھا۔ سائرہ الٹے پاؤں ماں...کو بتانے بھاگی کیونکہ انہوں نے سختی سے کہا تھا کہ گھر میں کوئی بھی آئے سب سے پہلے مجھے بتانا۔ اصولی طور پر اسے دریکتا کو پہلے آگاہ کرنا چاہیے تھا۔ پر ماں سے ڈرتی تھی اس لیے پہلے انہی کو بتایا۔

''امی کوئی اشعر لغاری آئے ہیں عمر چچا کا پوچھنے

میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھادیا ہے۔''

''کسی اور کو تو نہیں بتایا؟'' ان کا محتاط اشارہ دُریکتا کی جانب تھا۔

''نہیں اور تو کسی کو نہیں بتایا۔ سامنے کوئی تھا ہی نہیں۔'' شیریں نے سکون کی سانس لی۔

اشعر انہیں مقابل پا کے احترام سے کھڑا ہوگیا اور حال احوال پوچھا۔ شیریں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سائرہ بھی شیریں کے پیچھے، پیچھے ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔ اسے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ اشعر لغاری کون ہے اور اس کا عمر چچا یا اس گھر سے کیا تعلق ہے۔ وہ دریکتا کے نکاح میں طبیعت کی خرابی کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکی تھی اس لیے اشعر لغاری سے انجان تھی۔ اسے جستجو لگی ہوئی تھی کہ یہ نوجوان ہے کون...... جس سے امی بھی مرعوب نظر آرہی تھیں۔

''عمر انکل کیسے ہیں، کہاں ہیں؟'' اشعر نے پوچھا۔

''وہ تو سو رہے ہیں ورنہ میں کسی نہ کسی طرح انہیں یہاں لے آتی۔'' شیریں نے عذر پیش کیا۔

''کوئی بات نہیں، میں خود انہیں جا کے دیکھ لیتا ہوں۔ اس طرح مجھے بھی تسلی ہو جائے گی آپ ان کے کمرے تک مجھے لے چلیں۔'' وہ ان سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا۔ ناچار شیریں کو بھی اٹھنا پڑا۔ ان کی مرضی نہیں تھی کہ اشعر، عمر زیب کو دیکھے...... مگر کچھ سوچ کے خاموش ہوگئیں۔ وہ اسے ساتھ لیے عمر زیب کے بیڈ روم میں آئیں۔ کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے۔ اس نے بڑھ کر پردے ہٹادیے اور ساتھ لائٹ بھی جلادی۔ عمر زیب واقعی سوئے ہوئے تھے۔ اشعر کو اپنا وہاں بیٹھنا بیکار ہی لگا۔ وہ باہر آگیا۔ شیریں کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

''انکل کا ٹریٹ منٹ چل رہا ہے؟'' اشعر نے واپس ڈرائنگ روم میں پہنچ کر پھر سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا، علاج ہو رہا ہے عمر بھائی کا...... بہت قابل ڈاکٹر سے اورنگزیب علاج کروا رہے ہیں اگر کوئی فرق نہ پڑا تو ہم باہر بھی لے جائیں گے علاج کی خاطر عمر بھائی کو۔ شاہ زیب کی موت نے بہت برا اثر ڈالا ہے ان پر...... خیر خدا کی مرضی یہی تھی۔ کسی کا کیا بس چلتا ہے۔ میری جوان معصوم بیٹی بھی تو بیوہ ہوئی ہے پر رو دھو کے خاموش ہوگئی ہوں میں بھی۔'' شیریں کی صورت رونے والی ہوگئی تھی۔ اشعر کو آئے آدھا گھنٹا ہوچکا تھا۔ اتنی دیر میں چائے کے ساتھ کافی لوازمات ٹیبل پر اس کے سامنے سجادیے گئے تھے۔ شیریں اور سائرہ کے بے حد اصرار پر اس نے صرف آدھی پیالی چائے لی۔ واپسی سے پہلے جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ اس نے شیریں سے دریکتا کا پوچھ لیا۔ وہ شاہ زیب کے جنازے پہ اسے نظر آئی تھی اس کے بعد دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔

''آنٹی دریکتا سے ملاقات ہوسکتی ہے؟''

''وہ سارا دن اپنے کمرے میں گھسی رہتی ہے، جانے کیا کرتی ہے، نہ ہمارے ساتھ بولتی ہے نہ بیٹھتی ہے، میں جا کے بتاتی ہوں اسے۔'' شیریں کو اشعر کی فرمائش ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ خیر اسے مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ سائرہ، اشعر کے پاس اکیلی رہ گئی۔

''آپ کہاں رہتے ہیں؟'' ماں کی غیر موجودگی میں اس نے پہلا سوال پوچھا۔ اشعر نے بتادیا۔ سائرہ مزید سوال پوچھنے کی تیاری کر رہی تھی کہ شیریں اکیلی ہی واپس آگئیں۔ دریکتا اس کے ساتھ نہیں تھی۔

''کہتی ہے میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ ابھی نہیں مل سکتی۔'' شیریں نے اشعر کی طرف دیکھے بغیر یہ جملہ کہا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے شدید قسم کی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دریکتا سے عمر انکل کے بارے میں پوچھنا چاہ رہا تھا، وہ ان کی بیٹی تھی۔ اپنے باپ اور ان کے ٹریٹ منٹ کے بارے میں باقی گھر والوں سے زیادہ جانتی ہوگی۔ اسی مقصد کے لیے اس نے دریکتا کے بارے میں پوچھا تھا پر اس نے سر درد کا بتا کر ملنے سے مجبوری ظاہر کردی تھی۔

اشعر کے چہرے پر چھائی غصے اور توہین کی سرخی شیریں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ ان کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔

☆☆☆

کافی دیر تک کروٹیں بدلنے کے باوجود اسے نیند نہیں آرہی تھی، وہ ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا کے بیٹھ گئی اور چپل کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ چپل پہن کے واش روم میں گئی اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارے...... اب قدرے سکون کا احساس ہوا تھا۔ پھر اس نے کمرے کا دروازہ ہلکے سے کھول کے باہر قدم نکالا۔ کچھ فاصلے پر مائرہ بھابی کا کمرا تھا وہ آرام کررہی تھی۔ درِیکتا، پپا کو دیکھنے نیچے آئی۔ ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔

''جانے کون آیا ہے؟'' اس نے خود کلامی کی...... وہ ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ اس کے بعد پپا کا کمرا تھا۔ ''دیکھوں تو سہی کون ہے؟'' وہ دروازے کے سامنے تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھولتی اندر کی طرف سے دروازہ کھولا گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اپنی جھونک اور تیزی میں دُرِیکتا سے ٹکرایا...... یہ ٹکراؤ شدید نہیں تھا پر وہ گرتے، گرتے بچی...... ٹکرانے والے نے اسے سنبھال لیا تھا۔ یہ اشعر لغاری تھا۔ جس کی بادامی آنکھوں میں اس وقت بے پناہ غصہ ہلکورے لے رہا تھا۔ اس کے پیچھے شیریں اور سائرہ کے چہرے ابھرے تھے۔

''بہت خوشی ہوئی ہے آج آپ کے گھر آکے...... آپ کے ہاں مہمانوں سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ مجھے پہلے سے کوئی اندازہ نہیں تھا ورنہ آپ کو بتا کے آتا۔''

پے در پے واروں سے وہ بوکھلا گئی۔ اشعر اسے آگے سے ہٹا کے باہر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ شیریں اور سائرہ نے پیچھے، پیچھے جا کر بڑے اخلاق سے اسے رخصت کیا...... پر درِیکتا کی طرف سے لتے...... بے پناہ غصہ تھا۔ اب تو اس میں سوال بھی شامل ہوگئے تھے۔ وہ پریشان سی صورت سے ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ شیریں، اشعر کے جانے کے بعد اس کے پاس آئیں۔

''تم سورہی تھیں اس لیے میں نے تمہیں نہیں اٹھایا۔ عمر بھائی کی وجہ سے پریشان رہتی ہو، مجھے پتا ہے۔ رات کو کافی دیر تک تمہارے کمرے کی لائٹ جلتی رہتی ہے۔ جانے سوتی بھی ہو کہ نہیں اس لیے میں نے تمہیں نہیں جگایا کہ چلو جتنی دیر سوتی رہو گی پریشانیوں اور سوچوں سے بچی رہو گی۔ ویسے میں اشعر کو عمر بھائی کے کمرے میں لے گئی تھی۔ خود دیکھ کر گیا ہے انہیں۔ سائرہ اور میں نے اشعر کو کمپنی دے دی تھی۔ تمہارا ابھی بتا دیا کہ آرام کررہی ہے۔'' درِیکتا نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔ اشعر کی اس کے ساتھ کوئی باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی تھی جو وہ اس کے مزاج کے بارے میں جان سکتی یا اندازہ لگا سکتی۔ اسے پہلے تو اشعر سے ٹکرانے پہ ہی شرمندگی ہورہی تھی اور یہ شیریں تائی اور سائرہ نے بھی دیکھا تھا پھر اشعر کا طنزیہ انداز گفتگو...... جانے کس بات کا ردِعمل تھا۔ اس کے وہ طنزیہ جملے...... ''بہت خوشی ہوئی آج آپ کے گھر آکے...... آپ کے ہاں مہمانوں سے ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ مجھے پہلے کوئی اندازہ نہیں تھا ورنہ بتا کے آتا۔'' شیریں تائی اور سائرہ نے اتنے اچھے طریقے سے پوچھا خاطر مدارات کی پھر اسے ایسا کیا شکوہ تھا جو وہ اتنے غصے میں واپس گیا تھا؟ درِیکتا سوچ، سوچ کے بھی اس کا جواب تلاش کرنے میں ناکام رہی۔

سائرہ کو جانے کیوں بہت افسوس ہورہا تھا۔ یہ جاننے کے بعد کہ اشعر لغاری، درِیکتا کا شوہر ہے، اسی لیے تو اتنے غصے سے بات کی تھی اس کے ساتھ اور تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے نکلا تھا۔ اسے درِیکتا سے حسد سا محسوس ہوا۔ اتنی شاندار پرسنالٹی تھی اشعر لغاری کی کہ وہ دیکھتے ہی مرعوب ہوگئی تھی۔ اس کے اٹھنے، بیٹھنے بات چیت کرنے کا انداز سب کچھ کتنا پُراعتماد تھا۔ سائرہ،

مائرہ سے سال بھر ہی چھوٹی تھی پر اس کی طرح اتنی تیز طرار نہیں تھی۔ شیریں نے ابھی اس کو سنوارنے، نکھارنے میں اتنی دلچسپی ہی نہیں لی تھی ورنہ وہ مائرہ سے دو ہاتھ آگے ہوتی۔ ابھی تو اس کے دل کو اس تاسف نے گھیرا ہوا تھا کہ دریکتا کا شوہر کتنا زبردست ہے۔

☆☆☆

باسط کو اپنے سامنے دیکھ کر شیریں کو ناقابل بیان خوشی ہو رہی تھی۔ شاہ زیب کی موت کے بعد ان کی بیٹا سے جب بھی بات ہوتی وہ باسط کا خاص طور پر پوچھتیں ...... بیٹا نے بھی بہن کی حد سے زیادہ بڑھتی ہوئی دلچسپی محسوس کر لی تھی پر توجہ نہیں دی تھی۔

''کب آئے ہو تم...... تمہارے تو آنے کا پتا چلتا ہے نہ جانے کا...... لگتا ہے خوب کمانے میں مصروف ہو۔'' شیریں نے اس کی کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی، ہاتھ میں پکڑا اسٹائلش سا موبائل فون اور اس کے پہنے ہوئے قیمتی سوٹ سے اس کی آمدنی کا اندازہ لگایا تھا۔ وہ جس چم، چم کرتی گاڑی میں اپنے ڈرائیور سمیت آیا تھا وہ خود ہی اپنے قیمتی ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ اس کی خاطر مدارات میں بچھ، بچھ گئیں۔ باسط کی کھوجتی نظریں ان کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی سے قطع نظر مائرہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ رہا نہیں گیا تو ان سے پوچھ ہی بیٹھا۔

''خالہ، مائرہ کہاں ہے نظر نہیں آ رہی؟''

''نصیبوں جلی اس نے کہاں جانا ہے، اپنے کمرے میں ہے۔'' شیریں نے تاسف آمیز ٹھنڈی سانس لی۔ باسط سے کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا۔ خاموشی سے جوتے کی نوک سے دبیز قالین کو کریدنے لگا۔

''میں نے مائرہ سے تعزیت کرنی ہے خالہ۔'' خاصی دیر کے بعد وہ بولا تو شیریں چونک گئیں۔

''ہاں ٹھیک ہے، وہ عدت میں ہے...... پر......'' وہ ہچکچاہٹ بھرے انداز میں کہتے، کہتے رک سی گئیں۔

''خالہ میرے حساب سے تو اس کی عدت ختم ہو گئی ہے۔ چار ماہ دس دن کی مدت ہوتی ہے ناں عدت کی؟'' وہ ان سے تصدیق چاہ رہا تھا۔

''ہاں کہتے تو تم ٹھیک ہو اتنی ہی مدت ہوتی ہے عدت کی پر مائرہ ماں بننے والی ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہمیں بھی اس بات کا پتا چلا ہے۔'' شیریں خالہ نے اس کے حواسوں پر بم گرایا تھا۔ اس طرف کا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا نہ کبھی اس پہلو کی طرف دھیان گیا تھا۔ ایسی بات تھی تو پہلے کیوں نہیں پتا چلی...... اسے خود ہی اپنی سوچ پر ہنسی آ گئی...... بھلا امی اسے یہ بات بتاتیں کہ مائرہ ماں بننے والی ہے۔ اس نے بڑی تیزی سے خود کو سنبھالا۔

''خالہ یہ تو اچھی بات ہے...... خوشی کی بات ہے۔'' اس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھال کے کہا۔

''لو یہ کون سی خوشی کی بات ہے، شاہ زیب خود تو مر گیا میری مائرہ کو دکھوں کے حوالے کر کے...... پہلے کوئی کمی تھی جو وہ جاتے، جاتے اسے ماں کے رتبے پر بھی فائز کر گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ مائرہ کی جان چھوٹ جائے پر میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہوا۔'' شیریں خالہ اسے سب کچھ ایسے بتا رہی تھیں جیسے وہ ان کی سہیلی ہو یا کوئی راز دار ہو۔

''خالہ ہر بار تو آپ کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی ناں...... کبھی، کبھی ناکامی بھی مقدر ٹھہرتی ہے۔'' وہ بہت عجیب انداز میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولا تو شیریں کو بے چینی سی ہونے لگی۔

''اچھا یہ بتاؤ، تم وہاں کیا کرتے ہو؟'' وہ اپنی بے چینی کو زائل کرنے کے لیے پوچھ رہی تھی۔

''خالہ میں ایک امپورٹ ایکسپورٹ فرم میں کام کرتا ہوں۔ قسمت اچھی تھی جو یہاں نوکری مل گئی۔ ورنہ ایک بی ایس سی پاس لڑکے کو کون ملازم رکھتا ہے۔ عمر بھی کم تھی تجربہ بھی نہیں تھا پر ساری بات قسمت کی ہے، مختصر عرصے میں گھر بھی لے لیا ہے، گاڑی بھی ہے بلکہ میرے ساتھ دو لڑکے اور بھی ہیں، وہ کہتے ہیں ہمیں اپنا کاروبار کرنا چاہیے۔ اس میں بہت پرافٹ

ہے، ہوسکتا ہے کہ میں اپنا الگ کاروبار شروع کردوں ابھی تو سوچ رہا ہوں۔'' باسط مزے سے بتا رہا تھا اور شیریں اسے رشک سے دیکھ رہی تھیں۔

''واہ میری بہن کی قسمت کتنی اچھی ہے جو تم جیسا بیٹا ملا ہے۔ اللہ ہر کسی کو تم جیسا بیٹا دے۔'' ان کی دعا پہ باسط کا دل چاہا کہ زور سے ہنسے۔ پر اس نے یہ بے وقوفی نہیں کی...... ہولے سے سر ہلا دیا۔

''اچھا خالہ، مائرہ یہاں آسکتی ہے یا میں اس کے پاس جاسکتا ہوں؟'' اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے دوبارہ اپنا سوال کچھ الفاظ کے اضافے کے ساتھ دہرایا۔

''ہاں...... ہے تو وہ عدت میں...... پر تم اتنی دور سے آئے ہو میں اسے کہتی ہوں سر منہ ڈھانپ کے تم سے بات کرلے۔'' شیریں خالہ کا انداز احسان کرنے والا تھا۔ باسط نے ایک بار پھر بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا۔ وہ تو آج بڑے لطیفے سنا رہی تھیں۔ ورنہ وہ کہنے لگا تھا کہ خالہ آپ کب سے اتنی مذہبی مزاج کی ہوگئی ہیں اور اگر آپ کو خدا نے یہ توفیق بخش ہی دی ہے تو پھر اپنی بات سے ہٹ کیوں رہی ہیں۔ جس بات کی اجازت اسلام ہی نہیں دیتا آپ کیوں دے رہی ہیں۔ میں مائرہ کے لیے نامحرم ہوں، وہ میرے لیے نامحرم ہے جب تک اس کے ہاں بچے کی ولادت نہیں ہوجاتی تب تک اس کی عدت ختم نہیں ہوگی اور آپ بظاہر جو مجھ پر احسان کررہی ہیں، دل سے آپ بھی یہی چاہتی ہیں۔ وہ صرف سوچ کر رہ گیا تھا۔

شیریں خالہ نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ مائرہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی امی کو باسط سمیت دیکھ کر اس نے بڑی تیزی سے پاس پڑا دوپٹا اٹھا کر سر اور جسم کے گرد لپیٹا تھا۔ اس کی یہ کوشش اضطراری تھی۔

''باسط کہہ رہا تھا کہ تم سے تعزیت کرنی ہے، اس لیے آیا ہے۔'' ساتھ ساتھ شیریں بول رہی تھیں۔ باسط بڑے غور سے مائرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ پہلے کے مقابلے میں کچھ موٹی لگ رہی تھی پر چہرہ کمزور ہی تھا۔

''میں آتی ہوں کچھ چائے، ناشتے کا کہہ کر......''

شیریں بہانے سے باہر نکل گئیں تو باسط پوری طرح مائرہ کی طرف گھوم گیا۔

''میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ مجھے بہت افسوس ہوا ہے یا غم سے دل پھٹ گیا ہے پر جو ہوا اچھا نہیں ہوا۔ کم سے کم تمہارے ساتھ بالکل بھی نہیں...... اتنا امیر اور صاحب جائداد تھا تمہارا مرحوم شوہر اور تم ایک جوان بیوہ ...... کیا کروگی، کیسے زندگی گزاروگی؟ ابھی سے اکیلی ہوگئی ہو۔'' باسط کے لفظ، لفظ میں سفاکی تھی۔ مائرہ نے پہلی بار اتنے عرصے میں اسے غور سے دیکھا جب سے وہ اس کے کمرے میں آیا تھا۔ باسط نے داڑھی رکھ لی تھی۔ داڑھی نے اس کے پورے چہرے کا تاثر ہی بدل کے رکھ دیا تھا۔ بڑا، بڑا اور میچور لگ رہا تھا پھر جو چہرے پر سنجیدگی اور پختگی تھی وہ کسی طور بھی یہ ظاہر نہیں کرتی تھی کہ باسط، مائرہ سے کچھ سال ہی بڑا ہے۔ اس کا وزن بھی پہلے کے مقابلے میں بڑھ گیا تھا۔ اپنے بیٹھنے کے انداز سے کافی

عتماد نظر آ رہا تھا۔ ’’پیاری لگ رہی ہو اس حال میں بھی۔‘‘ باسط کا اشارہ اس کی بدلی ہوئی جسمانی ہیئت کی طرف تھا۔ مائرہ جھینپ سی گئی۔

’’خیر میں پھر آؤں گا جب اس بوجھ سے آزاد ہو جاؤ گی۔ پھر تم سے بہت سی باتیں ہوں گی جو میں نہ کر سکا تھا۔ اور تمہیں یہ کہوں گا کہ جو ہوا اسے بھول جاؤ، گزشتہ زندگی کو سوچو بھی مت...... تمہارے حق میں اور آئندہ زندگی کے لیے یہی بہتر ہوگا۔‘‘ پتا نہیں وہ نصیحت کر رہا تھا، دھمکی دے رہا تھا ڈرا رہا تھا یا اپنے پُرخلوص جذبات کا اظہار کر رہا تھا...... مائرہ فرق نہیں کر سکی تھی۔

☆☆☆

دُرِ یکتا، باسط کی موجودگی کی وجہ سے بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ وہ اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ شیریں اسے رکنے پر اصرار کر رہی تھی مگر وہ مان ہی نہیں رہا تھا۔ بالآخر اس نے کہا کہ وہ رات رکے گا نہیں البتہ رات کا کھانا ضرور ان کے ساتھ کھالے گا۔ شیریں خوش ہوگئیں۔ کچن میں ملازموں کی شامت آئی ہوئی تھی۔ جلدی کرو، جلدی کرو کی پکار لگی ہوئی تھی۔ شیریں نے باسط کو ٹی وی لاؤنج میں ہی بٹھایا ہوا تھا۔ وہیں در یکتا بھی تھی۔ وہ بار بار اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گھنے بالوں اور موٹی، موٹی آنکھوں والی مائرہ کی نند اور چچازاد اسے بڑی قابلِ توجہ لگی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کوئی حساب کتاب کر رہا تھا۔ اس کے علم کے مطابق مائرہ شادی کے بعد الگ گھر میں چلی گئی تھی جبکہ ابھی تو وہ اپنی سسرال میں تھی۔ اس کے سسر کی حالت قابلِ رحم تھی، وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ پھر اس جائداد کا مالک و مختار کون ہے، یقیناً مائرہ کی گھنے بالوں اور معصوم صورت والی یہی نند ہوگی۔ جس کی موٹی، موٹی آنکھوں میں حیرانی ہے، جسے باسط کا یوں گھور، گھور کے دیکھنا ناگوار گزر رہا تھا۔ پھر گویا اسے دُرِ یکتا پر ترس سا آ گیا۔ اس نے دیکھنا موقوف کر دیا اور شیریں خالہ سے باتیں کرنے لگا۔

☆☆☆

طاہر لغاری صبح صبح لان میں بیٹھے اخبار بینی کا شوق پورا کر رہے تھے۔ اشعر تیار ہو کے ان کے پاس سے گزر کر گیٹ کی طرف جا رہا تھا تو طاہر لغاری کو جیسے کوئی بات یاد آ گئی۔ حالانکہ وہ ان سے مل کے اور اللہ حافظ کہہ کر جا رہا تھا۔ تبھی طاہر لغاری نے پیچھے سے پکارا تو وہ واپس آ گیا۔

’’ارے، میں نے تمہیں کہا تھا کہ کسی دن ٹائم نکال کے عمر کی طرف ہو آنا۔ تم گئے نہیں کیا؟‘‘

’’پپا میں گیا تھا کل ان کی طرف...... بس ذہن سے نکل گیا آپ کو بتانا۔‘‘

’’اوہ اچھا...... اب کیسی طبیعت ہے عمر کی؟‘‘

’’طبیعت کا تو مجھے پتا نہیں کیونکہ انکل عمر سوئے ہوئے تھے۔‘‘

’’در یکتا سے ملاقات ہوئی وہ کیسی تھی؟‘‘

’’جی پپا، ان محترمہ سے بھی ملاقات ہوئی تھی گھڑی بھر کے لیے...... کیونکہ ان کے سر میں درد تھا۔ میں جب واپسی کے لیے نکل رہا تھا تو ان کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ دیکھنے میں ٹھیک ہی لگ رہی تھیں وہ بظاہر تو کسی بیماری کے آثار لگ نہیں رہے تھے۔‘‘ اشعر تپا ہوا تھا۔ طاہر لغاری اسے غور سے دیکھنے لگے۔ وہ کس طرح بات کر رہا تھا جیسے کوئی رنجش ہو دل میں۔

فی الحال اشعر کو دیر ہو رہی تھی ورنہ وہ پوچھتے کہ در یکتا کے ذکر پر ایک دم غصے کے تاثرات کیوں آ گئے۔ آخری بار جب وہ عمر کی طرف گئے تھے تو اس کے بڑے بھائی اورنگزیب نے کافی عزت افزائی کی تھی سو ان کا جی نہیں چاہ رہا تھا خود جانے کو...... اسی لیے انہوں نے اشعر کو کہا تھا کہ ان کی طرف چکر لگالے...... اشعر ہو تو آیا تھا پر غصے میں تھا۔ اب وہ یہی سوچ رہے تھے کہ آیا اشعر کے ساتھ کوئی بداخلاقی یا بدتمیزی تو نہیں کی گئی۔ ورنہ وہ اتنی جلدی غصے میں آنے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

وادیِ نیلم کا وہی ہوٹل تھا اور وہی کمرا تھا۔ شاہ زیب

نے سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ اداس تھا۔ مائرہ اسے غصے اور نفرت سے دیکھ رہی تھی۔

''مائرہ بتاؤ ناں، تم نے ایسا.... کیوں کیا؟ تم نے مجھ سے کیوں لڑائی کی......اور کیوں ایسی باتیں کیں جن کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا اور اس غصے میں مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا اور گاڑی کھائی میں گرا بیٹھا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹتے ہوئے بہت اذیت سے گزرنا پڑا تھا اور اب تم اور شیریں تائی میرے ہونے والے بچے کو قتل کرنا چاہ رہی ہو...... مجھے اور اذیت دے رہی ہو۔ بولو کیوں، تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟ میں تمہیں قتل کر دوں گا اگر تم نے ایسا کچھ سوچا بھی......'' شاہ زیب اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ کھولے مائرہ کی طرف بڑھنے لگا جیسے اس کی گردن دبا دینا چاہتا ہو۔ اس دوران مائرہ جو پہلے خوب اونچا، اونچا بول رہی تھی لڑ رہی تھی، ڈر چکی تھی اور پیچھے ہٹ رہی تھی پر شاہ زیب آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ''مجھے پتا ہے کہ تم نے مجھ سے ویسی محبت نہیں کی جس طرح میں نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا...... شیریں تائی اور تم نے صرف میری دولت سے محبت کی اور اسی خاطر تائی نے تمہیں یہاں شہر ہمارے گھر بھیجا تھا۔ تم اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گئیں، مجھ سے شادی بھی کر لی۔ تم میرے بچے کی ماں بننا نہیں چاہتی تھیں ناں...... یہ بچہ تمہاری خواہش کے بغیر تمہاری کوکھ میں آیا ہے اور تم اس سے جان چھڑانا چاہتی ہو تا کہ اپنی نئی زندگی میرے بچے کے نام و نشان کو مٹا کے شروع کر سکو مگر میں تمہیں مٹا دوں گا۔'' شاہ زیب کے ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے۔ مائرہ نے زور، زور سے چلانا شروع کر دیا پر اس کے منہ سے پھنسی، پھنسی روہانسی آوازوں کے سوا کچھ بھی نہیں نکل رہا تھا پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ ایک جھناکے سے جیسے سارا منظر ٹوٹ گیا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں لیٹی ہوئی تھی۔ زیرو پاور کا بلب روشن تھا۔ اسے اپنے گلے میں کانٹے سے چبھتے محسوس ہو رہے تھے۔ مائرہ کے دونوں ہاتھ اپنے گلے پر دھرے ہوئے تھے جیسے وہ شاہ زیب کی گرفت سے رہائی پانا چاہ رہی ہو۔ وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ حیران بھی تھی کہ اس کے چلانے کی آواز سن کے کوئی جاگا کیوں نہیں...... پھر خود ہی اسے سمجھ آئی کہ جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو اس کے منہ سے گھٹی، گھٹی آواز نکل رہی تھی تو کوئی کیسے جاگتا۔

یہ عجیب سا خواب دیکھنے کے بعد دوبارہ کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آئی۔ طبیعت بھی عجیب سی ہو رہی تھی۔ پیٹ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے ہوئے تھے جیسے درد کو اندر ہی اندر دبانا چاہ رہی ہو۔ تکلیف کے باوجود وہ شیریں کو کچھ نہیں بتاتی تھی اور نہ ہی ڈاکٹر کے پاس جاتی۔ صرف ایک دفعہ کے علاوہ وہ دوبارہ چیک اپ کروانے بھی نہیں گئی۔ جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ نہ اسے اپنے کھانے، پینے کا کوئی ہوش تھا، اکیلے میں کتنی بار اس نے اپنے پیٹ پہ زور، زور سے مکے مارے تھے۔ خود کو اذیت سے دوچار کیا ......الٹ سیدھی گولیاں کھائیں کہ شاید اس کے پیٹ میں سانس لیتی زندگی دم توڑ جائے۔ پر شاہ زیب کے ہونے والے بچے نے تو پیٹ میں حرکت بھی شروع کر دی تھی اب وہ اسے اپنے وجود کا احساس دلا رہا تھا۔ اس پر ہنس رہا تھا، قہقہے لگا رہا تھا کہ کیسے مجھ سے پیچھا چھڑاؤ گی۔ میں نے آ کے رہنا ہے تمہاری گود میں...... اپنی ہر کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ رونے لگتی۔

☆☆☆

باسط جب سے ان کے گھر سے ہو کر گیا تھا۔ احساسِ زیاں کچھ اور بھی سوا ہو رہا تھا۔ امی نے بہت کچھ بتایا تھا کہ اس کی جاب اور دیگر چیزوں کا...... اس نے امی کی آنکھوں میں نئی امید کے دیے جلتے دیکھے تھے۔ مائرہ نے غور کیا تو ایسے ہی امید کے ہزاروں دیے اسے اپنے اندر بھی روشن ہوتے محسوس ہوئے۔ باسط کیا آیا تھا کہ اسے نئی زندگی کا ایک پیام ملا تھا۔ وہ امید دلا کے گیا تھا۔ اپنے آنے کا کہا تھا جیسے دبے، دبے لفظوں میں اپنے انتظار کا بول گیا ہو۔ تھوڑی دیر ہی اس کے پاس بیٹھا تھا پر

وہ اسی طلسم میں قید تھی۔ اب اس ہونے والے بچے سے اسے کوئی خاص دلچسپی یا لگاؤ نہیں تھا۔ لگاؤ تو پہلے بھی نہیں تھا۔ بحالتِ مجبوری چند ماہ اور یہ بوجھ برداشت کرنا تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی پر نہیں، نیند دور کھڑی ہاتھ مل رہی تھی۔ پھر ابھی کچھ دیر پہلے دیکھا گیا خواب بھی پریشان کُن تھا۔ شاہ زیب مرنے کے بعد بھی اس کی زندگی میں موجود تھا۔ چاہے خواب کے راستے ہی سہی اور اپنی نشانی کے ساتھ...... اس پر ہنستا ہوا...... قہقہے لگاتا ہوا۔

☆☆☆

شیریں، اورنگزیب کو غصے سے دیکھ رہی تھیں اور وہ بھیگی بلی بنے صفائیاں دے رہے تھے۔ شیریں کو بہت جلدی تھی سب کچھ ایک دم سے حاصل کرنے کی...... پر اورنگزیب سکون و آرام سے سب کام کرنا چاہ رہے تھے۔

شیریں، دریکتا اور عمر زیب کی بھی دولت تھیانے کو بے چین تھیں اور جانے کیا، کیا ترکیبیں لڑا رہی تھیں جبکہ اورنگزیب نے ذرا بھی برا نہیں منایا بلکہ مسکرانے لگے۔ شیریں اس عالم میں اورنگزیب کی مسکراہٹ سے الجھ گئیں۔

''آپ کیوں ہنس رہے ہیں......؟ میں پریشان ہوں اور آپ میری حالت سے لطف لے رہے ہیں۔''

''میں تمہاری حالت سے لطف نہیں لے رہا ہوں بلکہ آئندہ کا سوچ کے خوش ہو رہا ہوں کہ عمر علاج کے لیے باہر چلا جائے گا اور دریکتا اس کے ساتھ ہوگی۔ ظاہر ہے عمر کے ساتھ کسی کو تو ہونا چاہیے تو بیٹی سے زیادہ کون اس کا خیال رکھ سکتا ہے۔'' اب شیریں مسکرانے لگیں۔

''مائرہ کا ہونے والا بچہ بھی تو اپنے دادا کی جائداد کا وارث ہے اگر دریکتا اپنی خوشی سے بھائی کے خون کو خوشی، خوشی جائداد کا وارث نامزد کر دے تو یہ کوئی ایسی انہونی بات تو نہیں ہوگی ناں......''

''بالکل بھی نہیں...... ایسا صدیوں سے ہوتا آیا ہے کہ بہنیں خوشی، خوشی بھائیوں کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہوتی آئی ہیں۔ عورتیں، مردوں کی خوشی پر اپنی خوشی، اپنا حق سب کچھ قربان کرتی رہی ہیں اگر دُرِیکتا اپنے ہونے والے بھتیجے کے حق میں اپنی جائداد سے دستبردار ہو جاتی ہے تو یہ کوئی نئی تاریخ رقم کرنے والی بات نہیں ہوگی ایک عام سا واقعہ ہوگا۔ جسے لوگ جلد بھول بھال جائیں گے۔ پر یہ کام بہت پیار، لاڈ اور نرمی سے کرنے والا ہے۔ دریکتا ابھی معصوم سی بچی ہے۔ جسے اس دنیا کا زیادہ پتا نہیں...... اس کا ان چیزوں سے کہاں پالا پڑا ہے جو ہم سوچ رہے ہیں۔ عمر نے اس کا نکاح کر کے اگرچہ کام مشکل کر دیا ہے لیکن ہارون یا نوید کے کسی بیٹے کے ساتھ اس کا نکاح ہوتا تو ہمارے لیے زیادہ مشکل ہوتی۔ طاہر لغاری اور اس کا بیٹا ہمارے خاندان کا نہیں...... یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔'' اورنگزیب آہستہ، آہستہ بول رہے تھے۔

''لیکن اشعر پولیس آفیسر ہے، اس دن یہاں آیا تو میں خائف سی ہوگئی تھی۔ ایسا نہ کہ وہ ہماری راہ میں مزاحم ہو۔ دریکتا کی جائداد اُسے بھی تو لالچ میں ڈال سکتی ہے۔'' شیریں کے خدشات اپنی جگہ تھے۔

''نہیں بالکل نہیں، دُرِیکتا کی جائداد اسے لالچ میں نہیں ڈال سکتی۔ طاہر لغاری خود بہت ہی خوشحال خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسے خاندان سے کہ جہاں عورت کی دولت و جائداد پہ نظر رکھنا مردانگی کے خلاف تصور کیا جاتا ہے۔ یہ فکر تم چھوڑو۔''

''کیسے چھوڑ دوں، میں اشعر کو دیکھ کے خوف زدہ ہوگئی تھی۔''

''کہا ناں مت خوف زدہ ہو۔ اشعر جیسے پولیس آفیسر بہت دیکھے ہیں...... تم بس یہ یاد رکھو کہ عمر کو ملک سے باہر لے کر جانا ہے علاج کی خاطر......''

''ٹھیک ہے جو آپ کہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔'' شیریں خلافِ توقع بہت فرمانبرداری سے بولی تھیں۔

(باقی آئندہ)

# اُسے آزاد کر دو

صائمہ قیصر ہاشمی
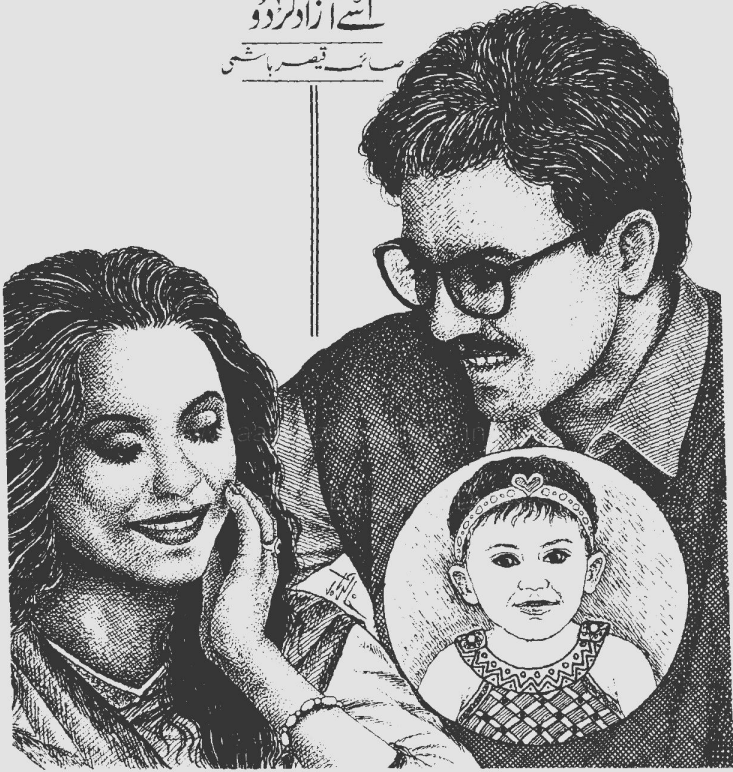
ہوٹل پرل کانٹینینٹل کی لابی سے نکلتے ہوئے ہنسوں کا وہ جوڑا مجھے سی آف کر رہا تھا۔ وقار اور ثنا کے انداز میں اب بھی وہی گرم جوشی اور متانت تھی...... میں اپنے شوہر سعد و بچوں کے ساتھ ایک عمدہ روش پر چلتے ہوئے ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی بلیک جی ایل آئی میں آ بیٹھی۔ چند ہی ثانیے میں ہم نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا اور صدر کے علاقے سے گزرتے ہوئے گھر کی راہ لی۔

اپنے نرم گرم بستر میں سرما کی بھرپور ٹھنڈ کا مزہ لیتے ہوئے مجھے اپنے اندر کا موسم بے حد ابتر سا لگا...... دل کی گہرائیوں تک خزاں ہی خزاں چھائی تھی۔ میں نے مضطرب سی کروٹ بدل کے سعد کو دیکھا۔ جو زبردستی سو جانے کا دکھاوا سا کر رہے تھے۔ میری نگاہوں پہ ان دیکھے جادوئی عدسے فٹ ہو گئے۔ جن سے مجھے اپنے اور سعد شاہ کے درمیان اِک گہری سی دھند چھائی نظر آئی۔ جانتی تھی یہ فریب نہیں...... حقیقت ہے اور یہ کڑوا سچ...... کہ ہمارے درمیان تنی اس نادیدہ چادر کو چاک مجھے ہی کرنا پڑتا ہے...... فطرت اپنا کام کرے گی اور پھر یہ زندگی مصلحت کی زرہ بکتر اوڑھ لے گی۔

☆☆☆

وقار الحسن میرے اور سعد دونوں کے پھوپی زاد تھے۔ ثنا ان کی دوسری کم عمر اور قبول شکل بیوی ...... رنگت صاف قدرے گلابی مائل...... بوٹا سا قد کُل ملا کر اس کا شخصی حدود اربعہ بہتر تھا۔ بہترین نہ ہونے کے باوجود نظر لگنے کی حد تک دونوں میاں، بیوی میں انڈر اسٹینڈنگ اور محبت چھلکے پڑتی تھی۔ بلکہ وقار بھائی تو فریفتہ ہوتے نظر آتے تھے۔ میں نے دونوں کو بری نظر سے محفوظ رہنے کی دعا شاید کئی بار دی ہو گی۔

قدرت کے شاہکار اس ہم مزاج جوڑے سے یہ میری دوسری ملاقات تھی۔ عجیب بات یہ...... کہ وقار بھائی کا اور ہمارا بچپن کا ساتھ تھا۔ وہ مجھ سے عمر میں پندرہ سولہ برس بڑے رہے ہوں گے۔ ان کی مختلف اور غصیلی عادات خاندان بھر میں مشہور تھیں۔ امارت اور آٹھ بہن، بھائیوں سے بھرے پرے گھر میں سب سے بڑا ہونا بھی شاید ان کے لیے دبے رہنے کا سبب رہا ہو گا۔ ماہم ان کی پہلی بیوی...... ایک بیوروکریٹ کی بیٹی...... ڈپٹی کمشنر اور ڈاکٹرز کی لاڈلی بہن...... وقار بھائی کی زندگی میں تب دلہن بن کر چلی آئیں جب ان کے اے کلاس بزنس مین والد انہیں دولت و عشرت کے مقناطیسی راستوں سے واپس زندگی کے حقائق کی جانب لانا چاہ رہے تھے۔ ہم نے بھی اوائل عمری میں ان کی پُرشکوہ شادی میں شرکت کی تھی۔ ماہم بھابی کی خوب صورتی...... وقار بھائی کی اٹھان اور روپے پیسے کی چمک دمک نے ہماری کچی عمروں کو اِک انوکھے سے آئیڈیالزم کے زیرِ اثر کر دیا۔ ہم یعنی خاندان بھر کی نئی پود ان دونوں کی جوڑی کو جنتی مان چکے تھے۔

میں نے زور سے سر جھٹک کر ساس پین سے کھولتی ہوئی چائے کیتلی میں انڈیلی۔ مجھے لگا کہ میں وقار بھائی اور ثنا بھابی سے حالیہ ملاقات کے زیرِ اثر ہوں لیکن فی الحال چاہ کے بھی ان مسکراہٹوں کو بھلا نہیں پا رہی جو یکبارگی دونوں کے لبوں پر بات بے بات اُمڈ آتی تھیں۔ ''خدا انہیں نظرِ بد سے محفوظ رکھے......'' دل سے صدا ابھری اور میں اپنی آنکھوں میں ہلکی سی نمی کو خود میں جذب کرتی چائے کی ٹرے اٹھائے ڈائننگ ٹیبل کی جانب لپکی۔

سعد چائے کے ہی منتظر تھے۔ ناشتے سے قبل وہ دوسرے پورشن سے حسبِ عادت اپنے بھائی کی ننھی سی بیٹی حوریہ کو اٹھا لائے تھے۔ ایک ڈیڑھ برس کی حوریہ ہمارے گھر کی رونق بن چکی تھی۔ صبح اٹھنے کے بعد سے رات سونے تک کی ڈھیروں مصروفیات کے ساتھ حوریہ کی شرارتیں بھی گھر کا لازمی حصہ بن گئیں۔ عباد بھائی کی بیٹی خود محبتوں کا حصہ وصول کرتی۔ فی الحال وہ ناشتا کرتے سعد کی گود میں بیٹھی انہی سے ننھے منے نوالے بھر رہی تھی۔

''آج آفس کے دوستوں کے لیے کچھ خاص نہیں بنا دو گی؟'' سعد نے آملیٹ سے اِک ٹکڑا حوریہ کے ننھے دہن میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے شاید آج سعد سے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا کہنا تھا۔ کئی ماہ سے میں داہنے بازو اور گردن

میں سخت مسکولر پین برداشت کر رہی تھی اور بے پروائی کی آخری حد تک محض پین کلرز پر اکتفا کر لیتی تھی مگر اب..... آخر کار درد ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ جاتا تھا۔

''جی..... بنادوں گی۔ کیا بنانا ہے؟'' میں نے چاروناچار پوچھا۔

''چکن کڑاہی اور مچھلی بنادو۔ گرم روٹی تو وہیں سے منگوالیں گے..... دراصل تمہیں تو پتا ہی ہے کہ ضمیر صاحب ہمارے پرانے کلائنٹس میں سے ہیں۔ کل انہیں تمہارے ہاتھ کی کڑاہی یاد آگئی جو میں کبھی آفس لے کر گیا ہوں گا۔ بس کردی فرمائش کہ بھئی ہماری بھابی کے ہاتھ کا کھانا ہی کھلا دو۔''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں سعد..... اچھی بات ہے دوست احباب کو کھانا کھلانا اور پھر عزت بھی بڑھتی ہے۔'' میں عین اپنی فطرت کے مطابق بولی۔

''تو چلو ٹھیک ہے، دوپہر کو میں آفس بوائے متین کو بھیجوں گا۔ کھانا بھیج دینا۔'' وہ تیزی سے کہتے ہوئے پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

''مگر..... سعد..... وہ..... آج میرا ڈاکٹر جہانگیر کی طرف اپائنٹمنٹ ہے..... پلیز شام پانچ بجے تک آجایئے گا۔'' میری صدا ماحول میں گونج سی گئی۔

''ہاں، ہاں کتنی بار کہا ہے پیچھے سے آواز مت دیا کرو۔ ٹائم ملا تو آجاؤں گا۔'' یہ ان کا جواب تھا۔

''نہ جانے یہ عورت کب سمجھے گی۔'' اور یہ ان کی خود کلامی..... جس کی بازگشت سارا دن میرے دماغ کے داہنے حصے میں گونجتی رہی اور پھر سے میرا دایاں مسل ٹل ہوگیا۔ داہنی آنکھ پھڑکتی رہی اور میں اِک بار پھر پرل کانٹینینٹل کی لابی میں بیٹھے اس جوڑے کی اداؤں میں کھوگئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے میں کبھی سعد شاہ کی فیورٹ کزن نہیں رہی ہوں گی۔ ان کے اردگرد منڈلاتی کئی خوب صورت کزنز مجھے آج بھی نہیں بھولی تھیں مگر تقدیر کہ قرعہ میرے نام نکلا..... اور بزرگوں کی ہر صلاح میری جانب مڑتی چلی گئی..... سعد کی بہنیں اپنے والد کی سرپرستی اور بہت سے رشتے داروں کے ساتھ بڑی کروفر بھری بارات لیے آئیں اور مجھے اپنی بڑی بھابی کی حیثیت سے بیاہ کر لے گئیں۔ یہ الگ بات کہ اس حیثیت پر آج بھی میرا حق دعویٰ..... دعویٰ ہی رہا۔ جس کی واحد اور یقینی وجہ صرف اور صرف سعد شاہ کا اپنی بھرپور مردانہ بے تکلفی کے برعکس عاقبت نااندیش اور عدم اعتماد..... کا شکار ہونا تھی..... اعتماد کی کمی کو زندگی کا ناسور کہوں تو بھی کم ہوگا۔ یہ وہ دیمک ہے جو سمندر کی گہرائی میں بڑی چٹانوں کو بھی کھوکھلا کردے۔

پنجاب رجمنٹ کے مری ریسٹ ہاؤس کے لگژری روم میں ہم گلاس ونڈو کے سامنے بیٹھے وسیع یارڈ میں اچھلتے جنگلی بندروں کو دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔ کمرے کا ماحول جدید ہیٹنگ سسٹم سے خاصا معتدل تھا۔

وقار بھائی ہمیں اپنے ایک آفیسر دوست کے تعلق سے خاص طور پر یہاں سیر کے لیے لائے تھے مگر حقیقت میں انہیں ہم سے نہیں اپنی لاڈلی بیگم کی تنہائی دور کرنے سے غرض تھی..... یہ بات میں اور سعد دونوں اچھی طرح جانتے تھے۔ اسی لیے ہم چپ تھے اور سیر تو وہ کرا ہی رہے تھے۔

''سر..... ! ڈنر میں کیا لیں گے؟'' اجازت لے کر اندر آئے بیٹ مین اسلم بھائی نے پوچھا۔ وقار بھائی نے بڑی نخوت سے اپنی مہنگی رسٹ واچ سے وقت دیکھا، شام کے پانچ بج رہے تھے پھر اپنی بیگم سے پوچھنے لگے۔

''جی بیگم صاحبہ! کیا پسند کریں گی ڈنر میں؟''

میں اور سعد بچوں سمیت کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ مہمان تو ہم تھے پوچھنا تو ہم سے چاہیے تھا۔ خیر بیگم صاحبہ نے پلاؤ، کڑاہی، چکن ہانڈی، روغنی نان اور اے ون سے

رائتہ، سلاد کا آرڈر دے کر نخوت سے مینیو کارڈ واپس کر دیا۔ سعد نے تو اس اندازِ بے نیازی پر مجھے بھویں اچکا کر اشارہ تک کیا۔ جس پر میں حسب عادت صبر کا ایک کڑوا گھونٹ پی کر رہ گئی۔ بچوں کو تو بس سیر اور صرف سیر کی پڑی تھی۔ کسی کے مفلسی مزاج کی نہیں۔

''چلیں جانو......! ڈنر سے پہلے ہم سب ذرا مال روڈ چلتے ہیں۔ مال پہ واک کا مزہ ہی کچھ نرالا ہے۔'' بھابی نے معصوم چہرے اور چھچھورے الفاظ سے بھائی وقار سے فرمائش کی۔

''lets go جو حکم مائی ڈیئر......!'' وقار بھائی مسکرا کر کسی مؤدب غلام کی طرح بولے۔ مگر اس پر بھابی کے چہرے پر ساتوں رنگوں کی حسین سی دھنک اتر آئی۔ عورت پر قبول و منظور ہو جانے سے بہشت سی اتر آتی ہے۔

سعد ہنوز خاموش تھے...... مجھے بھی اپنی آوٹ لک دیکھنے کے لیے ایک آئینے کی ضرورت تھی...... وقار بھائی کی آواز میرے کانوں سے گزر کر حواسوں میں مرتعش ہو رہی تھیں۔

''بیگم صاحبہ! آپ تو آج قندھاری انار لگ رہی ہیں، یہ ریڈ کلر مت پہنا کرو شنا...... یار میری نظر لگ جائے گی۔ کشمیری گرم شال کہاں ہے تمہاری؟ باہر سردی ہوگی، تم بھی کمال کرتی ہو میرے پندرہ ہزار لگ گئے لبرٹی لاہور میں اور جناب کی ناک پر مکھی نہیں بیٹھ رہی۔ شال تو ایک بار بھی نہیں اوڑھی۔''

☆☆☆

حجلۂ عروسی میں میرے اردگرد کافی لوگ جمع تھے۔ سعد کی بہنیں اپنے ننھیالی عزیز واقارب کا تعارف کرا رہی تھیں۔ ہر ایک کو میرے سامنے سب سے بڑھ کر اہم ظاہر کیا جا رہا تھا۔ میری نگاہیں سعد کو کھوج رہی تھیں۔ یوں تنہا بیٹھی مجھے چاہ کر بھی مانوس کسی رشتے کی الف ب بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ پھر بھی نبھانے کی کوشش کرنے لگی۔ حیرت اس بات پر ہونے لگی کہ کسی سے بھی میرا شخصی تعارف کرانے کی اہمیت یا ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ میں سعد کی چچا زاد مریم احمد، خاندان کی لڑکیوں میں بہتر تعلیم یافتہ اور بقول چچیوں، تائیوں کے پُرکشش ترین لڑکی خود سے دس برس بڑے وجیہہ پرسنیلٹی کے مالک سعد شاہ کے حصے میں آئی تھی۔

''مریم......!'' سعد کی منجھلی بہن ناز نے پکارا۔

''جی آپی!'' میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

''افوہ...... جو میں کہنے والی تھی۔ تم نے بھلا دیا آپی کہہ کر...... بھئی سعد مجھ سے چھوٹا سہی پر میں ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں۔ میری سہیلیاں کیا سوچیں گی...... بس آج سے تم مجھے میرے نام سے پکارنا۔ آخر مصلحت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ خدانخواستہ آنے جانے والے رشتے بھی کم نہ ہو جائیں کہیں۔''

''جی بہتر......'' میں نے گویا خود کو بڑی دور اندیش سی بڑی بھابی ظاہر کرنے کی کوشش کی تو فوراً ہی دوسرا تحکمانہ سا جملہ سنائی دیا۔

''اچھا چلو اٹھ کر وہ سوٹ کیس اَن لاک کرو جس میں ہمارے لیے تحائف رکھے ہیں۔ کیا مہمانوں کے چلے جانے کے بعد کھولو گی۔ پھر کیا فائدہ؟''

بھاری سوٹ کیس اٹھانے سے پہلے میں نے ایک بار پھر سعد کو یاد کیا، وہ نہیں آئے تو اپنے اسمارٹ سے جسم کی پوری طاقت سے وہ اٹھا کر بستر پر رکھا۔ کھولا اور رسمی تحائف تقسیم کیے۔ سوٹ کیس اب مکمل خالی تھا اور تحائف کے بعد کمرا بھی...... جب سعد تیزی سے اندر چلے آئے، خالی سوٹ کیس کو گھورا۔

''یہ سوٹ کیس کیوں چھوڑ دیا۔ یہ بھی کسی رشتے دار کو بانٹ دیتیں۔'' زندگی کا پہلا جملہ...... جو میرے شوہر کی حیثیت سے سعد نے کہا وہ یہی تھا۔ ایک بار پھر حیرت کے در مجھ پر وا ہوئے۔ اس وقت کا یہی تقاضا تھا۔ میں خاموشی سے سوٹ کیس بند کر کے ایک طرف رکھ کر بستر پر سر جھکائے جا بیٹھی۔

☆☆☆

مری مال روڈ پر خاصی خنکی تھی۔ ہم واک کرتے ہوئے ونڈو شاپنگ میں بھی بزی تھے۔ ثنا بھابی کو ہر دوسری دکان پر اپنے مطلب کا کچھ نہ کچھ نظر آجاتا وہ رکتیں...... بھاؤ تاؤ کرتیں...... وقار بھائی دوسرے جملے سے پہلے ہی اس کی پے منٹ کر کے آگے بڑھ جاتے۔

''بیٹا ذرا اپنی تائی جان کے ہاتھوں سے سامان پکڑلو، وہ اٹھانے کی عادی نہیں ہیں۔'' وقار بھائی نے میرے بچوں کو منت نما انداز میں کہا۔ سعد نے فوراً آگے بڑھ کر بچوں کے ہاتھوں سے کافی کے گلاس اچک کر وقار بھائی کی بات ماننے کو کہا تو وہ منہ بناتے حکم پر عمل کرنے لگے۔ موسم سرما کی اس یخ بستہ رات کو بھی مال روڈ پر اچھی خاصی رونق تھی۔ مین مال پہ بنے مشہور اور خوب صورت ریستوران سے ہاٹ اینڈ ساور سوپ پی کر ہم باہر نکلے تو میں نے سعد سے ڈرائی فروٹ خریدنے کی دھیمی سی خواہش ظاہر کی۔ جن کی قیمتیں سیزن کے باعث اصل سے تین گنا رہی ہوں گی۔

''مریم...... تم تو بالکل بچوں کی طرح فرمائشیں کرنے لگتی ہو...... اور مونگ پھلی سے تو گرمیوں میں بھی تمہارا دل نہیں بھرتا۔'' سعد نے ڈھیر سارا ڈرائی فروٹ خرید لیا مگر یہ سب کہہ کے وہ بھی خاصے روکھے انداز میں...... مجھے بھی وہ سب بدمزہ سا لگا۔

☆☆☆

اپنی ارینج میرج کے ابتدائی دنوں میں ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ سعد اپنی فیملی سے بے پناہ محبت نہیں کرتے...... مگر وہ فیملی کی ہر توقع پر پورا اترنے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتے ہیں...... ان کی یہ پریکٹس روز بروز میری ذات کو اگنور کرنے اور بعد ازاں بالکل بھلا دینے کا بھی سبب بنتی چلی گئی۔ ماں کی وفات کے بعد سعد کی اَن میرڈ بہن ناز ہی گھر کی کرتا دھرتا تھی...... خود کو اصل سے ہزار گنا بڑھ کر عقل مند تصور کیا کرتی...... اور گھر بھر من وعن اس بے انصافی کو تسلیم کرنے پر سختی سے کاربند تھا۔ حتیٰ کہ سعد اور میری زندگی کی روٹین بھی اس روٹین کے تابع تھی جو ناز کی مقرر کردہ تھی۔ میں اکتا جاتی...... سچ تو یہ تھا کہ اپنی ایک مکمل اور پُراعتماد شخصیت کو رفتہ رفتہ کہیں ڈوبتا...... مرتا ہوا دیکھنے لگی تھی...... کبھی کبھار سعد کو مجھ پر ترس آجاتا تو کہتے۔

''تھوڑے عرصے کی بات ہے، ناز کی شادی ہوجائے گی تو گھر کا کنٹرول تمہارے حصے میں خود ہی آجائے گا تو تم مزے سے اپنی پسند کی روٹین سیٹ کرنا۔'' میں ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنے وجیہہ شوہر کو دیکھتی اور ان دیکھی جنتوں کے تصور میں اتر جاتی...... یہ جانے بغیر کہ جنت اس زمین پر پائی ہی نہیں جاتی۔

☆☆☆

زبردست سے ڈنر اور کڑک گرین ٹی کے بعد بچوں کو دوسرے کمرے میں ایل ای ڈی آن کر کے اپنے پسندیدہ پروگرامز دیکھنے کو بھیج دیا گیا تو ہم دونوں کپلز اپنی میچور گفتگو پر اتر آئے۔ سلسلہ جو چلا فیملی ٹرمز کا تو وقار بھائی نے اپنی بہنوں اور بھائیوں کو بلاحیل و حجت کوسنا شروع کردیا۔ شوخ سی ثنا بھابی کا بھی منہ بن گیا۔ ان کا موقف واضح تھا کہ ان کی پہلی شادی کی ناکامی میں ان کی فیملی کی حد سے زیادہ مداخلت باعثِ انتشار بنی اور اب پھر ان کی فیملی اور عزیز واقارب کو ان سے بحیثیت بڑے بھائی کے بے شمار ڈیمانڈز ہیں مگر خواہش یہ بھی کہ یہ بڑا اپنی بیوی کے حقوق کم کر کے ان کی اطاعت کرے۔

سعد یہ سب سن کر بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے ساتھ بھی سعد کی فیملی یہی کچھ مستقل دہرا رہی تھی، کہیں میں اپنے پھوپی زاد سے دل کا کوئی دُکھڑا نہ بانٹ بیٹھوں۔

''پھر کیسے مینج کریں گے؟'' انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

''اسلام کے سنہری اصول پر چل کر...... ان کا

حق ان کو اور ان کا حق ان کو دونوں کو ایک دوسرے پہ تجاوز کرنے نہیں دوں گا۔'' وقار بھائی نے دوٹوک کہا۔

سعد میری ایک نگاہ سے بھی بچنے کی خاطر اٹھ کر بچوں کی خبر لینے چلے گئے۔

''بڑے ڈیسنٹ ہیں سعد بھائی..... لگتا ہے کسی معاملے میں بولتے ہی نہیں۔'' بھابی نے بڑی لجاجت سے کمنٹ داغا۔ اب کیا ہی میں انکار کرتی بس مسکرا کر کے رہ گئی۔

☆☆☆

ناز نے اپنی شادی سے پہلے میرے ساتھ چار پانچ برس جو گزارے۔ وہ خاصے تلخ تھے۔ جیسے ایک میان میں دو تلواریں نہیں رکھی جاتیں۔ ویسے ہی دو مکمل شخصیات بھی بغیر سمجھوتے کے ایک جگہ نہیں رہ پاتیں۔ حاکم اور محکوم کون..... کا سوال ابھرتا رہتا ہے۔ ناز کو حاکمیت کی سخت بیماری تھی اور مجھے اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت سے سخت چڑ..... تناؤ اور ٹکراؤ جاری رہا۔ سعد کے بھائی اور والد نے فوراً دوٹوک رویہ اختیار کر کے ناز کی طرف داری کرتے رہنے کا فیصلہ بروقت کرلیا۔ نہ سمجھے تو سعد..... وہ میرے لیے اپنے ذہن میں پراگندہ سوچیں لانے لگے۔ مجھے اپنا آپ خاصا غلط سا لگنے لگا اور میرے مزاج میں عجیب سی تلخی کی آمیزش ... ہونے لگی مگر اس سے پہلے کہ ہمارا گھر ایک میدانِ جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ ناز کی شادی ہوگئی پھر میری آس نے امیدیں جگالیں..... سعد اب ضرور اپنی پوری شخصیت سے میرے ہوں گے اور میں ان کے لیے لازم و ملزوم..... ایسا ہونے میں اب کچھ مضائقہ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

مری ریسٹ ہاؤس سے واپسی پر ایک بار پھر ہم پی سی کی پُرسکون سی لابی میں بیٹھے بچپن کی یادوں کو تازہ کرنے لگے۔ سعد ہمیشہ کی طرح اپنی نشست سے ٹیک لگائے پس منظر میں تھے۔ میں اپنی میزبانی کے جوہر دکھانے کو سرگرم رہی..... جبکہ بچوں کو بیک گراؤنڈ موسیقی اور شوکیسوں میں پڑے چائے کے نت نئے میٹھے لوازمات میں دلچسپی تھی۔

''کیا بات ہے سعد..... اتنے چپ کیوں ہو؟'' وقار بھائی آخر پوچھ بیٹھے۔

''نن..... نہیں تو..... ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں..... میں تو آپ کو سن رہا ہوں..... اچھا لگ رہا ہے۔'' سعد نے فوری ردِعمل پہ چند الفاظ جوڑ لیے۔

''یار! اتنی پیاری فیملی ہے تمہاری..... خوش رہا کرو۔'' انہوں نے حقیقتاً خلوص سے مشورہ دیا۔ اسی اثنا میں فون بیل ہوئی تو سعد فون سننے لگے۔ دوسری جانب عباد بھائی تھے، جنہیں ہر صورت اگلے ایک گھنٹے میں ہماری گاڑی چاہیے تھی۔ بقول ان کے بھابی کو میکے جانا تھا اور ان کی اپنی گاڑی ورکشاپ سے مرمت ہو کے واپس نہیں آئی تھی سو سعد کسی مقناطیسی انداز میں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلو بھئی..... بچو! کافی رات ہوگئی۔ فی الحال گھر چلتے ہیں۔ انہوں نے کہا اور اس سے پہلے کہ وقار بھائی سے الوداعی کلمات کہتے انہوں نے خود ہی پوچھ لیا اور وجہ جاننے کے بعد ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔ مروتاً بھی اُمڈتا تجسس نہ چھپا سکے اور بولے۔

''سعد بھئی ایسا بھی کیا۔ بھائی کا آرڈر آیا اور تم چل پڑے۔''

''وقت پہ نہ پہنچے تو عباد کی بیگم صاحبہ ناراض ہو جائیں گی اور پھر اس وجہ سے عباد بھی..... ان کے بچے الگ بور ہوں گے۔'' سعد بتانے لگے۔

''سعد بھائی آپ نے اپنے بیوی بچوں سے تو پوچھا ہی نہیں کہ ان کا موڈ کیا ہے؟'' اب کی بار ثنا بھابی بولیں۔ سعد قدم بڑھاتے ہوئے کہنے لگے۔

''چھوڑیں بھابی..... بہت گھوم پھر تو چکے ہیں، اب کیا پوچھنا۔'' پھر اس سے پہلے کہ سعد کے دل سے دوسرے تنقید پسند رشتے داروں کے مانند یہ جوڑا

بھی اتر جاتا، میں نے اگلی بات سننے سے پہلے ہی انہیں خدا حافظ کہا اور بچوں سمیت سعد کے پیچھے، پیچھے گاڑی تک چلی آئی۔

☆☆☆

ناز کی شادی کے بعد ذمے داریوں کا پہاڑ اکیلی میری ذات پر آن گرا تھا۔ جسے میں یوں نبھارہی تھی جیسے معمولی بات ہو، وجہ آئے دن کے جھگڑوں کا نہ ہونا تھا۔ مگر صرف دو تین ماہ کے بعد مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ ناز کی جگہ گھر میں سعد کے والد اور آفس میں عباد بھائی نے لے لی ہے، سعد اب عباد کے مکمل ٹرانس میں ہوتے۔ جس کی محض ایک لاشعوری ڈیمانڈ تھی کہ ان کا بڑا بھائی ان کے مطابق چلے جبکہ سعد کے ریٹائرڈ والد میری ساس اور نندوں کا بھرپور کردار ادا کرنے لگے۔ ہر طرح کی تنقید، داؤ پیچ اور پینترے مجھے اور بچوں کو اوقات میں رکھنے کے لیے استعمال ہوتے، جن سے اصولاً مجھے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اگر ان کا مقصد محض سعد کو ہم سے بددل رکھنا نہ ہوتا...... سعد دو کشتیوں کے مسافر بن گئے تھے۔ منزل کہاں ملتی؟ دونوں جانب عدم اعتمادی کے باعث کسی کو بھی مطمئن نہ کر پائے۔ پھر بھی میں نے ڈوبنے سے پہلے ہاتھ پاؤں مارنا ضروری سمجھا۔ کبھی دھیمے تو کبھی لاؤڈ انداز میں سعد سے بحث ہوجاتی۔ بس یہ کہ وہ جو چاہیں...... جیسے چاہیں ورجہ دیں ... پر اپنی فیملی کو اگنور کر کے نہیں۔

مگر ہائے ری قسمت...... سعد بحث کے آخر میں شدید ناراض ہوجایا کرتے...... میں بھی کئی روز تک خاموش رہتی اور بچے اس سچویشن سے اندر ہی اندر ہراساں......

☆☆☆

وقار بھائی کی پہلی بیوی بڑی ہی خوش اخلاق خاتون تھیں۔ بس امارت اور عہدوں کا خوب ذکر کیا کرتیں جو اُن کے باپ بھائیوں کی ملکیت تھے۔

## ذہانت

دو ماہ کی چھٹیاں گزرنے پر جب راشد صاحب نے اپنے آفس کو جوائن کرنے کے بعد تین دن کی مزید چھٹی کی درخواست دی تو منیجر نے حیرت سے پوچھا۔

”راشد صاحب ان دو مہینوں کی چھٹیوں میں آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟“

جواب میں راشد صاحب نے کہا۔ ”اجی چھوڑیے...... کون اپنی چھٹیاں غارت کرواتا...... موصوفہ ویسے بھی ٹی وی کی اینکر رہی ہیں...... من من کرکے میرے کان یوں بھی کھا جائیں گی۔“

مرسلہ: منور سلطانہ، نوابشاہ

اچھے خاصے امیر کبیر وقار بھائی بھی گورنمنٹ کے ان اعلیٰ افسران کا کروفر جھیل نہیں پاتے تھے۔ نتیجتاً بیوی کے سامنے خواہ مخواہ اکڑے، اکڑے رہتے...... پھر وہی جوائنٹ فیملی کا مکس ماحول...... حصے کی چیزیں، طعن و تشنیع حسد، بغض، جھوٹی تہمتیں...... مل کے منائی جانے والی خوشیوں سے سوا تھیں۔

میں نے وقار بھائی کی زندگی کا وہ حصہ بھی دیکھ رکھا تھا۔ جب وہ حیرت انگیز طور پر آج سے الٹ شخصیت تھے۔ روکھے، پھیکے سخت مزاج اور کئی حصوں میں بٹے ہوئے...... کبھی کبھی تو ہمیں ان سے بات کرنے کی جرأت تک نہیں ہوتی۔ کافی حد تک وہ آج کے سعد سے ملتے جلتے رہے ہوں گے۔

☆☆☆

میں نے اگلی شام باربی کیو ڈنر کے بعد سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھے ہنستے کھلکھلاتے سے وقار بھائی کا چند لمحوں میں تجزیہ کیا...... وہ اپنی پہلی شادی کے بعد سب کو خوش کرنے کے لاحاصل عمل سے مسلسل گزرتے رہے تھے اور کیونکہ یہ ایک ناممکن عمل ہے۔ لٰہذا وہ اس میں بری طرح ناکام رہے۔ آج سعد بھی

اسی راہ کے مسافر بنے بیٹھے پول کے گرے فیروزی پانی میں کچھ کھوج رہے تھے۔ شاید یہ کہ مجھے اور بچوں کو خوش کرتے رہے تو کہیں باپ اور بہن، بھائی خفا نہیں ہو جائیں ...اور ہمیں اگنور کر کے انہیں راضی کرتے تو میری اور بچوں کی نگاہیں سوالیہ ہو اٹھتیں۔
یعنی دونوں سعد اور وقار بھائی کسی غیبی عدم تحفظ اور عدم اعتمادی کا شکار رہے تھے۔ میں اور میرا ذہن تیزی سے تجزیے پہ تجزیہ کرتے رہے حتیٰ کہ اس دوران بھابی ثنا اور وقار بھائی کے بچوں کے ساتھ اونچے، اونچے قہقہے بھی میرے اس ذہنی تسلسل کو نہ توڑ سکے۔
وقار بھائی نے زندگی کے اس نازک موڑ پر ڈپریشن کی اس دلدل سے نکلنے کا جو راستہ اختیار کیا وہ دوسری شادی کا تھا۔ بھابی، ماہم میری طرح ہی انہیں زور زبردستی اپنی جانب مائل کرنے کی بھرپور کوشش میں خود کو ان کی نگاہوں سے گرا چکی تھیں اور میں ابھی اس ہولناک انجام سے ایک قدم دور تھی۔
کہتے ہیں سہاگن وہی جو پیا من بھائے...... سعد بھی اب اس رسہ کشی والی کیفیت سے تنگ آ کر بھرپور دفاعی انداز اختیار کرنے لگے تھے کیونکہ ان کا زور بس مجھ سمیت بچوں پر ہی چلتا تھا۔ ظاہر ہے گھر والوں پہ نہیں، کچھ انہیں میری ضد میں اب گھر والوں سے بھی محبت ہونے ہی لگی تھی جو تھا سونے پر سہاگا۔
عباد کی شادی بڑی دھوم دھام سے خود سعد نے کی۔ میرے نزدیک کہانی کا وائنڈ اپ ہونے والا تھا۔ عباد کی گھریلو مصروفیت میرے سعد کو میرے حوالے کرنے کا سبب بننے والی تھی۔ بڑے بیٹے نے کان میں کہا۔
''اب تو پاپا جانی بس ہماری جانب توجہ دیا کریں گے۔'' مگر ایک بار پھر...... ہمارے گھر میں ناز والا دور چلا نکلا۔ عباد کی دلہن ناز کی پسند سے لائی گئی تھی، وہ جھٹ سے ناز کی لابی میں شامل ہو گئی اور میری بھرپور مخالف...... سعد پہ پھر کڑا امتحان نازل ہوا وہ انصاف کے دیوتا بنے...... ہر بات پہ مجھے صبر کا مشورہ دیتے ہوئے زیادہ حقوق سے مسز عباد کو نوازنے لگے۔ شاید خود کو مار کے اوروں کو خوش کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ عادت واقعی انمول تھی۔ پر کیا خوش کیے جانے والوں میں ہماری ذات ہی شامل نہ تھی؟ میں کبھی کبھار انتہائی مصروفیت کے دوران بھی یہ سوچ لیتی۔ اپنا تجزیہ کرتی تو صاف نتیجہ نکلتا کہ میری خواہش محض ایک خوشنما خیال ہے، مجھے مان لینا چاہیے کہ سعد ایک روایتی قسم کے شوہر ہونے کے علاوہ میرے دوست، غمگسار یا چاہنے والے نہیں بن سکتے۔ بس افسوس کہ یہ دل مان کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

ثنا بھابی اپنے اردگرد کے لگژری ماحول سے نکل کر شہر کا اتوار بازار دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔ دونوں مرد سخت خلاف تھے۔ میری بھی ہنسی چھوٹ گئی۔
''آخر کیا ضرورت ہے؟'' تو وہ کہنے لگیں۔
''ارے مجھے عورتوں کا یوں دکان در دکان گھریلو خریداری کرنا اور شور شرابہ دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔'' میں جانتی تھی، سعد نہ صرف خود بلکہ میری وجہ سے بھی وہاں جانا بالکل پسند نہیں کریں گے۔ پر یہ کیا...... کہ وقار بھائی چند لمحوں میں بڑے لاڈ سے مان گئے بلکہ مجھے ساتھ دینے کی ریکویسٹ کرنے لگے۔ میں نے مدد کے طور پر سعد کو دیکھا جو وقار بھائی کی خوشی کی خاطر جھٹ سے ہاں کر بیٹھے۔
''ہاں کیوں نہیں......'' میری ذات کی اہمیت ہی کیا تھی؟ میں نے دلبرداشتہ ہو کر جانے کی حامی بھر لی۔

☆☆☆

عباد کی بیوی نے عباد اور ناز کے ساتھ، ساتھ سعد کے والد پر اپنا اچھا خاصا تسلط جما لیا تھا۔ عباد کی اپنی بیوی سے والہانہ محبت اور اطاعت گزاری سب کو صاف، صاف دکھائی دے رہی تھی۔ سو ہم میں سے کوئی چاہ کر بھی اس سے گستاخی کا سوچ بھی نہیں

سکتا تھا۔ تین برس یہی عمل جاری رہا۔ عباد اور مسز عباد کی خاطر ہماری فیملی کے مقررہ حقوق محض اس لیے بڑے آرام کے ساتھ سلب کر لیے جاتے کہ سعد کی جانب سے کسی قسم کا احتجاج ہی نہ ہوتا۔

رفتہ، رفتہ میرے اور سعد کے درمیان تناؤ کی کیفیت بڑھنے لگی۔ وہ رفتہ، رفتہ مجھ سے بے حد اکتائے ہوئے نالاں سے رہنے لگے۔ سیانے کہتے ہیں امید بھی ایک حد تک لگانی چاہیے۔ مگر میری امید بے وقوفی کی انتہا پر تھی کیونکہ اب تو سعد کا رجحان عباد سے زیادہ اس کے ننھے منے پیارے سے بچوں پہ ہونے لگا...... وہ تین برس قبل تایا جان بن چکے تھے اور اب عباد کی اولاد انہیں جان سے زیادہ عزیز تر ہونے لگی......آخر ان کا اپنا خون تھا...... بس یہی سوال ہماری اولاد پہ بھی لاگو آتا تھا مگر......

☆☆☆

وقار بھائی، ثنا بھابی کو ہر ممکن حد تک خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہتے۔ ماں، باپ، بہن بھائیوں کے تمام حقوق تو ادا کرتے پر بیوی کو اسی طرح اپنی ذات کے لیے محدود کر رکھا تھا جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔

''عورت اور مرد ایک دسرے کا لباس ہیں۔'' بھابی ثنا ہزار جان سے ان پر فریفتہ ہوئی رہتیں کیونکہ ان کا وقار ان سے خوش تھا۔ ان کا اپنا تھا۔ وقار بھائی نے اپنی پہلی بیوی کی خواہشِ محبت کو اپنے لیے قید کی زنجیر سمجھتے ہوئے انہیں چھوڑ کر آزادی حاصل کر لی تھی۔

یہ مردوں کے محکوم معاشرے میں ایک مرد کا جارحانہ اقدام تھا جو اس نے خود کو سکون دینے کے لیے اٹھایا۔ یہ سوچے بغیر کہ ان کا ایسا کرنا ان کی پہلی بیوی اور بچوں کے لیے شدید بے سکونی کا باعث بنے گا۔

وقار بھائی اپنی لاڈو بیگم کے ساتھ ہمیں خوب ساری سیریں کرا کے واپس چلے گئے تھے مگر...... ان کی اپنی بیوی کے ساتھ حد سے زیادہ انڈراسٹینڈنگ مجھے کئی سبق دے گئی۔ میں نے سوچا مرد کی ذات ایک آزاد پنچھی جیسی ہے۔ عورت لاکھ محبت سے بنائے پر وہ کسی پنجرے میں قید رہنا پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنی مرضی اور خوشی کا بلاشرکت غیرے مالک رہنا چاہتا ہے۔ اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ اپنی مرضی اور خوشیوں کا محور و مرکز کس کو بنانا چاہتا ہے؟ سعد صرف اور صرف میرے ہو کر رہنا نہیں چاہتے تھے بلکہ حقیقت میں وہ بیوی کے تابع رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہیں عورت کے خوب صورت لفظوں اور چالبازیوں کی قید سے سخت نفرت رہی تھی...... سو اسی لیے میرے دل نے کہا۔

''اسے آزاد کر دو۔'' آج میں نے انہیں پورے دل و دماغ سے اپنی خواہشات کی قید سے آزاد کر دیا ہے...... ہاں میرا دل مسلسل نوحہ کناں ہے...... پر سعد نے زندگی کے اتنے طویل عرصے میں مجھے خود کو مار کے اوروں کو خوش رکھنا سکھا دیا ہے۔ میں نے سوچا اگرچہ سعد نے ہمیں کبھی اوروں میں بھی نہ گردانا مگر میں تو ایسا کر سکتی ہوں...... انہیں یونہی خوش کر سکتی ہوں۔

☆☆☆

وقار بھائی کے جانے کے اگلے روز میں نے ان کا اور ثنا بھابی کا حال احوال دریافت کرنے کو فون کیا تو ان کی ملازمہ نے نہایت مئودب انداز میں معذرت کرتے ہوئے بتایا۔

''صاحب کی سخت ہدایت پر بی بی صاحبہ کو کوئی فون اٹینڈ نہیں کرنے دیا جائے گا۔ وہ سفر سے آ کر بڑی تھک چکی ہیں۔ دو چار دن آرام کریں گی۔'' یعنی...... وقار بھائی اپنی بیوی کی دیکھ بھال میں اسی طرح سرگرمِ عمل تھے...... اگرچہ میرے لبوں پر اِک کڑوی تلخ مسکراہٹ ابھر آئی پھر بھی میں نے تہِ دل سے دونوں میاں، بیوی کو ہمیشہ ہم مزاج رہنے اور خوش رہنے کی دعائیں دیتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

## مکمل ناول

# ابرِ رحمت

حیا بخاری

سارے دن کے ایک طویل سفر کے بعد سورج اپنی آرام گاہ کی طرف گامزن تھا۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ سمندر کے بالکل آخری سرے پر ڈوبتے سورج سے ذرا اوپر (یا شاید اسے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا) پرندے قطار در قطار اپنے گھروں کی طرف اڑتے چلے جا رہے تھے۔ ساحلِ سمندر کے اس پُر کیف منظر نے بھی نظروں کو اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ ڈوبتے سورج کی سنہری شعاعوں پر نظریں جمائے ان تمام لوگوں میں ایک

ماہ نور اسد بھی تھی۔ سمندر کی لہریں تیزی سے اس کی طرف آتیں اور اس کے پاؤں چھو کر دھیرے سے واپس لوٹ جاتیں۔ یوں جیسے وہ لہریں اسے بلانے آتی ہوں اور وہ دل و جان سے ان کی دعوت قبول کر کے ایک دو قدم مزید آگے بڑھ جاتی۔

غروبِ آفتاب کا یہ منظر نہ صرف خوب صورت بلکہ مکمل تھا۔ سمندر کی اٹھتی لہریں جیسے اس خوب صورت نارنجی سورج کو چھونے کی کوشش کرتیں اور ناکام ہو کر واپس پانی میں مل جاتیں۔ وہ اداسی سے مسکرا دی۔

''میں بھی انہی لہروں کے مانند ہوں۔ اور یہ سورج شاید میرے نصیب کی خوشیوں کی طرح......'' اداسی سے سوچتے ہوئے اس نے نظر دوبارہ سورج پر جما دی تھی۔

''ماہی......'' وہ جو اپنی سوچوں میں غرق آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ تیز آواز پر بری طرح چونکی۔

''ماہی...... واپس آؤ کیا ڈوبنے کا ارادہ ہے؟'' اماں کے تند لہجے نے دل کی یاسیت مزید بڑھا دی۔ ڈوبتے سورج پر ایک گہری نگاہ ڈالتے اِک ٹھنڈی سانس خارج کرتے اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔

بالکل سامنے ہی اپنی بلیک کرولا سے ٹیک لگائے شیران علی خان نے ٹھیک اسی وقت غروبِ آفتاب کے خوب صورت منظر کو اپنے ڈیجیٹل کیمرے کی آنکھ میں مقید کیا تھا...... اور بالکل ہی اتفاقی طور پر وہ بھی اس کا حصہ بن گئی تھی۔ مگر یہ بات نہ تو ماہ نور اسد کی دانست میں تھی نہ ہی شیران اپنی کھینچی گئی تصویروں میں اس کے وجود سے باعلم تھا۔ سب کچھ اتفاقاً ہی ہوا تھا۔ انجانے میں ہوا تھا۔ جانے قدرت کو کیا منظور تھا۔

☆☆☆

''دو دن ہو گئے ہیں تمہیں انگلینڈ سے واپس آئے۔ مگر مجال ہے جو ایک منٹ کے لیے تم میرے پاس آرام سے ٹک کر بیٹھے ہو۔'' عظمیٰ نے چائے کا کپ شیران کو تھماتے ہوئے ایک مان سے گلہ کیا۔ وہ ماں کی پیار بھری خفگی پہ مسکرا دیا۔

''امی یقین کریں اس قدر ٹف اسٹڈی تھی۔ ذرا بھی وقت نہیں ملتا تھا کہ کچھ انجوائے کر لے بندہ...... پھر چاہے پردیس کتنا ہی صاف شفاف اور خوب صورت ہو، اپنے ملک کا ذرہ، ذرہ دل کو کھینچے رکھتا ہے جیسے لوہے کو مقناطیس...... ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ کب پڑھائی ختم ہو اور میں واپس اپنے وطن جا سکوں۔ اپنی پسندیدہ جگہوں پر وقت بتا سکوں۔ اتنے دنوں بعد یہ موقع ملا ہے امی...... دل کو چین ہی نہیں آ رہا۔ تو بس گاڑی نکال کر دوڑ پڑا۔'' وہ چائے کا کپ میز پر رکھ کر ان کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا۔

''ہاں گھومو پھرو۔ مگر امی کو مت بھولو۔'' وہ اب بھی ناراض تھیں۔

''لیں...... آپ خود بھی تو شادیوں کے فنکشن میں مصروف تھیں۔'' وہ ان کے پاس ہی بیٹھ کر چائے پینے لگا۔

''تو تمہاری کتنی منتیں کیں کہ ساتھ چلو مگر تم نے صاف منع کر دیا۔'' انہوں نے نروٹھے انداز میں کہتے ہوئے اس کا مضبوط ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ یوں جیسے مدتوں بعد اس کے ہونے کا یقین کرنا چاہ رہی ہوں۔ ان کے اس محبت بھرے انداز پر وہ مسکرا دیا۔

''میرا دل گھبراتا ہے ایسے شور شرابے سے، اچھا سوری...... '' اس نے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے ماں کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

''آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں آپ کے جانے کے بعد اور آنے سے پہلے آ جایا کروں گا بس......'' وہ ماں کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے عقیدت سے بولا۔

''میری جان......'' وہ مسرت سے ہنس دیں۔

''ویسے امی لاؤنج کی یہ دیوار کس نے چینج کی۔ آپ نے یا پاپا نے؟'' وہ اٹھ کر قد آور گلاس ونڈو کے قریب آ ٹھہرا۔ جب وہ پاکستان میں تھا تو یہاں مضبوط دیوار تھی جسے بعد میں بدل کر یہاں گلاسز لگوا دیے تھے جس سے لاؤنج کی خوب صورتی کو چار چاند لگ گئے تھے۔ یہاں سے باہر خوب صورت سرسبز لان کا منظر

بے حد دلکش معلوم ہوتا اور کھڑکی سے ذرا دور دائیں طرف پتھروں پہ بہتا مصنوعی جھرنا عجیب سی ٹھنڈک بخشتا نگاہوں کو۔

''یہ...'' عظمیٰ مسکراتی ہوئی دھیرے، دھیرے قدم اٹھاتی اس کے پاس چلی آئیں۔ ''کتنا پیارا ہوگیا ہے ناں اس ذرا سی تبدیلی سے ہمارا گھر۔'' انہوں نے سامنے کے دلکش منظر کو نظروں میں سموتے ہوئے کہا۔

شیران نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن بتائیں تو سہی کہ یہ آئیڈیا کس کا تھا؟'' اس نے اپنی بات دوبارہ دُہرائی۔

''یہ آئیڈیا نہ تو تمہارے بابا کا تھا نہ ہی میرا۔ یہ ایک لڑکی ہے، ہمارے پڑوس میں رہتی ہے چند سال قبل ہی یہاں شفٹ ہوئے ہیں، تم نہیں جانتے مگر بہت اچھے لوگ ہیں...... بہو ہے ان کی بیچاری چھوٹی سی عمر میں ہی بیوہ ہوگئی۔'' انہوں نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ سیڈ...... ویسے آئیڈیا اس نے کمال کا دیا۔'' وہ ابھی تک باہر کے نظارے میں گم تھا۔

''جانتے ہو، اسے دیکھتے ہی میں نے تمہارے لیے پسند کرلیا تھا۔'' وہ ہنسی تھیں۔

''باپ رے......'' شیران بھی مسکرایا۔ ''اتنی پیاری ہے وہ۔'' اسے اپنی ماں کی پسند کا بخوبی اندازہ تھا۔

''بے حد پیاری...... مگر جب پتا چلا کہ شادی شدہ ہے تو سمجھو میرا ایک خواب ٹوٹ گیا۔ مگر پھر بھی مجھے عزیز وہ ایسے ہی ہے۔ پھر جب اس کے شوہر کی ڈیتھ ہوئی تو یقین کرو کتنے ہی عرصے تک میں نڈھال رہی۔ جیسے میری بیٹی کا شوہر فوت ہوگیا ہو۔'' ان کے لہجے کا درد وہ بخوبی محسوس کرسکتا تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے پُرکشش مسکراہٹ سجائے وہ اپنی سادہ دل ماں کو فخر سے دیکھے جا رہا تھا۔

''مجھے اس کی ساس کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک نہیں لگتا۔ اوپر سے اس کے بھائی اور بھابی بھی اسے جیسے یہاں ڈال کر بھول بھال گئے ہیں۔'' وہ اداس ہونے لگیں۔

## مثبت سوچ

انسان اس وقت تک نہیں ہار سکتا جب تک اس کی سوچ نہ ہار جائے۔ کامیابی ہمیشہ آپ کی سوچ سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ اپنی سوچ کو مثبت رکھیں...... کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ (انشاءاللہ)

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

''اچھا چھوڑیں امی، کیا دوسروں کی باتوں پر پریشان ہونے لگیں۔'' وہ ماں کو اداس نہیں دیکھ سکتا تھا بھی بات بدلنے کا بہانہ ڈھونڈنے لگا۔

''امی...... وہ دیوار کے ساتھ جو جامن کا درخت ہے کافی گھنا ہے اور پتا نہیں کیوں مجھے اچھا بھی نہیں لگ رہا۔ آپ اسے کٹوا دیں۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے ماں کی توجہ اس طرف دلائی۔

''لیکن وہ تو تمہاری پسند سے ہی لگایا گیا تھا وہاں۔'' وہ حیران ہوئیں۔

''ہاں مگر اب مجھے پسند نہیں۔ آپ پلیز اسے کٹوا دیں خان کاکا سے کہہ کر۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ شوخ نیلی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔ وہ عظمیٰ بیگم کا خیال ہٹانے میں کامیاب رہا تھا۔

☆☆☆

صبح سے ہونے والی ہلکی سی بونداباندی نے آہستہ، آہستہ تیز بارش کا روپ دھار لیا تھا۔ اس اچانک بارش نے موسم کی کایا پلٹ دی تھی۔ گرمی اور حبس کا خاتمہ ہوگیا تو جیسے چرند پرند بھی چہچہانے لگے۔ بارش کا شور اسے کسی بے حد مدھر سنگیت کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ بارش ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہی تھی۔ مگر جب سے زندگی پہ تنہائی اور مایوسی کے اندھیرے چھائے تھے اس کی وہ ساری شوخی اور مستی غائب ہوگئی تھی جو کبھی اس بارش میں وہ کیا کرتی اب تو جب بھی بارش ہوتی بس چپ چاپ کھڑکی میں کھڑی بارش کی آواز کو محسوس کرتی دل ہی دل میں گنگنا لیتی۔

اب بھی وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی

دونوں ہاتھ باہر نکالے بارش کی بوندوں کو جیسے اپنے دل پر محسوس کررہی تھی۔ بیتے دنوں کی یاد جیسے حال کے موسم میں ڈھل کراس کے سامنے آگئی۔

کس قدر خوش تھی وہ جب اسد اس کی زندگی میں آیا تھا۔ امی، ابو کی وفات کے بعد اس کے بھائی نے اسے بے حد محبت سے پالا۔ اس کی ہر خواہش پوری کی۔ اسے کبھی کسی کی کمی کا احساس نہیں ہوا۔ اور پھر اسد سے شادی کے بعد تو اس کی زندگی جیسے مکمل ہوگئی۔ اسد زندگی سے بھرپور انسان تھا، رشتوں کو بنانے اور نبھانے والا شخص...... ہر رشتے کو دوستی کی بنیاد دیتا اور پھر اسے اتنا ہی احترام دیتا۔ ماہ نور کے لیے بھی وہ ہمیشہ ایک مخلص دوست کی طرح تھا۔ اسد کی امی کا رویہ شروع دن سے ہی اس کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا۔ مگر اسد، اس کا دیور اسطر اور نند طیبہ کی دوستی نے اسے کبھی اس چیز کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔

اسد اس کی ہر خواہش کا احترام کرتا۔ اس نے ماہ نور کی زندگی کو موسم گل کے وہ انداز بخشے کہ وہ نکھرتی چلی گئی، انہی دنوں جب ابھی ان کی شادی کو بہ مشکل چھ سات ماہ ہی ہوئے تھے۔ اسد کی کمپنی نے اسے چند ماہ کے لیے دبئی بھیج دیا۔ اسد نے بہت بھاگ دوڑ کی کہ کسی طرح وہ اس ٹور سے رہ جائے مگر ڈائریکٹر کو صرف اسی پر اعتماد تھا۔ اور کمپنی کی یہ چند میٹنگز بے حد اہم تھیں۔ تبھی اس کی ایک نہ سنی گئی بلکہ اس سے کئی مراعات کا وعدہ کرکے کمپنی نے اسے باہر بھیج دیا۔

یہ عارضی جدائی بھی ماہ نور کے لیے سہنا عذاب بن گئی۔ اسد بھی اس سے بات کرنے کے لیے بے چین رہتا مگر جب بھی فون آتا اماں سنبھال لیتیں۔ ماں کی محبت بھی تو ایسی ہی ہوتی ہے، جس قدر سیراب ہو پھر بھی کم لگتی ہے، وہ تب تک فون نہ چھوڑتیں جب تک لائن ڈراپ نہ ہو جاتی۔ بعد میں خود ان کو بھی افسوس ہوتا کہ ان کا بیٹا اور بہو بات نہ کر سکے منتظر ہی رہے۔ سو اکثر اب وہ فون خود نہ اٹھاتیں بلکہ پہلے ان دونوں کو بات کرنے دیتیں اور بعد میں خود بات کرتیں۔ اسد کے باہر جانے کے بعد ان کا رویہ ماہ نور سے خود بخود اچھا ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

زندگی رواں دواں تھی کہ ایک دن اچانک انہیں وہ اندوہ ناک خبر ملی کہ سب کی زندگی ویران کرگئی۔ دبئی میں ہی اسد کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور گویا قیامت آگئی تھی۔ ہنستا کھیلتا اسد جو گھر بھر کی خوشیوں کا مرکز تھا۔ بے حد خوب صورت شخصیت کا مالک، وہ نوجوان جو خود چل کر نئی منزلیں تلاشنے نکلا تھا۔ تابوت میں بند دوسروں کے کندھوں پر سوار گھر لوٹا تھا۔

زندگی کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ ایک شخص سارے گھر کی خوشی اور رونق ساتھ لے گیا تھا۔ اماں جو اب ماہ نور کو بہو کے روپ میں قبولنے لگی تھیں۔ ایک دم ہی اس سے متنفر ہوگئیں ان کے بیٹے کی بیوہ انہیں اپنے بیٹے کی قاتل لگنے لگی۔ منحوس کے علاوہ وہ اسے کسی اور نام سے پکارنا ہی پسند نہ کرتیں۔ بات، بات پر اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ کے رکھ دیتیں۔ اسطر اور طیبہ کی محبتیں بھی اسے سنبھال نہ سکیں۔ اماں کی نظروں سے چھلکتی نفرت اسے مزید گھائل کردیتی۔ اس کی روح کو زخمی کردیتی۔ بھائی اپنے بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے۔ بھابی اس موقع پر بھی اجنبیوں کی طرح آئیں اور چلی گئیں وہ نہ اس کے دل کا حال پوچھ سکیں نہ ہی ماہ نور خود بتا سکی۔

ایک دن وہ اس کے پاس ہی بیٹھی تھیں کہ بھائی کی کال آگئی۔ اس نے واضح طور پر سیل فون پر نظر دوڑاتے ہی بھابی کا چہرہ فق ہوتا محسوس کیا تھا۔ انہوں نے بہ مشکل بات کی تھی۔

''ہاں بس ابھی ماہی کے گھر سے آرہی ہوں۔''

کتنی سفاکیت سے انہوں نے اس کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ اور وہ جو بھائی سے بات کرنے کے لیے .... بے تاب تھی، آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہائے گئی۔

''ہاں، بس صدمہ ہی ایسا تھا کہ فون پر بات کرنے کے قابل ہی نہیں تھی وہ۔ ورنہ میں ضرور کروادیتی۔ خیر ایک دو روز میں جاؤں گی وہاں تو بات کرادوں گی آپ

کی ..... ابھی تو میری اپنی طبیعت خاصی ڈاؤن ہو چکی ہے۔'' حسب معمول وہ شوہر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ ساتھ ہی تیکھی نظروں سے اس کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ ماہ نور نے خاموشی سے اپنے آنسو صاف کیے اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسے سمجھ آگئی تھی کہ اسد کے گھر والوں میں ساس کی اجنبیت اسے اتنا نہیں رُلائے گی مگر بھائی کے گھر میں بھابی کا سرد رویہ اسے ضرور زندہ درگور کر دے گا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ کہاں رہنا تھا ہے۔

اس دنیا میں سب کچھ فانی ہے۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ انسان آتے ہیں، چلے جاتے ہیں، دنیا رواں دواں رہتی ہے، کسی کے آنے چلے جانے سے یہ کارواں کبھی نہیں رکتا۔ اور وہ بھی چلا گیا۔ یہ ایک اٹل حقیقت تھی۔ زخم بے حد گہرا تھا۔ مگر وقت بھی عظیم مرہم ہے سو آہستہ آہستہ یہ مرہم کام کرنے لگا تھا۔ زندگی معمول پر آنے لگی تھی۔ گھر بھر کے ہر فرد کے دل میں اداسی سہی مگر زندگی اب بھی باقی تھی۔ اور جب تک زندگی رہے احساسات بدلتے رہتے ہیں۔ چھوٹی، چھوٹی خوشیاں، بڑے، بڑے صدمات کو مدہم کر دیتی ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے کی دوستی میں یہ ننھی منی خوشیاں تلاشنے لگے تھے۔

ماہ نور اماں کی ہر بات سہہ لیتی۔ اس نے اپنی زندگی بس اسد کی یادوں اور اسطر اور طیبہ کی دوستی سے جوڑ لی تھی۔ سارا دن خود کو گھر کے کاموں میں اس طرح مصروف رکھتی کہ رات کو تکیے پر سر دھرتے تھکا ہارا نڈھال وجود ذہن کے پردوں پر یادوں کی تڑپ، تڑپ کے دی جانے والی دستک کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے نیند کی وادیوں میں اتر جاتا۔ رفتہ رفتہ ہی سہی وہ پُرسکون ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اچانک ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ لائٹ نہیں تھی، یو پی ایس بھی شاید کام نہیں کر رہا تھا۔ اسے شدید گرمی سے الجھن محسوس ہوئی۔ پسینے سے سارا جسم بھیگ رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' اس نے کوفت زدہ انداز میں سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل تلاش کر کے اٹھایا اور اس کی مدھم سی روشنی میں باہر ٹیرس پر آ گیا۔ نم ٹھنڈی ہوا کا پہلا جھونکا ہی اسے عجیب سی تروتازگی بخش گیا تھا۔ چند لمبی، لمبی سانسیں لینے کے بعد وہ کچھ پُرسکون ہوا تو وہیں ٹہلنے لگا۔ اندر جانے کی اس کی ہمت نہیں ہو پا رہی تھی۔ کچھ دیر وہ یونہی اِدھر سے اُدھر ٹہلتا رہا۔ آدھے چاند کی مدھم روشنی عجیب سی ٹھنڈک اور سرور بخشتی رہی پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا اور اندر جا کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھا لایا۔ ڈیجیٹل کیمرے سے لی گئی ساری تصاویر وہ اپنے لیپ ٹاپ میں منتقل کر چکا تھا مگر بہت مصروفیت کے باعث دیکھ نہیں پایا تھا۔ اس وقت وہ بالکل فارغ تھا۔ سو آرام سے بیٹھ کر وہ تصاویر چیک کر سکتا تھا۔

اس نے تصاویر کا نیا فولڈر کھولا اور ایک، ایک کر کے تمام تصاویر دیکھنے لگا۔ تبھی اس کی نظر ایک تصویر پر پڑی تھی۔ یہ تصویر اس نے نہیں لی تھی۔ کم از کم اتنا تو اسے یاد تھا کہ چاہے فوٹو گرافی کا اسے کتنا ہی شوق رہا ہو اس نے کبھی کسی لڑکی کی تصویر نہیں لی تھی...... تو پھر یہ کون تھی؟ وہ حیران تھا۔ اس نے مزید تصاویر اوپن کیں اور اگلی دونوں تصویروں میں بھی وہ لڑکی نہ صرف موجود تھی بلکہ مزید واضح ہوتی گئی تھی۔

اسے ساحلِ سمندر والا غروبِ آفتاب کا وہ فسوں خیز منظر یاد آ گیا۔ جس کی اس نے تصاویر بنائی تھیں مگر یہاں تو ہر تصویر میں وہی لڑکی نمایاں تھی اور جس منظر کی در حقیقت اس نے تصویر لی تھی وہ تو بس پس منظر بن کر رہ گیا تھا۔ ان تینوں تصاویر میں وہ لڑکی بالترتیب نزدیک تر آتی گئی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ جب وہ غروبِ آفتاب کا خوب صورت منظر اپنے کیمرے کی آنکھ میں قید کر رہا تھا تبھی یہ لڑکی اس کی طرف آ رہی تھی اور وہ جو ہمیشہ ایک منظر میں کھو کر باقی سب نظر انداز کر دیتا تھا تو یہ لڑکی بھی اس وقت اس کی توجہ نہ پا سکی مگر اب......

اب تو جیسے شیران علی خان کو اس کی تصویر سے

نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا۔ ساحل سمندر پر غروب آفتاب کے اداس منظر اور اس کے خوب صورت چہرے پر پھیلی اداسی دونوں ہی جیسے اس کی روح تک میں اثر کر گئے تھے۔ کتنی معصومیت تھی اس کے صبیح چہرے پر۔ سفید لباس میں وہ کس قدر اجلی، پاک لگ رہی تھی اور شیران علی خان جو ہمیشہ ڈراموں میں ہیرو، ہیروئن کے پہلی بار نظریں ملانے پر میوزک اسٹارٹ ہو جانے پر زور، زور سے ہنسا کرتا تھا۔ آج رات کے اس پچھلے پہر خود جیسے اس کے چاروں طرف سریلے گیت بجنے شروع ہو گئے تھے۔ دل کسی مدھر تان پہ دھڑکنے لگا تھا۔

لائٹ آ چکی تھی مگر شیران علی خان تو کسی اور ہی دنیا کا باسی ہو چلا تھا۔ اب اسے نہ لائٹ سے کچھ غرض تھی نہ نیند سے کچھ مطلب..... کہ اس کی آنکھوں پر جاگتے خوابوں نے جو دستک دے ڈالی تھی۔

☆☆☆

آج صبح سے گھر میں چہل پہل تھی، طیبہ کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے تھے۔ آسیہ بیگم جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ تبھی جیسے ہی ان کی ایک دوست کی وساطت سے بات چلی تو انہوں نے فوراً لڑکے والوں کو کھانے پر بلا لیا۔

ماہ نور نے جی بھر کے صفائیاں کیں، ڈرائنگ روم اور لاؤنج کی ساری سیٹنگ تبدیل کی۔ اور پھر سارا دن کچن میں کھڑی نت نئی ڈشز بناتی رہی۔ اماں کے بقول لڑکا انجینئر تھا اور سوائے ایک بڑے بھائی کے اور کوئی نہیں تھا اس کا دنیا میں۔ سو ساس، سسر کا جھنجٹ نہ چھوٹے دیور، نند کی ذمے داری..... ماہ نور دل سے چاہتی تھی کہ اس کی پیاری نند جو نند کم اور سہیلی زیادہ تھی کا بہت اچھی جگہ رشتہ ہو اور وہ سدا خوش رہے۔

''اماں نے تو کہا تھا کہ میری ساس نہیں ہیں۔'' اپنے کمرے کی کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے چھپ کر دیکھتی طیبہ نے ماہ نور کو جھٹکا دے کہا۔ جب سامنے دو عدد خوبرو نوجوانوں کے ساتھ بید کی چھڑی کے سہارے چلتی پُروقار سی معمر خاتون پر نظر پڑی۔

''دونوں لڑکے ہیں ناں..... ہو سکتا ہے کہ کسی رشتے دار کو لے آئے ہوں۔ ساتھ بات کرنے کو۔'' ماہ نور نے اندازہ لگایا۔

''ہاں یہ بات ہو سکتی ہے۔'' طیبہ نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا میں جاؤں، تم بھی جلدی سے تیار ہو کر آ جانا۔ اوکے.....'' اسے نصیحت کرتی وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

''السلام علیکم.....'' مؤدب انداز میں سلام کیا تو خاتون کے ساتھ، ساتھ اس نے واضح طور پر ایک نوجوان کو چونکتے ہوئے دیکھا۔

''وعلیکم السلام، ماشاء اللہ خوش رہو۔'' خاتون تو صدقے واری ہونے لگیں۔ اب کی بار تو ماہ نور کو بھی تشویش ہونے لگی۔

''میں زہرہ خاتون، دادی ہوں ان دونوں کی۔''

کچھ دیر کے بعد بالآخر تعارف کا سلسلہ بھی انہوں نے ہی شروع کیا۔ ماہ نور نے اماں کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔ ساس نہیں ساس کی ساس موجود تھیں وہاں۔

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ.....'' بدقت تمام وہ یہی بول پائیں۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر دادی جان۔'' اسطر نہ جانے کہاں سے آ ٹپکا تھا۔ دونوں بھائیوں سے مل کر سیدھا ہاتھ دادی جان سے مصافحے کے لیے بھی بڑھا دیا گیا۔ آسیہ بیگم گھورتی رہ گئیں۔ مگر دادی جان نے بڑے سکون سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہمیں بھی بے حد خوشی ہوئی برخوردار..... بیٹھے بٹھائے ایک پوتے کا اضافہ ہو گیا ہمارے پوتوں میں۔'' جاندار لہجہ..... اماں کی تو ساری امیدیں دم توڑنے لگیں۔

''یہ تو ساس سے بھی تگڑی لگ رہی ہیں۔ طیبہ کو نچا ہی نہ دیں۔'' وہ متفکر ہوئیں۔

''ویسے دادی جان عمر پوچھ سکتا ہوں آپ کی۔ اگر فلمی اداکاراؤں کی طرح اعتراض نہ ہو تو؟'' اسطر

نے جیسے آج ماں کا کلیجا ٹھنڈا کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ آسیہ بیگم بس پہلو بدل کے رہ گئیں۔

''ماشاء اللہ سے اسی کا ہندسہ پار کرگئی ہوں اور سینچری بنانے کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے۔'' ماہ نور منہ کھولے دادی کو دیکھے جا رہی تھی۔ جن کے بچے میں جوانوں جیسی رمق تھی، جان تھی۔

''ماہ نور جاؤ بیٹا، کچھ کھانے کو لاؤ اور دیکھو یہ طیبہ کہاں رہ گئی؟'' آسیہ بیگم نے بات بدلنے کی کوشش کی تھی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسطر کو وہاں سے جانے کا حکم سنایا تھا۔ جواباً اس نے کندھے اچکا دیے تھے۔ مطلب صاف تھا کہ کچھ نہیں آیا جو کہنا ہے صاف کہیے۔ اور صاف بھلا وہ کیا کہہ سکتی تھیں۔ طیبہ آئی تو دادی نے اسے اپنے ساتھ ہی بٹھالیا۔

''ماشاء اللہ...... جتنی پیاری ہے طیبہ ...... ہاتھوں میں بھی اسی قدر لذت اور ذائقہ ہے میری بچی کے۔ دیکھو تو احمر...... ایک چاول بھی نہیں ٹوٹا۔ یوں دھیان سے چمچہ مارا ہے میری طیبہ نے۔'' خالص سرائیکی لہجے میں کہتی وہ آسیہ بیگم کا دل جلا گئیں۔

''لیں...... آپ سے کس نے کہہ دیا کہ یہ چمچہ وِمچہ طیبہ نے مارا ہے، اس نے تو آج تک ایک بھی نہیں ماری۔'' اسطر بول اٹھا تھا۔ آسیہ بیگم کی دعا قبول نہ ہوئی تھی۔

''یہ سب کچھ ماہ نور بھابی نے بنایا ہے۔'' اسطر کی بات سنتے ہی ان کے بڑے بیٹے کو اچھو لگ گیا۔ آسیہ نے فوراً اسے پانی کا گلاس تھمایا۔

''اوہ...... تو یہ ماہ نور آپ کی بہو ہے، ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔'' اسطر کیا، وہاں موجود بھی افراد نے دادی کے لہجے میں اچانک مایوسی صاف محسوس کی تھی۔

''جی...... میرے بڑے بیٹے کی بیوہ ہے یہ، میرے بیٹے کا انتقال ہو چکا ہے۔'' بھی نفوس خاموش ہوگئے تھے۔ یوں جیسے کچھ کہنے سننے کو باقی ہی نہیں رہا تھا۔ ہاتھ، سانسیں، وقت سب جیسے تھم سا گیا۔

''امی، میں ذرا آرام کروں گی۔'' ماہ نور کی نم آواز نے سکوت کو توڑا تھا۔

''برتن طیبہ سمیٹ لے گی، تم جاؤ۔'' انہوں نے بھی آرام سے اجازت دے دی تھی۔ وہ تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

''اصل میں بیٹا، اشعر میرا بڑا پوتا ہے احمر چھوٹا، میں نے دونوں کو ماں باپ بن کر پالا ہے اور میری محبت کا بس اتنا سا ثبوت ہے کہ میں اپنے بچوں کی آنکھوں سے ان کی پسند جان لیتی ہوں۔ اشعر کا اپنا بزنس ہے اور وہ فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا تھا، تبھی میں نے احمر پہ زور دیا۔ احمر رضا مند تھا تبھی میں نے آپ کے ہاں بات چلائی...... اور یقین جانیں مجھے طیبہ دل و جان سے پسند ہے مگر......'' پسند ہے...... کے لفظ پہ آسیہ بیگم کا جتنا منہ خوشی سے پھولا مگر...... کے لفظ پہ اسی قدر تیزی سے سکڑ بھی گیا۔

''مگر کیا......؟'' وہ ڈرتے دل سے سوال کیا۔

''مجھے ماہ نور بھی بے حد پسند ہے۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو آپ مجھے اس کے گھر والوں کا ایڈریس دے سکتی ہیں، آپ کی طرف سے مثبت جواب ہوا تو میں خود ہی ان سے بات کروں گی۔'' انہوں نے رسانیت سے کہا مگر آسیہ بیگم تو جیسے سکتے میں آگئیں۔ اسطر البتہ مسکرانے لگا تھا۔

''واہ دادی...... کتنی عظیم ہیں آپ۔'' وہ دل سے خوش ہوا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' آسیہ بیگم کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ بات آپ نے سوچی بھی کیسے؟'' ان کے لہجے میں تختی کے ساتھ درد بھی تھا۔ شاید یہ مقام ہی ایسا تھا آخر وہ ایک بیٹے کی ماں تھیں جو جوانی میں ہی منوں مٹی تلے سو گیا تھا۔

''آپ میری بات کو غلط نہ لیں، پلیز آرام سے اس پر غور کیجیے گا۔ میں نے کہا ناں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔'' زہرہ خاتون نے تحمل سے انہیں سمجھایا۔

''غور کیا کرنا۔ میری طرف سے صاف انکار

ہے...... وہ میرے بیٹے کی بیوہ ہے۔ میری بہو...... میرے گھر کی عزت۔ تبھی تو اسے اس گھر میں رکھا ہے، آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں۔'' آسیہ بیگم بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''دادی، میرے خیال میں فی الحال ہمیں چلنا چاہیے۔'' اشعر نے کہا تو انہوں نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں جانتی ہوں بیٹا، تم ایک ماں ہو...... لیکن ماہ نور بہت کم عمر ہے، وہ کب تک ایسے بغیر کسی ساتھی کے زندگی گزار پائے گی۔ اولاد ہو جاتی تو بھی بات تھی۔ مگر یوں اکیلے زندگی کا یہ لمبا سفر طے کرنا قیامت ہوگا اس کے لیے...... خیر اللہ تم سب کو خوش رکھے۔'' وہ دعائیں دیتی وہاں سے رخصت ہوئیں۔

''امی آپ بھی ناں، اچھی بھلی بھابی کی زندگی بننے جا رہی تھی اور آپ ہیں کہ......'' اسطر فوراً اماں سے بولا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا...... تو کیا کھڑے، کھڑے ان کا رشتہ قبول کر لیتی۔ جبکہ ابھی تو اسد کو مرے دو سال بھی مکمل نہیں ہوئے۔'' ان کے لہجے میں کرب ہی کرب تھا۔

''جانے والے لوٹ کر نہیں آتے امی...'' وہ ماں کے قدموں میں آ بیٹھا۔ ''مگر ماہ نور بھابی کا اس میں کیا قصور...... آپ خود بتائیں...... کل کو طیبہ اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ میرا کچھ اتا پتا نہیں...... کہاں جاب ملے کہاں شادی ہو اور پھر اس کے بھائی، بھابی کی حالت تو آپ دیکھ رہی ہیں۔ ایسے میں اگر آپ کو کچھ ہوا تو ماہ نور بھابی تو بالکل بے آسرا ہو کر رہ جائیں گی۔'' وہ آرام سے ان کو سمجھاتے ہوئے بولا۔

''مگر ماہ نور...... وہ کیا اسد کو بھول پائے گی۔ اس کے لیے کیا یہ سب آسان ہوگا؟'' یہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں یا شاید سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔

''پتا ہے امی، عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے، خصوصاً رشتے بنانا اس کے لیے بہت آسان ہوتا ہے، دیکھیں ناں کس طرح ماں، باپ کا گھر چھوڑ کر بالکل اجنبی لوگوں میں نہ صرف گھل مل جاتی ہے بلکہ پوری ذمے داری کے ساتھ اس گھر کے ہر فرد کا خیال رکھتی ہے۔'' وہ انہیں سمجھا تا رہا۔

''جو بھی ہو، میرا دل نہیں مانتا۔ پھر مجھے ان کا بڑا بیٹا لگا بھی کچھ کھڑوس سا...... پرے ہٹو میرا دل خراب کر دیا۔ میں آرام کر لوں ذرا۔'' انہوں نے بددلی سے اسطر کو دور کیا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ اسطر وہیں بیٹھا دیر تک سوچتا رہا۔

☆☆☆

''تو یہ...... کیا تمہارا آخری فیصلہ ہے اشعر......؟'' دادی نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''جی دادی، بھلے ہی وہ مجھے پہلی ہی نظر میں اچھی لگی مگر میں ایک بیوہ سے شادی نہیں کر سکتا۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔

''بیوہ سے شادی کرنے میں کیا برائی ہے بھلا؟'' وہ شاید اسے سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

''نہیں دادی بُرائی کوئی نہیں...... مگر اسد کے نام پر جو کرب میں نے اس کے چہرے پر اترتے دیکھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اسے ابھی تک بھول نہیں پائی۔'' وہ لیپ ٹاپ بند کر کے مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''وقت کے ساتھ، ساتھ بھول جائے گی۔'' دادی اماں نے ایک اور دلیل دی۔

''نہیں دادی امی...... وہ بھول بھی جائے مگر میرا دل اس بات کو قبول نہیں کر رہا۔ بس یوں سمجھیں میرا ظرف اتنا بڑا نہیں۔ آپ وہاں صرف احمر کے لیے بات کریں بس...... اس بات کو یہیں چھوڑیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس کی زندگی بدلنی ہے تو قدرت اسے مجھ سے کئی گنا بہتر ہم سفر عطا کر دے گی۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا تھا۔

''چلو جیسے تمہاری مرضی...... میں پھر بات کرتی ہوں آسیہ سے۔'' انہوں نے بھی ہار مانتے ہوئے کہا

اور وہاں سے اٹھ گئیں۔

☆☆☆

جب سے طیبہ کی جاب ہوئی تھی۔ ماہ نور خود کو مزید اکیلا سمجھنے لگی تھی، اسعر بھی یونیورسٹی چلا جاتا۔ اماں بھی دن چڑھتا تو کسی نہ کسی پڑوسی کے گھر نکل جاتیں۔ تب وقت کاٹنا اسے دوبھر ہو جاتا۔ اب بھی وہ بیزاری سے برآمدے میں لیٹی رسالہ پڑھ رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک نے اسے چونکا دیا۔

''بھابی.....'' وہ فوراً سمجھ گئی کیونکہ نگینہ ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹاتی تھی، بیل نہیں بجاتی تھی، اس نے تیزی سے جا کر گیٹ کھولا۔

''میں سمجھ گئی تھی بھابی کہ آپ ہیں۔'' وہ محبت سے ان سے لپٹ گئی۔

''اچھا کمال ہے۔'' ہمیشہ کی طرح طنزیہ لہجے میں کہتی وہ برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔ ماہ نور کے دل کو کچھ ہوا۔

''بھائی کیسے ہیں؟'' وہ بھی ان کے پاس آبیٹھی۔

''ٹھیک ہی ہیں، تمہیں تو پتا ہے اپنے بھائی کا۔ کتنے مصروف رہتے ہیں، گھر کو بھی ٹائم نہیں دیتے۔'' حسبِ معمول وہ بھائی کی مصروفیت کا رونا رونے لگیں۔

''جی بھابی پتا ہے مجھے۔'' وہ اداسی سے بولی تھی۔

''اور سب گھر والے کیسے ہیں؟'' انہوں نے بات ہی بدل دی۔

''سب ٹھیک ہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''بھابی..... وہ میں چاہتی تھی کہ کچھ روز.....'' وہ بات مکمل ہی نہیں کر پائی مگر نگینہ بخوبی سمجھ چکی تھیں۔ انہوں نے چپکے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

''ماہ نور..... تم جب چاہو آسکتی ہو، تمہارا اپنا گھر ہے..... مگر یہ گھر بھی تو تمہارا اپنا ہے ناں..... اسد کے چلے جانے سے تمہارے یہ سب بندھن تو نہیں ٹوٹ گئے ناں۔ پھر یہ سب لوگ تمہیں کتنا پیار، کتنا مان دیتے ہیں ناں..... بولو دیتے ہیں ناں.....؟'' انہوں نے محبت

پاش لہجے میں کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اور وہ کوئی بچی نہیں تھی کہ بھابی کی بات کو نہ سمجھ پاتی۔

واقعی یہ اسد کے گھر والوں کا احسان تھا اس پر کہ اب تک اسے بے گھر نہیں کیا تھا۔ ورنہ وہ تو کئی بار بھابی سے ان کے گھر جانے کا کہہ چکی تھی۔ اور وہ ہمیشہ ہی اسے محبت سے ٹال دیتی تھیں۔ انہیں اپنی سلطنت میں اور کسی کی شراکت منظور نہیں تھی۔

''اور پھر وہ تمہارے بھائی، وہ تو دوبارہ سے تمہاری دوسری شادی کا سوچنے لگ جائیں گے اور تم خود سوچو دوسری شادی جو بے جوان بہن بیوہ بیٹیوں کے ہو ہمارے معاشرے میں کس قدر معیوب بھی جاتی ہے اور پھر تم بھی تو اسد کی جگہ کسی اور کو نہیں دے سکوگی ناں۔'' انہوں نے نہ جانے کیا کیا، سمجھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ بس بے خیالی سے سر ہلائے گئی۔ خوبصورت گلابی ہونٹ مارے ضبط کے لرزتے رہے۔

☆☆☆

''اسطر... اُدھر دیکھو عظمیٰ آنٹی کے گھر میں گئے جامن کے درخت کو... کیسے بھرا ہے جامنوں سے۔'' ماہ نور نے للچائی ہوئی نظروں سے دونوں گھروں کی درمیانی دیوار پر لٹکتی جامن کی شاخ کو دیکھتے ہوئے کہا تو اسطر مسکرا دیا۔

''ہاں تو جاؤ بھئی، لے آؤ ناں... ویسے ابھی گھر پر نہیں ہیں۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''تم لے آؤ ناں...'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

''جی ضرور لا دیتا... مگر مجھے یہ ضروری اسائنمنٹ کر کے ہر صورت میں کل جمع کرانا ہے۔ اس لیے سوری آئی ایم رئیلی سوری......'' اس نے صاف معذرت کی اور دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ ماہ نور نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آہستہ سے چلتی اس دیوار کے قریب آٹھہری۔ یہ آج پہلی مرتبہ نہیں تھا بلکہ جب اسد حیات تھا تو وہ اکثر اس دیوار پر چڑھ جاتی اور جامن اتار لیتی۔ مگر اسد کے بعد اس کے سارے شوق دم توڑ گئے تھے۔ آج اتنی مدت بعد دل میں پھر یہ شوق پوری قوت سے ابھرا تھا۔ اور وہ اس بار اس کا گلا نہیں دبا سکی تھی سو ذرا سی تگ و دو کے بعد وہ دیوار پر چڑھ بیٹھی تھی۔ اسطر کن انکھیوں سے اسے دیکھتا دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔

وہ اچک، اچک کے موٹے، موٹے جامن کھینچ کر ایک ٹوکری میں بھرنے لگی۔ ساتھ، ساتھ ارد گرد کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی آج اتنی مدت بعد اپنا پسندیدہ کام کرتے ہوئے اسے بھی بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ خوشی سی بھر رہی تھی دل کے نہاں خانوں میں تبھی ذرا دور لٹکتے نیچے سے جامن کو پکڑنے کی کوشش میں اس کے ہاتھ میں پکڑی جامنوں سے بھری ٹوکری چھوٹی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اسے سنبھالنے کی کوشش میں لڑکھڑائی اور پھر اگلے ہی لمحے دھڑام سے درخت سے نیچے لڑھکتی وہ زمین بوس ہو چکی تھی۔

بالکل سامنے ہی برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھتے شیران نے زوردار آواز پر چونک کر اُدھر دیکھا تھا اور حیران رہ گیا تھا۔

وہ کہتے ہیں ناں کہ اگر کوئی آدمی سائیکل چلاتے ہوئے گلی میں گر جائے تو اسے اس چیز کی فکر نہیں ہوتی کہ اسے چوٹ لگی کہ نہیں بلکہ وہ پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ کسی نے اسے گرتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ یہی حال اس وقت ماہ نور کا ہوا تھا۔ نہ اسے جامنوں کی فکر تھی نہ اپنی چوٹوں کی۔ وہ تیزی سے کپڑے جھاڑتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور بالکل سامنے بیٹھے بغور اسے تکتے شیران سے نظر ملتے ہی وہ شرم سے پانی، پانی ہونے لگی۔

''یہ کون ہے عظمیٰ آنٹی کے گھر میں اور کم بخت کس طرح دیدے پھاڑ کے مجھے دیکھ رہا ہے۔ ابھی قہقہہ مار کے ہنسے گا میری حالت پر...'' وہ دل ہی دل میں اسے کوستی ہوئی دوپٹا صحیح کرنے لگی۔ زمین پر بکھرے تازہ جامن پر حسرت بھری نگاہ ڈالی اور پھر تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھی کہ قہقہے کی جاندار آواز نے اس کے قدم جکڑ

لیے تھے۔اسے بے حد غصہ آیا مگر پی گئی۔اور دوبارہ سے قدم بڑھا دیے مگر بے حد ہینڈسم بندہ بالکل سامنے آٹھہرا۔اس کی اس اچانک حرکت پر ماہ نور نے ایک تیکھی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔مگر اگلے ہی لمحے نظر جھکا گئی۔شیران کی گہری نیلی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک تھی کہ وہ نظریں نہ ملا پائی تھی۔

''کمال کی انٹری دی آپ نے، ورنہ یقین مانیں کہاں، کہاں نہیں ڈھونڈا آپ کو۔'' بے قرار سا تیز لہجہ..... حیرت سے ماہ نور کی آنکھیں تو کیا منہ بھی پورا کھل گیا۔

''قسم سے کتنا تلاش کیا آپ کو؟ یہاں وہاں کہاں، کہاں.....؟'' وہ چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد والا خوبرو نوجوان گہری نیلی آنکھوں میں کتنے ہی خوب صورت رنگ لیے خوشی سے چہکا جا رہا تھا۔اور وہ حیرت سے بت بنی کھڑی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

''اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ یوں اس جامن کے درخت سے ٹپکنے والی ہیں تو میں بس یہیں کرسی ڈال کر بیٹھا رہتا۔'' وہ بولتا گیا۔

''کہیں یہ کوئی پاگل تو نہیں۔عظمیٰ آنٹی بھی تو ڈاکٹر ہیں، یا اللہ اس بار مجھے بچا۔آئندہ قسم سے جو جامن کے درخت کی طرف دیکھوں بھی۔'' اس نے کھڑے کھڑے اندازہ لگایا اور دل ہی دل میں دعا مانگی۔

''میں تو حیران ہوں، ایسے بھی کوئی دعا قبول ہوتی ہے کیا؟'' وہ مسکرایا مگر ماہ نور کو جی بھر کے ترس آیا۔

''کس قدر خوب صورت نوجوان نہ جانے کس صدمے میں عقل و حواس کھو بیٹھا۔'' اسے اس نوجوان پر ڈھیر سارا افسوس ہوا۔وہ فرار کی راہ سوچنے لگی۔تبھی گیٹ پر ہلکی سی دستک ہوئی اور اسطر تیزی سے اندر آیا تھا۔اسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس کے پیچھے جا چھپی تھی۔

''آپ ٹھیک ہیں ناں.....'' اسطر نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔جو ہراساں نظروں سے شیران علی خان کو دیکھے جا رہی تھی۔تبھی اسطر کی نگاہ بھی اس پر پڑی تو وہ چونک پڑا۔

''آپ؟'' وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔''ارے عظمیٰ آنٹی نے بتایا تھا کہ ان کا بیٹا انگلینڈ میں ہوتا ہے، آپ شیران علی بھائی ہیں؟'' اچانک ہی اسے یاد آیا تھا۔شیران نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر کبھی آئیں ناں ہمارے گھر، ہم دیوار ہی ہیں ہم آپ کے.....'' وہ خوش دلی سے شیران سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں، ہاں ضرور..... اب تو آنا جانا لگا رہے گا۔'' وہ ماہ نور کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔وہ مزید پیچھے ہولی۔

''او کے شیران بھائی، ابھی ہم چلتے ہیں۔گھر پر کوئی نہیں ہے ناں۔ٹیک کیئر ہاں.....'' خیال آتے ہی اس نے تیزی سے اجازت لی اور ماہ نور کو احتیاط سے اپنے ساتھ لیے باہر نکل گیا جو ذرا سا لنگڑا رہی تھی۔

☆☆☆

''چائے.....'' زبیر بیڈ پر بیٹھے فائلوں پر کچھ کام کر رہے تھے۔جب نگینہ نے گرما گرم چائے کا کپ تھما کر انہیں خوش کر دیا۔

''واہ بیگم، آج تو جی خوش کر دیا۔'' انہوں نے فوراً اظہار بھی کیا۔

''کبھی آپ بھی جی خوش کر دیا کریں۔کہیں باہر ہی لے جایا کریں۔ہر وقت بزنس، بزنس!'' وہ نروٹھے انداز میں کہتی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''ہم.....م..... گلہ تو واقعی تمہارا بجا ہے، بالکل وقت ہی نہیں ملتا۔نہ تمہیں ٹائم دے پاتا ہوں، نہ ماہی کا احوال پوچھ پاتا ہوں۔کل فارغ ہوا تو چلیں گے اس کی طرف۔تم تیار رہنا۔'' انہوں نے چائے کے سپ لیتے ہوئے محبت سے کہا۔

''نہیں، آج تو میں ہو آئی اس کے گھر پر....'' انہوں نے فوراً بات بدلی۔

''اچھا.....!'' انہوں نے کپ سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''اچھی ہے، اب کافی سنبھل بھی گئی ہے، میں تو اسی لیے ہر دوسرے دن اس کے گھر جاتی ہوں تاکہ وہ خود کو اکیلا محسوس نہ کرے۔'' انہوں نے شوہر کو مکمل تسلی دی۔

''ہاں، فون تو میں بھی کر لیتا ہوں اکثر مگر... مجھے وہ خاموش، خاموش سی لگتی ہے۔'' انہوں نے جیسے بم پھوڑا تھا۔ چند لمحے تو نگینہ بول ہی نہیں پائیں۔

''وہ، وہ صدمہ بھی تو بہت بڑا ہے ناں اور پھر آپ کو یاد نہیں کتنا پیار کرتا تھا اسے اسد...... لیکن پھر بھی کافی سنبھل گئی ہے۔ میں نے تو کئی بار کہا کہ چلو میرے ساتھ کچھ دن ہمارے ہاں رہ لو۔ مگر نہ جی۔ اسے تو اسد کے گھر اور فیملی سے اس قدر پیار ہے کہ وہ چوکھٹ چھوڑنے کو تیار نہیں پھر ماشاء اللہ سے سب گھر والوں کا رویّہ بھی بہت اچھا ہے اس کے ساتھ تبھی تو دل لگا ہوا ہے اس کا۔ آپ اس کی ٹینشن نہ لیا کریں۔ میں ہوں ناں اس کی فکر کرنے کے لیے۔'' اس نے اپنی طرف سے میاں کو مکمل طور پر مطمئن کر دیا۔ زبیر نے محبت سے بیوی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

''تم بہت اچھی ہو نگینہ، تم نے نہ صرف میرے گھر کو بہت سنبھالا بلکہ میری بہن کا بھی سگی بہنوں سے بڑھ کر خیال رکھا۔'' ان کے لہجے میں بیوی کے لیے محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت تھی۔

''آپ بھی ناں...... اب شرمندہ تو نہ کریں مجھے، میرا فرض تھا یہ۔'' انہوں نے نرمی سے کہتے ہوئے ہاتھ چھڑا لیے۔ نہ جانے کیوں زبیر سے نظریں ملانے کی تاب نہیں تھی ان میں۔ دل اور ضمیر پر بوجھ ہو تو انسان سامنے والے سے تو کیا خود سے بھی نظریں نہیں ملا پاتا۔ یہی حالت شاید اس وقت نگینہ کی تھی۔

اور اپنی بیوی پر دل و جان سے یقین کرنے والا زبیر آفریدی اتنا بھی نہ سوچ پایا کہ بہن کے اتنے بڑے صدمے کے بعد بھی وہ بہن سے ملنے صرف ایک دو بار ہی گیا تھا۔ نگینہ ہمیشہ ہی اکیلے جا کے ہو آتی اور ان کو ... اسی طرح ٹال دیتی۔

☆☆☆

''اسطر خدا کے لیے اٹھ جاؤ، آج تمہارا ضروری ٹیسٹ ہے۔'' ماہ نور نے کوئی تیسری بار اسے جگانے کی کوشش کی تھی۔

''کیا ہے بھابی، سونے دیں ناں۔'' اس نے تکیہ منہ پر رکھتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔

''دیکھو اسطر پلیز اٹھ جاؤ، ورنہ امی نے اگر مجھے پھر تمہارے کمرے میں دیکھ لیا ناں تو جانتے ہو کیا قیامت آئے گی۔'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''امی تو بس ایسے ہی۔'' وہ آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔

''آپ امی کی باتوں کو دل پر نہ لیا کریں۔'' آخر کار وہ اسے جگانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

''اچھا، چھوڑو تم اپنی ہدایات...... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہارے لیے ناشتا لگاتی ہوں۔'' اس نے اسطر کے اٹھتے ہی اس کا بستر سمیٹتے ہوئے کہا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' آسیہ بیگم کی کاٹ دار آواز نے نہ صرف اسے بلکہ اسطر کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''امی آج اسطر کا ٹیسٹ تھا تو......'' وہ ہکلائی۔

''تو......؟'' آسیہ اس کے قریب آئیں۔

''تو کیا تم اس کی گھڑی میں فٹ الارم ہو، مجھے یا طیبہ کو نہیں کہہ سکتا یہ اٹھانے کے لیے۔'' تلخ سا لہجہ اس کی خوب صورت سنہری آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''امی پلیز......'' اسطر نے بولنا چاہا مگر آسیہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کر صاف منع کر دیا۔

''تمہیں کس نے بولنے کے لیے کہا اور پھر تمہیں میں نے کئی دفعہ منع کیا ہے کہ اس سے دور رہا کرو، ایک کو تو کھا گئی کیا اب دوسرے کو بھی نگلے گی۔'' کتنی نفرت، کتنی تحقیر تھی ان کے لہجے میں۔ اسطر غصے سے پیر پٹختا باتھ روم میں جا گھسا۔

''جاؤ کچن کو دیکھو...... اور ہاں آئندہ ہر کسی کے سامنے پٹاخ سے نہ آ جایا کرو۔ صرف اسد کا منہ ہے جو ابھی تک تم اس گھر میں ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسطر اور طیبہ کی زندگی پر بھی اپنے کالے سائے ڈالنا شروع کر دو۔ غضب خدا کا...... آئے طیبہ کے لیے پسند آ گئی ماہ نور بی بی۔'' ان کی بات پہ وہ تڑپ کے رہ گئی۔ مگر ذرا بھی صفائی نہ دے سکی۔

''اب جاؤ دفع ہو...... یا منحوس شکل لیے اس

کمرے میں ڈیرے ڈالنے کا ارادہ ہے۔'' وہ زور سے چیخی تھیں۔ ماہ نور تیزی سے باہر نکلی تھی۔

کچن میں آ کر اسطر کے لیے ناشتا بناتے ہوئے آنسو ٹپ ٹپ گرتے رہے۔ کچھ رخساروں پر تو کچھ دل کی زمین پہ، جو کچھ بھی ہوا تھا اس کی زندگی میں سب سے بڑا نقصان تو اسی کا ہوا تھا۔ سب اپنی مکمل زندگی جی رہے تھے۔ ادھوری تو اس کی ذات ہوئی تھی۔ وہ جو زندگی مکمل ہوتے ہی شکر کے سجدے بجالائی تھی اب ہجر کی لمبی راتوں کی قیدی بن گئی تھی۔ سجدے طویل تر ہوگئے لیکن زندگی تو واپس نہیں ہوئی۔ ادھورا پن جیسے زندگی کے سارے رنگ چرا لے گیا تھا۔

''کاش، کاش کہ مجھے بھی کوئی جان سکتا، کسی کی آنکھوں میں میرے لیے اپنائیت کے رنگ ہوں۔ کسی کو تو میری فکر ہو، کوئی تو مجھے سمجھے کہ قسمت کے لکھے پر میرا کوئی اختیار نہیں۔'' اس نے سسکتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔ بند پلکوں کے پیچھے روشنی سی لپکی تھی۔ گہری نیلی آنکھیں محبت، اپنائیت اور چاہت کے رنگ لیے مسکرا رہی تھیں۔ گھبرا کے اس نے فوراً آنکھیں کھول دی تھیں۔ دل سینے کے پنجرے میں کسی بے قرار پنچھی کی طرح پھڑ پھڑانے لگا تھا۔

''بھابی......'' تبھی اسطر وہاں چلا آیا تھا۔ اور وہ جو دل کی حالت سنبھالنے میں لگی تھی۔ مزید گھبرا گئی۔

''بھابی، آپ امی کی باتوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ آپ ہمارے پاس اسد بھائی کی نشانی ہیں اور یقین کریں میرے لیے آپ طیبہ آپی کی طرح ہی ہیں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں بھابی، آپ میری ذمے داری ہیں اور میں ہی آپ کی زندگی کو ویرانیوں سے نکالنے کے لیے جان لگا دوں گا۔'' اس نے عزم سے کہتے ہوئے بڑی بہن سمجھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ناشتے کی ٹرے اٹھا کر باہر چلا گیا۔ تشکر کے احساس سے اس کی نم پلکیں مزید بھیگنے لگی تھیں۔

☆☆☆

احمر کے گھر والوں نے پھر کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، طیبہ اپنی بزی لائف میں خوش تھی مگر اس بات نے آسیہ بیگم کو ماہ نور سے مزید دور کر دیا تھا۔ زیادہ تر طیبہ اور اسطر گھر سے باہر ہی رہتے اور یہ پل اسے بتانے مشکل ہو جاتے اوپر سے آسیہ بیگم کا اسد کے حوالے سے اسے منحوس قرار دے کر پل، پل اس کی تذلیل کرنا اس کی روح تک چھلنی کر دیتا مگر وہ چپ چاپ ہر بات سہے جاتی۔

☆☆☆

سخت گرمی کی وجہ سے پچھلے کئی دنوں سے حبس میں بھی بے حد اضافہ ہوا تھا لیکن آج صبح سے گھر، گھر کے آنے والے بادلوں نے دلوں کو ایک امید سی بخشی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے مدھم جھونکوں نے ساری کوفت دھو ڈالی تھی۔

اسد کے جانے کے بعد نہ جانے کیوں ایسا کِن مِن موسم چھاتا تو اس کا دل عجیب سی اداسی سے بھر جاتا۔ طبیعت بوجھل ہونے لگتی۔ کوئی کام نہ ہو پاتا۔ سوائے بارش کے سنگ رونے کے۔ اسد کے بعد یہ موسم اسے زہر لگنے لگا تھا۔ اس موسم سے اسد کی کتنی یادیں وابستہ تھیں۔ اسے اگر بارش پسند تھی تو اسد اس موسم کا دیوانہ تھا۔ سردیوں میں بھی بارش کی ٹھنڈک کی پروا کیے بغیر بھیگتا رہتا۔ اپنے ہاتھوں سے کبھی پکوڑے بناتا تو کبھی کچوریاں، گرمی ہوتی یا سردی بارش میں ان کے گھر عید آ جاتی۔ اس قدر خوشی منا تا جاتا تھا وہ۔

اس نے دل کی بے کلی سمیٹنے کے لیے جلدی، جلدی سارے کام نبٹائے تھے۔ وہ بارش شروع ہوتے ہی خود کو کمرے تک محدود کر لیتی تاکہ کوئی بھی اس کے چہرے اور اس کے آنسوؤں سے اس کے اندر کا کرب نہ جان سکے۔

سو آج بھی اس نے جلدی، جلدی کام نبٹا لیے تھے۔ دوپہر تک اچھی خاصی بارش شروع ہوگئی تھی۔ طیبہ اور اسطر ابھی تک گھر نہیں لوٹے تھے۔ وہ آسیہ بیگم کو کھانا دے کر سیدھا کمرے میں آ کر بند ہوگئی۔ رم جھم برستی بارش کے ساتھ اس کی آنکھوں سے بھی برسات ہونے لگی۔ وہ وہیں اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی

دونوں ہاتھ پھیلائے بارش کے قطرے سمیٹنے لگی۔
کچھ دیر بعد ہی اس نے گلی میں اسطر کی بائیک دیکھی تھی، ایک چابی اسطر کے پاس تھی سو طیبہ اور اسطر تقریباً بھاگتے ہوئے اندر آئے تھے۔ وہ دونوں بری طرح بھیگ چکے تھے۔ وہ ذرا دیر کے لیے تھوڑی سی پیچھے ہٹی تھی تاکہ ان میں سے کوئی اسے دیکھ کر یہ جان نہ پائے کہ وہ جاگ رہی ہے۔ اس موسم میں وہ کسی کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اسے پتا تھا کہ طیبہ کپڑے بدل کر آرام سے نہ صرف اپنے لیے کھانا نکال لے گی بلکہ اسطر کو بھی یہ کہہ کر مطمئن کر دے گی کہ بھابی سو رہی ہوں گی۔ وہ تھی ہی اتنی کیئرنگ بالکل اسد کی طرح...... اسد کے نام پر ایک مرتبہ پھر دل تڑپا۔
تبھی ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ بارش کی بوندیں اس کے چہرے سے آٹکرائیں۔ روح میں جیسے ٹھنڈک سی اتری تھی۔ وہ دوبارہ سے کھڑکی کے مزید قریب ہوگئی کہ اچانک ہی نظر دائیں طرف عظمیٰ آنٹی کے لان پر پڑی۔ وہاں وہی لڑکا تھا۔ ”ارے یہ تو عظمیٰ آنٹی کا خوبرو اکلوتا بیٹا نکلا۔“ گلابی ہونٹوں پر ننھی سی مسکراہٹ مچلی۔
”شیران علی خان۔“ لب ذرا سے ہلے تھے، وہ اسے دیکھے گئی۔ بلیو جینز پر وائٹ ٹی شرٹ پہنے وہ دیوانہ وار بارش میں اِدھر سے اُدھر کبھی اُدھر سے اِدھر گھومتا پھر رہا تھا۔ تھوڑی، تھوڑی دیر بعد وہ شرارت سے برآمدے میں کھڑی عظمیٰ آنٹی کو بھی زبردستی باہر کھینچ لاتا۔ مگر اس کا ہاتھ چھوٹتے ہی وہ دوبارہ اندر کی طرف بھاگ جاتیں اور وہ کچھ دیر بعد دوبارہ ان کو لے آتا۔ ساتھ، ساتھ اونچی آواز میں گانا گانے کی کوشش بھی جاری تھی۔ اسی اثنا میں اچانک ہی اس کا پاؤں پھسلا تھا اور وہ چاروں شانے چت دھڑام سے نیچے گرا تھا۔ عظمیٰ آنٹی بھاگی، بھاگی اس کے پاس پہنچی تھیں۔ خود ماہ نور کی سانس تھم سی گئی تھی اور تبھی شیران علی قہقہے لگا کر ہنس رہا تھا۔ وہ اپنی حالت کو انجوائے کر رہا تھا۔ عظمیٰ آنٹی بھی ہنسنے لگی۔ ان دونوں کو یوں کیچڑ میں لت پت دیکھ کر اور ہنستے ہوئے دیکھ کر اسے بھی ہنسی آگئی۔

☆☆☆

”ماہی، امی کہاں ہیں؟“ وہ اپنا پسندیدہ ناول پڑھ رہی تھی کہ طیبہ اس کے پاس ہی آکر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
”آج تم لوگ گھر پہ ہوتاں تو وہ محلے کے چار پانچ گھر تو آرام سے گھوم کر آئیں گی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
”مطلب آج اماں کا دن پھر بھابی کی برائیاں کرتے گزرے گا۔“ اسطر بھی وہیں چلا آیا۔
”مانتا کون ہے ان کی۔ سب بھابی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔“ طیبہ نے مکھی اڑائی۔
”پھر بھی ہمارا اور اپنا امیج تو خراب کر رہی ہیں ناں۔“ اسطر خفگی سے بولا۔
”کچھ نہیں ہوتا اسطر! امی دل کی بری نہیں ہیں۔ بس نہ جانے کیوں اسد بھائی کے بعد بھابی سے ان کو کچھ خار سی ہوگئی ہے۔“ طیبہ نے اداسی سے کہا۔ جو بھی تھا وہ ان کی ماں تھیں مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ماہ نور سے ان کا رویہ اسطر اور طیبہ دونوں کو تکلیف دیتا تھا مگر وہ بھی بے بس تھے۔ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ماہ نور کا اور کوئی تھا بھی نہیں۔ ایک بھائی اور بھابی تھے جو اپنی ہی لائف میں اتنے مصروف تھے کہ تعلقات بس ایک آدھ گھنٹے کی ملاقات یا فون کال تک ہی محدود ہوگئے تھے۔
”چلیں جب تک اماں نہیں آتیں کرکٹ کھیل لیتے ہیں؟“ اسطر اچانک اچھلا۔
”ہاں...... گریٹ آئیڈیا۔“ طیبہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہ نور نے خاموشی سے کتاب سائڈ پر رکھ دی اسے پتا تھا کہ اب وہ دونوں کرکٹ کھیل کے ہی دم لیں گے۔
کچھ دیر بعد ہی زور شور سے ان کا میچ جاری ہو چکا تھا۔
دیوار کے اس پار پودوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے شیران نے حیرت سے ان کا شور سنا۔ وہ مسلسل چیخ رہے تھے۔

''یہ شور کیسا ہے شیران؟'' ڈاکٹر عظمیٰ نے جو برآمدے میں ہی بیٹھی چائے پی رہی تھیں حیرت سے اس سے پوچھا تھا۔

''پتا نہیں امی ساتھ والوں کے گھر سے آرہا ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یار آج چھٹی ہے ناں، بچے کرکٹ کھیل رہے ہوں گے۔'' زمان علی نے اخبار سے پل بھر کے لیے نظر ہٹائی، بات کی اور دوبارہ سے مطالعے میں مصروف ہوگئے۔

''توبہ ہے ابو، کبھی تو اس اخبار کی جان بخش دیا کریں۔'' اسے باپ کے انداز پر خوب ہنسی آئی مگر خود پر کنٹرول کر گیا۔

''یہ لو...... دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے ان کے ہاتھوں سے دنیا کی کوئی نیوز نہیں بچتی۔ پتا ہے جب تم پیدا ہوئے تو اس دن جناب شہر سے باہر گئے ہوئے تھے واپس آنے پر جب امی نے خوشخبری سنائی تو کہنے لگے''

''بس بھی کرو عظمیٰ۔'' زمان نے آدھی بات میں ہی ان کو ٹوک دیا۔ وہ ہنس پڑیں۔

''ارے واہ ایسے کیسے بس کر دو۔ امی بتائیں آپ کیا کہا تھا ابو نے؟'' وہ پُرتجسس انداز میں کہتا ان کے سامنے زمین پر ہی دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔

''انہوں نے کہا...... ''امی چھوڑیں بعد میں دیکھ لوں گا بیٹے کو پہلے آپ یہ خبر تو سنیں جو ابھی آتے وقت میں نے راستے میں پڑھی اور تمہاری دادی بیچاری ماتھا پیٹ کے رہ گئیں۔'' زمان علی خان نے انہیں عینک کے پیچھے سے گھورا تھا اور وہ کھلکھلا کے ہنس دیا تھا۔

''اُف ابو...... آپ بھی ناں۔''

''اچھا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو، جاؤ اسطر لوگوں کے ساتھ کھیلو، انجوائے کرو۔ بہت اچھے لوگ ہیں بالکل فیملی ممبرز کی طرح۔'' زمان صاحب نے اس کی توجہ اس ٹاپک سے ہٹانی چاہی اور کامیاب بھی رہے۔

''ارے ہاں...... آسیہ بہن دو بار آچکی ہیں تم سے ملنے مگر تم گھر پر ٹکو تو ناں۔ میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ جا کر مل آؤ مگر میرا نہیں خیال کہ تم نے میری اس بات پر عمل کیا ہے۔'' عظمیٰ نے اس کا کان پکڑا۔

''اچھا سوری ناں امی، اب چلا جاتا ہوں مگر وہ لوگ مائنڈ تو نہیں کریں گے؟''

''لو اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے۔ آسیہ میری بہنوں کی طرح ہے۔ تم جاؤ، وہ تو بہت خوش ہوں گے۔'' عظمیٰ نے محبت سے اس کا سر تھپکا۔

''چلو پھر کچھ میں بھی انجوائے کرلوں۔ سچ ، بیٹھے، بیٹھے بور ہونے لگا ہوں میں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو کس نے کہا کہ بیٹھے، بیٹھے بور ہو۔ گھر سنبھالو، ہاں مجھ سے نہیں سنبھالی جاتی اب یہ ذمے داری۔'' زمان علی نے اخبار ایک مرتبہ پھر نیچے کیا۔

''اچھا بھئی سنبھال لے گا کچھ دن تو آرام کرنے دیں۔ ابھی تو تم جاؤ بیٹا۔'' عظمیٰ نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا اور وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ڈور بیل کی آواز پر گیند کرواتے اسطر نے بال طیبہ کی طرف اچھال کر اسے گیند کروانے کا کہا اور خود دروازہ کھول دیا۔

''شیران بھائی آپ!'' خوشگوار حیرت اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

''اکیلے بور ہو رہا تھا۔ سوچا چلو کچھ گپ شپ لگاتے ہیں۔'' شیران نے فی الفور بات بنائی۔

''ارے ہاں ناں، ہم نے میچ رکھا ہے۔ آپ بھی شریک ہو جائیں۔'' اسطر نے خوش دلی سے اسے اندر آنے کے لیے کہا اور اسطر کے پیچھے جیسے ہی اس نے وسیع ڈرائیو وے پار کیا ربڑ کی مضبوط بال تیزی سے آکر اس کا دایاں جبڑا چھوگئی تھی۔ اسے لگا جیسے کسی نے اس کا منہ توڑ دیا ہو۔ دن میں تارے نظر آنے کے محاورے کو بھی تسلیم نہ کرنے والا شیران علی رات میں سورج نظر آنے کو بھی تسلیم کر گیا تھا۔

اُدھر زبردست شارٹ مار کر اچھلتی ماہ نور اپنے ہاتھ سے شیران کو یوں چوٹ کھاتا دیکھ کر بت بن گئی۔ بلا ہاتھ سے کب کا گر چکا تھا۔ اسطر اور طیبہ بھی ساکت کھڑے تھے۔ تبھی آسیہ بیگم گیٹ سے اندر آئی تھیں۔

''آپ کو لگی تو نہیں؟'' یہ بھی بھلا پوچھنے کی بات تھی؟ اسطر بخوبی جانتا تھا مگر از راہِ ہمدردی پوچھنا ہی پڑا۔ آسیہ ان کے قریب آ چکی تھیں۔

''نہیں..... نہیں، میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بہ مشکل بولا۔ ہاتھ البتہ ابھی تک گال پر تھا۔

''شیران بیٹا تم..... کیا ہوا ہے اسطر؟'' آسیہ بیگم اسے یوں درد میں دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھیں۔

''وہ..... وہ..... امی۔'' اسطر ہکلا گیا۔

''اوہ، بال لگی شیران بچے کو، پہلی بار ہمارے گھر آیا ہے۔ یہ خدمت کی جاتی ہے مہمان کی اور ماہ نور اسی نے کیا ہوگا یہ۔'' وہ کہتے ہی تیزی سے طیبہ کے ساتھ کھڑی خاموش ماہ نور پر جا پڑیں۔ ''ایک بچہ تو کھا گئیں تم میرا۔ اب کیا ان دونوں کو بگاڑ کے دم لوگی۔'' وہ زور سے اس کا بازو دبوچتے ہوئے غرائیں۔ تکلیف اور ذلت کے احساس سے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''امی پلیز!'' اسطر فوراً درمیان میں آیا تھا۔

''آنٹی غلطی میری تھی، یہ لوگ تو انجوائے کر رہے تھے میں ہی اتنا اچانک اندر آیا کہ گیند سیدھی مجھے آ لگی۔ انہوں نے جان بوجھ کر تھوڑی ماری ہے مجھے۔'' نیلی آنکھوں میں کتنے ہی جذبے مچل رہے تھے۔ جب وہ اس کا دھان پان سا سراپا نگاہوں میں سموتے آسیہ بیگم کو صفائی دیتے ہوئے بولا۔

''چلیں شیران بھائی اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' اسطر نے طیبہ کو وہاں سے ہٹنے کا سگنل دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں ضرور۔'' ان کے وہاں سے ہٹتے ہی شیران بولا۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں بیٹا؟'' آسیہ فکرمندی سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''جی آنٹی، پرفیکٹ..... ڈونٹ وری۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی اور ان کے اور اسطر کے آگے بڑھتے ہی آہستہ سے گال سہلانے لگا۔

''اور کیا کہوں تم کو، قیامت سی قیامت ہو۔'' اس بار ہونٹوں پر مسکراہٹ کے ساتھ گنگناہٹ بھی تھی۔

☆☆☆

کھڑکی کے بالکل قریب رکھی کرسی پر بیٹھی ماہ نور بالکل کسی بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ نظر سامنے دیوار پر لگی اسد کی بڑی سی فریم شدہ تصویر پر جمی تھیں۔

''اسد..... آپ کے جاتے ہی سارے رشتے روٹھ گئے مجھ سے..... میرا وجود بوجھ سا بن گیا ہے سب کے لیے بلکہ سچ کہوں تو خود میرے لیے بھی۔'' اس نے جیسے اس کی تصویر سے شکوہ کیا تھا۔

''اس میں تمہارا اپنا بھی تو قصور ہے ماہی۔'' وہ چونکی۔ بے یقینی اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب تھیں وہ اسد تھا اس کا اپنا اسد۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر ویسے ہی محبت سے مسکرا رہا تھا۔ جیسے ہمیشہ مسکرایا کرتا تھا۔ وہ اٹھ کر اس کے کھلے بازوؤں میں سما گئی۔

''آپ آ گئے اسد۔ اب مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا۔'' اس نے اپنا سر اس کے چوڑے سینے پر رکھ دیا۔

''یہی تو تمہاری غلطی ہے ماہی!'' وہ رسانیت سے بولا تھا۔ وہ سکون سے آنکھیں موندے اس کی خوشبو محسوس کرتی رہی۔

''انسان چاہے جتنا ماضی کے پیچھے بھاگ لے اس کی خاک کو نہیں پہنچ سکتا۔ تم بھی ماضی کو بھول جاؤ اور حال میں جینا سیکھو۔'' وہ اس کے لمبے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے اسد کہ انسان جتنی بھی کوشش کر لے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ یہ ہمیشہ انسان کو اپنا عکس دکھاتا رہتا ہے۔'' حاضر جواب تو وہ تھی۔ اسد مسکرا دیا تھا۔

''تم جس راہ پر چل رہی ہو ناں ماہی، سمجھو اس کے آخری سرے پر یہ دیوار ہے۔ ایسی دیوار کے جس

نے راستہ بند کر دیا ہے۔ تمہارے ارد گرد کئی اور راستے ہیں تم ساری عمر اس بند گلی میں نہیں گزار پاؤ گی۔ راستے ڈھونڈو اور اپنی نئی منزل پالو۔ زندگی تب ہی آسان ہوتی ہے جب آدمی امید کا دامن نہ چھوڑے اور راستے کی مشکلات سے لڑتا سفر جاری رکھے۔ ورنہ یاد رکھو ماہی مایوس آدمی کو زندگی اور زندگی سے جڑی ہر چیز بوجھ لگنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ اپنا آپ بھی۔'' اسد نے اسے خود سے دور کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تھا۔ وہ اسے بغور دیکھنے لگی۔ وہ مسکرانے لگا تھا۔

''ماہی...... ماہی۔'' کسی نے اسے بری طرح جھنجوڑا تھا۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''اسد۔'' اس نے اِدھر اُدھر جیسے کسی کو تلاش کیا تھا۔ طیبہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تم نے شاید خواب دیکھا ہے کوئی۔ نیند آگئی تمہیں کرسی پر بیٹھے بیٹھے۔'' اس نے محبت سے اس کے گال تھپتھپائے۔

''اب تو جیسے واقعی خوشیاں خواب بن کے رہ گئی ہیں طیبہ۔'' کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ بے آواز رونے لگی۔ طیبہ دوسری کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''خواب تو امیدوں کی پہلی کرن ہوتے ہیں اور امیدوں کے جگنو جب ہاتھ میں ہوں تو خوشیاں زیادہ دور نہیں رہتیں۔'' طیبہ نے مضبوطی سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا ماہ نور خاموش بیٹھی رہی۔

''آئی ایم رئیلی سوری ماہی، میری اور اسطر کی ضد کی وجہ سے یہ سب ہوا۔ ورنہ تم تو ہمیشہ فضول کاموں سے روکتی رہتی ہو۔'' وہ معذرت کرتے ہوئے بولی۔

''ارے نہیں یار، تم بھی ناں سارا قصور میرے نصیبوں کا ہے۔ میں کسی کو بھی موردِ الزام نہیں ٹھہراتی۔'' وہ بھیگی آنکھیں پونچھتی اداسی سے بولی۔

''نصیبوں کو نہیں کوستے یار، جس چیز پہ ہمیں اختیار ہی نہ ہو اس کو برا بھلا کہنا غلط ہے پھر سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔ تم دیکھنا تمہیں جو ملے گا تم اس کا شکر ادا کرتے نہیں تھکوگی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے ماتھے پر بکھرے بال انگلیوں سے سمیٹنے لگی۔ ماہ نور چپ رہی۔

''ویسے ایک بات بتاؤں۔'' اس کا لہجہ شریر ہوا۔ ماہ نور نے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

''میں نے کسی کی گہری نیلی آنکھوں میں تمہارے لیے بہت خوشنما رنگ دیکھے ہیں۔'' مضبوط سراپا ماہ نور کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔

''کیا تم نے بھی وہ رنگ دیکھے ماہی؟'' وہ اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''دفعہ ہو طیبہ، فضول باتیں نہ کرو۔'' وہ نظریں چرا گئی اور اٹھتے ہوئے بولی تو طیبہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ پلٹ کر طیبہ کو دیکھنے لگی۔

''حقیقت کو تسلیم کرنا سیکھو ماہی۔ جو عکس تم دھندلانا چاہ رہی ہو وہ عکس جھلملا رہے ہیں تمہاری آنکھوں میں بھی۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ کر دیکھو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ماہ نور تیزی سے ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''امی...... مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' عظمیٰ کچھ مریضوں کی فائلز چیک کر رہی تھیں جب ہلکے سے دروازہ ناک کرتے ہوئے شیران اندر آیا تھا۔ وہ حسبِ عادت سب فائلز سمیٹ کر مکمل طور پر اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

''کہو شانی کچھ چاہیے؟'' انہوں نے اسے قریب ہی بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں امی...... بلکہ یوں کہیے مجھے سب کچھ چاہیے آج آپ سے۔'' شیران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ مثلاً؟'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

''مثلاً خوشی، سکون، توجہ اور سب سے بڑھ کر محبت تاکہ میری زندگی مکمل ہو سکے۔'' اس نے ایک، ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ لفظ محبت پر ڈاکٹر عظمیٰ نہ صرف چونکی تھیں بلکہ دھیمے سے مسکرا بھی دیں۔

"محبت... مطلب تم نے میرا آدھا کام تو آسان کر دیا۔"

"وہ کیسے امی؟" ان کی بات پر حیران ہوا۔

"محبت کا مطلب تمہیں کوئی لڑکی پسند آ چکی ہے... ہے ناں؟ بس ٹھیک ہے اب مجھے ایک پرفیکٹ بہو کی تلاش میں ادھر اُدھر دھکے نہیں کھانے پڑیں گے۔" محبت سے شیران کے گال کو چھوتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"آپ تو جینیئس ہیں امی۔ داد دینی پڑے گی۔" وہ بولا۔

"مکھن نہیں اب ذرا اس کا نام بتاؤ تاکہ میرے دل کو بھی سکون ملے۔ میں بھی تو دیکھوں میری ہونے والی بہو کون ہے؟" وہ ہمہ تن گوش ہوئیں۔

"گیس کریں؟" وہ کشن اٹھا کر گود میں رکھتے ہوئے بولا۔

"ویل... کل تم آسیہ کے گھر گئے تھے طیبہ...؟" انہوں نے اندازہ لگایا۔

"ماہ نور... امی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور ڈاکٹر عظمیٰ علی خان ساکت رہ گئی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو شیران؟" کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بہ مشکل بول پائیں۔ "تم اچھی طرح بخوبی جانتے ہو کہ ماہ نور ایک بیوہ ہے۔"

"تو اس میں کیا پرابلم ہے امی؟ بیوہ کوئی اچھوت تھوڑی ناں ہو جاتی ہے کہ کوئی اور شخص اس کی تمنا نہیں کر سکتا پھر ہمارے مذہب میں اس کی اجازت ہے۔" وہ اپنی ماں کے منہ سے یہ الفاظ سننے کی توقع .... ہرگز نہیں کر رہا تھا تبھی حیرت اس کے لہجے میں صاف واضح تھی۔

"میں نے یہ کب کہا۔ اسے بھی کوئی نہ کوئی ہم سفر مل ہی جائے گا مگر تم....." عظمیٰ بھی اب تک شاکڈ تھیں۔ "تم اتنے ینگ، اتنے ڈیشنگ اور ماشاء اللہ سے فارن سے تعلیم یافتہ کس چیز کی کمی ہے تم میں کہ تمہارے لیے لڑکیوں کا قحط پڑ گیا ہے اور صرف اس دنیا میں ماہ نور ہی رہ گئی ہے۔ طیبہ بھی تو کتنی پیاری ہے۔ وہ تمہیں نظر نہیں آئی؟" ان کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔

شیران کے اندر تک تاسف بھر گیا۔

"محبت کب کسی کی اجازت لے کر دل کی سرزمین پر قدم دھرتی ہے امی؟ یہ تو کسی خواب کی طرح ہوتی ہے، پلکوں پر اترتی ہے اور روح وقلب کو تسخیر کر لیتی ہے۔ کبھی کسی خوش قسمت کے در پر کھلی آنکھوں سے دیکھے خواب کی طرح حقیقت بن جاتی ہے اور کبھی کسی ایسے بدنصیب کے دل پر بند آنکھوں کے خوابوں کی طرح اِدھر آنکھ کھلی اُدھر سب ختم۔" اداسی اسے جکڑ چکی تھی۔

سچ کہا ہے کسی نے محبت کا اصل ہی یہی ہے۔ انسان پر طاری ہوتی ہے کسی وجد کی طرح، اسے آہستہ آہستہ اتنی خوشی اتنا سرور دیتی ہے کہ مست و بے بس ہو جاتا ہے اور پھر اسے اپنے اصل درد اور کرب سے روشناس کرواتی ہے۔ اسے ایسی اداسی بخشتی ہے کہ نہ اسے اپنا اندر اچھا محسوس ہوتا ہے نہ باہر۔ بس ہر پل محبوب سے بچھڑنے، چھن جانے کا خوف سہمائے رکھتا ہے اور یہی خوف شیران علی خان کے اندر بھی سرایت کرنے لگا تھا۔

"آئی ایم سوری شیران مگر تم نے واقعی مجھے مایوس کیا ہے اس بار۔ میں ساری دنیا کو کیا جواب دوں گی۔ کس، کس کو وضاحت دوں گی کہ میرا یعنی ڈاکٹر عظمیٰ علی خان کا بیٹا شیران علی خان ایک بیوہ سے شادی کر رہا ہے.... آہ!" وہ غصے سے کانپنے لگی تھیں اور شیران اپنے مضبوط ہاتھ کی مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائے چپ چاپ ماں کو تکے جا رہا تھا۔ اس کی نیلی چمکدار آنکھوں میں وحشت اترنے لگی تھی۔ جو وہ صاف محسوس کر رہی تھیں مگر اسے کوئی چانس نہیں دینا چاہتی تھیں۔ یہ بات ان کے لیے ہرگز قابلِ قبول نہ تھی۔ دنیا کیا کہتی ہے اس کی فکر تھی ان کو مگر ان کا بیٹا کیا کہہ رہا ہے، کیا محسوس کر رہا ہے اس سے نظریں چرا گئی تھیں وہ۔ شیران علی خان نے بوجھل دل کے ساتھ گود میں دھرا کشن ایک طرف رکھا اور خاموشی سے وہاں سے اٹھ گیا۔

☆☆☆

آج کی صبح کافی ٹھنڈی تھی۔ رات بھر وقفے، وقفے سے ہونے والی بارش نے موسم ایک دفعہ پھر سرد کر دیا تھا۔

آج چھٹی تھی تبھی اسطر اور طیبہ ابھی تک نہیں جاگے تھے۔ امی رات کو ذرا کم ہی سوتی تھیں سو نماز کے بعد تلاوت کرتیں پھر ناشتا کر کے صوفے پر لیٹ جاتیں تو نو، دس تک ہی جاگ پاتیں۔ وہ سویرے اٹھنے کی عادی تھی۔ تبھی چار سے چھ بجے تک وہ اچھی خاصی بور ہو چکی تھی۔

''کیوں نہ آج پارک کا ایک چکر لگا لوں۔ طبیعت پر جو کئی دنوں سے بوجھل پن سوار ہے وہ بھی ہلکا ہو جائے گا۔'' اس نے جیسے خود کو آئیڈیا دیا اور پھر تیزی سے سفید گرم شال اوڑھ کر باہر نکل گئی۔

کالونی کی گیلی سڑک پر پتے ہی پتے بکھرے پڑے تھے جو رات چلنے والی آندھی کی باقیات تھے۔ ہلکی، ہلکی ٹھنڈی ہوا بھلے ہی وجود میں کپکپی سی پھیلا دیتی مگر اسے بے حد بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ پارک تک پہنچنے تک اس کا موڈ کافی خوشگوار ہو چکا تھا۔

وہ ذرا فاصلے پر رکھے بینچوں پر بیٹھنے کے بجائے سفید پتھروں سے بنی چوڑی سی روش پر چلنے لگی۔ ہلکے، ہلکے قدم اٹھاتی وہ ارد گرد موجود لوگوں کا بھی جائزہ لینے لگی۔

ایک طرف سرسبز نرم گھاس پر آٹھ سے دس سال تک کی عمر کے بچے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ پاس ہی بینچوں پر بیٹھی خواتین مزے سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے چلتی رہی۔ بھاگتے دوڑتے نوجوان، ادھیڑ عمر مرد تیزی سے اس کے قریب سے گزر جاتے تو کبھی تیز تیز قدم اٹھاتی خواتین لیکن وہ اسی رفتار سے چلتی رہی۔ دل و دماغ تازہ ہوا سے تازہ دم محسوس ہونے لگے تھے۔

''زندگی.....'' کوئی اس کا ہم سفر ہوا تھا۔ بھاری مردانہ لہجہ اسے چونکا گیا تھا۔ اس نے حیرت سے خود سے قدم ملاتے شیران علی خان کو دیکھا تھا۔ ''میرا مطلب تھا زندگی کتنی خوب صورت ہے ناں!'' اس کی آنکھوں کی چمک اسے ماند لگی تھی مگر جذبوں کے رنگ ویسی ہی آتش دے رہے تھے۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے قدم بڑھاتی گئی۔ کتنی بڑی بات وہ کتنی خوب صورتی سے کہہ گیا تھا۔ ماہ نور اتنی بے وقوف نہ تھی کہ اس کے اس قدر خوب صورت اظہار کو نہ سمجھ سکتی لیکن وہ زندگی کے اس موڑ پر کھڑی تھی جہاں اس طرح کا کوئی بھی خواب وہ پلکوں پر نہیں سجانا چاہتی تھی۔ نہ ہی اس کے بس میں ایسا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے ساتھ خوبرو نوجوان کی زندگی بھی اجیرن نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''لگتا ہے ابھی آپ نے عملی طور پر زندگی کو نہیں پرکھا۔ ورنہ پتا چل جاتا آپ کو کہ زندگی اتنی بھی خوب صورت نہیں ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ میں امید کی کوئی قندیل نہیں تھمانا چاہتی تھی تبھی اس کا لہجہ اجنبی تھا۔

''پھر تو لگتا ہے آپ نے ابھی تک زندگی کو نہیں پرکھا کیونکہ مجھے تو زندگی کا ہر روپ خوب صورت لگا۔ چاہے وہ میرے قریب رہے یا مجھ سے دور۔'' پھر وہی مسخر کرنے والا لہجہ، وہ ڈھکا چھپا اقرار۔ ماہ نور کا دل دھڑک اٹھا اس بار وہ خاموش رہی۔

''اور سب سے زیادہ زندگی کو کھو دینے کا خوف۔ مجھے تو یہ بھی زندگی کی محبت سے منکر نہ کر سکا۔'' وہ اچانک ہی اس کے سامنے آ ٹھہرا تھا۔ اس نے تیزی سے قدم روکے اور سر اٹھا کر خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''زندگی کی محبت ہی تو سب سے بڑا دھوکا ہے پھر کسی کو بھلے ہی زندگی واقعی خوب صورت لگے۔ کبھی، کبھی وہ اس قدر بھیانک اور بدصورت ہوتی ہے کہ اپنے آپ سے بھی اسے ڈر لگتا ہے۔ یہ اور بات کہ وہ اپنا آپ چھپائے رکھتی ہے۔ وقت کے ان زخموں اور کرب کو وہ کسی کے سامنے عیاں نہیں کرتی۔'' وہ کہنا نہیں چاہتی تھی مگر اسے اصل حقیقت سمجھانا ضروری تھا۔

وہ مرد تھا اپنی چاہت کو دنیا کی ہر چیز پر فوقیت دے سکتا تھا۔ اپنی محبت کے لیے ہر چیز کو بھول سکتا تھا مگر وہ تو ایک کمزور عورت تھی۔ اسے یاد رکھنا تھا کہ وہ ایک بیوہ

ہے۔ ایک عام سے خاندان سے تعلق رکھنے والی عام سی لڑکی جبکہ مدِ مقابل شیران علی خان تھا۔ ڈاکٹر عظمیٰ شہر کی جانی پہچانی شخصیت تھیں اور شیران علی خان بزنس ٹائیکون زمان علی خان کا اکلوتا وارث...... بھلے ہی شیران اسے دل کی مسند پر بٹھا چکا ہو۔ اس کی فیملی اسے کبھی وہ جگہ نہ دے پاتی اپنے دل میں اور وہ جانتی تھی کہ ایسی زندگی ایک کڑا امتحان ہی ہوگی تبھی وہ کسی امید کا سرا نہ تو اسے تھمانا چاہتی تھی نہ ہی خود کوئی خواب دیکھنا چاہتی تھی۔

''زخموں کو مرہم کی تلاش ہوتی ہے ماہی۔'' وہ کس قدر عجیب آدمی تھا۔ مکمل طور پر اجنبی ہوتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ اس سے یوں ملتا یوں بات کرتا جیسے اسے جانتا ہو۔ اس کے لہجے کا اپنا پن اس کی آنکھوں سے چھلکتی دوستی ماہ نور کو زیر کرنے لگتی۔

''مگر دیکھیے مرہم تو خود زخموں کی طرف کھنچتا چلا آیا ہے۔ بس ایک بار ذرا سی امید کی کرن کو راستہ تو دیں اپنے دل تک پھر دیکھیے گا ساری بدصورتی کس طرح اچانک خوب صورتی میں بدل جاتی ہے۔'' اس نے پاس کی ایک کیاری سے خوب صورت گلاب توڑ کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''ایکسکیوزمی، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' بات ختم کر کے اس کے ہاتھ میں پکڑے گلاب کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے وہ تیزی سے واپسی کے لیے مڑ گئی تھی۔ اس بار اس کے قدم تیز تھے۔ شیران علی خان نے گلاب کا پھول سختی سے مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔

☆☆☆

''تم پریشان ہو؟'' ٹی وی دیکھتی ماہ نور مسلسل انگلیاں چٹخائے جا رہی تھی تبھی قریب بیٹھی طیبہ نے حیرت سے اس سے پوچھا تھا۔

''ہاں...... نن...... نہیں تو۔'' وہ ہکلا گئی۔

''کیا نہیں تو...... تمہارے لہجے سے، تمہاری ہر حرکت سے واضح طور پر لگ رہا ہے کہ تم بہت سخت پریشان ہو۔ چلو اب آرام سے شروع ہو جاؤ ورنہ میں خفا ہو جاؤں گی۔'' ٹی وی آف کر کے طیبہ نے اسے پیار بھری دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں ہے بھئی، تم ایسے ہی میرے پیچھے پڑ رہی ہو۔'' وہ کھلے بالوں کو پونی میں قید کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا جی او کے، اب آئندہ میں کبھی تمہارے پیچھے نہیں پڑوں گی۔'' طیبہ نروٹھے انداز میں کہتی وہاں سے اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ ماہ نور نے بے بسی سے اسے گھورا تھا پھر مجبوراً اس کے پاس ہی کچن میں چلی آئی۔

''میں نے کہا ناں کہ کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ سیدھا طیبہ کے پاس جا کر بولی تھی۔

''ہاں تو میں نے کب کہا کہ کوئی بات ہے۔ اب تم کیوں میرے پیچھے چلی آئی ہو؟'' وہ اسے خفگی سے گھورتے ہوئے بولی۔

''اُف...... ایک تو تم سے اپنا آپ چھپانا بھی مشکل ہے یار۔'' ماہ نور بری طرح چڑ گئی۔

''دیکھو ماہی!'' وہ اس کے قریب آ کر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔

''تم بھلے ہی اپنی ہر خوشی مجھ سے چھپا لیا کرو مگر پلیز جب بھی کوئی پریشانی تمہیں تنگ کرے فوراً مجھے بتا دیا کرو۔ میں واقعی تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے۔ یوں جیسے ابھی میرا دل بند ہو جائے گا۔'' وہ ایسی ہی تھی۔ سچی اور بے حد پروا کرنے والی۔ ماہ نور محبت سے اس کا خوب صورت چہرہ دیکھے گئی۔

''اب جلدی بتاؤ، کیا پریشانی ہے؟'' وہ اس کے دائیں گال کو چھوتے ہوئے نرمی سے بولی تو ماہ نور پلکیں جھکا گئی۔

''میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی تھی طیبہ، میں اسد کے بعد کسی کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر وہ یوں میرا اپنا بن کر سامنے آیا اور یوں دوستانہ انداز سے اپنا آپ مجھ پر عیاں کر گیا کہ میں چاہ کر بھی اس کی پرچھائیں سے دامنِ دل چھڑا نہیں پا رہی۔ وہ میری جاگتی آنکھوں میں مسکرانے لگا ہے۔ بند پلکوں کے پیچھے سے

پکارنے لگا ہے مجھے..... کہیں میں ہار نہ جاؤں طیبہ۔ مجھے اپنی ہار سے ڈر لگتا ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ یہ اب ناممکن ہے۔'' وہ بولتی چلی گئی۔ طیبہ کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ خوشی بھی چمکنے لگی تھی۔

''کون.... کون ہے وہ..... شیران بھائی؟''

اس نے ماہ نور کو خوشی سے جھنجوڑ کر رکھ دیا وہ اداسی سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی۔

''یاہو.... !'' طیبہ نے زور سے نعرہ لگایا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں لڑکی۔'' اچانک ہی آسیہ بیگم وہاں آئی تھیں۔ ماہ نور کی تو جیسے سانسیں رکنے لگیں۔ ''عمر دیکھو اور حرکتیں، خدا کی پناہ، بچوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے تم تینوں نے۔'' انہوں نے گھورتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سوری امی۔'' طیبہ نے فوراً کان پکڑ لیے۔ ماہ نور بھی سر جھکا گئی۔

''اچھا کچھ تم بھی ہاتھ چلا لیا کرو۔ سارے کام ماہ نور نبٹا لیتی ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر اگلے گھر بھی کیا اسے ہی لے کر جاؤ گی۔'' آج آسیہ بیگم کے ہتھے چڑھ ہی گئی تھی وہ۔

''توبہ کریں امی۔ اتنی جلدی میں اگلے گھر نہیں جانے والی۔ سو سال تک تو سوچے گا بھی نہیں کہ میں مرنے کا سوچوں گی۔'' اس نے تیزی سے بات بنائی۔ آسیہ بیگم کا بھاری ہاتھ اس کی کمر پر پڑا تو وہ بلبلا اٹھی۔

''میں نے تیرے اصلی گھر کا نہیں اگلے گھر کا کہا ہے نامراد، سدھر جا اس سے پہلے کہ ساس کے ہاتھ لگے۔'' امی نے کمر مسلتی طیبہ کے شانے پر بھی دو ہاتھ جڑ دیے وہ مزید تڑپ گئی۔

''امی کیا ہے؟'' طیبہ نے مچل کر کہا۔

''احمر کی دادی کا فون آیا تھا۔ تیری بات پکی کرنے آ رہے ہیں وہ۔ میں نے کل شام کا وقت دیا ہے مگر پھر کہتی ہوں سدھر جاؤ ورنہ اگلے گھر جا کر میری ناک کٹواؤ گی تم۔'' اسے ڈانٹ پلاتی وہ باہر چلی گئیں۔

''اوہ طیبہ۔'' ماہ نور تیزی سے اس سے لپٹ گئی جو

## جیسے کو تیسا

سلسلہ محبت کا
عجب داستان
لیے ہوئے ہے
جو ملنے آئیں
وہ یار ہیں
جو نہ ملیں
انہیں الوداع
کہہ دو

شاعرہ۔ مدیحہ نورین مہک، برنالی

آسیہ بیگم کی بات پر ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑی تھی۔

''میں کتنی خوش ہوں تمہارے لیے تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔'' اس کے کانوں میں ماہ نور کی چہکتی آواز گونجی تھی۔

''اور تم بھی نہیں سوچ سکتیں ماہی کہ میں تمہارے لیے کتنی خوش ہوں۔'' اس نے دونوں بازو ماہ نور کے گرد پھیلاتے ہوئے محبت سے دل ہی دل میں کہا اور کھل کر مسکرا دی۔

☆☆☆

آج موٹر سائیکل خراب ہونے کے باعث اسے بھی پیدل یونیورسٹی کے لیے نکلنا پڑا۔ طیبہ پہلے ہی جا چکی تھی۔ اسطر کو مین روڈ سے ہی کوئی سواری ملتی اور اسے یہ دو تین گلیوں کا فاصلہ طے کرنا ہمیشہ وبالِ جان لگا کرتا۔

سائنس نے جس قدر انسان کی زندگی سہل بنائی ہے اتنا ہی اسے سہولت پسند بھی بنا دیا ہے اور یہی چیز ہے جو ہمارے نوجوانوں کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ ان کی قابلیت اور صحت کو زنگ سا لگتا جا رہا ہے۔ یہی حال اس وقت اسطر کا تھا مرے، مرے قدموں سے وہ گیٹ سے باہر نکلا تھا اور مسلسل بڑبڑا بھی رہا تھا

تبھی ایک کار اس کے قریب آ کے رکی تھی۔
''اسطر..... کہیں جا رہے ہو تو چلو میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شیران نے اس کو زور سے آواز دی تھی اور بغیر جواب دیے وہ جلدی سے گاڑی میں اس کے ساتھ والی سیٹ سنبھال چکا تھا۔ شیران نے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔
''شیران بھائی آج تو آپ فرشتہ بن کر نکلے ہیں میرے لیے۔'' اس نے اپنی پسند کا میوزک لگاتے ہوئے کہا تو شیران ہنس دیا۔
''اچھا جی، ویسے جا کہاں رہے ہو؟'' وہ گاڑی مین روڈ پر آتے ہی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے بولا۔
''یونیورسٹی اور کہاں..... مگر آپ یہیں کہیں اتار دیں، میں ٹیکسی لے کر چلا جاؤں گا۔'' اسطر نے اس کی سہولت کے لیے کہا۔
''ارے نہیں یار، میں نے بھی پاپا کے آفس جانا ہے۔ راستے میں تمہیں بھی ڈراپ کرتا جاؤں گا۔'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ اسطر مطمئن سا سر ہلا گیا۔
''ویسے اسطر، تمہارے بڑے بھائی کی ڈیتھ کب ہوئی تھی؟'' سوال اس قدر اچانک تھا کہ اسطر چونک سا گیا۔ اس کے ہشاش بشاش چہرے پر کرب کی لہر سی دوڑ گئی۔ شیران کو بے حد برا محسوس ہوا۔ اسطر نے موسیقی بند کر دی تھی۔
''سوری، آئی ایم رئیلی سوری۔ پتا نہیں کیسے مجھے اچانک خیال آ گیا۔'' وہ واقعی بے حد شرمندہ تھا۔
''ارے نہیں شیران بھائی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بس بھائی کی موت اس قدر اچانک اور خوف ناک تھی ہمارے لیے کہ اب بھی وہ دن یاد کرتے ہیں تو دل جیسے بند ہونے لگتا ہے۔'' اس کے لہجے میں اذیت تھی۔
''سوری یار، اصل میں، میں اسد کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ آئی مین وہ کیسا لڑکا تھا؟ کیسا بھائی تھا؟ کیسا بیٹا اور کیسا شوہر؟'' بے اختیاری میں ہی وہ کہتا گیا اسطر ذرا سا چونکا مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے شیران اصل میں ماہ نور بھابی کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔
''اسد بھائی ایک مکمل شخصیت تھے۔ بہت ہی خوب صورت پرسنالٹی کے ساتھ اچھا اخلاق ان کی سب سے بڑی خوبی تھی۔ گھر کے سب افراد کی کیئر کرتے۔ ماہ نور بھابی، میں، طیبہ اور امی سب کو ایک..... مضبوط ڈور میں باندھ کے رکھا تھا انہوں نے۔'' وہ بتانا شروع ہوا۔
''ماہ نور بھابی سراسر امی کی پسند تھیں مگر اسد بھائی، ماہ نور بھابی کو پا کر بے حد خوش تھے اور کیوں نہ ہوتے ماہ نور بھابی میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی بھی انسان کا دل جیت لیں۔ ماہ نور بھابی نے جلد ہی اس گھر کے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا لی لیکن.....'' وہ بولتے، بولتے رک گیا۔ اس کا لہجہ بھیگنے لگا۔ ''ہم میں سے کسی کو بھی اندازہ نہ تھا کہ ہماری ان مکمل خوشیوں کا وقت بے حد کم ہے۔ جب کمپنی نے اسد بھائی کو دبئی بھیجا تو سبھی خوش تھے کہ صرف چند ماہ کے بعد وہ واپس آ کر نہ صرف ترقی پائیں گے بلکہ ان کو گاڑی، بنگلا بھی ملنا تھا آفس کی طرف سے مگر.....'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ کچھ لمحوں تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی تھوڑی دیر بعد وہ پھر خود ہی بولنا شروع ہوا۔
''مگر بھائی واپس نہ آ سکے دبئی میں ایک خوف ناک روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔'' وہ بھیگے لہجے میں بتا رہا تھا۔ ''تب ہم سب کو یوں لگا جیسے دنیا ختم ہو گئی ہو۔ سب کچھ بس بے معنی سا ہو گیا تھا ہم سب کے لیے۔ موت ہی موت طاری لگتی تھی ہر شے پر لیکن وہ کہتے ہیں ناں کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہے اور یہ بھی کہ انسان اکیلا مرتا ہے دنیا کے کاروبار ویسے ہی چلتے رہتے ہیں تو بس دھیرے، دھیرے ہم سب بھی سنبھل گئے لیکن.....'' اس نے دھیرے سے اپنی ہاتھ کی پشت سے دونوں آنکھیں رگڑیں اور مسکرا دیا۔
''اصل میں ماہ نور بھابی اور اسد بھائی کا ساتھ صرف چند دنوں کا تھا لیکن بھابی کو سنبھلنے میں زیادہ ٹائم لگا اور اس میں زیادہ کردار امی کا بھی رہا انہوں نے اسد

بھائی کے بعد ماہ نور بھابی کو کبھی وہ پیار اور توجہ نہ دی جس کی وہ حق دار تھیں۔'' اسطر تاسف بھرے لہجے میں بولا۔
''ان کے اپنے فیملی ممبرز؟'' شیران نے مختصر سا سوال کیا۔
''ایک بھائی اور بھابی ہیں۔ امی کے ذلت آمیز رویے کی وجہ سے میں کئی بار ان کے گھر گیا مگر ان کے بھائی سے میری بات نہیں ہو پائی۔ میرے خیال میں ان کی بھابی بھی یہ نہیں چاہتیں کہ ماہ نور بھابی واپس ان کے گھر آ کر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے ان کے بھائی سے ملنے میں رکاوٹ ڈال دیتی ہیں۔'' اسطر کو مدت بعد کوئی ایسا شخص ملا تھا۔ جس سے شیئر کرتے ہوئے اسے نہ تو کوئی اجنبیت محسوس ہوئی تھی نہ ہی کوئی ڈر۔
''تم کبھی ان کے بھائی سے ان کے آفس میں کیوں نہیں جا کر مل لیتے؟'' شیران نے اسے مشورہ دیا اسطر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
''واؤ، یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا'' وہ بے حد خوش تھا شیران مسکرا دیا۔
''سچ میں کیا تم اپنی ماہ نور بھابی سے بے حد پیار کرتے ہو؟'' شیران اس کی آنکھوں سے اس کی باتوں کی سچائی جان سکتا تھا مگر یونہی پوچھ بیٹھا شاید اسے بھی اسطر سے یوں ماہ نور کے بارے میں بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔
''بہت زیادہ...... بھابی مجھے طیبہ کی طرح ہی عزیز ہیں۔ وہ طیبہ کی تقریباً ہم عمر ہی ہیں کاش کہ قدرت ان کو اتنی چھوٹی سی عمر میں یہ غم نہ دیتی مگر یقین کریں شیران بھائی...... میں ان کی نامکمل زندگی کو مکمل کروں گا۔ میں انہیں ایک نئی راہ کا انتخاب کرنے کے لیے راضی کروں گا۔ بس میں ایک اچھے موقع کی تلاش میں ہوں۔'' شیران نے گاڑی روک دی تھی۔ اسطر کی منزل سامنے تھی وہ گاڑی سے نیچے اترا گیا تو شیران بھی باہر نکل آیا۔
''اسطر۔'' اسطر اسے بائے بول کے جانے لگا تو شیران نے فوراً پکارا وہ پلٹ کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

شیران آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے سامنے آ ٹھہرا۔ وہ سوالیہ نظروں سے شیران کو گھورے جا رہا تھا۔
''میں...... میرا مطلب ہے، میں ماہ نور سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' بالآخر اس نے ہمت کر کے کہہ ہی ڈالا۔ اسطر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ جھٹ سے شیران کے گلے لگ گیا تھا۔ شیران نے ایک مطمئن سی سانس خارج کی تھی۔

☆☆☆

کشادہ بیڈ روم میں اس وقت مکمل طور پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ بس کسی، کسی وقت ہلکی سی کرسپ کی آواز اس خاموشی کو ذرا دیر کے لیے توڑتی اور پھر وہی سکوت چھا جاتا۔
زمان علی خان تکیے سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے ٹکٹکی باندھے اپنی بیگم کو دیکھے جا رہے تھے جو اس وقت یوں مونگ پھلی کھائے جا رہی تھیں جیسے یا تو انہیں پہلی بار کھانا نصیب ہوئی ہو یا پھر اس کے بعد کبھی ان کو مونگ پھلی دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔ زمان علی خان کے لبوں پر بہت ہی پیاری مسکان مچل رہی تھی۔
وہ جانتے تھے کہ عظمیٰ بیگم کو کوئی بات پریشان کر رہی ہے اور جب بھی ایسا ہوتا کھانے کی ہی کسی چیز پر قیامت ٹوٹتی اور جب کھا، کھا کے تھک جاتیں تب ہی زمان کی باری آتی۔ سو وہ چپ چاپ مسکراتے ہوئے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی تھک ہار کے عظمیٰ بیگم نے ٹرے اٹھا کر ٹیبل پر دھر دی اور اب ان کی توجہ کا مرکز زمان علی خان تھے جو اب مکمل طور پر ان کی طرف ہی متوجہ تھے۔
''مجھے آپ کو بہت ضروری بات بتانا تھی۔'' وہ واقعی پریشان تھیں۔
''جی حضور، میں بھی تو پچھلے آدھے گھنٹے سے اسی انتظار میں بیٹھا ہوں کہ کب میری بیگم میری طرف توجہ کریں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔
''کیا شیران نے آپ سے اس بارے میں بات کی؟'' عظمیٰ بیگم نے سوال کیا۔

''کس بارے میں؟'' ان کی سوالیہ نگاہیں ان کے قطعی طور پر لاعلم ہونے کی گواہی دے رہی تھیں۔ عظمیٰ بیگم آہ بھر کر رہ گئیں۔

''شیران شادی کرنا چاہتا ہے۔'' انہوں نے اپنی پریشانی بیان کر ہی دی۔

''ریئلی! تو اس بات پر تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ پریشانی کی اس میں کیا بات ہے؟'' انہوں نے کندھے اچکائے۔

''اس نے لڑکی بھی خود پسند کر لی ہے؟'' عظمیٰ بیگم نے مزید منہ بنایا۔

''اوہ تو کیا تمہیں کوئی اور پسند ہے اس کے لیے؟'' زمان صاحب کو یہی وجہ سمجھ آئی۔

''نہیں بھئی..... مجھے پسند ہوتی بھی تو میرے لیے شیران کی پسند زیادہ معنی رکھتی ہے مگر.....'' وہ خاموش ہو گئیں۔

''مگر کیا بیگم..... پوری بات تو بتاؤ۔'' زمان علی چڑ سے گئے۔

''اس نے جس لڑکی کو شادی کے لیے پسند کیا ہے وہ لڑکی نہیں بلکہ ایک شادی شدہ خاتون ہے۔'' بات اگرچہ مکمل ہوئی تھی مگر تھی تو نامکمل ہی.....

''واٹ.....؟'' زمان علی کو شاک لگا تھا۔

''جی اور وہ بھی بیوہ.....'' اب کی بار ان کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''کون..... تم ملی ہو کیا.....؟'' وہ اس بار کافی توقف کے بعد بولے تھے۔

''جی..... آسیہ کی بہو، ماہ نور۔'' ماہ نور کا ذکر کرتے ہوئے خود بخود ان کے لہجے میں شفقت در آئی۔ زمان علی مسکرا دیے۔

''تو تمہیں بھی تو پہلے پسند تھی وہ شیران کے لیے۔'' انہیں کچھ یاد آیا۔

''جب مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ بیوہ ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولیں۔

''بیوہ ہونا کوئی گناہ نہیں..... یہ سب قسمت کے فیصلے ہیں۔'' انہوں نے اعتراض رد کر دیا۔

''ہاں مگر شیران کے لیے لڑکیوں کی کمی ہے کیا..... میرے اتنے ڈیشنگ بیٹے کو داماد بنانے سے بھلا کون انکار کرے گا۔'' شیران کے متعلق بات کرتے ہوئے ان کے لہجے میں ہمیشہ فخر سا سما جاتا۔

''بات یہ نہیں کہ شیران کے لیے کمی ہے، بات یہ اہم ہے کہ شیران کی پسند کیا ہے جو اس کو چاہتے ہیں، ان سے شیران کو کیا غرض..... شیران تو تب پُرسکون ہوگا جب اسے وہ ملے گا... جو وہ چاہتا ہو۔'' زمان صاحب نے انہیں حقیقت سمجھانے کی کوشش کی۔

''پھر بھی زمان آپ خود سوچیں کہ ہم کس، کس کو وضاحت دیں گے کہ شیران کے لیے ہم نے ایک بیوہ لڑکی کو پسند کیا..... کیوں؟'' وہ متفکر تھیں۔

''دنیا کے لیے جیو گی تو کوئی خوشی راس نہیں آئے گی۔ یاد رکھو لوگوں کو راضی رکھنا بے حد مشکل کام ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم وہ کرو جو تمہیں خوشی دے ..... جو تمہارے خدا کو پسند ہو بس۔'' زمان ان کو سمجھانے لگے۔

''مگر ایک بیوہ سے کیسے؟'' ان کی سوئی بیوہ پر اٹکی ہوئی تھی۔

''عظمیٰ!'' انہوں نے محبت سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''دیکھو بیوہ ہونا گناہ نہیں..... یہ تو تقدیر کے فیصلے ہیں، سب اللہ کی مرضی ہے، انسان بیچارہ کیا چیز ہے، اس کا بھلا کبھی کسی چیز پر بس چلا ہے۔ بار، بار یوں ماہ نور جیسی پیاری بچی کو بیوہ کہہ کر قصوروار ٹھہرانا خدا کے حضور ناپسندیدہ ہوگا۔ ہمارے مذہب نے بیوہ سے شادی کرنے کو سراہا ہے، بیوہ کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے خود ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اس فعل کو سراہا ہے۔'' انہوں نے بیگم کو ہر پہلو سے سمجھایا جبکہ وہ خود ایک پڑھی لکھی روشن فکر خاتون تھیں مگر یہاں معاملہ اپنے ہی بیٹے کا تھا جبکہ اصل روشن خیالی تو اپنے گھر کے معاملات سے ہی ظاہر

ہوتی ہے۔ ''الحمدللہ اب وہ خود سمجھدار ہے۔ اپنے لیے اچھا برا خود سوچ سکتا ہے اور پھر بھی اگر تم اس کی پسند سے مطمئن نہیں ہوتو پہلے اس کی پسند کو پرکھو اور پھر اپنے تجربے سے فیصلہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ شیران بہت فرمانبردار بچہ ہے۔ وہ کبھی تمہارے فیصلے سے روگردانی نہیں کرے گا۔'' ان کی بات میں دم تھا، وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا گئیں۔

''ماہ نور واقعی بہت اچھی لڑکی ہے، مجھے بے حد پسند بھی ہے، شیران سے اس کا جوڑ بھی بنتا ہے... مگر...'' ان کی سوئی بیوگی پر آ کر اٹک گئی تھی۔ ''خیر چھوڑیں اس بات کو...... آخری فیصلہ تو شیران کا ہی ہوگا۔ زندگی تو اسی نے گزارنی ہے مگر سچ کہوں تو میرا دل نہیں مان رہا۔'' ان کی آواز میں بے چینی سی تھی۔

''پریشان نہ ہو۔ سب اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ ہمارے حق میں ہمیشہ اچھا ہی کرے گا۔'' زمان علی نے انہیں تسلی دی۔

''انشاء اللہ!'' انہوں نے بھی دعائیہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیے۔

☆☆☆

''جب کسی شے پر آپ کا اختیار نہیں ہوتا تو وہ کیوں آپ سے ٹکراتی ہے؟'' سوچتے، سوچتے اس نے گاڑی ساحلِ سمندر پر روک دی۔ ''محبت ہوتی ہی کیوں ہے۔ جب نہ اسے پانا اپنے اختیار میں ہوتا ہے نہ کھونے کا حوصلہ تو کیوں یہ ہمارے دلوں پر امید اور سُرور کی وحی بن کر نازل ہوتی ہے اور ہماری روح کو اپنا غلام بنالیتی ہے۔'' وہ دھیرے سے سمندر کے پانیوں میں اترنے لگا۔ ٹھنڈ شام کے اترتے ہی بڑھنے لگی تھی مگر اس کے دل کی جلن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ بے چینی حد سے سوا تھی اور چین ملتا بھی کیونکر، وہ محبت کا شکار ہو بیٹھا تھا اور اس نشانے میں خود اس کے اپنے دل نے اسے سب سے پہلے دغا دی تھی۔ ماں سے بات کے بعد اس نے کس قدر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ اس راہ سے واپس پلٹنے کی کوشش کی تھی کیونکہ چاہے زندگی کی کتنی ہی بڑی خوشی کیوں نہ ہو وہ اپنے ماں باپ کے خلاف جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن محبت کی اس راہ کا نہ تو کوئی اپنی مرضی سے مسافر بنتا ہے نہ ہی اس راہ کو بدلنے پر اس کا کوئی اختیار ہوتا ہے۔ یہی حال شیران علی خان کا تھا۔ وہ جس قدر ماہ نور کے تصور کو جھٹکنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی اسے دھڑکنوں کے قریب محسوس ہوتی۔ ہر آہٹ پر گمان ہوتا جیسے وہ اس کے پاس چلی آئی ہو۔ جس کی نیند کی عادت سے اس کے دوست تنگ آ جاتے اب وہ آنکھیں نیند کو ترسنے لگی تھیں۔ عجیب سی بے کلی سی چھائی تھی اس کے دل پر...... اس کی روح پر۔

اس نے دور ڈوبتے سورج پر نگاہ ڈالی تھی۔ وہی مسکراتا اداس سا سراپا ایک مرتبہ پھر نظروں کے سامنے لہرا گیا۔ وہ دونوں ہاتھ جیبوں میں اُڑسے تکتا گیا۔ یوں جیسے واقعی وہ بالکل اس کے سامنے کھڑی ہو۔

''کاش کہ ایک بار...... صرف ایک بار تم میری تڑپ، میری جلن محسوس کر پاؤ تو تمہیں احساس ہو کہ کتنی چاہتیں، کتنی شدتیں تمہاری منتظر ہیں۔ تمہیں کھونے کا مجھ میں ذرا بھی حوصلہ نہیں۔ میں تمہیں اپنے خدا سے مانگ رہا ہوں اور مجھے یقین ہے وہ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔'' اس نے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی اور مرے، مرے قدموں سے واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆

مسلسل بجتی ڈوربیل نے اسے خاصا چڑا دیا تھا وہ گھر پر اکیلی تھی اور اس وقت آٹا گوندھ رہی تھی۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے ہاتھ دھوئے اور تیزی سے باہر آ کر دروازہ کھول دیا۔

''خان کاکا آپ...'' سلام کرکے اس نے فوراً انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

''ہاں بیٹا، جلدی سے ہمیں تھوڑی ہلدی اور کالی مرچ دے دو۔ ہم لانا بھول گیا اور ابھی عظمیٰ بیٹا کی طبیعت سخت خراب ہے۔'' انہوں نے تیزی سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ ''ہم نے ان کے لیے یخنی بنانی ہے۔''

''کیا ہوا آنٹی کو، خیریت تو ہے ناں؟'' وہ پریشان ہوگئی۔
''نزلہ زکام نے ہلکان کررکھا ہے ان کو۔ تم جلدی کرو ہم کو دیر ہو جائے گا۔'' وہ جلدی میں تھے۔
''خان کاکا آپ جائیں، میں ابھی بنا کر لے آتی ہوں۔'' اس نے ان کی مشکل آسان کرتے ہوئے انہیں واپس بھیجا اور خود آ کر جلدی، جلدی ہاتھ چلانے لگی۔
کچھ دیر بعد ہی وہ ڈاکٹر عظمیٰ کے پاس بیٹھی انہیں گرما گرم یخنی پلا رہی تھی۔
''آپ بھی کمال کرتی ہیں آنٹی، طبیعت اتنی خراب تھی تو مجھے بلا لیا ہوتا۔'' ان کو مسلسل چھینکتا اور آنسو بہاتا دیکھ کر وہ خفا ہوتے ہوئے بولی۔ عظمیٰ محبت سے اسے دیکھے گئیں۔
خوب صورت ملائی جیسی رنگت میں گھلی گلابیاں اسے بے حد حسین بنا رہی تھیں۔ چہرے پر بکھری ہلکی سی اداسی اس کے چہرے کو عجیب سا نور بخشتی۔ سنہری آنکھیں ہلکا سا سبز تاثر دینے لگتیں جب وہ دھیمے سے مسکرا دیتی۔ ناک کے نیچے ہونٹوں سے ذرا اوپر ننھا سا تل اس کے روپ کو چار چاند لگا رہا تھا۔ وہ دم بخود اسے دیکھے گئیں۔ اتنی توجہ سے وہ اسے پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھیں۔
''آنٹی میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔'' انہیں یوں گم صم دیکھ کر وہ سچ میں پریشان ہوگئی۔ عظمیٰ چونک گئیں۔
''تم بھی تو اتنے دن سے غائب ہو..... بالکل حال بھی پوچھنے نہیں آئیں میرا۔'' اس بار وہ خفا لہجے میں بولیں تو ماہ نور کو ہنسی آگئی۔
''سچ بتاؤں آنٹی، میں ناں آپ کے بیٹے کے ڈر سے نہیں آتی۔ سچ جب پہلی بار میری اُن سے ملاقات ہوئی تو میں تو سمجھی کوئی پاگل ہے جو علاج کے لیے آپ کے گھر میں ٹھہرا ہے۔'' وہ ہنسنے لگی تھی۔
''کیا مطلب؟'' عظمیٰ حیران تھیں۔

ماہ نور نے شیران سے اپنی پہلی ملاقات من وعن بیان کردی کہ کس طرح وہ جامن لیتے ہوئے نیچے آگری تھی اور شیران بالکل کسی بے تکلف دوست، پرانے ساتھی کی طرح اس سے باتیں کرنے لگا تھا۔
''مطلب تم سے وہ اس سے پہلے بھی مل چکا تھا؟'' وہ سچ میں حیران تھیں۔
''نہ..... میری تو ان سے وہ پہلی ملاقات تھی تبھی تو مجھے وہ پاگل لگے۔ وہ تو شکر ہے کہ اسطران کو پہچان گیا ورنہ شاید میں کچھ غلط ہی بول جاتی۔'' وہ ہنس رہی تھی اسے پہلی بار یوں کھل کر ہنستا دیکھ کر انہیں بے حد اچھا محسوس ہو رہا تھا۔
''کیا تمہیں شیران اچھا لگا؟'' سوال بے حد اچانک تھا۔ ماہ نور کی ہنسی کو ایک دم سے بریک لگے۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے ڈاکٹر عظمیٰ کو دیکھنے لگی۔
''بتاؤ ناں ماہی، تمہیں میرا بیٹا، میرا شیران کیسا لگا؟'' ان کا لہجہ عام سا تھا مگر نہ جانے کیوں ماہ نور کو ان کی آنکھوں کی چمک عام سی نہ لگی۔ وہ اس سے کیا جواب سننا چاہتی تھیں۔ کیا شیران اس کے متعلق ان سے کوئی بات کر چکا ہے۔ اسے سخت شرمندگی محسوس ہوئی۔ نہ جانے وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی رہی ہوں گی۔
''بتاؤ ناں ماہی؟'' انہوں نے دھیرے سے اس کے ہاتھ پکڑے۔ وہ شرم کے مارے سرخ پڑنے لگی۔ اسے لگا وہ اس سے انکار سننا چاہتی تھیں تاکہ ان کی مشکل آسان ہو سکے۔ وہ اس کی مشکل آسان کر سکتی تھی۔ اس کے دل میں اداسی گھر کرنے لگی۔ اس نے دھیرے سے اپنے ہاتھ ان کے ہاتھ سے نکالے تھے۔
''آنٹی، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، نہ ہی کچھ سوچنا چاہتی ہوں۔ شیران آپ کے بیٹے ہیں بہت اچھے ہیں مگر میری طرف سے آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا آنٹی۔ میری زندگی بے حد مشکل ہے، میں اس کا اثر دوسروں کی زندگی پر کبھی نہیں پڑنے دوں گی۔ میں نہیں جانتی کہ شیران نے آپ سے کیا کہا ہے مگر میرا یقین کریں، میں آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس پہنچانے کا

سوچ بھی نہیں سکتی۔'' دھیرے سے کہتی وہ ان کی بات سنے بنا ہی تیزی سے باہر نکل گئی تھی اور عظمیٰ کے کچھ کہنے کے لیے کھلے ہونٹ کھلے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

بدلتے موسموں کی بارش نے پودوں کو کھلا سا دیا تھا۔ سردیاں اب جوبن پر نہیں تھیں بھی نئے، نئے پھول پودے نکھرے ہوئے تھے۔ وہ صبح سے کیاریوں کی صفائی ستھرائی میں لگی تھی۔ اسے یوں پھولوں پودوں کی دیکھ بھال کر کے دلی سکون ملتا تھا۔ آج بہت دنوں بعد اسے کچھ فرصت ملی تھی اور موڈ بھی خوشگوار تھا تو اس نے سب سے پہلے یہی کام نبٹانے کا سوچا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے کام میں مگن تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ دو نیلی گہری آنکھیں اپنے کمرے کی گلاس ونڈو سے کس قدر محویت سے اس کا نازک سراپا دل میں جذب کیے جارہی تھیں۔

شیران علی خان کی جلتی روح کو جیسے قرار آنے لگا تھا۔ محبت کے بیمار کو صرف دیدارِ یار ہی تو دوا دے سکتا ہے۔ اس کے سارے درد ختم کر سکتا ہے۔ یہی اقرار آج اس نے دل سے کیا تھا۔ اس کی ایک جھلک دیکھتے ہی ساری گراوٹ اور سارا بوجھل پن ختم ہو گیا تھا۔

''شیران۔'' عظمیٰ کی آواز پر وہ چونکا تھا اور تیزی سے وہاں سے ہٹ کر اپنے بیڈ پر آبیٹھا تھا۔ تبھی عظمیٰ نے ہلکے سے دروازے پر ناک کیا تھا۔

''جی امی۔'' وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔ عظمیٰ اندر آئی تھیں ان کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ جس میں گرم دودھ کا مگ اور ساتھ میں کیک کے کچھ پیس رکھے تھے۔ وہ سیدھی آکر اس کے ساتھ بیڈ پر ہی بیٹھ گئیں۔

''کچھ کھالو بیٹا تاکہ دوا لے سکو دیکھو تو کیا حالت ہو گئی ہے تمہاری۔'' وہ فکر مندی سے اس کا گال چھوتی بولیں۔

''آپ پریشان نہ ہوں امی، معمولی سا بخار ہے، میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ عظمیٰ نے دیکھا ان چند دنوں میں ہی ان کا مضبوط سا بیٹا مرجھا کے رہ گیا تھا۔ ہلکی، ہلکی بڑھی شیو نے اس کی شخصیت کو عجب سی اداسی اور جاذبیت بخشی تھی۔ ان کی نیلی آنکھوں میں چمک بھی کچھ مدھم سی لگی۔

''یہ تم نے کیا حال بنالیا ہے شیران، تم اب مجھے اس طرح تنگ کرو گے۔'' وہ اداس ہو گئیں۔

''پلیز امی، میں آپ کو تنگ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ موسمی بخار ہے اتر جائے گا۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی آرام سے ان کا لایا ہوا ناشتا کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔ تم نے آج تک مجھے تنگ نہیں کیا مگر مجھے کیوں لگ رہا ہے جیسے تم بدل رہے ہو۔ مجھے تمہاری آنکھوں میں زندگی اور مسکراہٹ کی وہ رمق کیوں دکھائی نہیں دے رہی جو ہمہ وقت ان آنکھوں میں بجی رہتی تھی۔'' اس کے گھنے بالوں کو ہاتھوں سے سیٹ کرتے ہوئے وہ محبت پاش لہجے میں گویا ہوئیں۔

''یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا امی۔ مجھے لگتا ہے بعض اوقات جیسے میرا اندر تک خالی ہوتا جارہا ہے۔ کچھ بھی تو اچھا نہیں لگتا۔ یوں لگتا ہے جیسے میں کہیں کھو گیا ہوں اور مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں کہ راستے کدھر ہیں اور منزل کس طرف ہے۔'' وہ اداسی سے بولا تھا اور مگ ٹرے میں رکھ دیا۔ ''اور اس سب پر میرا کوئی زور نہیں امی۔ یہ سب میرے ساتھ اچانک ہوا۔ کیوں ہوا، یہ مجھے نہیں پتا۔'' وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔ عظمیٰ اپنے بیٹے کو اتنا تو جانتی تھیں۔

''تم نے ماہ نور کو کہاں دیکھا تھا پہلی مرتبہ؟'' اچانک ہی ان کو خیال آیا تو وہ پوچھنے لگیں۔ شیران ان کے سوال پر مسکرانے لگا۔ عظمیٰ نے دیکھا اس کی آنکھوں میں چمک سی کوندی تھی ماہ نور کے نام پر۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھالایا اور ان کو وہ تصویریں دکھانے لگا جو اس نے جان بوجھ کر نہیں بنائی تھیں۔ وہ ساتھ، ساتھ انہیں وہ اتفاق بھی بتانے لگا کہ کس طرح وہ ساحلِ سمندر پر ڈوبتے سورج کے منظر کو قید کر رہا تھا اور کس طرح انجانے میں ماہ نور اس کی تصویروں کا حصہ بن گئی

تھی۔ عظمیٰ نہ صرف ماہ نور کی ان تصویروں کو دیکھ کر حیران تھیں بلکہ شیران کی زبانی سارا معاملہ سن کر بھی۔

''تو کیا ان کا ملاپ اللہ کی طرف سے تھا؟ ماہ نور کی محبت اللہ نے شیران کے دل میں ڈالی..... کسی وقت کرب کی حالت میں مانگی گئی دعا کی صورت۔'' انہوں نے بالآخر صحیح اندازہ لگالیا تھا اور دل مطمئن ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

''بھابی۔'' وہ جو اپنے خیالوں میں مگن پودوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ اسطر کی آواز پر ذرا سی چونکی پھر ''جی'' کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

''آج میں آپ کے بھائی کے آفس گیا تھا۔'' حرکت کرتے ہاتھ ایک دم رکے تھے، وہ فوراً اس کی طرف مڑی تھی۔

''کیا..... لیکن کیوں؟'' وہ شاید ہرٹ ہوئی تھی۔

''پلیز بھابی مجھے غلط نہ سمجھیں لیکن سچ کہوں تو امی کا آپ کے ساتھ یہ رویہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اور پھر میرے خیال میں آپ کو بھی ایک نئی زندگی کا حق ہے۔ اسد بھائی کی موت ایک اٹل حقیقت ہے لیکن زندگی بھی تو رک نہیں سکتی، نہ ہی اسے ٹھہرانے پر ہم قادر ہیں..... میں اپنی پڑھائی کے بعد جاب اور پھر ظاہر ہے شادی کا چکر..... طیبہ کی بات پکی ہوگئی ہے۔ عنقریب وہ اپنے گھر کی ہوجائے گی۔ سب اپنی، اپنی زندگی گزاریں گے تو یہ حق آپ کو کیوں نہیں؟'' وہ اس کے لیے صحیح معنوں میں پریشان تھا۔

''تم بھی مجھ سے تنگ آگئے ناں اسطر۔'' ماہ نور کا دل ڈوبنے لگا وہ نم لہجے میں بولی۔

''پلیز بھابی، آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں۔ میں مر کر بھی آپ سے تنگ نہیں آسکتا۔ آپ مجھے بے حد عزیز ہیں تبھی تو میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو آپ کا حق ضرور دلاؤں گا۔ آپ کی اس ادھوری زندگی کو مکمل کرنا صرف میرا نہیں ہم سب کا فرض ہے۔'' وہ اس کے لیے کتنی دردمندی سے سوچتا تھا۔ ماہ نور کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میرے لیے یہ سب آسان نہیں ہے اسطر۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں بھابی ورنہ اسلام نے ہمارے لیے جو راہیں متعین کیں ان پر چل کر کچھ بھی ناممکن اور مشکل نہیں، بھابی آپ میرا یقین کریں اسلام کی تعلیمات سے دوری ہی ہماری ساری مشکلات کی جڑ ہے۔ بیوہ کو ایک مکمل زندگی جینے کا حق مذہب اسلام نے دیا ہے۔ بیوہ عورت بھی اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتی ہے۔ اس کے لیے دوبارہ سے گھر بسانا اپنے لیے ہم سفر چن لینا گناہ نہیں بھابی۔'' وہ بڑے بھائی کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔

''زبیر بھائی آج کسی وقت بھی آپ کو لینے آسکتے ہیں۔ آپ اپنا سامان تیار کرلیں۔ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں اور میری دعائیں ہر جگہ آپ کا پیچھا کریں گی۔'' عقیدت سے کہتا وہ تیز قدم اٹھاتا اس سے دور چلا گیا تھا۔ ماہ نور وہیں گھاس پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ لیے پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

ماہ نور ایک عرصے کے بعد بھائی کے سینے سے کیا لگی جیسے سارے بند ٹوٹ گئے۔ سارا کرب سارے درد آنسوؤں کا راستہ پکڑے باہر آنے لگے۔ وہ ان کے سینے میں سر چھپائے پھوٹ، پھوٹ کے رودی اور پھر کتنی ہی دیر رو، رو کر ان کا سینہ بھگوتی رہی۔ وہ چپ چاپ اسے سینے سے لگائے کھڑے رہے۔ نظریں البتہ کچھ ہی دور کھڑی خاموشی سے یہ منظر دیکھتی نگینہ پر جمی تھیں۔ آج بس فرق اتنا تھا کہ ان نظروں میں اعتماد اور محبت کی جگہ بدگمانی اور غصے نے لے لی تھی۔ انہوں نے ماہ نور کا سر تھپکتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا اور آرام سے صوفے پر بٹھادیا۔ دھیرے، دھیرے قدموں سے چلتے وہ بیوی کے پاس چلے آئے۔

''کتنا مان کتنا اعتماد دیا تھا میں نے تمہیں۔'' ان کا لہجہ نگینہ کا دل چھلنی کرگیا کتنی نفرت اور اجنبیت تھی ان کے لہجے میں۔

## میری امی جان

میری پیاری امی نے اپنے پانچ بچوں کو قرآن شریف پڑھایا۔ خود بھی ہر دن ایک سپارہ پڑھا کرتی تھیں۔ تہجد کی نماز بھی عرصہ دراز سے پڑھتی آرہی تھیں۔ پہلے تو وہ خود سے لائٹ آن کر تی تھیں لیکن بعد میں پاؤں کے درد کی وجہ سے ان سے کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا تو مجھے لائٹ آن کرنے کے لیے اٹھاتی تھیں۔ میں لائٹ آن کر کے پٹ سے گر کر سو جاتی تھی تو امی کہتیں کہ جب تم اٹھ ہی جاتی ہو تو نماز تہجد بھی پڑھ لیا کرو۔ اس طرح انہوں نے مجھے بھی تہجد گزار بنا دیا۔ انہیں قرض لینا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے قرض نہیں لیا تھا۔ حالانکہ میرے ابو کی محدود آمدنی تھی وہ پوسٹ آفس میں کام کرتے تھے۔ اس پر سے پانچ بچوں کے اخراجات ..... میرے ابو اپنی ڈائری میں یہ لکھ کر گئے ہیں۔ ''الحمد للہ میں کسی کا بھی قرض دار نہیں ہوں اس کا سارا کریڈٹ میری اہلیہ کو جاتا ہے۔'' امی نے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی تصویر نہیں کھنچوائی۔ وہ بھی اس لیے کہ ابو کے انتقال کے بعد ابو کی پنشن امی کو ملنا تھی اس کے لیے امی کی تصویر چاہیے تھی۔ وہ مطالعے کی بھی بہت شوقین تھیں روزانہ صبح اخبار پڑھنا ضروری تھا اس کے علاوہ ہر قسم کی کتابیں بھی وہ شوق سے پڑھتی تھیں۔ جب پاکیزہ آتا تو سب سے پہلے امی پڑھتی تھیں اور دو تین دن میں اعلان کر دیتی تھیں کہ میں نے پورا پاکیزہ پڑھ لیا تو میں ان سے کہتی تھی کہ تو اب آپ اس پر تبصرہ بھی لکھیں تو وہ ہنس کر کہتیں یہ کام تمہارا ہے۔ میرے نانا جان مفتی تھے اس وجہ سے امی کی دینی معلومات بھی بہت وسیع تھیں۔ میرے دوسرے نمبر کے بھائی نے ڈبل ایم اے کیا ہے تو امی جان ان کو ''علمیت کا ڈھانچا'' کہتی تھیں۔ میرے بھائی کو ہم سب سے امتحان لینے کا شوق ہے تو ایک دن امی جان سے سوال کیا فیلقوس کون تھا؟ امی جان

''لیکن تم نے نگینہ تم نے مجھے بدلے میں کیا دیا صرف دھوکا۔'' ان کے لہجے میں تڑپ تھی۔

''بھائی پلیز۔'' ماہ نور تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

''نہیں ماہ نور، مجھے کہہ لینے دو ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔ اس نے نہ صرف میرا دل توڑا ہے بلکہ میرا اعتماد بھی مٹی میں ملا دیا ہے۔ میں اس کی باتوں میں آ کے صرف اور صرف اس کی باتوں میں آ کر اپنی اکلوتی بہن سے بالکل ہی بے فکر اور غافل ہو کے بیٹھ گیا تھا۔ گھر، پیسہ یہاں تک کہ صرف ایک ذمے داری اپنی سب سے پیاری لاڈلی اکلوتی بہن بھی اس کے حوالے کر دی میں سمجھتا تھا کہ میری نگینہ میری محبت میں اس قدر پاگل ہے کہ میری چیزوں، میرے پیاروں کی حفاظت مجھ سے زیادہ کرتی ہے۔'' وہ غصے سے بولے۔

''مجھے معاف کر دیں زبیر، پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگیں۔ ''مجھے لگتا تھا جیسے اگر ماہ نور اس گھر میں آئی تو میری اہمیت کم ہو جائے گی۔ میری حیثیت اس گھر میں ثانوی رہ جائے گی۔ مجھے لگتا تھا ماہ نور کے آتے ہی مجھ سے اس گھر کی بادشاہت چھن جائے گی، مجھے ڈر لگتا تھا ماہ نور سے۔'' وہ روتے ہوئے صاف گوئی سے اعتراف کرتی گئیں۔

''یہ..... یہ چھین لیتی تم سے تمہاری حکومت؟ جس نے کبھی ایک لفظ تک نہیں کہا مجھ سے۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے کیا یہ مجھے مل کر یہ سب کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔ فون نہیں کر سکتی تھی مگر یہ میری بہن ہے..... میری ماہی..... یہ اعلیٰ ظرفی ہے اس کی۔ تمہاری طرح ان چھوٹی مادی چیزوں کی حکومت اسے نہیں چاہیے۔ یہ تو دلوں اور رشتوں کو تسخیر کرنا جانتی ہے۔'' وہ چلائے۔

''پلیز بھائی، بھابی کو کچھ مت کہیں۔ آپ کو میری قسم۔'' ماہ نور کو اس وقت سچ مچ اپنا آپ منحوس لگا کہ اس کے آتے ہی اس کے بھائی، بھابی کی پُرسکون زندگی میں بھونچال آ گیا۔

''دیکھو یہ ہے ماہ نور..... اس سے تمہیں ڈر لگتا

نے فوراً جواب دیا کہ مقدونیا کا بادشاہ تھا۔ اب حیران ہونے کی باری میرے بھائی کی تھی۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا آپ کو کیسے پتا ہے تو امی جان نے کہا کہ میں نے بہت پہلے بچپن میں ایک کتاب میں پڑھا تھا جو مجھے یاد تھا۔ حافظہ بلا کا تیز تھا۔ سب ملنے جلنے والوں کو نام سے یاد رکھتی تھیں۔ میری امی جان بہت ہی صابر خاتون تھیں۔ ہم چھ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی بہن کا چار مہینے کی عمر میں ہی انتقال ہو گیا تھا اور مجھ سے چھوٹی بہن بھی میٹرک کرنے کے بعد انتقال کر گئی، امی نے خود اسے غسل دیا اور کہتی تھیں کہ اللہ کی امانت تھی اس نے لے لی، اس کے بعد ابو کا انتقال ہو گیا تو بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد 2007ء میں 27 دسمبر کو میرے سب سے بڑے بھائی تین چھوٹی، چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر راہیِ ملک عدم ہوئے اسی دن بے نظیر کو شہید کیا گیا تھا تو ہنگامے کی وجہ سے میں اور امی، بھائی کا آخری دیدار تک نہ کر سکے اس حادثے نے امی کو توڑ کر رکھ دیا تھا لیکن ایک لفظ حرفِ شکایت زبان پر نہیں آیا۔ امی کو میری شادی کا بہت ارمان تھا جو بھی حج کرنے جاتا تو امی اس سے میرے لیے دعا کرواتیں۔ انجم آپی سے بھی امی نے کہا تھا۔ بہر حال جو اللہ کی مرضی... امی کے انتقال کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے حالانکہ میری امی نے مجھ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے تم اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط رکھنا تو تم کبھی کمزور نہیں پڑو گی۔ آخر میں میری تمام قارئین بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ میری ماں کی مغفرت کے لیے دعا کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی دعا کریں کہ زندگی میں جو کام تکمیل تک نہیں پہنچ سکے تو وہ تمام کام جلد از جلد بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچ جائیں اور انجام کے لحاظ سے بہترین ہوں، آمین۔

تحریر: سیدہ رفیعہ ابدالی، کراچی

تھا؟'' انہوں نے ماہ نور کو ساتھ لگاتے ہوئے ایک مرتبہ پھر طنزیہ لہجے میں جتایا۔

''ماہی..... مجھے معاف کر دو پلیز، میں واقعی تمہیں غلط سمجھتی رہی۔'' اب کی بار وہ ماہ نور کے سامنے ہاتھ جوڑ کے گڑگڑائی تھیں۔ ماہ نور روتے ہوئے ان کے گلے سے آ لگی تھی۔

''بھابی پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں۔'' وہ سسکنے لگی۔

زبیر غصے کی نگاہ بیوی پر ڈال کر باہر نکل گئے وہ دیر تک ماہ نور کو ساتھ لگائے شرمندگی سے آنسو بہاتی رہیں۔

☆☆☆

وہ بیڈ پر بیٹھی ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی کہ نگینہ اس کے پاس آ بیٹھیں۔

''خیریت بھابی؟'' انہیں یوں اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ ذرا حیران ہوئی۔

''کیوں، میں تمہارے کمرے میں نہیں آ سکتی کیا؟'' وہ مسکرائیں۔

''ارے نہیں بھابی، میں تو ویسے ہی۔'' وہ شرمندہ ہوئی۔

''اچھا چھوڑو اس بات کو..... اصل میں ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے ابھی کسی ڈاکٹر عظمیٰ کا فون آیا تھا وہ کہہ رہی تھیں کہ تمہارے پڑوسی ہیں۔ تم جانتی ہو انہیں۔'' نگینہ بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولیں۔

''جی بھابی، بہت ہی اچھے لوگ ہیں اور میری تو خوب بنتی ہے آنٹی کے ساتھ..... کیوں خیریت؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اپنے بیٹے شیران کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنا چاہ رہی ہیں۔ تو کیا پھر میں ان کو بلا لوں چائے پر؟'' انہوں نے صاف بات کی۔ وہ خاموش بیٹھی رہ گئی۔

''خاموشی نیم رضامندی سمجھی جاتی ہے۔'' نگینہ شریر ہوئیں۔ ماہ نور چونک گئی۔

''نہیں بھابی، میں ایک بار پھر مقدر کو آزمانے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتی۔'' تیزی سے کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی جبکہ نگینہ کچھ سوچتی رہ گئیں۔

☆☆☆

کالے بادلوں نے ہر طرف تاریکی سی پھیلا رکھی تھی۔ دن میں بھی شام کا سا سماں بندھ گیا تھا۔ وہ باہر آکر ٹہلنے لگی۔ تبھی چوکیدار اس کے لیے ایک گفٹ باسکٹ لے آیا۔

''ماہی بیٹا، یہ کوئی دروازے پر آپ کے لیے دے گیا ہے۔'' باسکٹ اس کے حوالے کر کے وہ واپس چلا گیا۔ اس نے حیرت سے اس خوب صورت ٹوکری کو دیکھا جس پر رنگ برنگی خوب صورت سا ٹرانسپیرنٹ ریپر چڑھا ہوا تھا۔ وہ اسے لیے اپنے کمرے میں آگئی۔ کور ہٹاتے ہی ٹوکری میں رکھے تازہ گلابوں کی تازہ مہک اس کی ناک سے ٹکرائی۔ دل میں خوشی کا انجانا احساس انگڑائی لینے لگا۔

خوب صورت سرخ مہکتے گلابوں کے اوپر ایک خوب صورت کارڈ رکھا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے وہ کارڈ اٹھا لیا اور دھیرے، دھیرے پڑھنے لگی۔

''تیری آنکھوں نے میرے گرد ایک دیوار کھینچی ہے
میں اس سے بھاگ کر جانا بھی چاہوں تو
کہیں اب جا نہیں سکتا
کہ پیروں سے کوئی زنجیر بے آواز لپٹی ہے
یہ وہ دیوار ہے جس میں کوئی روزن نہیں کھلتا
میں اس میں در بناتا ہوں تو ہر اک خشت میرا راستہ روکے
میرے کانوں میں اک پُر کیف سی آواز آتی ہے
یہاں سے بھاگ کر جانا کوئی آساں نہیں ہے
محبت اس قدر کمزور میری جاں نہیں ہے
تیری آنکھوں نے میرے گرد جو دیوار کھینچی ہے
میں اس کو توڑنا چاہوں تو شیشہ سر کو آتا ہے
یہاں اُڑنا کہاں اس طائرِ بے پر کو آتا ہے
میری ساری توانائی یہاں ناکام ہوتی ہے
یہیں اب صبح ہوتی ہے یہیں اب شام ہوتی ہے
تیری آنکھوں نے میرے گرد جو دیوار کھینچی ہے۔''

خوب صورت لکھائی، دلفریب لفظوں کے سحر نے اسے جکڑ سا لیا تھا۔ اس نے آگے پڑھنا شروع کیا۔

''یہ نظم سراسر میرے دل کی آواز تھی۔ تبھی آپ کے نام کر دی۔ اپنی زندگی کا ایک اہم ترین فیصلہ آپ کے ہاتھ میں دے رہا ہوں۔ اگر چاہیں تو میری خوشیاں، میری زندگی مکمل کر دیں ورنہ میں نے امریکا واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اپنی ادھوری محبت کے ساتھ اپنی ادھوری زندگی جینے کے لیے جو یہاں رہ کر میرے لیے ناممکن ہے۔

صرف آپ کا منتظر
شیران علی خان''

وہ پلکیں موند کے آنسوؤں پر بند باندھنے کی ناکام کوشش کرنے لگی مگر وہ اس کے گال بھگو چکے تھے۔

☆☆☆

عظمیٰ نے دل کے فیصلے کو ترجیح دی تھی اور دل نے ماہ نور کے حق میں فیصلہ دیا تھا مگر...... ماہ نور کی بھابی کے صاف انکار نے ان کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ شیران پر بھی اس انکار کا شدید اثر ہوا تھا جبھی وہ اندر ہی اندر خود کو کمزور پڑتا پا رہی تھیں نہ جانے کیسے ان کا عزیز بیٹا راہِ عشق کا مسافر بن بیٹھا تھا۔

آج صبح سے گھنے بادل چھائے ہوئے تھے خود ان کی طبیعت بھی ساون بھادوں جیسی ہو رہی تھی کہ آسیہ بیگم ان سے ملنے چلی آئیں اور ان کو دیکھتے ہی وہ ان کی پریشانی بھانپ گئی تھیں۔ آسیہ بیگم کے استفسار پر انہوں نے ساری بات انہیں بتا دی تھی۔

''سچ بتاؤں تو ماہ نور کے جانے کے بعد میں خود بھی بکھر کے رہ گئی ہوں۔ میں نے اس بچی کے ساتھ کس قدر زیادتیاں کیں جبکہ اندر ہی اندر وہ میری روح تک میں سرایت کر چکی تھی۔'' ان کا لہجہ بھیگنے لگا۔ عظمیٰ نرمی سے ان کا ہاتھ تھپتھپانے لگیں۔

''شیران کہاں ہے اسے بلواؤ ہم ابھی چلیں گے۔ میں جانتی ہوں ماہ نور مجھے کبھی انکار نہیں کرے گی۔ اس بار میں شیران کی ماں بن کر سوالی بنوں گی اس کے سامنے اور مجھے یقین ہے ماہ نور مجھے مایوس نہیں کرے گی۔'' ان کے مضبوط لہجے پر عظمیٰ کا چہرہ کھل اٹھا۔

''شیران، شیران۔'' وہ فوراً ہی چلّانے لگیں۔
شیران دوڑتا چلا آیا۔
''جلدی کپڑے بدل کے آؤ۔ ہم ابھی ماہ نور کے گھر جارہے ہیں۔'' انہوں نے خوشی سے کہا۔
''سچ امی!'' وہ بچوں کی طرح چہکا تھا اس کا اداس حلیہ دیکھ کر آسیہ کے دل کو کچھ ہوا۔
''ہاں بیٹا جلدی کرو، ہمیں بارش شروع ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہیے۔'' اور پھر صرف پانچ منٹ بعد ہی وہ ان کے سامنے موجود تھا اسی رف حلیے کے ساتھ۔
''کپڑے تو بدل لیتے۔'' عظمیٰ اسے یونہی آتا دیکھ کر پریشان ہوئیں۔ ''جو لینا تھا لے لیا امی اب جلدی کریں۔'' وہ شرارت سے مسکرایا اور پھر چند لمحوں بعد ہی وہ سب ماہ نور کے گھر کی طرف رواں دواں تھے۔

☆☆☆

زبیر اور نگینہ کے ساتھ، ساتھ ماہ نور بھی شیران اور عظمیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے سب گھر والوں کو دیکھ کر بے حد خوش تھی۔ وہ طیبہ کو لے کر فوراً اوپر اپنے کمرے کی بالکونی میں آٹھہری۔ وہ دونوں یوں باتیں کررہی تھیں جیسے کئی صدیوں سے ان کی ملاقات نہ ہو پائی تھی۔
نیچے زبیر بھائی کو شیران بے حد پسند آیا تھا۔ انہوں نے اس کے رف سے حلیے کو قطعی طور پر نظر انداز کیا تھا۔ نگینہ کو بھی یہ رشتہ کافی پسند تھا مگر اصل بات تو ماہ نور کی پسند کی تھی۔ اہمیت اس کے فیصلے کی تھی جبکہ وہ ایک مرتبہ نگینہ بھابی کے ذریعے انکار کر چکی تھی۔
موسمِ سرما کی آخری بارش پورے زور شور سے برس رہی تھی۔ چھم چھم برستے پانی نے دلوں میں بھی ہلچل سی مچادی تھی۔ سب کے دلوں میں آنے والے موسمِ بہار کے لیے نئی امنگیں نئی امیدیں نمو پا رہی تھیں۔
وہ سب لوگ باتوں میں مصروف تھے۔ تبھی اسطر نے اشارے سے شیران کو اپنے ساتھ اوپر آنے کا کہا اور اسے لیے خاموشی سے بھابی کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ جہاں دیوانوں کی طرح بارش کو اپنے ہاتھوں میں محسوس کرتی آنکھیں بند کیے کھڑی ماہ نور ساتھ خاموش کھڑی طیبہ سے بات بھی کیے جارہی تھی۔ اسطر نے طیبہ کو خاموشی سے اِدھر سے ہٹایا تھا۔ ان کے جاتے ہی شیران نے طیبہ کی جگہ سنبھال لی اور وہ بھی دونوں ہاتھ جیبوں میں اُڑسے یک ٹک، اسے دیکھنے لگا۔
کسی کی نگاہوں کی تپش نے اسے اس قدر تنگ کیا تھا کہ گھبرا کر اس نے آنکھیں ہی کھول دیں اور سامنے کھڑے شیران کو دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکلتی رہ گئی۔
وہ جواُن نیلی گہری آنکھوں کی تپش کو اپنا خیال سمجھ رہی تھی۔ حقیقت میں ہی اسے تکے جارہی تھی، وہ بلش کرگئی۔
''دیکھ لیں، آپ نے تو ہماری گلیوں تک کو خیر باد کہہ دیا اور ہم اس برستی بارش میں مجنوں کا سا حال بنائے ایک بار پھر آپ کے در پر سوالی بن کر چلے آئے ہیں۔'' ماہ نور خاموش رہی لب مسکرا دیے۔
''خاموشی کو نیم رضامندی خیال کیا جاتا ہے مگر مجھے کوئی چھوٹا سا اقرار چاہیے، کیا میں آپ کو اپنے نام کی انگوٹھی پہنا سکتا ہوں۔'' اس نے نازک سی خوب صورت انگوٹھی اس کے سامنے کی وہ چپ چاپ دیکھے گئی۔
''ہاں، پہنا سکتے ہو کیونکہ ماہی میری بیٹی ہے اور مجھے یہ بھی انکار نہیں کرسکتی۔'' آسیہ بیگم کے نرم لہجے پہ وہ دونوں ہی چونکے تھے۔ ماہ نور جھٹ سے ان سے لپٹ گئی۔
''کیوں، میں نے سچ کہا ناں بیٹا۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ماہ نور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ہاتھ شیران کی طرف بڑھادیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے نام کی انگوٹھی اس کی انگلی میں سجادی۔ ماہ نور پھر سے آسیہ بیگم سے لپٹ گئی اس کے ہونٹوں پر خوب صورت، شرمیلی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔
اس بار شیران نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کے اس خوب صورت اور یادگار بارش کے قطروں کو اپنے ہاتھوں پہ محسوس کیا تھا۔ جو اسے جاتے، جاتے زندگی کے یادگار لمحات دان کرگئے تھے۔ ان سب کے لیے یہ بارش واقعی ابرِ رحمت ثابت ہوئی۔

آخری قسط

# رنگِ خلش

رفاقت جاوید

کتنی عجیب بات ہے کہ ہماری زندگی کے حسین لمحے
بھی خلش کی نذر ہو جاتے ہیں اور ہم جوں جوں اس احساس کو من کے
اندر گہرائیوں میں دفن کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو خلش کے بے حساب رنگوں
کی پردہ کشائی ہمیں مضطرب کرنے لگتی ہے اور مکافاتِ عمل کا کبھی نہ ختم ہونے والا
سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ۔ ۔ گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا! ۔ ۔ ۔ سزا تو لازم و ملزوم ہے۔ اس
کے باوجود امیدِ شجر سے گہرا ربط و تعلق رکھنا دوا بھی ہے اور عبادت
و ریاضت بھی ہے، تمنا ئے وصل بھی اور وجدان بھی ہے۔

ممکن ہے ایسا وقت ہو ترتیبِ وقت میں
دستک کو تیرا ہاتھ بڑھے میرا در نہ ہو

''عالیہ کہاں ہو؟ یہ دیکھو تو آج ہمارے گھر کتنے بڑے، بڑے لوگ آئے ہیں۔'' رحمان نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی بلند نعرہ لگایا تو حمیرا نے رسانیت سے کہا۔

''انکل نمرا از ناٹ ویل...... وہ اس کے پاس بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی ہیں۔ نمرا کو اچانک ہی نہ جانے کیا ہو گیا ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہی...... جیسے بدن کی تمام ہمت اور دماغی صلاحیتیں جواب دے گئی ہوں بالکل گم صم ہے۔''

''کوئی وجہ تو ہوگی..... تھوڑی دیر پہلے تو چہک پہک رہی تھی۔'' رحمان نے حیرت سے کہا۔ ''میری اس سے بات ہوئی تھی۔ اکیلی تھی مگر پھر بھی بے حد خوش تھی۔''

''ابھی تو خاموش آنکھیں بند کیے لیٹی ہے۔ اداس، مایوس اور رنجیدہ۔'' حمیرا نے پژمردگی سے کہا۔

''ہائے بابل کا گھر چھوڑنا آسان کام نہیں مگر جب پیا کے گھر سدھار جائے گی تو پھر اُس گھر کو چھوڑنا محال ہو جائے گا۔ ہائے بیچاری لڑکی تو شادی کے بعد دونوں گھروں کے درمیان معلق ہو کر رہ جاتی ہے۔ نہ اِدھر کی رہتی ہے نہ اُدھر کی۔ دونوں گھر اور پیارے رشتے یکجا کرنا اس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی تذبذب میں ہی زندگی گزر جاتی ہے۔''

اسی اثنا سعود بھاگنے کے انداز میں نمرا کے کمرے میں داخل ہوا۔ دروازے کی طرف عالیہ کی پشت تھی اور وہ قدرے اونچی آواز میں سورۂ یٰسین پڑھ رہی تھی۔ سعود نے پیچھے سے ہی ماں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ ماں ایک سیکنڈ میں اپنے بدن کے ٹکڑے کی مہک اور حرارت پہچان گئی۔ اس کی طرف دیکھے بنا ہی اس کے ہاتھوں پر بوسے دینے لگی۔

''مجھے تمہارا انتظار تھا، مجھے تمہارے آنے کی امید و آس نے ہر لحظہ باہمت رکھا۔'' وہ یہ کہتی ہوئی سر گھما کر اسے دیکھتے ہی مسکرا کر بیڈ سے نیچے اتری۔ وہ شاکڈ کی کیفیت میں نہیں تھی۔ یقین، بھروسا، اعتماد اور ایمان کی روشنی اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

''مجھے تم سے اسی کی توقع تھی میرے بچے.....'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر چومتے ہوئے بولی۔ ''میرا دودھ بے وفا اور بے فیض نہیں ہو سکتا۔'' سعود ماں سے لپٹے ہوئے اس کی بے لوث محبت کے فسوں میں کھو سا گیا۔ ایسا سکون اور پیار ہی تو اولاد کے لیے جنت ہوتا ہے۔ وہ سوچوں سے باہر نکلا کیونکہ سامنے نمرا کو آنکھیں بند ساکت و جامد دیکھ کر چونکا تھا۔

''امی میری منی سی نمرا کو کیا ہوا ہے؟ پیلے جوڑے میں معصوم اور پاکیزہ دیوی لگ رہی ہے۔ کیا نمرا سو رہی ہے؟ یا مجھے تنگ کرنے کا ڈھونگ رچا رہی ہے ہمیشہ کی طرح...... نمرا ابھی آج تو یہ مذاق نہیں چلے گا۔ بہت ظالم ہو تم۔'' وہ بے تاب سا ہو کر اس کے اوپر گر سا گیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے اسے پکارا۔ تو اس نے مرجھائی اور اجڑی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میرا سعود بھیا......'' لبوں سے بمشکل نکلا...... اور جھکے ہوئے سعود کے گلے میں دونوں بازو حمائل کر کے دہاڑیں مار، مار کر رونے لگی۔

''اللہ تیرا شکر ہے کہ نمرا نے رسپانس دیا۔ میری بچی سکتے میں کیوں تھی؟ کیا ہم سے دور جانے کے دکھ نے اکیلے میں حملہ کر دیا۔'' حمیرا بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگی اور عالیہ نے پنج سورہ سائڈ ٹیبل پر رکھا اور آنسو صاف کرتی ہوئی مہمانوں کو خوش آمدید کہنے باہر نکل گئی۔ سب سے ملنے کے بعد رحمان نے سرسری سے لہجے میں نمرا کا حال اور

طبیعت خرابی کی وجہ پوچھی تو عالیہ اپنی فکر مندی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔
''رات بھر جاگ کر فلم دیکھے گی، سہیلیوں سے گپیں لگائے گی تو یہی ہوگا ناں..... اب آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ تو مجھے کوئی اور مسئلہ نظر نہیں آیا۔ سعود کو دیکھ کر نارمل ہوگئی ہے۔ رو رہی ہے، تھوڑی ہی دیر میں ہنس بول رہی ہوگی۔'' وہ تسلی دینے کے انداز میں راحت کے گلے لگ گئی۔
''میرا خیال ہے، دل کو لگا بیٹھی ہے اس گھر سے جدائی اور ابدی دوری..... فکر کی بات نہیں ہے، شادی ہو کر جانے دو پھر دیکھو کہ تاریخ دُہرائی جائے گی کہ میں کون اور تم کون..... بس ہماری جان چھوڑیں۔'' راحت نے ہنستے ہوئے کہا۔
''بالکل ایسا ہی ہوگا'' عالیہ نے سر اثبات میں ہلا کر کہا۔ ''دراصل اپنے ابو سے اٹیچ منٹ بہت زیادہ ہے اس کی۔ آخر اسے اپنے گھر تو جانا ہی ہے ناں..... میں بھی تو اپنے ابا جی کے بغیر ایک دن نہیں گزار سکتی تھی، ابا جی بھی مجھے خوب سمجھتے تھے۔ مجھے چکمہ دے کر اپنے ضروری کام کے لیے شہر سے باہر جایا کرتے تھے۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس سے پہلے کہ آنسو دوسروں کی موجودگی میں رخساروں پر پھسل کر اسے شرمندہ کر دیتے وہ ڈنر کے بہانے وہاں سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی..... اور سب نمرا کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ عالیہ اپنے دل کا میلان سعود کی خوش آئند آمد کی طرف مبذول کرنے لگی۔ جو کہ نہیں چند سال پہلے والا نارمل سعود معلوم ہو رہا تھا جو اپنے دوستوں کے بجائے ماں کے چرنوں کو چھوڑتا نہیں تھا۔

☆☆☆

گھر میں دو مہمانوں اور سعود کی موجودگی سے خاصی گہما گہمی ہوگئی۔ مختار اور رحمان کی مسالے دار باتیں، عالیہ اور راحت کے چھپے دار لطیفے ہر وقت ماحول کو خوشگوار کیے رکھتے۔ شادی کے کاموں کی تمام ذمے داری سعود نے بخوشی اٹھالی تھی۔ اس غیر متوقع فعل نے والدین کو حیران کر دیا تھا۔ وہ ان کی فرمائش کے بغیر ہی ہر صبح اپنے تمام رشتے داروں کو یکے بعد دیگرے سلام کرنے چلا جاتا تھا۔ ایسی تابعداری اور رواداری کی بھی اس سے توقع نہیں تھی۔ حمیرا کو عالیہ نے اپنے گھر پر روک لیا تھا۔ وہ تمام وقت نمرا کی تیمارداری میں لگی رہتی۔ والدین کی خوشی کی خاطر اس نے خود کو خاصا سنبھال لیا تھا۔ وہ گھر میں شہنائیوں کی خوش کُن آواز کی جگہ بین اور ماتم کی صدائیں بلند کرنا چاہتی تھی لیکن اک جامد چپ اس کے چہرے پر چسپاں ہو کر رہ گئی تھی۔ اپنے ہی مراق میں گم صم وہ شادی کے کسی پروگرام میں حصہ لینے سے بہت دور تھی۔ لال اور گولڈن کلر کا برائیڈل ڈریس اس نے کھول کر دیکھا تک نہیں تھا۔ ماں نے بیڈ پر اسے پھیلا کر نمرا کی طرف سے پُرستائش کلمات سننے کے لیے اس کے چہرے پر نظریں ٹکا دیں مگر اس نے حسرت و یاس سے ڈریس پر آہستگی سے ہاتھ پھیرا اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔
''یہ ڈریس میرے پہننے کے قابل نہیں رہا۔ امی کو کیسے بتاؤں؟ دل کا بوجھ کیسے ہلکا کروں۔'' وہ دل ہی دل میں کھولتی رہی۔
''نمرا میں نے تمہیں کیا سمجھایا تھا کہ رونے دھونے کا رواج ہماری نانی، دادی کے زمانے کا تھا۔ ہماری مائیں بھی اس فرسودہ اور بے تکے رواج سے محفوظ رہیں.....تم اس ماڈرن دور کی پروردہ ویل ایجوکیٹڈ لڑکی ہو اور بات بات پر آنسو بہانے لگتی ہو۔ خدا کے لیے رخصتی کے وقت اس جاہلانہ حرکت سے باز رہنا.....تم کان کھول کر سن لو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دوں گی۔ کیوں سعود بھائی میں نے ٹھیک کہا ناں...... آج

کل تو دس لاکھ کی دلہن تیار ہوتی ہے۔ دس لاکھ پر کہیں آنسو ہی نہیں پھیر دینا۔'' حمیرا نے اسے تنبیہاً کہا مگر لہجہ خوشگوار تھا۔

''خوشی، خوشی اپنے پیا گھر سدھارو...... رونے کی کیا بات ہے، چند گھنٹوں کی جدائی کے بعد اگلی صبح ہم ناشتا لے جانے کے بہانے اپنی لاڈلی سے ملنے پہنچے ہوں گے...... کیوں راحت؟ ناشتے کی یہ رسم اسی لیے تو رکھی گئی ہے۔'' عالیہ نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا اور گولڈ کا سیٹ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جو بہت خوب صورت اور ایلی گینٹ سا تھا۔ اس نے اس پر ایک سرسری نظر دوڑائی اور ڈبا بند کر دیا۔ دل پر جیسے سیاہی کی دبیز جمی ہوئی تہ میں اور اضافہ ہو گیا ہو۔

''تمہاری اپنی ہی پسند کا ڈریس اور سیٹ ہے۔ چہرے پر خوشی کی ہلکی سی رمق تک نہیں...... کیا کچھ اور چاہیے......؟ زیور وغیرہ...... سونا مہنگا ہی ہوتا جا رہا ہے...... کیا، کیا جائے؟ کیوں میری جان پسند نہیں آئیں کیا چیزیں؟'' عالیہ بے دلی سی ہو کر بولی۔

''سب کچھ بہت خوب ہے امی......''

''پھر اتنی اداس کیوں ہو میری جان...... تمہاری تمام شوخی و شرارت کہاں رخصت ہو گئی۔'' عالیہ روہانسی ہو گئی۔ ''ایک ہفتے کی مہمان ہو...... اس وقت کو انجوائے کرو، اتنے عرصے بعد تمہیں گمشدہ بھائی ملا ہے، ذرا اس کی زندگی تو اجیرن کر دو۔ وہ بھی اسی کے انتظار میں ہے۔ حمیرا دن، رات تمہارے پاس ہے۔ وہ بھی تمہاری وجہ سے پریشان ہے۔'' لیکن وہ خاموشی سے نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ کوئی جواب ہی نہیں بن پایا تھا۔ کیا بتاتی کہ اس کے سکون و خوشی کو تو ایک بھوت تاراج کر گیا ہے۔

''نمرا میں تمہارا بڑا بھائی ہونے کے ناتے پوچھ سکتا ہوں کہ سلمان تمہیں پسند ہے یا نہیں؟'' سعود نے سوچتے ہوئے کہا تو عالیہ جانے کے لیے کھڑی ہو گئی تاکہ دونوں بہن، بھائی آداب مسیحائی کے پیش نظر ایک دوسرے کے دلوں کے حال سے روشناس ہو سکیں...... لیکن جاتے، جاتے نہایت ملائمت سے بولی۔

''بیٹا ایسی تو کوئی بات نہیں...... تم جانتے ہو کہ ہماری فیملی میں صرف لڑکی کی پسند پر رشتے کبھی طے نہیں ہوئے۔ والدین نے جو فیصلہ کر دیا بیٹی نے سر تسلیم خم کر دیا۔ چاہے ناپسندیدگی ہی کیوں نہ ہو...... اس کے باوجود تمہارے ابو نے اس سے رشتے کے بارے میں مشورہ لیا اور پھر اس رشتے کا انتخاب کرنے میں نمرا نے ہی ہماری مدد کی تھی اور ہم پر نمرا کی عقلمندی اور دور اندیشی کی حقیقت جو منکشف ہوئی ہے۔ ہم بہت تسلی میں ہیں۔''

''پھر نمرا کو ہم سب کو چھوڑنے کا غم کھائے جا رہا ہے۔ اسی جگہ پُر کرنا ضروری ہو گیا ہے ورنہ نمرا بار، بار اسی جگہ کو فل اپ کرنے کی تگ و دو میں رہے گی۔ اور سلمان بھائی بیچارے تو مارے ہی جائیں گے۔ نوکری کریں گے کہ چاکری......'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔ اور رحمان کی آواز پر لاؤنج کی جانب چل پڑا۔ جہاں بارات کو ریسیو کرنے کے پروگرام زوروں پر تھے۔

نمرا بھی تیزی سے بستر سے نیچے اتری۔ ''امی مجھے وامٹ آ رہی ہے۔ سر چکرا رہا ہے۔'' وہ باتھ روم کی طرف بھاگتے ہوئے بے بسی سے بولی تو عالیہ بھی اس کے پیچھے ہی چل دی۔ نمرا نے کئے بعد دیگرے الٹیوں کے بعد نڈھال ہو کر عالیہ کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ اور عالیہ اسے سہارا دے کر کمرے میں لے آئی۔ بیڈ پر لٹا کر حیران کن لہجے میں بولی۔

''لگتا ہے فوڈ پائزننگ ہوگئی ہے۔ مگر کس کھانے سے، تم تو کھانا کھاتی ہی کب ہو، بس سونگھ کر چھوڑ دیتی ہو۔ بالکل اپنے دوپٹے کی طرح پیلی پڑ گئی ہو...... اور پہلے ہی تم دھان پان تھیں اب تو ہماری سوکھی سڑی ماڈلز کو بھی مات کر گئی ہو۔ یوں معدہ خالی رہے گا تو یہی ہوگا...... ہمارے زمانے میں مایوں کے تین ہفتے دلہن کی خوب آؤ بھگت کی جاتی تھی۔ دیسی گھی، دیسی مرغی، اور دیسی انڈوں پر خوب زور دیا جاتا تھا تاکہ دلہن میں ہمت، طاقت ہو...... ہر طرح کی بے آرامی برداشت کرنے کی۔ جسم کے ہر اعضا کو ریلیکس کرنے کے لیے تین ہفتے پہلے سے سہیلیاں اور کزنز خوب سر کی اور بدن کی مالش کیا کرتی تھیں اور ابٹن سے رگڑ، رگڑ کر کالی رنگت کو بھی گورا کرنے کی کوشش جاری رہتی تھی۔ تم نے تو کچھ بھی کرنے نہیں دیا۔ ماتمی اور مریضانہ صورت بنائے بیٹھی ہو۔ مایوں کے فوراً بعد سعود نے اتنا بڑا سرپرائز دے ڈالا۔ اس کی بھی تمہیں خوشی محسوس نہیں ہوئی۔ نمرا میری جان میں سعود کی خوشی کو سیلی بریٹ ہی نہ کر سکی۔ کم از کم مسکینوں کو کھانا ہی کھلا دیتی لیکن مجھے تمہارا دکھ اور غم کھائے جا رہا ہے۔ تمہاری ناخوش شکل دیکھ کر دل بیٹھا جا رہا ہے۔ کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ تم کیا جانو کہ سینے پر پتھر کی سی سل رکھ کر ان دور سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر ہنستی بھی ہوں، قہقہوں میں شمولیت بھی اختیار کر لیتی ہوں اور ان کو پاکستانی کھانوں، ہر خاطر و مدارات اور بہترین مہمان نوازی کا ثبوت دینے کو بھی لازمی سمجھتی ہوں۔ اس وقت میں کسی بہروپیے سے کم ہرگز نہیں۔'' عالیہ نے نمرا کے چہرے پر ندامت و تاسف کے تاثرات کو محسوس کرتے ہی فوراً اپنے پژمردہ لہجے میں شیرینی گھول دی اور مسکرانے لگی۔

''چلو اٹھو میری بچی تم نہا دھو کر صاف ستھری ہو جاؤ...... میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ رات میں ہی ایمرجنسی میں تمہیں لے جانا پڑے۔ اٹھو میری جان، ماں تم پر واری جائے۔''

''امی......! میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ شاید ٹینشن کی وجہ سے طبیعت نہیں سنبھل رہی، آپ پریشان مت ہوں۔ سعود کو انجوائے کریں...... شادی کے فوراً بعد تو وہ چلا جائے گا۔'' وہ نقاہت سے بھرپور لہجے میں بولی۔ ''پھر جو آپ اس وقت کو یاد کر کے روئیں گی اور ابو کو پریشان کریں گی۔ کیا بہتر نہیں کہ ہر لمحے کو انجوائے کریں۔''

''اب میں تمہاری ایک نہیں مانوں گی۔ جب بھی اسپتال جانے کا کہتی ہوں مان کے نہیں دیتی ہو۔'' طولانی تمہید باندھنے لگتی ہو۔ بیٹا تم مجھے بے وقوف اور نادان مت سمجھو...... میں نے تمہیں پیدا کیا ہے، جیسے خوشی چھپانے سے چھپ نہیں پاتی فوراً عیاں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دکھ و کرب بھی تو علی الاعلان ظاہر ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کی زبان سے...... اب میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں دو ہفتوں سے سوچ بچار میں گھری ہوئی ہوں کہ مسئلہ گھر چھوڑنے کا نہیں۔ اپنی گمبھیر سوچ اور خاموشی میں نہ جانے کون سا طوفان چھپائے ہوئے ہو۔'' عالیہ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر باتھ روم میں چھوڑا اور خود وارڈروب سے اس کے کپڑے نکالنے لگی۔ نمرا شاور کے نیچے کھڑی تھی۔ اس کے آنسو بھی اسی رفتار سے بہہ رہے تھے۔ اور نہ چاہتے ہوئے اس کی زبان سے عادل کے لیے بددعائیں نکل رہی تھیں جس نے اس کی خوشیوں پر دن دیہاڑے اپنا حق سمجھ کر ڈاکا ڈال دیا تھا اور اس کی پردہ داری اس کی مجبوری بن گئی تھی۔ وہ تیار ہوگئی تو عالیہ اسے قریبی پرائیویٹ اسپتال لے گئی جو ان کے پینل میں نہیں آتا تھا۔ اسے فوری طور پر یہاں جانا مناسب لگا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اس کا بلڈ پریشر چیک کیا، ٹمپریچر دیکھا اور انہیں لیبارٹری ٹیسٹ کروانے کے لیے بھیج دیا اور ساتھ ہی ضروری دوائیں بھی لکھ دیں۔ کچھ ٹیسٹ ارجنٹ تھے۔ جو آدھے گھنٹے میں مل گئے۔ لفافے میں بند رپورٹوں کو لے کر وہ پھر سے لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلی گئیں۔ نمرا کا دل خوف کے مارے دھک، دھک کر رہا تھا۔ سردی کے باوجود ماتھے پر پسینے کے قطرے

موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ کوئی ایسی بات سننا نہیں چاہتی تھی جو اک دھماکے سے بھی بڑھ کر ہو۔ وہ ماں کو کیا جواب دے گی۔ وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

''ارلی پریگنینسی ہے، فکر کی کوئی بات نہیں......'' لیڈی ڈاکٹر نے رپورٹس پڑھتے ہوئے نارمل لہجے میں کہا تو عالیہ کے چکر آ گیا۔ حلق میں چیخ پھنس کر رہ گئی۔ وہ بتانا چاہ رہی تھی کہ نمرا میریڈ نہیں......اس ٹیسٹ کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ کہیں رپورٹ بدل تو نہیں گئی۔ مگر وہ ایک لفظ ادا نہ کر سکی۔ نمرا نے ہمت سے لیڈی ڈاکٹر کے سامنے سے اپنی رپورٹس اٹھائیں اور عالیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے اٹھی۔ لیڈی ڈاکٹر کا مری ہوئی آواز میں شکریہ ادا کر کے گاڑی کی طرف چل پڑی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ماں نے نفرت انگیز نظروں سے نمرا کی طرف دیکھا۔

''میں نے جو سنا ہے وہ سچ ہے کیا؟''

''جی......'' وہ سر جھکا کر آنکھیں ملنے لگی۔

''اب سمجھ آئی ہے کہ تمہاری پریشانی کی وجہ کیا تھی، تم نے سلمان کو دھوکا کیوں دیا؟ اور بولو کون بدبخت ہے وہ؟ اور تم نے ہماری عزت کا جنازہ اس وقت نکالا جب تمام کارڈ تقسیم ہو چکے ہیں، کل تمہاری مہندی ہے، پرسوں رخصتی ہے، تمہیں ہم پر اتنا بڑا ظلم کرتے ہوئے ترس کیوں نہیں آیا۔ ذلیل لڑکی......اپنے شریف اور مخلص والدین کو کس گناہ کی پاداش میں تم نے اتنی بڑی سزا سنائی ہے، ہمیں تو تم نے دنیا والوں کے سامنے کہیں کا نہ رکھا۔ اس کا ایک ہی علاج ہے۔ بولو کون ہے وہ؟ ابھی اسی لمحے اس بدبخت سے تمہارا نکاح پڑھوا دوں گی۔ ناک تو ہماری کٹ جائے گی، کم از کم ہم عمر بھر کی ندامت اور پچھتاوے سے تو بچ جائیں گے۔ تم جیسی ناپاک اور پلید عورت کو کوئی ایک دن کے لیے بھی بیوی کہنے کا حق دار نہیں ہو سکتا۔ کاش میں تم جیسی منحوس اور بدکردار بیٹی کو پیدا کرنے سے پہلے ہی مر جاتی۔'' عالیہ اس پر برس رہی تھی۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ اپنی صفائی میں کیا بولتی؟ جبکہ عالیہ کا تمام اعتبار و بھروسا چکنا چور ہو چکا تھا۔

''مجھے ابھی جواب دو۔ میں اپنے گھر کے بجائے اسی کے گھر چھوڑ کر آؤں گی، جس کے ساتھ تم نے منہ کالا کیا ہے، تمہارے سبز قدم میرے پاکیزہ گھر کی دہلیز پار نہیں کر سکتے۔ مجھے فوراً جواب دو۔ وہ کون ہے کم بخت؟''

''امی یقین جانیے......وہ ظالم و عناد عادل ہے، سلمان کو دینے کے لیے میرے پاس نہ پاکیزگی ہے نہ ہی عزت و تکریم ہے، مجھے زہر لا دیجیے۔ میں دنیا والوں کو منہ نہیں دکھا سکتی۔ وہ مجھے ہی گناہ گار ٹھہرائیں گے۔ آپ کی طرح لیکن میں پھر بھی یہ معاملہ کورٹ میں لے کر جاؤں گی۔ عدالت مجھے ضرور انصاف دلائے گی......ظلم کو ہنس کر یا مجبوراً برداشت کرنے والے لوگ بذاتِ خود ظالم ہیں۔'' وہ روتی رہی اور اپنی دکھ سے بھری چند لمحوں کی سرگزشت بتاتی چلی گئی۔ عالیہ کی زبان گنگ اور ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

اسٹیرنگ پر سر رکھ کر بے بسی سے اپنی سماعتوں میں انڈیلے گئے زہریلے مادے کو سموتے ہوئے تڑپتی رہی اور آنسو دامن بھگوتے رہے۔ آخر ماں نے اس کے اجڑے ہوئے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر کہا۔

''میرے بچے مجھے معاف کر دو۔''

☆☆☆

''مام......میں نے محسوس کیا ہے کہ دولت ہی ہر غم کا مداوا نہیں......اس کی حیثیت تو دھوپ چھاؤں سے بڑھ کر اور کچھ نہیں......اسے ہاتھوں کی میل بھی کہتے ہیں، زوال پزیر اور بے وفا جیسے نام بھی اسی کے ہیں۔'' حمیرا نے ناشتا

کرتے ہوئے اِک گہری سوچ سے نکلتے ہوئے ماں سے کہا۔

''یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ یہ میری حمیرا کے الفاظ نہیں...... میں تو ہمیشہ سے ہی کہتی آئی ہوں کہ اگر ایک انسان پیسہ اکٹھا کرنے کا تہیہ کر لے تو فرعون کے خزانے جمع کر سکتا ہے لیکن ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ...... وافر مقدار میں اکٹھا کیا ہوا پیسہ کبھی حلال اور جائز نہیں ہو سکتا۔ کم پیسہ جو کہ حلال کی نشاندہی کرتا ہے وہ فرعون کے خزانے سے بدر جہا بہتر ہوتا ہے اور اتنا غفیر ہوتا ہے کہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی برکتیں اور فضل و کرم کی آمیزش کر دیتا ہے۔ میرا تو یقین اور ایمان یہی کہتا ہے۔ تم اپنے پاپا کی فطرت کو جانتی ہو، ان کا ذہن ہر وقت پیسہ بنانے میں الجھا رہتا ہے...... بے حساب نہیں مگر ہے بابرکت...... بیچارے شب و روز محنت کرتے ہیں اور اوپر والا ان کی مدد کرتا ہے۔ وہ حرام کی ایک پائی کی اپنے رزقِ حلال میں ملاوٹ نہیں ہونے دیتے۔ پیسہ ہے کہ نسل در نسل چلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی میں سکون ہی سکون ہے، دونوں بیٹے بھی بلند کردار نکلے...... تم بھی پاکباز بچی ہو...... کبھی کبھار مجھے تم سے ڈر لگنے لگتا ہے۔ کیونکہ باہر کے ماحول میں آج کل غلاظت اور ذلت کے سوا اور کچھ نہیں...... لیکن نمرا سے دوستی مجھے خاصی مطمئن رکھتی ہے۔ صحبت بھلی ہو تو برا انسان بھی قابلِ تحسین و قابلِ فخر مانا جاتا ہے۔'' مام نے نہایت نرماہٹ سے کہا۔ ''دوستوں کا چناؤ ہی تو کردار کو واضح کرتا ہے۔''

''مام جانی ایک بات کہوں؟'' وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

''ہاں بیٹا بولو...... مجھ سے کیا ڈر......؟ میری دوست میری ہمراز اور نہ جانے کیا کچھ ہو...... بلاتکلف کہو...... آج باتیں اور لہجہ کچھ جداگانہ سا کیوں ہے؟ ذرا میں بھی تو جانوں......'' وہ خوش کلامی سے بولی۔

''مام......! اجازت ہے ناں ہر طرح کی بات بیان کرنے کی...... تو پھر عرض ہے مام...... نمرا کا بھائی ہے سعود...... آپ اسے اچھی طرح جانتی ہیں۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولی۔ تو ماں نے چونک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں سعود کی پسندیدگی و چاہ کی روشنیاں براجمان تھیں۔ بالخصوص وہ حق دق اسے دیکھنے لگی پھر اپنی قوتِ ارادی کو مجتمع کر کے گویا ہوئی۔

''یہ کیا دھماکا خیز خبر سنا رہی ہو۔ تمہاری دوستی تو نمرا سے تھی۔ اس کا بھائی کہاں سے ٹپک پڑا۔'' وہ کافی کا مگ ٹیبل پر ہی رکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ حمیرا نے ان کی پلیٹ میں کیک کا پیس رکھا اور ان کی طرف بڑھا کر مسکرا دی۔

''وہ نہیں ٹپکا مام...... میں اس کی زندگی میں ٹپکنا چاہتی ہوں۔ بہت جلد...... لیکن آپ کی رضامندی سے۔'' وہ بے اختیاری سے بولی۔

''وہ تمہارے خیالات سے آگاہ ہے کیا؟'' وہ پھر حیرت سے بولی۔

''نہیں...... اسے کچھ خبر نہیں میرے دل اور دماغ کی۔''

''وہ تو لندن گیا ہوا تھا۔ تعلیم تو مکمل کر چکا ہوگا؟'' مام نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ وہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ بیمار ہو گیا تھا سو سمسٹر چھوڑنا پڑا۔ اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔ پھر سے یونیورسٹی جوائن کر لی ہے۔ شادی کے فوراً بعد اس کا واپسی کا پروگرام ہے۔'' اس نے اپنی معلومات کے مطابق ماں کو انفارمیشن دی۔

اور خاموشی سے ماں کے چہرے پر ابھرتی لکیروں پر غور کرنے لگی۔

''بیٹا ان کے پاس پیسہ ویسہ تو ہے نہیں...... چلو اس مسئلے کو ایک طرف کر کے سوچیں تو دل نہیں مانتا...... بیچلر

کی ڈگری تو بیک ایجوکیشن ہے، لڑکا ہو بھی مڈل کلاس سے اور ویل ایجوکیٹڈ بھی نہ ہو تو زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ تم جانتی ہو کہ میں کلاس کونشس نہیں ہوں لیکن ایجوکیشن کو اولیت ضرور دیتی ہوں۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''مام جہاں تک ڈگری کا تعلق ہے ماسٹرز کی ڈگری ایک سال میں اس کے ہاتھ میں ہوگی۔''

''مگر تمہارے پاپا مجھ سے برعکس ہیں، وہ پیسے کو اولیت دیتے ہیں، تم یہ بھی جانتی ہو ناں......'' وہ آہستگی سے بولی۔

''پہلے میرے خیالات بھی پاپا جیسے ہی تھے لیکن میں نے پیسے والوں کو بہت گھٹیا حرکتیں کرتے دیکھا ہے اور نمرا جیسے خاندانوں میں، میں نے بڑا پن محسوس کیا ہے، تو آپ بتائیں کہ اصل دولت مند کون ہوا؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''مجھے ہمیشہ سے ان کے گھر کا ماحول بہت پسند رہا ہے۔ میں انکل، آنٹی سے بہت امپریس ہوں، ان کے گھر چند روز رہ کر مجھے بہت اچھا لگا ہے۔ مام مجھے ایسے ہی ہنستے کھیلتے لوگوں کی قربت چاہیے۔ انکل کے چٹکلے اور آنٹی کی چھیڑ چھاڑ کا جواب نہیں...... ہمارے گھر میں تو ایسا نہیں ہوتا۔ پاپا ہر وقت پیسے کے حصار۔ کتاب میں مصروف اور آپ اپنی لنچ پارٹیز، کمیٹی گیٹ ٹوگیدر...... اور شاپنگ میں مگن...... ماحول میں آزادی ضرور ہے مگر جلترنگ نہیں...... مزہ نہیں...... ڈل سی روٹین ہے ہماری۔''

''ہاں بیٹا یہ تو ہے، گھر کے ماحول پر مرد کا مزاج بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہاری شادی کسی بزنس مین سے نہیں کرنا چاہتی۔ یہ لوگ اکثر پڑھے لکھے بھی جاہلانہ واحمقانہ سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ بیوی کو ان کے حقوق دینے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کا سیٹ اپ کچھ ایسا ہے۔ دیکھو میری تمام زندگی ایک ڈرائیور کی مرہونِ منت رہی۔ وہی میرا ساتھی اور ہمدرد بنا رہا۔ آج تک تمہارے پاپا کے ساتھ نہ تو کبھی لنچ و ڈنر کے لیے نکلی نہ ہی انہوں نے کبھی باہر کی دنیا دکھانے کی کوشش کی۔ ان کا اپنا ہی حلقہ احباب ہے، وہ انہی کے ساتھ انجوائے کرتے ہیں۔ میں اور تم تو کوئی فالتو چیز ہیں۔ جنہیں فقط پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے وقت، توجہ اور پیار کی نہیں......'' وہ اتنی دکھی تھی کہ دل کے پھپھولے دکھاتی چلی گئی۔ حمیرا خاموشی سے ماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ محسوس کرتے ہوئے مضطرب سی ہوگئی۔

''بیٹے شرافت اور دولت کو کبھی ایک سانچے میں مت ڈالنا، شرافت کا درجہ بہت اونچا اور ہمیشگی کا ہے۔ اس پر ہمارا اختیار ہے جبکہ دولت ہمیں عارضی سکون و عزت سے ضرور نوازتی ہے لیکن ہے زوال پزیر...... ہمارا اس پر اختیار نہیں...... اسے قابو میں نہیں رکھ سکتے...... اپنی شادی کا فیصلہ کرتے وقت اس بات کا دھیان ضرور رکھنا...... تم بہت سمجھدار بچی ہو، تم نے جو بھی کیا ہے، مجھے اس پر مکمل بھروسا ہے۔'' وہ اسے خاموش دیکھ کر بولی۔

''مام میں نے اس فیملی میں بھی یہی خوبی تو پائی ہے، وہ بہت دولت مند لوگ ہیں، ہر لحاظ سے...... آنٹی کا سلیقہ تو آپ نے دیکھا ہی ہے ناں...... کہیں سے مڈل کلاس کا گمان ہوتا ہے؟ ان کے گھر میں قدم رکھتے ہی یہ احساس جاگ اٹھتا ہے جیسے کسی سجے سجائے خوش حال ماڈل ہاؤس میں آگئے ہوں۔ عورت کی اصل دولت تو یہی ہے اور یہی اس کی عزت ہے۔ مام، آنٹی نے انکل کی تنخواہ سے خود کو اسٹیبلش کیا ہے تو آپ کی بیٹی نے بھی آپ کی تربیت میں بہت کچھ سیکھا ہے۔'' وہ ماں کے گلے میں باز وحمائل کر کے بولی۔

''سوچنے کا وقت تو دو...... تمہاری ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی عادت نہیں گئی۔'' وہ اسے پیار سے چپت لگاتے ہوئے بولی۔

''پاپا سے آپ خود ہی نمٹ لیجیے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''یہ ٹھیک ہے بھئی...... شہد کے چھتے میں مجھے ہاتھ ڈالنے کا کہہ رہی ہو۔ انجام جانتی ہوناں...... اگلے کئی مہینے میری زندگی تو حرام ہوئی۔'' وہ اچنبھے سے بولی۔

''مام بیچارے پاپا، آخر کار ہتھیار بھی تو وہی ڈالتے ہیں ناں......'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''ضد کی تو آپ بھی بہت پکی ہیں۔ اپنی ہر بات منوا کر چھوڑتی ہیں۔''

''ضدی ہونا پڑتا ہے بیٹی، ورنہ وہ تو اب تک مجھے سالم دم پخت بنا کر ہضم کر چکے ہوتے۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

''بیٹا یہ ہر گھر کی کہانی ہے، اس لیے میں دل کو نہیں لگاتی۔ میرا اپنا سرکل ہے، میں بھی خوب انجوائے کرتی ہوں، بعض خواتین تو ایسی بے وقوف ثابت ہوتی ہیں کہ میاں کے ایسے رویے پر ہر وقت نالاں اور روں روں کرتی رہتی ہیں۔ اور اس کا نتیجہ بہت بھیانک نکلتا ہے کہ آخر کار وہ اکیلی رہ جاتی ہیں۔ کوئی دوسری خاتون کسی عورت کا دکھ درد بالکل نہیں سننا چاہتی کیونکہ وہ خود بھی تو اسی سچویشن میں گرفتار ہوتی ہے اور گھر سے باہر دل بہلانے نکلتی ہیں تو کیونکر دوسری عورت کا رونا دھونا سنے۔''

موبائل کی بیپ پر حمیرا نے فون دیکھا...... عادل کا نمبر دیکھ کر اس نے نخوت سے منہ بنایا اور فون آف کر دیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اب وہ رکنے والا نہیں...... مسلسل فون کرتا ہی جائے گا۔

''کس کا فون تھا؟'' ماں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ہے ایک پاگل کا بچہ مہا پاگل......'' وہ نفرت آگیں لہجے میں بولی۔

''بری بات.....'' اس نے بیٹی کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ ''اس کی بات تو سن لیتیں۔''
''مام..... سر عادل کی بات سننا عذابِ الٰہی ہے، میں آج انکشاف کرتی ہوں کہ ایک وقت مجھ پر آیا تھا کہ میں نے سر عادل کی ذہنی کیفیت دیکھ کر رحم و ترس سے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جبکہ بیک آف دی مائنڈ اس کا اسٹیٹس بھی تھا..... میں نے جب محسوس کیا کہ وہ نمرا کے عشق میں اس قدر دیوانہ ہو چکا ہے کہ یا تو خود کو مار لے گا..... دوسری صورت میں نمرا کو بھی گولی مارنے سے باز نہیں آئے گا۔ ان دونوں صورتوں میں وہ مجھے سائیکو اور نفسیاتی مریض لگا۔ میں نے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس سے بات کرنا اور اسے سمجھانا چھوڑ دیا تھا۔ نمرا کو اس سے بے تحاشا چڑ تھی۔ اس نے بڑی ہی سمجھداری سے اس سے جان چھڑا لی۔ ڈھائی، تین ہفتے قبل اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ سنا ہے ابھی تک اسپتال میں ہے، دونوں ٹانگیں ملٹی پل سیریس فریکچرز کی شکار ہو چکی ہیں۔ جن کے ٹھیک ہونے کے ون پرسنٹ بھی چانسز نہیں..... لگتا ہے کہ اب اس کا دماغ ٹھکانے پر آ چکا ہوگا۔ جو ہوش میں آتے ہی مجھے رنگ کرنے لگا ہے۔ ایڈیٹ..... اسٹوپڈ کہیں کا۔ ہی از بلڈی پین ان دا نیک.....''
''تمہاری شہ پر فون کر رہا ہے، ورنہ اس کی اتنی جرأت، تم نے ایسے ذہنی مریض کو اتنی ڈھیل ہی کیوں دی؟ اگر تم پر حملہ آور ہو جاتا تو ہمارا کیا بنتا۔''
''مام مرد، عورت کی کسی کمزوری اور عورت مرد کی آنکھ کو ایک پل میں پہچان جاتی ہے۔'' وہ خفگی اور خوف سے بولی۔
''اس کم بخت میں اتنی دانشمندی و دور اندیشی کہاں؟ کہ اچھے برے میں امتیاز کرنا ضروری سمجھتا ہو۔ یا اشاروں کی شناخت رکھتا ہو۔ بالکل ہی بدھو ہے۔ بس نمرا کے لیے مرے جا رہا ہے۔ اور وہ اس سے پہلے دن سے ہی بے پناہ نفرت کرتی ہے۔ مگر اب تو اس کی حالت کا جان کر مجھے کافی ترس آ رہا ہے اس پر۔''
''تم ان معاملات سے دور رہو، زمانہ بدل گیا ہے بیٹا۔ آج کل لڑکے بہت بے باک اور بد لحاظ ہو گئے ہیں، نشے میں ملوث اسی فیصد لڑکے تو نفسیاتی مریض بن چکے ہیں، جنہیں اپنی جان و مال اور عزت کی پروا نہیں..... وہ کسی لڑکی کے محافظ اور رکھوالے کیسے ہو سکتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم یونیورسٹی سے بخیر و عافیت فارغ ہو گئی ہو۔'' وہ دعائیہ انداز میں بولی۔
''اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور اپنی امان میں رکھے۔ اب یہ فرصت کے دن خوب انجوائے کرو..... شادی کے بعد یہ دن تو اک خواب ہی لگنے لگتے ہیں۔'' لہجے میں ایک دم سے حسرت سما گئی تھی۔
''مام ڈگری کا استعمال بھی تو لازمی ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔
''بیٹا ڈگری حاصل کرانے کا مقصد ہے اپنے مستقبل کی تیاری کرنا اور وہ تم نے کر لی ہے۔ اب بے فکری کی نیند سوؤ..... اللہ نہ کرے کہ تمہیں زندگی میں جاب کرنے کی ضرورت محسوس ہو..... رانی بن کر اپنے گھر پر حکمرانی کرو۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔
''آپ جیسی حکمرانی مجھے نامنظور ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بولی۔
''بیٹا میں تمہاری ہمدرد ہوں..... اسی حکمرانی میں ہی اصل سکون اور خوشی ہے۔ دن بھر آفس میں طرح، طرح کے مردوں کے اندر کام کرو گی، واپس آ کر گھر، بچے، سسرالی رشتے داروں کے چاؤ چونچلے بھی اٹھاؤ گی اور شوہر کی خاطر داریوں میں بھی کمی نہیں آنے دو گی پھر بھی تم سے کوئی خوش نہیں ہوگا۔ بلکہ میرا تجربہ تو یہی بتاتا ہے کہ شوہر تو کچھ زیادہ ہی پھیل جاتا ہے۔ اس کی وقت بے وقت کی ڈیمانڈ کیسے پوری کرو گی۔'' وہ اسے زمانے کے رنگ ڈھنگ سمجھا

رہی تھی۔

''بیٹا جی، عورت کی زندگی میں ایک ہی مرد عذاب الٰہی ہے، تم جاب کر کے کتنے مردوں سے نمٹو گی۔ تم نہیں جانتیں اس ذات کی مینٹلٹی کو عورت کی مجبوریوں اور کمزوریوں کا ایڈوانٹج لینے میں کس طرح شاطر اور گھاگ ہوتے ہیں۔ ان سے دور ہی رہو بیٹا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''تو پھر مجھ سے اتنی محنت کیوں کرا ڈالی۔ اگر گھر کی ملازمت ہی اختیار کرنی تھی۔ تھینک لیس اور بے مول جاب....'' وہ ناگواری سے بولی۔

''تمہاری شُدبُد کے لیے، اچھے، برے میں تمیز کے لیے.... تمہیں ڈگریاں دلوائیں بیٹا وقت کی طوطا چشمی کا کوئی بھروسا نہیں.... کب نظریں پھیر جائے.... حفظ ماتقدم بچی کو اس وقت سے مقابلہ کرنے کے لیے تعلیم دینا بہت ضروری ہے، تم جانتی بھی ہو کہ تمہاری ماں نوکری کے سخت خلاف ہے پر ضرورت کے تحت کوئی اعتراض نہیں مجھے۔ تمہارے بار، بار سوالات کرنے سے میرے خیالات بدل تو نہیں جائیں گے ناں۔'' وہ سختی سے بولی تو حمیرا نے موضوع بدلا۔

''وہ تو وقت ہی فیصلہ کرے گا۔ اس لیے ابھی سے ڈسکس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں.... آپ بس مامی مسعود کے بارے میں ذرا سنجیدگی سے سوچیں۔'' وہ نہایت ملائمت سے بولی تو ماں نے مسکرا کر اس کا جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ پھول کے مانند کھلا ہوا تھا۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔

☆☆☆

''اٹھو بیٹا ہمت کرو.... یوں سوگوار رہو گی تو یہ بھید افشا ہو جائے گا۔ ہمارا منہ کالا ہو جائے گا اور سسرال اور خاوند ہی نہیں بلکہ یہ معاشرہ بھی تم پر تھوکے گا۔ اس لیے میرے بچے اس سانحے کی کسی کے کان میں بھنک نہیں پڑنی چاہیے۔'' عالیہ، نمرا کو نہایت پیار و ہمدردی سے سمجھا رہی تھی۔

''امی جی میں سلمان کو دھوکا نہیں دے سکتی۔ میں نے پہلی رات اسے اپنی زندگی کی ٹریجڈی کو بیان کرنے کا سوچ رکھا تھا مگر اب تو ڈزاسٹر ہی ہو گیا ہے آپ رشتہ توڑ دیں۔''

''مصلحتاً جھوٹ بولنے کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ پردہ پوشی بھی عبادت ہے میری جان.... تم فکر نہ کرو۔ شادی کے بعد تم میرے پاس رہنے تو آؤ گی ناں، تب ہم اس منحوس نشانی سے خلاصی حاصل کرلیں گے۔'' اپنی جانب سے وہ پردہ پوشی کے اس اقدام کو جائز قرار دیتے ہوئے بڑی رازداری سے اسے سمجھا رہی تھی۔

''شادی اور بچہ دونوں ہی میرے لیے عذاب اور قیامت ہیں۔ مجھے ان دونوں سے چھٹکارا چاہیے۔ امی جی.... میں پہلے ہی شادی کی مخالفت کیا کرتی تھی۔ اب میرے دل کا کیا حال ہے؟ آپ کو نہیں معلوم.... مجھے مرد ذات سے شدید نفرت ہو گئی ہے۔ یہ ذات پیار، عزت و احترام کے قابل ہی نہیں.... میرا دل چاہتا ہے کہ اس دنیا کے تمام مردوں کو اپنے ان ہاتھوں سے قتل کردوں.... شاید مجھے سکون مل جائے۔ میری روح بے چین ہے امی.... مجھے اپنے وجود سے گھن آنے لگی ہے۔ میں اس ناپاک اور غلیظ بدن کو اس برائیڈل ڈریس سے پوشیدہ نہیں کرسکتی۔ امی میں اس ذلیل کو کورٹ میں گھسیٹنا چاہتی ہوں۔ مجھے آزاد کردیجیے۔ پلیز امی.... ظلم کے خلاف آواز اٹھانے سے ہوسکتا ہے کہ کتنی مظلوم لڑکیوں کی بند آنکھیں کھل جائیں.... اور وہ بھی اپنے حقوق کے حصول کی خاطر گھروں سے نکل پڑیں.... امی میرا ساتھ دیں۔ میں سلمان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔'' وہ روتے تڑپتے ہوئے بولی۔

''وہ تو تمہیں رہنا پڑے گا۔ مجبوراً یا شوق سے.... اس سے فرق نہیں پڑتا۔ بہت احمق ہو، کیا تم دنیا کے سامنے

اپنا تماشا لگا کر خوش رہو گی بیٹا؟ اگر کورٹ عورت کا ساتھ دینے والا ہوتا......اس کی شنوائی ہو پاتی تو آج تمہارے ساتھ اتنا بڑا ہاتھ نہ ہوتا...... یہ دنیا صنفِ قوی کی ہے، عزت لوٹنے والا بھی تو وہی اور فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق سنانے والا بھی وہی...... کہاں سے لاؤ گی چار گواہ جو سچی گواہی دے کر اس ظالم کو عمر قید کی سزا کے لیے جج کو مجبور کر دیں گے۔ بیٹے بھول جاؤ کہ تمہیں انصاف ملے گا۔ یہاں عورت کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ حرام کو جنم دیتی ہے اور...... اور پھر وہیں پر عمر بھر کے لیے کام کرنے والوں کی ہوس کا شکار بن جاتی ہے۔ کیا تم ایسی زندگی چاہتی ہو؟ یا ایک باعزت بیوی بن کر اپنا حسین رول پلے کرنا چاہتی ہو۔'' ماں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سمجھایا۔ وہ ماں جو بظاہر کم پڑھی لکھی تھی مگر آج زمانے کی حقیقت بیان کر رہی تھی۔ ''یہ راز صرف ہم دونوں کے درمیان رہے گا۔ میاں کا پیار اور توجہ ملنے پر کہیں یہ راز اگل نہ دینا۔ مرد، عورت کی ہر کمی، ہر برائی اور ہر غلطی کو معاف کر دیتا ہے لیکن اس غلطی پر کمپرومائز نہیں کر سکتا۔ زبان پر تالا لگا لو اور ہونٹوں کو سی لو۔ اگر باعزت زندگی چاہتی ہو تو......''

''ہم عورتوں سے اتنی بے انصافی کیوں برتی جاتی ہے امی؟ یہ سراسر ظلم ہے، میرا رب مجھے تنہا نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے پیدا کیا ہے، میرے لیے قانون بنائے، مجھے حقوق دلوائے...... پھر ایسا کیوں ہوا...... کیوں......'' وہ بلک رہی تھی۔

''میری بچی اپنا معاملہ اسی ذات کے حوالے کر دو۔ ایک نمونہ تو تمہارے سامنے آ ہی گیا کہ وہ یہاں سے نکلتے ہی بری طرح ایکسیڈنٹ کا شکار ہوا اور ٹانگیں تڑوا لیں میرے رب نے اسے اٹھنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ آگے، آگے دیکھنا اس کا حشر......'' عالیہ نے قہرمان لہجے میں کہا۔

''چاہے وہ جہنم رسید ہی کیوں نہ ہو جائے...... مجھے اس سے کیا فائدہ ہو گا۔ میری زندگی تو تباہ و برباد کر گیا ناں......'' وہ بے بسی سے ماں کے سینے سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

''بس میری جان تم اس زہر کو مادرِ شیر سمجھ کر پی لو...... تمہیں اس صبر کا اجر ضرور ملے گا۔ کل تمہاری مہندی کی رسم ہے، اپنے چہرے پر بناوٹی ہی سہی خوشی سجا لو۔ ہونٹوں پر کلیوں کی سی مسکان بکھیر لو...... اور پرسوں رخصت ہو جاؤ...... تمہارے کسی ایکشن سے بیزاری کا گمان نہیں ہونا چاہیے۔ دکھ، درد اور غم تمہارے اندر ہی پھوٹتے ہیں انہیں وہیں پر دبائے رکھنا۔ اپنی ذات سے باہر نہ نکلنے دینا۔ ورنہ ہماری داستانیں رہتی دنیا تک محوِ گردش رہیں گی اور تم موردِ الزام ٹھہرائی جاؤ گی۔ کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ مکلاوے کے لیے آؤ گی تو میں ایک ہفتے کے لیے روک لوں گی۔ پھر میری بچی اس مشکل سے نجات پا جائے گی۔''

ماں اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھائے جا رہی تھی اور نمرا مسلسل کچھ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

''نمرا ہاتھوں کی مہندی کو اتارنے کی اس قدر کوشش اور محنت...... کیا بات ہے؟ جن کے ہاتھوں پر مہندی اپنا رنگ چھوڑ دیتی ہے وہ بہو اپنی ساس کو دل و جان سے پیاری ہوتی ہے...... اور جس کی آنکھوں سے کاجل بہہ، بہہ جاتا ہو وہ اپنے شوہر کی بے حد لاڈلی اور چہیتی ہوتی ہے۔'' عالیہ نے نمرا کو بار، بار ہاتھوں پر صابن رگڑتے ہوئے دیکھ کر نہایت ملائمت سے کہا۔ حالانکہ دل تو ایسا اجڑا تھا کہ شاید اس کی حیات میں آباد نہیں ہو گا۔

''امی مجھ پر ایک احسان کر دیجیے۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

''بولو بیٹا......'' وہ اسے سینے سے لگا کر خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''شادی کو آگے بڑھا دیں تا کہ میں نارمل ہو سکوں۔'' وہ عجیب انداز میں بولی۔
''میری جان ہنی مون کے لیے جاؤ گی تو ہر دکھ بھول جاؤ گی۔ میری مان جاؤ، ہماری اور اپنی عزت رکھ لو۔'' وہ بیچارگی سے بولی تو نمرا نے ہاتھوں کو ماں کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔
''امی ان پر تیزاب ڈال دیجیے۔ انہیں جلا دیجیے۔ میرے ہاتھوں پر سلمان کے نام کی مہندی سرے سے مٹا دیجیے کیونکہ میں سلمان کو دھوکا نہیں دے سکتی۔ اگر شادی کینسل نہ کی تو میں زہر کھالوں گی۔ میں کل لال جوڑے کے بجائے سفید کفن پہن کر آپ کی زندگی سے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے نکل جاؤں گی۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کو میری زندگی چاہیے یا موت......'' وہ بڑے سخت لہجے میں کہہ رہی تھی۔
''امی میں اس خلش میں زندگی نہیں گزار سکتی۔ ہر انسان کے اندر ضمیر موجود ہوتا ہے۔ امی اس مہندی کے رنگ میں مجھے خلش، پچھتاوا اور قلق کے ساتھ اور بھی کئی بھیانک اور بدنما رنگ نظر آ رہے ہیں۔ میں ان رنگوں کے ساتھ ایک پل بھی نہیں گزار سکوں گی۔ اس سب میں بھلا سلمان کا کیا قصور......؟ مجھے اب اس سے پیار ہے، اس پیار کے صدقے میں اسے دھوکا نہیں دوں گی۔ امی! سچا پیار قربانی چاہتا ہے......بس یوں سمجھیں کہ قربانی میری مجبوری ہے۔'' وہ ماں کے بازو...پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔
اور عالیہ سر جھکائے گہری سوچ میں گم ہو گئی......اور وہ ماں کے پاؤں پر آنسو گرانے لگی۔

☆☆☆

''میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں کہ کم از کم آپ نے اپنی غلطی کو تسلیم تو کیا۔'' وہ حسنات کے سامنے صوفے پر بیٹھ کر انہیں دیر تک دیکھتی رہی۔ جو اپنے طور پر بے اعتنائی و بے پروائی دکھانے کی کوشش میں تھے۔ سائرہ کو نظر انداز کرنا ان کے لیے کوئی مشکل تو نہ تھا وہ پرانے تجربہ کار کلاکار تھے۔ وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے لیپ ٹاپ کھولنے لگے تو سائرہ نے اسے ایک جھٹکے سے بند کیا اور کسی بارودی گولے کی طرح پھٹ پڑی۔
''بند کیجیے اس شیطان کو......اور آگ لگا دیجیے اس منحوس اسٹڈی کو......مجھے اسی وقت آپ سے آزادی چاہیے......کیونکہ یہ دونوں شیطان آپ کی زندگی سے نکلیں گے تو آپ مجھے آزاد کرنے یعنی طلاق دینے کا فیصلہ کر سکیں گے۔''
''طلاق لینے کی کوئی وجہ تو ہو گی؟ میں سمجھا نہیں۔'' وہ انجان بنتے ہوئے بولے۔
''وجہ آپ کو معلوم ہے پر آپ ایڈمٹ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ میرے سامنے آپ کی غیرت، انا اور خودداری کی بلندی اور وسعت نا نگا پربت کے مانند جو ہے جس کی بھینٹ میرا معصوم چڑھ گیا۔ آپ کی دشمنی مجھ سے تھی خمیازہ وہ بھگت رہا ہے۔ آپ کی نافرمانی کرنے کی غلطی مجھ سے سرزد ہوئی تھی۔ سزا وہ جھیل رہا ہے۔ اسے تکلیف دے کر مجھے میرے تمام ناکردہ گناہوں کی سزا تجویز کرنا کمینگی اور آپ کا سفلا پن تھا۔ میں اب سمجھ پائی ہوں آپ کو......میں ایسے انسان کے ساتھ اب ایک پل بھی نہیں رہ سکتی......'' وہ نہایت سخت لہجے میں بولی۔
''مجھ میں اب عادل کے لیے آپ کی بے جا نفرت دیکھنے کی ہمت نہیں رہی۔ آپ باپ، بیٹا میرے بغیر بہت کمفرٹیبل رہیں گے......آپ کو بھی اسے پیار و توجہ دیتے ہیزیٹیشن نہیں ہو گی۔ عادل بھی آپ سے کھل کر پیار کر سکے گا جو میرے سامنے ہونا ناممکن ہے۔ پلیز حسنات مجھ سے ورتی بیوی کا خطاب واپس لے لیجیے۔ میں اپنے بچے کی خوشی کی خاطر آپ کو تو کیا دنیا بھی چھوڑ سکتی ہوں۔''
''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔'' وہ تحمل سے بولے اور عینک کو درست کر کے اسے غور سے دیکھتے ہوئے غصے اور

سچائی کے پیمانے کو ناپنے کی کوشش کرنے لگے۔
''کیونکہ مجھ میں کلاس نہیں...... یہی کہنا چاہتے ہیں ناں......'' وہ رکھائی سے بولی تو وہ چپ رہے۔
''میں اس گھر کی چھت تلے دو روٹی اور دو جوڑوں کے لیے نہیں رہ رہی تھی۔ میں تو بدبخت اپنی نسوانی عزت و تحفظ کے لیے ہر طرح کے ظلم وستم سہہ کر اچھے دنوں کے انتظار میں بیٹھی تھی کیونکہ عورت کی انمول اور قیمتی شے اس کی عزت و تحریم ہوتی ہے۔ اس کی نگہداشت کے لیے ہمارے معاشرے میں جس کا خدائی ٹھیکدار آپ خود کو سمجھتے ہیں۔ مرد کا ساتھ اور اس کا سائبان بہت ضروری ہے۔ چاہے ٹپکتا ہوا ہی کیوں نہ ہو...... یہی جانتے ہوئے آپ نے میری غیرت وعزت کو ہر آن پامال کیا اور میں یہ درد برداشت کرتی رہی۔ یہ سوچ کر کہ دنیا بھر کے مردوں کی نورِ نظر بننے سے بہتر ایک مرد کے نام کی سرپرستی پر سرِ تسلیم خم رکھوں...... میری جوانی گھن لگنے میں ہی بیت گئی۔ عادل بیکار اور لاچار ہو گیا اور اب آپ کو ہوش آیا بلکہ آپ نے ہاں آپ نے چکی کے پاٹوں میں ہمارے گن اور ہر اچھائی و خوبی کو پیس کر مہین کر ڈالا۔ یہ کام لاجواب کیا آج آپ کی اصلی صورت دیکھ کر بہت دکھ ہوا ہے مجھے مگر اب میرا فیصلہ درست ہے۔ میں مطمئن ہوں پُرسکون ہوں کیونکہ میری غیر موجودگی میں میرا آن واحد عادل آپ کے بہت قریب ہو سکتا ہے۔ اسے جی بھر کر پیار کیجیے اس کی دیرینہ خواہش پوری ہو۔ مجھے اور کیا چاہیے۔'' وہ تڑپ کر بولی۔
''میں آپ کی زندگی سے نکل گئی تو میرا بچہ آپ کے قریب ہو جائے گا۔ میں سب جان چکی ہوں۔ آپ نے اپنی ہی نسل کو اپنی ضد، ہٹ دھرمی، انا اور من مانی سے برباد و تاراج کر دیا۔''
''عمر کے اس حصے میں طلاق لو گی تو کیا زمانہ تم پر ہنسے گا نہیں، طلاق کا بدنما دھبا تو ہر عمر میں داغدار ہی رہتا ہے۔ تابناک و درخشاں نہیں ہو جاتا۔'' وہ طنز سے بولے۔
''مجھے اس کی پروا نہیں۔ ویسے بھی شرعی طور پر ہماری طلاق تو کب کی ہو چکی۔ یعنی عادل کی پیدائش سے ساڑھے چار مہینے ایک ہفتہ اور تین دن پہلے میں تو اس اذیت ناک، جان لیوا، شکست خوردہ لمحے کو نہیں بھولی آپ علیحدگی کی فتحمندانہ ساعت کو کیسے فراموش کر گئے۔ ہر دم میری جائز خواہش کی تڑپتی بلکتی ہوئی چبھن میری ہم سفر رہی اور آپ کی شریکِ حیات آپ کی بے جا ضد، ہٹ دھرمی اور انا بنی رہی۔ یہ سب میرے لیے ناقابلِ فراموش...... ہے۔ حسنات میری جوانی بیتے سالوں ہو گئے ہیں بھلا اب مجھے اس معاشرے کا خوف کیونکر ہو گا۔ اب اس سینیریو سے باہر نکل آئیں۔ اب آپ کی سزا شروع ہونے لگی ہے۔ آپ بھی ذرا اس کا مزہ تو چکھیے کہ یہ کیسا ہوتا ہے۔'' وہ تڑپ کر بول رہی تھی اور وہ آنکھیں جھکائے بیٹھے تھے۔
''جانتا ہوں معافی کی گنجائش نہیں...... ایک کے بعد دوسرا امتحان تمہارے سر پر منڈلاتا رہا اور تم اس سے نکلنے میں کوشاں رہیں اور میں محظوظ ہوتا رہا۔ آج میرا لختِ جگر تانگوں سے محروم ہوا ہے تو میں رحم و ترس میں گھائل ہو گیا ہوں۔ جب وہ ذہنی ردوکد اور دلی ناخوشی و احساس کم مائیگی کا شکار تھا تو تب میرا ضمیر بیدار کیوں نہ ہوا؟'' ان کا لہجہ زخم خوردہ تھا۔
''میں یہ بھی جانتا ہوں۔ اس نے میری محبت و شفقت کے حصول کی خاطر ہر وہ کام کیا جو اپنا رٹلتی کی حد تک جاتا تھا۔'' ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ خاموش ہو گئے۔
''آج مجھے جواب چاہیے اس سوال کا...... کہ اسے اس دنیا میں لانے میں آپ کا ہاتھ 99 فیصد تھا کہ نہیں پھر قصور دار نہ مجھے ہی کیوں ٹھہرایا گیا اور میرے بنے بنائے آشیانے کو میرے کس گناہ کی پاداش...... میں محبتوں، الفتوں اور چاہتوں سے خالی کر دیا۔ میں آپ کو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔ مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے اور اس کے

## شعبان المعظم کی پندرھویں شب

''شعبان'' کے معنی ہیں شاخ در شاخ ہونا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس ماہِ مبارک کا نام شعبان اس لیے رکھا گیا کہ روزے داروں کی نیکیوں میں شاخوں کی طرح اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یہ بڑھتی رہتی ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے سوائے شعبان کے مہینے کے (رمضان کے علاوہ) کسی اور مہینے میں رسول اللہ ﷺ کو کثرت سے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کو یہ بہت محبوب تھا کہ شعبان کے روزے رکھتے، رکھتے رمضان سے ملا دیں۔ (سنن بیہقی)

شبِ برات کی فضیلت و اہمیت کے حوالے سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عوف بن مالکؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ، حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ، حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کے علاوہ بعض جلیل القدر تابعینؒ سے بھی متعدد روایات منقول ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا۔ جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سوائے مشرک اور کینہ پرور کے سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

از: ریحانہ حسن، کراچی (مجمع الزوائد، 65/8)

بعد.....'' وہ ان کا گریبان پکڑے بولے جا رہی تھی۔ حسنات کو اپنی اس توہین پر یک دم غصہ آ گیا۔

''زندگی میں محبت کی قیمت کیا ہے؟ جانتی ہو، تجسس واشتیاق اور پھر حاصل کے بعد چند لمحوں کی رفاقت و قربت یہ ہے پیار کی حقیقت...... اور شادی کے بعد ہر گھر اناوقتی اور زوال پزیر جذبوں سے عاری ہوتا ہے۔ جاؤ دنیا میں ریسرچ کرو...... تمہیں ہر گھر سے یہی داستان سننی پڑے گی۔'' وہ بولتے ہوئے اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش کرنے لگے۔

''بچے اس خلا کو پُر کرتے ہیں حسنات صاحب...... اس لیے میاں، بیوی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم قرار دیے جاتے ہیں۔ آپ کو تو بچے سے ہی نفرت تھی۔ گھن آتی تھی، اس کی کلکاریاں اور شرارتوں سے چڑ تھی۔ اس کے رونے کی آواز پر آپ آگ بگولہ ہو جایا کرتے تھے۔ ہمارا یہ خلا کیسے ختم ہو سکتا تھا...... وہ تو ہر لمحے بڑھتا چلا گیا۔ اگر آپ کو اب اپنی زیادتی کا احساس ہوا ہے تو یہ عادل کے لیے مژدۂ راحت و جانفزا ہوگا...... کیونکہ وہ آج بھی آپ سے نفرت کے پس پردہ آپ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اس کی اپاہج اور محتاج زندگی میں مسرتیں بھر جائیں گی۔ اس کے اندر جینے کی تمنا اجاگر ہوگی۔ مجھے آپ سے فقط اسی کی التجا ہے اگر آپ کو میری موجودگی میں اس سے پدرانہ شفقت کا اظہار کرتے ہوئے سبکی محسوس ہوتی ہے۔ شکست خوری کی شرمندگی ہوتی ہے تو میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی۔ بلکہ پلیز یہ احسان نامہ ابھی اور اسی وقت مجھے تھما دیجیے۔'' وہ اس کے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے بولی۔

''کیسی انہونی ڈیمانڈ ہے تمہاری...... یہ گھر تمہاری وجہ سے آباد ہے اور میں تمہاری کیئر اور لک آفٹر کی وجہ سے

سانس لے رہا ہوں۔ تمہارا اور میرا عادل ہم دونوں کے تعلق و ربط کی اسٹرینتھ پر زندگی کی جانب واپس پلٹ آئے گا۔ رنگِ خلش کو ہم خوشیوں کے حسین اور شوخ و شنگ رنگوں میں بدل دیں گے۔ سائرہ مجھے معافی مانگنے کا حق تو نہیں پہنچتا مگر تمہاری بڑائی کے پیشِ نظر میں معافی مانگنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟'' وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے سینے سے لگا کر بولے۔ غصہ ختم ہو چکا تھا۔

سائرہ ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''حسنات سب سے پہلے مجھے شادی کے تیس سال بعد ہجر و فراق میں گزرے ہوئے ہر، ہر پل کا حساب چاہیے۔ مجھے اپنے عادل کے بچپن، لڑکپن اور جوانی کی ہر گھڑی کی حسرت کی قیمت چاہیے۔ اگر آپ اس مول تول اور حساب کتاب میں پورے اترتے ہیں تو پھر معافی مانگنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر پرے ہٹ گئی۔

''وہ حساب میں چکا نہیں پاؤں گا سائرہ......'' ان کے لہجے میں امید و بیم کا اتار چڑھاؤ نمایاں تھا۔

''سب کچھ گنوا کر واپس پلٹے تو کیا ملا؟ ذرا سوچیے......'' ایک کٹیلی نگاہ ان پر ڈال کر سائرہ نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

''میری بیوی اور میرا بچہ...... اس سے بڑھ کر مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میں نے انہیں پا لیا تو سمجھو کہ دو جہاں کی دولت میرے دامن میں بھر گئی۔'' وہ التجائیہ لہجے میں بولے۔

''آپ کی دھتکاری ہوئی قابلِ نفرت...... جھوٹی، مکار اور دھوکے باز...... اِک زندہ لاش بیوی اور آپ کا ادھورا، نامکمل، ٹوٹا پھوٹا اپنی زندگی سے نالاں بچہ انہیں حاصل کر کے اب کیا کریں گے؟ سودا بہت گھاٹے کا ہے، خسارہ ہی خسارہ ہے۔ سوچ لیں۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''مجھے ہر قسم کا گھاٹا اور نقصان منظور ہے۔'' وہ سر جھکائے ہوئے بولے۔

''پلیز میری عرضداشت پر غور کرو اور اپنے اس مجرم کو معاف کر دو۔''

''کیا معافی و تلافی کا تعلق فقط ایک سوچ سے ہے کہ یس کرتے ہی تاریکی پر روشنی غلبہ پا لے گی۔ آپ کیسی عجیب باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے دلوں کی رنجشوں کو کم ہوتے نہیں وقت کے ساتھ بڑھتے ہی دیکھا ہے۔ پر آپ کو کیسے معلوم ہو؟ اس اسٹڈی سے باہر کی دنیا سے تو آپ آشنا ہی نہیں۔'' وہ مضحکہ خیز انداز میں بولی۔

''ذرا آئن اسٹائن اور ڈارون سے مشورہ لے لیجیے...... اور پھر اس پر عمل کیجیے گا۔''

''سائرہ تم اپنے اندر ابلنے والے لاوے کو پھٹنے دو...... مجھے خوب لعنت ملامت کرو...... زدوکوب کرنے کا بھی اختیار رکھتی ہو۔ شاید تمہارے دل میں اپنے شوہر کے لیے نرمی پیدا ہو جائے...... پلیز سائرہ مجھے پچھتاوے کے کرب، خلش کے بھیانک رنگوں اور وقت کے احساسِ زیاں سے نجات دلا دو...... تم ایک عظیم بیوی اور بے مثال ماں ہو...... تمہارے لیے عفو و درگزر سے کام لینا مشکل نہیں...... یہ مشکل تو میرے جیسے چھوٹے لوگوں کو درپیش آتی ہے، جن کے سر پھولے ہوئے، گردن اکڑی ہوئی اور ناک بہت اونچی ہوتی ہے۔ اندر سے ہمیشہ تشنگی کا شکار ہی رہتے ہیں۔'' ان کے لہجے میں شدید کرب اور ٹوٹ پھوٹ تھی۔

سائرہ کو یوں لگا جیسے ایک فولادی قلعہ بھربھری ریت کی طرح زمین بوس ہو گیا ہو...... سائرہ نے ان کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''میں تم دونوں کا مجرم ہوں، گناہ گار ہوں، کاش وقت پلٹ آئے۔'' ان کی بے بسی و بے چارگی میں ڈوبی

ہوئی مری ہوئی آواز اس کے ذہن و قلب پر ہتھوڑے برسا رہی تھی اور اس کا دل بھی کرچی، کرچی ہو رہا تھا۔ اسی سے ملازم تیزی سے اندر داخل ہوا۔

''بیگم صاحبہ وہ چھوٹے صاحب.....'' وہ ہکلا رہا تھا۔ سائرہ نے حسنات کے ہاتھ چھوڑ دیے اور تیزی سے باہر نکلی۔ حسنات بھی اس کے ساتھ ہی عادل کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

''امی! جس نے مجھ سے والہانہ محبت کی..... میں نے اسے ٹھکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شاید مجھے اسی کا سبق سکھایا'' وہ روتی ہوئی ماں اور سر جھکائے ہوئے نادم اور رنجیدہ باپ کی طرف دیکھ کر بولی۔

''آج میں بہت پُرسکون ہوں..... اب امی آپ کو بھی سکون اور خوشی دینا چاہتی ہوں۔''

''تم نے تو ہماری ناک ہی کٹوا دی۔ مجھے تو گھر سے باہر قدم رکھتے ہوئے خوف آتا ہے کیونکہ محلے دار اور رشتے دار تو یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ لڑکے والوں نے تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے تم پر تھوک دیا۔ نمرا تم نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' باپ کی آواز میں بے پناہ دکھ اور غصہ تھا۔

''ابو جی دنیا والوں کی پروا مت کریں..... ہمیں اپنی زندگی میں وہ عمل کرنا چاہیے جس سے ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔ ہمیشہ ایسا ہی عمل ہمیں خوشیوں اور طمانیت کے قریب لے جاتا ہے۔ ابو جی میرا پہلا فیصلہ سو فیصدی درست تھا۔ جس نے مجھے سکون و اطمینان جیسی دولت سے مالا مال کر دیا۔ میرا آج کا فیصلہ جو میں آپ کو سنانے جا رہی ہوں۔ مجھے حقیقی اور ابدی خوشیوں سے ہمکنار کر دے گا۔'' وہ باپ کے قریب ہو کر بولی۔

''ابو جی..... ! کتنی عجیب بات ہے کہ ہماری زندگی کے حسین لمحے بھی ہمارے غلط فیصلوں، دنیا کی طعنہ زنی اور خدا تعالیٰ کی قربت سے دوری کی وجہ سے خلش کی نذر ہو جاتے ہیں۔ جب ہمیں اس کا احساس ستانے لگتا ہے تو ہم اس خلش کو اپنے من کے اندر گہرائیوں میں دفن کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں تو اس کے نتیجے میں خلش کے بے حساب رنگوں کی پردہ کشائی مضطرب کرنے لگتی ہے..... اور پھر مکافاتِ عمل کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا..... سزا تو لازم ہے، میری دھوکا بازی اور فریب کاری کا گناہ تو کوہِ ہمالیہ سے بھی بڑا اور بھاری تھا۔ عادل کے گناہ و جرم سے کہیں بڑا..... ابو جی میں عادل کو اس کے پیار کی انتہا پر صدقِ دل سے معاف کرتی ہوں۔ وہ مجھ سے محبت کی بھیک مانگتا رہا اور میں ٹھکراتی رہی پر اب آپ سائرہ آنٹی کو پیغام پہنچائیں کہ میں ہمیشہ کے لیے ان کے بیٹے کی شریک سفر بننا چاہتی ہوں۔ اور ان کی نسل جو میرے بطن میں اپنا گھروندا بنا چکی ہے۔ میں پیار و محبت و چاہت و لگاوٹ سے اس کی پرداخت کرنے کی ذمے داری اٹھاتی ہوں..... اگر مجھے اس امر سے روکنے کی کوشش کی تو میں آنٹی سائرہ سے خود بات کروں گی۔ میں کس وجدان میں ہوں، کس نشاط میں ہوں۔ امی آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ آپ بھی ایک عورت ہیں..... عورت کے کردار کی مضبوطی اس کی شان اور اس کی وفا اس کی متاعِ حیات ہے جو پھلتی پھولتی ہے۔ جسے عروج ہے..... زوال نہیں۔''

ماں، باپ نے اپنی بلند کردار بیٹی کی طرف فخر و مسرت سے دیکھا اور اسے سینے سے لگا کر کسی کے سنگ وجدان و نشاط کی دنیا کے باسی بن گئے۔

# کانچ کے خواب

نزہت جبین ضیاء

وہ بڑی حسرت سے ریڈ اور گرین بنارسی کپڑے کو دیکھے جا رہی تھی جو اماں نے اس کے ہاتھ سے چھین کر وردہ کو پکڑا دیا تھا۔

''اماں! مجھے وہ کپڑا زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔'' فروہ نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

''جی نہیں! یہ مجھے پہلے سے ہی اچھا لگ رہا تھا تم دوسرا والا لے لو۔'' وردہ نے سی گرین اور شاکنگ پنک کپڑے کی طرف اشارہ کیا۔

''اماں.....!'' فروہ نے بے بسی سے اماں کو دیکھا۔
''ارے فروہ.....تم بڑی ہو.....اور وہ چھوٹی ہے، تمہیں ذرا سا بھی خیال نہیں ہے چھوٹی بہن کا.....؟ چلو بڑی عید پر تم لال اور ہرا جوڑا بنالینا۔''
اماں نے اپنی جانب سے گویا اسے تسلی دی۔ بڑی تو وہ بہرحال تھی۔
''اچھا اماں.....'' سعادت مندی سے سر جھکا کر فروہ نے دوسرا کپڑا اٹھالیا..... ہمیشہ کی طرح اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

☆☆☆

اشفاق صاحب کی شادی کو ایک سال ہوا تھا کہ فروہ کی پیدائش پر ان کی بیوی کے ساتھ کچھ مسائل ہوگئے تھے۔فروہ تو بچ گئی تھی مگر حلیمہ بیگم جانبر نہ ہوسکیں۔ یوں شادی کے سال بھر بعد ہی حلیمہ بیگم ننھی فروہ کو اشفاق صاحب کے حوالے کر کے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سوگئیں۔ اشفاق صاحب کی والدہ بھی بوڑھی خاتون تھیں کوئی اور تھا نہیں جو فروہ کو سنبھالتا.....تین سال تک تو فروہ کی ذمے داری دادی نے کسی نہ کسی طرح اٹھائی، ایک دن ہارٹ اٹیک سے جب اُن کا انتقال ہوگیا تب صحیح معنوں میں اشفاق صاحب کو پریشانی ہوئی.....نوکری، ننھی بچی کی دیکھ بھال اور گھر سنبھالنا..... یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ ایسے میں کچھ ہمدردوں اور دوستوں نے مل کر ان کا نکاح شہناز سے پڑھوادیا، شہناز غیر شادی شدہ تھیں، یوں فروہ کی زندگی میں شہناز شامل ہوگئیں جسے وہ اماں ہی کہتی اور سمجھتی بھی تھی۔ کچھ عرصہ تو شہناز کا رویہ فروہ کے ساتھ ٹھیک رہا لیکن جب وردہ پیدا ہوئی تو ان کے رویے میں غیر معمولی تبدیلی آگئی۔ ان کی زیادہ تر توجہ وردہ پر ہوتی۔ فروہ اب اسکول بھی جانے لگی تھی۔
دونوں بچیوں میں تقریباً چار سال کا فرق تھا اور اسی فرق کو شہناز نے ہمیشہ فروہ کے لیے روا رکھا اور ہر، ہر قدم پر فروہ کو یہ احساس دلایا کہ تم بڑی ہو.....تمہیں چھوٹی بہن کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس کی ہر بات ماننی چاہیے.....وہ چھوٹی ہے ناسمجھ ہے.....اس کا خیال رکھا کرو.....اور وہ اماں کی ہر بات مان لیتی.....فروہ کو اپنی گڑیا جیسی بہن بہت پیاری لگتی تھی۔
عید کی آمد تھی شہناز دونوں کے لیے عید پر سلوانے کے لیے فراکوں کا کپڑا لائیں.....ایک لال اور ہرا اور دوسرا اسی گرین اور پرپل.....حسب عادت وردہ نے فروہ کو لال کپڑا اٹھاتے دیکھ کر منہ بسورا۔
''اماں! مجھے وہ والا چاہیے جو آپا نے اٹھایا ہے۔'' اور حسب معمول اماں نے فروہ کے ہاتھوں سے فروہ کی پسند چھین کر وردہ کے ہاتھوں میں دے دی.....وردہ تو خوش ہوگئی لیکن فروہ ملول تھی۔
اشفاق صاحب ایک سرکاری دفتر میں ملازمت کرتے تھے۔ آمدنی بس گزارے لائق تھی۔ دونوں بیٹیاں اسکول جاتی تھیں۔ وردہ صورت شکل کے لحاظ سے فروہ سے اچھی تھی۔ نازک بھی تھی اوپر سے اماں کا بے جا لاڈ پیار.....اور غیر ضروری طرف داری نے اسے خود سر بنادیا تھا۔ اماں ہمیشہ وردہ کو زیادہ اہمیت دیتیں۔ عام طور سے ہر جگہ یہی دیکھا گیا ہے کہ بڑوں کی استعمال کی ہوئی چیزیں چھوٹے بہن بھائیوں کے حصے میں آتی ہیں۔ کپڑے، جوتے، سوئیٹرز حتیٰ کہ کتابیں بھی مگر یہاں..... یہاں تو سب الٹا تھا جو بیگ وردہ ایک سال استعمال کرلیتی اگلے سال وہ فروہ کے حوالے کردیا جاتا۔ فروہ لاکھ کہتی کہ اماں یہ میری کتابوں کے لیے ناکافی ہے مگر شہناز اسے بڑے طریقے سے بہلادیتیں۔
''فروہ تم بڑی ہوگئی ہو ناں..... بڑی لڑکیوں کی طرح بڑی کتابیں ہاتھ میں پکڑ لینا اور باقی کو اس بیگ میں رکھ لینا۔'' اور وہ چپ ہوجاتی.....سارا سال کس مشکل سے وہ بیگ اور ہاتھ میں پھسلتی کتابیں سنبھال کر اسکول آتی جاتی اس سے اماں کو

کوئی سروکار نہیں تھا کیونکہ وردہ کی پیٹھ پر تو نیا بیگ ٹنگا ہوتا..... نیا یونیفارم آتا تو صرف وردہ کے لیے۔
''اماں میرا یونیفارم بالکل اچھا ہے صاف ستھرا..... بس مجھے چھوٹا ہو گیا ہے آپ یہ وردہ کو دے دیں، مجھے نیا یونیفارم بنا دیں.....'' فروہ اپنی طرف سے مفید مشورہ دیتی۔
''ہائے نہیں.....'' شہناز جھٹ سے کہتیں۔
''وہ چھوٹی ہے خواہ مخواہ اس کا دل برا ہو گا کہ آپا کو دلوا دیا اور مجھے نہیں..... میں تمہاری شلوار میں بیلٹ لگوا دوں گی فکر مت کرو.....'' اماں اسے تسلی دیتیں تو فروہ کی آنکھیں نم ہونے لگتیں اور وہ خاموشی سے سر جھکا کر وہاں سے ہٹ جاتی۔ اور سوچتی کہ اماں یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ دل میرا بھی تو برا ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

اشفاق صاحب آفس سے آتے، آتے مرغی کا گوشت لے آئے تھے اور شہناز سے چکن بریانی کی فرمائش کی تھی۔ شہناز نے کھانا تیار کر کے دستر خوان لگا دیا۔ بریانی کے ساتھ سلاد اور رائتہ بھی تھا۔ شہناز نے اشفاق صاحب کی پلیٹ میں مرغی کی ٹانگ ڈال دی اور دونوں بچیوں کو بھی بریانی ڈال کر پلیٹیں سامنے رکھ دیں۔ اتفاق سے دوسری ران فروہ کی پلیٹ میں آ گئی۔ سب لوگوں نے کھانا شروع کیا دو چار نوالے لینے کے بعد وردہ کی نظر جیسے ہی فروہ کی بچی ہوئی پلیٹ پر پڑی تو اس کا منہ بن گیا..... اور وردہ نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔
''کیا ہوا وردہ، کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو؟'' شہناز نے دیکھا تو پوچھنے لگیں۔
''نہیں کھاؤں گی.....'' وردہ نے منہ بنا کر کہا۔
''ارے کیا ہوا میری گڑیا؟'' شہناز پریشان ہو گئیں۔
''اماں..... مجھے وہ والی ران چاہیے۔'' وردہ نے فروہ کی پلیٹ میں رکھی سالم ران کی طرف اشارہ کیا..... جو فروہ نے آخر میں کھانے کے لیے پلیٹ کے سائڈ میں ایسے ہی سجا کے رکھی تھی۔
''ران کھانی ہے تو یہ لے لو.....'' اشفاق صاحب نے اپنی پلیٹ سے آدھی کھائی ہوئی ران اٹھا کر وردہ کی پلیٹ میں رکھ دی۔
''نہیں، نہیں..... وہ والی چاہیے۔ پوری ثابت والی.....'' فروہ کی پلیٹ پر بدستور نگاہیں جمائے وہ ضدی لہجے میں بولی۔
''بری بات ہے بیٹا..... میں کل اور لے آؤں گا۔'' اشفاق صاحب نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔
''نہیں ابو، مجھے ابھی چاہیے.....'' وردہ نے زور سے اپنی پلیٹ آگے سرکاتے ہوئے کہا اور رونے لگی۔
''ارے ایسا نہیں کرتے ..... اللہ پاک گناہ دیتے ہیں رزق کو دھکا نہیں دیتے.....'' شہناز نے اسے پچکارا۔
''اچھا یہ لو.....'' شہناز نے فروہ کی پلیٹ سے ران اٹھا کر وردہ کی پلیٹ میں رکھ دی۔ ''فروہ میں تمہیں دوسری اچھی بوٹی دے دیتی ہوں.....'' فروہ کو تسلی دی۔
''مگر اماں..... مجھے ران اچھی لگتی ہے اور میں آخر میں کھاؤں گی۔'' فروہ نے پہلے اشفاق صاحب کو اور پھر شہناز کو رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''ارے فروہ.....! تم تو بڑی ہو ناں سمجھدار ہو..... یہ تو بچی ہے اسے عقل نہیں ہے، سمجھ نہیں ہے، ایسے ہی ضد کرتی ہے، تم تو سمجھ سکتی ہو ناں..... اب دیکھو وہ ضد میں کھانا بھی نہیں کھائے گی اور کیا تم چاہو گی کہ تمہاری چھوٹی بہن بھوکی رہ جائے۔'' اماں نے ایموشنل بلیک میل کیا..... ''بڑوں کو دل بھی بڑا رکھنا چاہیے..... سمجھ رہی ہو ناں.....'' اماں نے اس کی پلیٹ میں چکن کا چھوٹا سا پیس ڈالتے ہوئے اسے بڑے ہونے کا احساس دلایا۔ نوالہ فروہ کے حلق میں اٹکنے لگا..... اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔
''اماں..... ہمیشہ میرے ساتھ ایسا ہی کرتی

ہیں۔'' اسے اب یہ احساس ہونے لگا تھا کہ صرف وردہ ہی اماں کی بیٹی ہے کیونکہ وہ سگی جو ہے۔

☆☆☆

اسکول میں رزلٹ کا دن تھا۔ دونوں بچیاں اچھے نمبروں سے پاس ہوئی تھیں۔ اشفاق صاحب دونوں کے لیے تحائف لے کر آئے تھے۔ فروہ کے لیے بڑی اور وردہ کے لیے چھوٹی گڑیا تھی۔ دونوں بہت خوش تھیں۔ اور صحن میں بیٹھی کھیل رہی تھیں۔ اشفاق صاحب باہر گئے ہوئے تھے۔ شہناز کچن میں رات کے لیے کھانا تیار کر رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں وردہ کا دل اپنی گڑیا سے بھر گیا اب اسے اپنی گڑیا بری لگنے لگی تھی اور فروہ کی گڑیا زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔

''آپا! مجھے تمہاری گڑیا چاہیے......'' اس نے کھیلتے، کھیلتے اچانک کہا۔

''ارے کیوں...... دیکھو تمہاری گڑیا زیادہ پیاری ہے دیکھو اس کی فراک بھی کتنی چمک والی ہے۔ اور گانا بھی گاتی ہے وہ......'' فروہ کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا...... اس نے وردہ کی گڑیا کی جھٹ تعریف کر دی۔

''مگر مجھے تمہاری گڑیا زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔''

''مگر ابو نے تو یہ میرے لیے خریدی ہے اور وہ تمہارے لیے...... تم اپنی گڑیا سے کھیلو ناں......'' فروہ نے پیار سے اسے سمجھایا۔

''نہیں...... نہیں...... مجھے تو تمہاری گڑیا چاہیے......'' وردہ نے ضدی لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر گڑیا فروہ کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی۔

''نہیں وردہ......! یہ میری گڑیا ہے۔'' فروہ نے اسے ہاتھ سے دور کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں، مجھے یہی والی چاہیے......'' وہی ضدی لہجہ تھا ضد تو اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔

''نہیں دوں گی......'' اس بار فروہ نے بھی سختی دکھائی۔

''دو مجھے...... دو مجھے۔'' وردہ نے آگے بڑھ کر فروہ کے بال ہاتھوں میں جکڑ کر اسے زمین پر گرا دیا...... فروہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش میں اسے دھکا دیا تو وہ فرش پر جا گری...... اور ساتھ ہی چیخ مار کر زور، زور سے رونا شروع کر دیا۔ اس کے رونے کی آواز سن کر شہناز حواس باختہ ہو کر کچن سے دوڑی چلی آئیں...... وردہ کو زمین پر گرا ہوا اور چیخ، چیخ کر روتا دیکھ کر وہ آپے سے باہر ہو گئیں۔

''اماں...... اماں آپا نے مجھے زور سے دھکا دے کر زمین پر گرا دیا...... اور اپنی گڑیا سے کھیلنے بھی نہیں دے رہی ہیں......'' اماں کو دیکھ کر وردہ نے اور زور، زور سے روتے ہوئے باقاعدہ بین شروع کر دیا۔

''ہائے اللہ میری بچی......'' شہناز نے پہلے آگے بڑھ کر وردہ کو اٹھایا اور پھر پلٹ کر ایک بھرپور طمانچہ فروہ کے منہ پر دے مارا...... اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے اس کی گڑیا چھین کر وردہ کو تھما دی۔

''خبردار جو آئندہ اس گڑیا کو ہاتھ لگایا تم نے...... ایک نہیں ہزار بار سمجھایا ہے کہ چھوٹی بہن کا خیال رکھا کرو...... مگر تمہارے کان پر جوں ہی نہیں رینگتی...... شرم نہیں آتی تمہیں اتنی زور سے اسے زمین پر گرا دیا اگر ہاتھ پیر ٹوٹ جاتا تو...... میں تمہاری جان نکال لیتی سمجھیں......'' پُرجلال لہجے میں کہا۔

''اماں، اماں!'' فروہ اپنے سنسناتے گال پر ہاتھ کر ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے شہناز کے کرخت چہرے کو دیکھنے لگی۔

''کیا بڑا ہونا بھی کوئی گناہ ہے؟'' اس کی سوچ ایک نکتے پر آ کر رک گئی۔ آج اماں کی طرف سے پڑنے والے پہلے بھرپور طمانچے نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ سگے اور سوتیلے کا فرق سامنے آ گیا تھا۔ اپنے اور پرائے کی سمجھ آ گئی تھی۔

اس دن کے بعد فروہ وقت سے پہلے ہی عمر سے زیادہ بڑی ہو گئی۔ سنجیدہ، سوبر، خاموش اور اپنے

آپ میں گم رہنے والی...... ابا کو تو نوکری اور بیوی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اپنے دل کی بات، اپنے دکھ سکھ، اپنی باتیں شیئر کرتی بھی تو کس سے......؟ وہ تو سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے چپ چاپ رہتی، نہ کوئی فرمائش تھی نہ خواہش نہ طلب تھی اور نہ کسی چیز کی حرص...... بس زندگی کی ضرورت کے مطابق چیز درکار تھی۔

☆☆☆

ڈھیر سارے دن بیت گئے۔ اب دنوں بہنیں بڑی ہوچکی تھیں۔ دونوں کے درمیان ایک خلیج حائل تھی اور وہ خلیج حائل کرنے میں صرف اماں کا ہاتھ تھا۔ آج بھی وردہ کی پسند کو فوقیت دی جاتی...... اماں کا رویہ ہنوز برقرار تھا۔ فروہ نے گریجویشن کرلیا تھا اور وردہ نے میٹرک کیا تھا۔ تب ہی ایک رات اچانک اشفاق صاحب کی طبیعت بگڑ گئی۔ بی پی شوٹ کرگیا ڈاکٹرز کی کوششوں کے باوجود وہ جانبر نہ ہوسکے۔ گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ایسے نازک اور اذیت ناک موقع پر فروہ نے بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لیا۔ اماں اور وردہ کو بھی سنبھالا اور خود پر بھی کنٹرول رکھا۔ اچانک سے اشفاق صاحب کا گزر جانا ناقابلِ یقین تھا۔ اشفاق صاحب کو آفس کی طرف سے تھوڑا بہت پیسہ ملا تھا۔ فروہ نے پیسہ بینک میں رکھوادیا تھا۔ اب مسئلہ گھر کے اخراجات، کھانا پینا، بجلی، گیس کے بل اور وردہ کی تعلیم کا تھا۔ فروہ نے اِدھر اُدھر ملازمت کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کردیے۔ ویسے بھی وہ وقت سے بہت پہلے بڑی ہوچکی تھی اور اب قدرت نے اس پر مزید ذمّے داری ڈال دی تھی اور وہ اس ذمّے داری کو بخوبی محسوس کررہی تھی۔ اب اس کو ماں اور بہن کی ذمّے داری بھی نبھانی تھی۔

اب مسئلہ وردہ کے کالج میں ایڈمیشن کا تھا۔ فروہ کو ایک آفس میں جاب مل گئی تھی۔ اس روز وہ آفس سے واپس آئی تو اندر کمرے میں اماں اور وردہ باتیں کررہے تھے۔

''اماں......! کالج کے ایڈمیشن اور دیگر اخراجات میں اچھے خاصے پیسے چاہئیں مجھے۔'' وردہ نے کہا۔

''تم اس کی فکر مت کرو...... فارم فل کرکے بتادینا، میں پیسے دے دوں گی جتنے بھی چاہئیں......'' فروہ نے کمرے میں داخل ہوکر کہا۔ وردہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں......! کیونکہ میں بڑی ہوں اور میں ہمیشہ تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھوں گی۔'' ایک، ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا اور ایک اچٹتی سی نظر اماں پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی۔

وردہ کا ایڈمیشن بھی ہوگیا اور سارے اخراجات بھی احسن طریقے سے پورے ہوگئے۔ وہ کالج جانے لگی اور دن اپنی رفتار سے گزرتے رہے۔ اماں اور... وردہ کو خرچے یا کسی اور قسم کی کوئی ٹینشن نہیں ہوتی۔ فروہ اپنی نیند، چین، آرام سکون ہر چیز بالائے طاق رکھ کر گھر کے اخراجات پورے کرتی۔ اس دوران فروہ کے دو رشتے بھی آئے مگر اماں نے عدم دلچسپی کا اظہار کیا تو وہ لوگ چپ ہوگئے۔ فروہ کی شادی کا مطلب تھا کہ گھر میں فاقوں کی نوبت آجاتی جو تھوڑا بہت پیسہ تھا وہ تو شادیوں کے لیے بھی بہت کم تھا۔ وردہ کو تو بنا بنایا نوالہ کھانے کی عادت تھی۔ وہ کہاں اس قابل تھی کہ فروہ کی شادی کے بعد ایک وقت کے کھانے کا اپنا اور اماں کا بندوبست کرسکتی۔ ایک فروہ تھی جو روبوٹ کی طرح مصروفِ عمل رہتی۔ کام، کام اور صرف کام جیسے اس کی زندگی کا مقصد رہ گیا تھا۔ ہر ماہ ایک معقول رقم اماں کے ہاتھ پر رکھ دیتی تو بھلا اماں کو کیا پڑی تھی کہ وہ فروہ کی شادی کی تگ و دو کرتیں۔ دن یونہی گزرتے رہے وردہ نے بھی بی اے کرلیا۔

کچھ عرصے پہلے ان کے پڑوس میں ایک فیملی

شفٹ ہوئی تھی۔ میاں، بیوی، دو بچے اور ایک چھوٹا بھائی جو غیر شادی شدہ تھا خاصا اسمارٹ اور خوش شکل نوجوان تھا۔

اس روز شام کو وردہ چھت پر چلی آئی تو اتفاق سے اسی وقت پڑوس کا نوجوان زید اپنی آٹھ سالہ بھتیجی کے ساتھ اوپر کرکٹ کھیل رہا تھا۔ آٹھ سالہ مونی بہت کیوٹ بچی تھی وردہ کو دیکھا تو بچی نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔ وردہ بھی جواباً مسکرا دی۔

''کیا نام ہے آپ کا گڑیا؟'' وردہ نے پوچھا۔

''میں مونی ہوں اور یہ میرے چاچو زید۔'' بچی نے اپنے ساتھ، ساتھ اپنے چاچو کا بھی تعارف کروایا۔

''آنٹی آپ کا کیا نام ہے؟''

''وردہ!'' وردہ نے کہا۔

''اوہ سوئٹ نیم......'' بچی کی بے ساختگی پر وردہ کو ہنسی آ گئی۔

''آپ بھی بہت سوئٹ ہو گڑیا'' وردہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور میرے چاچو بھی تو سوئٹ ہیں ہے ناں...'' مونی کے کہنے پر وردہ نے گڑبڑا کر زید کی جانب دیکھا۔ گرے پینٹ اور بلیک شرٹ میں زیر لب مسکراتا وہ خاصا اسمارٹ لگ رہا تھا۔ تب ہی اماں کی آواز پر وہ آئی اماں کہہ کر نیچے کی طرف دوڑی۔

وردہ کو پہلی نظر میں زید کافی اچھا لگا۔ اکثر و بیشتر وردہ کی شامیں چھت پر گزرنے لگیں...... مونی اور اس کا چھوٹا بھائی ٹیپو بھی چھت پر آ جاتے اور کبھی، کبھی زید بھی...... زید سے سلام دعا کی حد تک بات ہوتی...... جبکہ بچوں سے وہ خوب گھل مل گئی تھی۔ گو کہ زید زیادہ بات چیت نہیں کرتا مگر...... وردہ کوئی بچی نہیں تھی، وہ صاف محسوس کر سکتی تھی کہ زید اسے چپکے، چپکے دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی ہوتی...... وردہ کے دل میں بھی اسے دیکھ کر گدگدی سی ہونے لگتی۔

وردہ کو پتا چلا کہ مونی کو بخار ہے تو وہ اماں کو لے کر مونی کو دیکھنے کے بہانے پڑوس میں چلی آئی۔ فروہ کے پاس بھلا ان کاموں کے لیے وقت کہاں تھا وہ تو سارا ہفتہ مصروف رہتی۔ ایک دن چھٹی کا ملتا تو اس دن اس کے ڈھیروں کام ہوتے...... کپڑے دھونا، استری کرنا اور دوسرے چھوٹے موٹے کاموں میں دن گزر جاتا۔ اماں اور وردہ سے بھی بس رسمی سی بات چیت ہوتی۔

اماں کی اب یہ کوشش تھی کہ وردہ کی شادی کر دی جائے۔ ایک دو بار انہوں نے اس بات کا ذکر فروہ سے بھی کر دیا تھا۔ یہ بات فروہ کے دل پر جا لگی تھی۔ اماں نے اس معاملے میں اس کی طرف سے آنکھیں بالکل بند کر رکھی تھیں۔ اس وقت انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ فروہ، وردہ سے چار سال بڑی ہے تو اس کی شادی کا بھی سوچ لیں......لیکن...... لیکن آج بھی ان کی سوچوں میں صرف وردہ ہی تھی...... بچپن سے آج تک اسے یہی کہا جاتا کہ تم بڑی ہو، تم بڑی ہو...... وردہ چھوٹی ہے، اس کے ہاتھ سے چیز چھین کر وردہ کے حوالے کر دی جاتی کہ وہ چھوٹی ہے اس کا خیال رکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔ قدم قدم پر اسے بڑا ہونے کا احساس دلایا جاتا...... اور آج...... آج جب وہ واقعی بڑی بن گئی تو......شادی کے حوالے سے اماں اسے بڑا کیوں نہیں سمجھتیں......؟ اس کا گھر بسانے کی فکر کیوں نہیں کی جاتی...... اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچا جاتا......؟ وہ سب کچھ دیکھتی...... سنتی اور محسوس کرتی مگر انجان بنی رہتی۔ خاموش رہ کر صرف اماں کی حرکات وسکنات کا، وردہ کی حرکتوں کا جائزہ لیتی رہتی۔

سامعہ حبیب اچھی خاتون تھیں۔ مونی اور ٹیپو ان کے دو ہی بچے تھے۔ مونی کی تو وردہ سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اکثر وردہ کے ساتھ رہتی۔ سامعہ آج کل اپنے دیور زید کے لیے لڑکی کی تلاش میں تھیں۔ زید کو کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آ رہی تھی۔

پڑوسی ہونے کے ناتے دونوں فیملیز میں اچھی

خاصی دوستی ہوگئی تھی۔ فردہ نے ایک آدھ بار ہی زید کو دیکھا تھا۔ سامعہ سے بھی ایسے ہی آتے جاتے سلام دعا ہوتی تھی۔ بچوں سے بھی کبھار اتوار کو ملاقات ہوجاتی۔ سامعہ نے باتوں، باتوں میں اماں سے ذکر کردیا تھا کہ وہ زید کے سلسلے میں ان کے گھر آنا چاہتی ہیں...... اماں کو تو ویسے بھی زید اور وہ لوگ بہت پسند آئے تھے اور وردہ کو بھی وہ لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ رشتے میں کوئی برائی نہیں تھی۔ وہ تو دل سے چاہتی تھیں کہ وہ جلد از جلد کسی اچھے گھر میں بیاہی جائے۔

اتوار کا دن تھا۔ آج فردہ دیر سے سو کر اٹھی تھی۔ اپنا ناشتا بنا کر وہ کمرے میں آئی تو مونی بھی آگئی۔

''السلام علیکم آنٹی......!'' آتے ہی فردہ کو گرمجوشی سے سلام کیا۔ فردہ نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ وردہ شاید چھت پر تھی۔ اماں اس وقت گلی میں کھڑی سبزی لے رہی تھیں۔ اماں سبزی لے کر آئیں تو وہ ناشتے سے فارغ ہوکر چائے پی رہی تھی۔ اماں سبزی کا شاپر لے کر اس کے قریب ہی تخت پر بیٹھ گئیں۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری......؟'' اماں کے غیر متوقع اور بے محل سوال پر اس نے چونک کر اماں کو دیکھا۔

''کیوں، مجھے کیا ہوا تھا؟ آپ سنائیں آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں؟'' اس کے سوال پر اماں جز بز ہوگئیں۔

''وہ ......وہ دراصل سامعہ ہے ناں ہمارے پڑوس میں، وہ اپنے دیور کا رشتہ لے کر آنا چاہتی ہے اپنی وردہ کے لیے۔''

''جی......'' اسے چائے کے گھونٹ سے پھندا سا لگ گیا۔ کپ رکھ کر وہ خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے لگی...... اماں نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر حزن وملال اور مایوسی نمایاں تھی...... اماں گڑ بڑا گئیں اور پھر سنبھل کر بولیں۔

''فردہ تم نے بڑی ہونے کے ناتے جس برے وقت میں باپ کی اچانک موت کے بعد ہمیں سنبھالا ہے...... جس طرح ذمے داری نبھائی ہے...... تم نے اپنے بڑے ہونے کا حق ادا کردیا ہے...... تم نے وردہ کو اپنی ذمے داری سمجھ کر اسے پڑھایا، اس کی ضروریات کا خیال رکھا، اب یقیناً تم اپنی اسی ذمے داری کو محسوس کرتے ہوئے یہ بھی چاہوگی کہ وہ اپنے گھر کی ہوجائے۔'' ان کے آخری جملے پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر تاسف سے اماں کو دیکھا۔

''اُف اماں......! حد ہوتی ہے کسی بات کی...... واقعی اماں تم سوتیلی تھیں اور سوتیلی ہی رہوگی...... بچپن سے لے کر آج تک تم نے سوتیلا پن روا رکھا، ہمیشہ میری حق تلفی کی، میرے ساتھ زیادتی کی، میرے حصے کا کھانا، میری پلیٹ کی بوٹی، میرے ہاتھ کی روٹی، میرے منہ سے لگا پانی، میرے ہاتھ کے کھلونے...... میری پسند کے کپڑے، میری چھوٹی، چھوٹی خوشیاں، میری ننھی، ننھی خواہشات، میرے معصوم خواب، میری ہر چیز...... میرے ہاتھوں سے چھین کر وردہ کی جھولی میں ڈال دیں...... صرف یہ کہہ کر کہ تم بڑی ہو...... اور آج...... آج بھی اماں...... آپ کو صرف وردہ دکھائی دیتی ہے...... آج یہ سوچ کیوں نہیں کہ تم بڑی ہو، تمہارا گھر پہلے بسنا چاہیے، وردہ چھوٹی ہے...... کم عقل ہے، کم عمر ہے...... مگر نہیں...... نہیں اماں...... آپ ایسا کیوں کہیں گی...... کیونکہ پھر اس گھر کا کیا ہوگا......؟ کہاں سے اخراجات پورے ہوں گے...... تمہاری لاڈلی کو نہ صبح سویرے اٹھنے کی عادت ہے اور نہ محنت کی...... واہ...... اماں واہ!'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں اور چہرے پر تلخ مسکراہٹ آگئی۔

''وردہ کی شادی ہوجائے تو انشاءاللہ ایک آدھ سال میں تمہاری بھی کردوں گی۔'' اماں کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی پھیکی اور بے جان ہنسی۔ اماں کھسیا گئیں۔

''وہ میرا مطلب ہے اگلے اتوار کو سامعہ لوگ آرہے ہیں ہمارے گھر......'' اماں نے جلدی سے بات بدل دی۔

اتوار والے دن فروہ نے خاص طور پر اپنے ہاتھوں سے کھانے پینے کا اہتمام کیا۔ وردہ کی خوشی قابلِ دید تھی۔ وہ سارا دن گنگناتی مسکراتی اپنے حسین خیالوں میں گم رہی۔ زید کے خیالوں میں گم رہی، اسے زید پہلی نظر میں اچھا لگا تھا۔اور کتنی آسانی سے اس کا ہونے جارہا تھا۔ شام تک گھر چم، چم کرنے لگا وردہ بھی نہا دھو کر تیار ہوگئی اور رنج اور بلو کومبینیشن کے جدید اسٹائل کے سوٹ میں ہلکے، ہلکے میک اپ اور کھلے بالوں میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ فروہ ساری چیزیں تیار کر کے کچن سے نکلی تو اماں نے کہا تم بھی نہا کر تیار ہو جاؤ...... مگر فروہ نے منع کر دیا کہ مجھے تیار ہو کر کیا کرنا ہے۔ اس نے بس منہ دھو کر بالوں میں برش مار کر کچر لگا لیا۔ وائٹ اور میرون ڈائس کی شرٹ، وائٹ چوڑی دار پاجامے اور وائٹ دوپٹے میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں سامعہ اپنی فیملی کے ساتھ آگئی۔ اماں نے آگے بڑھ کر سامعہ کو گلے لگالیا۔ وردہ کو آج ان لوگوں سے شرم آرہی تھی وہ اندر کمرے میں تھی۔ زید نے ایک بھرپور نظر فروہ پر ڈالی۔ فروہ نے بھی اسے غور سے دیکھا اور سلام کیا۔ واقعی زید بہت اسمارٹ اور خوش شکل تھا کہ کوئی بھی لڑکی اسے پسند کر سکتی تھی۔

''وردہ واقعی تم خوش قسمت ہو، ہر معاملے میں......'' فروہ نے دل میں سوچا اور نہ جانے کیوں ایک لمحے کے لیے دل اداس ہوگیا...... مگر دوسرے لمحے اس نے سر جھٹک دیا۔ سب لوگ ڈرائنگ روم میں آگئے۔

''فروہ سے تو ملاقات ہی نہیں ہوتی۔'' سامعہ نے بے تکلفی سے کہا۔

''جی بھابی! میری تو روٹین ہی اتنی ٹف ہے۔'' فروہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''سوری کہ میں آپ لوگوں کو ٹائم نہیں دے سکی۔''

''ارے نہیں ڈیئر!'' سامعہ جلدی سے بولی۔ ''تم تو قابلِ فخر ہو جو اتنی سی عمر میں اتنی محنت کرتی ہو، اعتماد اور خودداری کے ساتھ سارے امور انجام دیتی ہو۔'' سامعہ کی بات پر اماں پہلو بدل کر رہ گئیں...... شاید انہیں آج کے دن اس موقع پر فروہ کی کھلی تعریف پسند نہیں آئی تھی۔

''فروہ جاؤ کھانے کے لیے کچھ لے آؤ......'' اماں نے جلدی سے بات بدلنے کے لیے مناسب نکتہ نکالا۔

''جی اماں......'' کہہ کر فروہ اٹھ گئی۔

تھوڑی دیر میں نماز کا ٹائم ہوگیا۔ مغرب کی اذان کے ساتھ ہی حبیب اور زید نماز کے لیے مسجد چلے گئے اور سامعہ نے بات اسٹارٹ کی۔

''آنٹی ہمیں اس محلے میں آئے گو کہ زیادہ وقت نہیں ہوا لیکن اتنے دنوں میں ہم نے آپ لوگوں کی تعریف ہی سنی ہے کہ آپ کے شوہر کے انتقال کے بعد جس طرح آپ خواتین نے یہ وقت گزارا ہے وہ قابلِ تحسین ہے...... بس میں نے سوچ لیا تھا کہ میں ضرور آپ کی بیٹی کو اپنی دیورانی بناؤں گی...... اور پھر وردہ سے مل کر ہی اندازہ ہوگیا کہ آپ نے اپنی بیٹیوں کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی...... ہمیں کچھ نہیں چاہیے، آنٹی اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ بس ہمیں آپ کی بیٹی چاہیے۔''

''ارے بیٹی کیسی باتیں کر رہی ہو...... میں نے بھی کچھ تیاری کر رکھی ہے جس کی شادی پہلے ہوگی اس کو دے دوں گی۔ بس بیٹی یہ تو اللہ کے فیصلے ہیں...... ہر کوئی اپنے نصیب سے لے کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسری بیٹی کے لیے بھی اسباب پیدا کرنے والا ہے......'' فرطِ مسرت سے اماں نے دل کی بات بھی کہہ ڈالی۔ فروہ نے چونک کر اماں کو دیکھا۔ یہاں بھی اماں چال چل گئی تھیں جو کچھ تیاری اماں نے کی تھی وہ ان کا سارا زیور تھا جس میں ایک سیٹ اور دو سونے کی چوڑیاں تھیں۔ یعنی وہ بھی وردہ کے حصے میں چلا گیا تھا...... اور وہ سب کے سامنے یہ کہہ کر پابند ہوگئی تھیں۔

''واہ، واہ......! کیا چالیں چلتی ہو تم بھی......''

فروہ اماں کو دیکھ کر دکھ سے سوچنے لگی۔

''جی، جی آنٹی..... ہر بچی کا اپنا نصیب ہے اللہ تعالیٰ سب کے نصیب بلند کرے۔'' سامعہ نے کہا۔ ''بچیاں تو آپ کی دونوں ہی اچھی ہیں..... وردہ حاضر جواب، شرارتی، اور چلبلی سی ہے ظاہر ہے ابھی اس میں بچپنا جو ہے اور جب تک گھر میں بڑی بہنیں ہوں چھوٹی ہمیشہ چھوٹی ہی رہتی ہے۔ خود کو بڑا ہونے ہی نہیں دیتیں..... فروہ بڑی ہے تو ظاہر ہے کہ اس نے خود پر ذمے داریاں ڈال رکھی ہیں۔''

''ہاں مگر وقت کے ساتھ، ساتھ سب بڑی ہو جاتی ہیں۔'' اماں نے درمیان سے جملہ اچک لیا تھا۔

''جی.....! اور آپ بھی یہی چاہتی ہوں گی کہ پہلے فروہ اپنے گھر کی ہو جائے..... اس لیے ہمیں زید کے لیے فروہ کا ہاتھ دے دیں..... زید کو بھی فروہ پسند ہے۔ اس کے ذہن میں جیسی سوبر، سنجیدہ اور بردبار لڑکی کا تصور ہے فروہ بالکل ویسی ہی ہے۔ زید کو آفس کی طرف سے جلد ہی گھر بھی ملنے والا ہے۔ اس لیے ہم جلدی نکاح کرنا چاہیں گے اور رخصتی بھی سادگی سے چاہیں گے۔ کیونکہ ہمیں دھوم دھڑکا یا پیسے کا بے جا اسراف پسند نہیں ہے..... اور یقیناً فروہ کی شادی کے بعد ہماری وردہ گڑیا بھی بڑی ہو جائے گی۔'' آخری جملہ سامعہ نے پُرمزاح انداز میں ادا کیا۔

''ہائیں.....'' اماں غیر یقینی انداز میں آنکھیں پھاڑے سامعہ کو ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو..... جیسے سامعہ کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو..... ''تم، تم فروہ کے لیے.....؟''

اماں بہ مشکل حواسوں پر قابو پاتے ہوئے اپنے شک کو یقین بنانا چاہتی تھیں۔

''جی..... جی ہمیں زید کے لیے فروہ کا رشتہ چاہیے۔'' سامعہ نے ایک، ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ فروہ آنکھیں پھاڑے کبھی اماں کو تو کبھی سامعہ کو دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا جیسے وہ خواب کی سی کیفیت میں ہے۔

زید کے لیے فروہ کا رشتہ.....؟ یہ کیسا انکشاف تھا کہ زید، فروہ کو پسند کرتا ہے..... یہ بات اماں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ عجیب سکتے جیسی حالت ہو گئی تھی اماں کی..... جوش، جوش میں انہوں نے زیور کی پیشکش بھی کر ڈالی۔

''اُف!'' باہر کھڑی وردہ نے لڑکھڑا کر دروازہ تھام لیا..... اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو امڈ آئے..... یوں اچانک سے اس کے سارے خواب ریزہ، ریزہ ہو گئے تھے۔ فروہ تو ہونق بنی بیٹھی تھی۔

''واہ میرے رب! تیرے راز تو ہی جانے.....''

واقعی یہ سب نصیبوں کے چکر ہی تو ہیں..... ساری زندگی اماں نے جس طرح فروہ کی حق تلفی کی، اس کی ہر چیز چھین، چھین کر وردہ کے حوالے کرتی گئیں..... آج..... آج تقدیر کے اس فیصلے پر وہ خود بھی حیران و ششدر تھیں..... وقت نے کیسا کاری وار کیا تھا.....

سامعہ نے آگے بڑھ کر فروہ کو گلے لگا لیا۔

''آنٹی مٹھائی کھلا دوں ناں؟'' سامعہ پلٹ کر اماں سے مخاطب ہوئی۔

اماں نے اثبات میں سر ہلا دیا..... یہاں انکار کی گنجائش بھی کہاں تھی..... سامعہ نے فروہ کے منہ میں مٹھائی رکھ دی..... آج فروہ کو عجیب سا سکون ملا تھا۔ ساری زندگی اپنی خوشیاں، اپنے حصے کی چیزوں کو ترسنے والی فروہ نے گویا ایک جھٹکے میں سارے بدلے نکال لیے تھے..... وقت نے کیسا بھرپور طمانچہ مارا تھا..... وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں تھی..... اچانک اماں نے آگے بڑھ کر فروہ کو سینے سے لگا لیا..... اماں کے سینے سے لگے، لگے اس نے وردہ کی آنکھوں میں چمکتے آنسو بھی دیکھ لیے تھے..... اماں کے سینے سے لگ کر نہ جانے کیوں وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دی یہ اس کی شاندار جیت کے آنسو تھے یا پھر اماں اور وردہ کی ہار کے وہ سمجھ نہ سکی تھی۔

# گھنٹی

شیریں حیدر

رات کے اڑھائی بج رہے تھے اور خرم کا بی اماں نامہ ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔۔۔۔ پہلے اس کے دوستوں نے اسے رات ساڑھے بارہ بجے تک کمرے میں ہی نہ آنے دیا اور جب وہ آیا تو سب سے پہلے اس نے ہاجرہ کو اس کے بی اماں سے منسلک فرائض گنوانا شروع کر دیے۔۔۔۔ انہیں کیا اچھا لگتا ہے اور کیا برا۔۔۔۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی پرورش کس طرح مشقت سے کی اور اس کی خاطر، اس کے ابا کی وفات

کے بعد دوسری شادی بھی نہ کی حالانکہ اس وقت وہ پچیس برس کی بھی نہ ہوئی تھیں۔ ان کی تو پہلی شادی بھی جانے کیسے ہوئی ہوگی' ہاجرہ فقط سوچ کر رہ گئی۔

''اچھی بیوی وہ عورت ہوتی ہے ہاجرہ..... جو اپنے شوہر کے ساتھ، ساتھ اس کے سب رشتوں کا بھی احساس کرے..... '' اس نے کہا اور ساتھ ہی ہاجرہ پر نظر ڈال کر اسے احساس ہوا کہ اس وقت اس کے کمرے میں ایک عورت تھی، جو اس کی بیوی بھی تھی، جس کے ساتھ چند گھنٹے قبل ہی اس کا بیاہ ہوا تھا اور جسے اس نے چھوا تک نہ تھا۔

☆☆☆

کسی گھنٹی کی کرخت سی آواز سے اس کی آنکھ کھلی، وہ بستر سے اٹھی اور غسل خانے کی طرف لپکی، ہاتھ منہ دھو کر کپڑے تبدیل کر کے باہر نکلی تو خرم اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''اماں نے گھنٹی بجائی تھی کہ ہم جاگ جائیں.....'' ہاجرہ نے دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی، صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے، نیند کے ڈورے اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

''وہ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' اس نے مختصر سا سوال کیا۔

''ہاں ٹھیک ہیں..... آج تو ان کے پاس ان کی بھانجی ہے مگر وہ دو ایک دن تک چلی جائے گی تو ہمیں اس معمول کا عادی ہونا پڑے گا۔'' جواباً خرم نے کہا۔

''میں تھوڑی دیر کے لیے سو سکتی ہوں.....؟ آنکھوں میں جلن ہو رہی ہے..... شام کو پھر تیار ہونا ہے ویسے کے لیے، ممکن ہے کہ دن میں آرام کا وقت نہ ملے۔''

''ہاں، ہاں ..... کیوں نہیں.....'' اس نے فوراً کہا۔ ''ایک بار اماں کو سلام کر آؤ، میں نے انہیں بتایا تھا کہ تم جاگ چکی ہو، برا محسوس کریں گی کہ تم نے ان کی پروا نہیں کی۔''

''چلیں بتا دیں مجھے کہ ان کا کمرا کون سا ہے.....'' وہ بادلِ ناخواستہ اٹھی۔ ساس کے کمرے میں جا کر انہیں سلام کیا اور ان کے پلنگ کی پائنتی بیٹھ گئی۔

کمرے میں عجیب سی بو رچی تھی، کمرے میں فرش پر فوم اور روئی کے کئی گدے پڑے تھے، ان میں سے کچھ پر سے سونے والے اٹھ کر جا چکے تھے اور کچھ ابھی تک خراٹے لے رہے تھے۔

''کیسی ہو بیٹا؟'' اماں نے سوال کیا۔

''جی ٹھیک ہوں.....'' اس نے سر جھکا کر کہا۔

''خوب سوئیں پھر تم؟'' انہوں نے اگلا سوال کیا۔

''جی نئی جگہ پر نیند ہی نہیں آئی.....'' اس نے سچ اگلا۔ ''ابھی سونا چاہ رہی ہوں تاکہ شام تک کچھ نیند پوری کر لوں۔''

''چھ گھنٹے بڑی نیند ہوتی ہے بیٹا.....'' انہوں نے چھ گھنٹے پر زور دے کر کہا۔

''جی میں تو بہ مشکل دو گھنٹے بھی نہیں سوئی.....'' اس کے منہ سے پھسل گیا۔

''جو وقت کمرے میں دروازہ بند کر کے گزرے..... وہ سونے میں ہی شمار ہوتا ہے، چاہے تم اس وقت میں سو لو یا.....'' انہوں نے فقرہ ادھورا چھوڑا جس پر ان کی چھچھوری سی بھانجی اور دو ایک عورتوں نے فلک شگاف قہقہہ لگایا اور وہ کھسیا کر رہ گئی۔

''بی اماں ..... خرم رات کو ساڑھے بارہ بجے کمرے میں آئے تھے..... اس سے پہلے کمرے میں کئی لوگ تھے، میں نے دروازہ بند بھی نہیں کیا تھا.....''

''سو جاؤ جا کر.....'' انہوں نے کہا۔ ''اور یاد رکھو کہ مجھے قطعی پسند نہیں کہ کوئی مجھ سے بحث کرے، یہ میرا گھر ہے اور اس گھر میں میری بات حرفِ آخر ہوتی ہے..... اب تم اس گھر کا فرد ہو اور تمہیں اس اصول سے بخوبی آگاہ ہونا چاہیے.....'' نئے گھر میں، خاندان کی چند اور خواتین کی موجودگی میں اس کی ساس نے اس کا ''والہانہ'' استقبال کر کے اسے اس کی اوقات بتا دی تھی..... کون سی بحث کی تھی اس نے؟ وہ سوچ رہی تھی، اس کے دل میں ایک ننھا سا شکوے کا بیج گرا اور

کمرے میں پہنچ کر اس کے آنسو اس کی آبیاری کرنے لگے، وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

کمرے کا دروازہ دہاڑ سے کھلا...... وہ دونوں صوفے پر قریب، قریب بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے، اماں کو دیکھتے ہی خرم تو جیسے کرنٹ کھا کر اچھلا اور صوفے سے اٹھ کر بھاگتا ہوا اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچا...... ''آپ کیسے اٹھ گئیں اماں؟'' خرم نے اسے بتایا تھا کہ اماں خود بخود اٹھ نہیں سکتی تھیں۔

''کافی دیر گھنٹی بجاتی رہی......'' اماں نے جواب دیا۔ ''تم لوگ یہاں اپنے آپ میں مگن تھے، میری گھنٹی کون سنتا...... اس لیے خود کو گھسیٹ گھساٹ کر یہاں تک لے آئی......'' یوں تو دو کمروں کے بیچ فقط برآمدے کا ہی غالباً دس گز کا فاصلہ ہوگا۔ صحن کے بعد برآمدے کے دو کونوں پر یہ دو کمرے تھے اور ان میں سے ایک کے ساتھ غسل خانہ اور ایک کے ساتھ باورچی خانہ تھا، بیٹھک نما کمرا جو آنے گئے کے لیے استعمال ہوتا تھا وہ داخلی دروازے سے قریب تھا۔

''بجلی بند ہو گی اس وقت اماں......'' خرم نے ہکلا کر اپنی شرمندگی چھپانے کو کہا۔ اماں کے الفاظ سے ہاجرہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ دونوں کوئی ''واردات'' کرتے ہوئے پکڑے گئے ہوں، دل میں خیال آیا بھی کہ اماں سے کہے۔ یہاں تک چل کر آ گئی ہیں تو اس سے چوتھائی کم فاصلے سے آپ غسل خانے میں بھی جا سکتی تھیں مگر خاموش رہی، اماں کی زبان کے آگے کون سا کوئی خندق تھی۔ خود پر جبر کرتی ہوئی اٹھی اور اماں کو سہارا دے کر واپس اسی سمت موڑا جس سمت سے وہ آئی تھیں، اب اماں کا وجود ناطاقت ہو کر ڈھیلا پڑ گیا تھا اس لیے ہاجرہ کو انہیں سنبھالنے میں کافی دشواری ہو رہی تھی...... یہی نہیں، غسلخانے کے بعد انہیں کمرے میں لے جا کر تیل سے ان کی پنڈلیوں کی مالش بھی کرنا پڑی جو دس گز چلنے سے بقول اماں کے سوج گئی تھیں، کمر کو دبانا بھی پڑا...... دل ہی دل میں وہ اس فلم کا سوچ رہی تھی جو اس قدر دلچسپ تھی کہ اسے اب اس کے انجام کا تجسس ہونے لگا۔ جب تک اماں کو 'سکون' ملا اور وہ کمرے میں لوٹی، فلم ختم ہو چکی تھی اور خرم سو رہے تھے۔

خرم سے کہتی ہوں کہ اماں کو کم از کم اتنا تو کہیں کہ کسی میاں بیوی کے کمرے میں داخل ہونے سے قبل دروازے پر دستک ہی دے کر اندر سے جواب کا انتظار کرنا چاہیے...... ہمارے ابا اور اماں تو اپنے بچوں کے کمرے تک میں دستک دے کر یا کھنکھار کر، تھوڑی دیر باہر انتظار کر کے...... پھر اندر داخل ہوتے ہیں۔ مگر اس نے اپنے الفاظ کو منہ میں ہی دبا لیا، اس سے قبل وہ ولیمے والے دن کی اماں سے بحث کی بابت خرم کو بتا کر اپنی عزت افزائی کروا چکی تھی۔ خرم نے اس سے بہت سختی سے کہا تھا۔

''آج پہلی اور آخری بار تمہارا منہ اماں کے خلاف بات کرنے کو کھلا ہے ہاجرہ...... اس کے بعد اگر ایک لفظ بھی تم نے اماں کی مخالفت میں میرے یا کسی کے بھی سامنے کہا تو اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔''

☆☆☆

اللہ معاف کرے، جب پہلی بار وہ اپنی بھانجی اور خرم کے ساتھ ان کے ہاں رشتہ دیکھنے کو آئیں...... چائے مہمانوں کو پیش کی جا چکی تھی، بعد میں اسے بلایا گیا اور اس کے لیے جو نشست چھوڑی گئی تھی وہ عین خرم اور ان کے سامنے تھی، ہاجرہ سر جھکا کر بیٹھ گئی، موقع ملا تو نظر اٹھا کر دیکھا، خرم اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ جھنجلا گئی اور فوراً ان خاتون کی طرف دیکھا، ملگجے سے رنگ کے لباس اور بے کنگھی کے بالوں کے ساتھ، وہ حیران بھی ہوئی کہ وہ لوگ کام کرنے والی کو کیوں ساتھ لے آئے تھے...... خرم کی خالہ زاد عمر میں کافی بڑی تھیں، انہیں وہ خرم کی اماں سمجھی تھی، ان کے جانے کے بعد جب اس نے اماں سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ملازمہ نہیں بلکہ خرم کی اماں تھیں۔

''ان کا سیاہ رنگ اور بڑے، بڑے دانت تو اللہ کی دُین مگر اپنے بیٹے کا رشتہ دیکھنے جاتے ہوئے مائیں کم از کم منہ تو دھو لیتی ہوں گی اماں!'' اس کے بے ساختہ کہنے پر اماں کی ہنسی نکل گئی۔

''لڑکا اچھا ہے بیٹا...... ماں مستقل مریضہ ہے، گھر میں کسی چوتھے فرد کا سننا نہیں ہوگا...... پڑی رہتی ہیں بستر پر، انہیں سنبھالنے کو کل وقتی ملازمہ ہے۔''

اماں نے اسے سمجھایا، اسے کوئی اعتراض نہ تھا، خرم پر پڑنے والی نظر نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا، خوبرو بھی تھا اور شکل سے سمجھ دار بھی لگتا تھا، ملازمت بھی اس کی اچھی تھی، ابا اس کے بارے میں چھان بین کر چکے تھے، محلے اور پاس پڑوس سے اس کی چال ڈھال کا بھی معلوم کر چکے تھے، سو جلد ہی انہیں ہاں کہہ دی گئی...... اماں جب ان کے ہاں سے ہو کر آئیں تو تھوڑی پریشان محسوس ہوئیں، ہاجرہ نے چھوٹی سے استفسار کیا تو اس نے مختصراً کہا کہ ان کے گھر کی خستہ حالی سے اماں پریشان ہوگئی تھیں مگر ساتھ ہی کہہ دیا کہ کون سا ابھی گھر میں کوئی گھر کو سنبھالنے والی ہے...... ملازموں سے کام بھی وہی کروا سکتا ہے جو اپنے پیروں پر چل پھر کر نگرانی کر سکتا ہو، سو اس چھوٹے سے مسئلے کو نظر انداز کر دیا گیا۔

شادی کے چند دن کے بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ملازمہ نام کی کوئی مخلوق اس گھر میں نہ تھی، گھر کی صفائی کرنے کے لیے آنے والی وہ تیز طرار سی لڑکی ہی تھوڑی دیر کے لیے اماں کو سنبھالتی تھی، باقی وقت اماں خود ہی کسی نہ کسی طرح گزار لیتی تھیں، جب تک کہ خرم دفتر سے لوٹ کر آتا اور آتے ہوئے کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے لے کر آتا تھا، اماں کے پاس بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا، بنا کر انہیں کھلاتا اور بعد میں انہیں سہارا دے کر غسل خانے تک لے جاتا، جتنی دیر تک وہ اندر سے آواز نہ دیتیں، یہ باہر کھڑا رہتا اور پھر انہیں سہارا دے کر واپس ان کے بستر پر لاتا اور لٹا کر کمبل وغیرہ اوڑھاتا، ان کی دوا دارو، دودھ، پھل...... سب کام خرم خود کرتا تھا۔ چھٹی کے دن اور ہفتے میں کئی دن اور بھی...... اماں کی بھانجی کوثر آ جاتی تھی، اماں کی دیکھ بھال کرتی، کھانا وغیرہ بناتی، گھر کی صفائی کرتی، اماں کا بستر تبدیل کرتی، انہیں نہلا دیتی...... کبھی کبھار وہ اپنی بیٹی ربیعہ کو بھی ساتھ لے آتی، جو خرم کے آگے پیچھے گھومتی، اس کے سامنے اماں کے کندھے، کمر اور ٹانگیں دباتی، گھر کی صفائی کرتی اور خرم کے کمرے کی بالخصوص صفائی کرتی تھی۔

خرم ان ماں بیٹی کے سارے چلتر سمجھتا تھا...... مگر اس کا دل کبھی ربیعہ کی طرف مائل نہ ہوتا تھا کیونکہ اماں کی بھانجی اور پھر اس کی بیٹی کی شکل بھی اس کی اماں پر ہی پڑی تھی، اماں تو اس کی اماں تھیں اس لیے اپنی ساری کم شکلی کے باوصف اسے دنیا کی سب سے خوب صورت عورت لگتیں کہ انہوں نے اس کی خاطر اپنی جوانی تج دی تھی، بارہا اماں اسے جتلاتیں کہ اس کی خاطر انہوں نے اس کے ابا کے بعد دوسرا بیاہ نہیں کیا...... وہ اماں کی بات کو سچ مانتا اور دل سے اماں کی اس قربانی کی قدر بھی کرتا تھا...... وہ سمجھتا تھا کہ وہ اپنی ماں کے پاؤں بھی دھو دھو کر پیے تو کم تھا۔ بھلا وہ کیسے ہاجرہ کے منہ سے اپنی ماں کے بارے میں ایک لفظ بھی سنتا۔

بہت بعد میں، جب خرم نے اپنی خالہ کی بیٹی سے شادی سے انکار کر دیا اور اس کی خالہ کا اصرار بڑھتا رہا...... ممکن تھا کہ تاریخ پھر خود کو دُہراتی، خرم کی ماں نے اپنی بہن کو بٹھا کر سمجھایا کہ یہ فیصلہ غلط ہوتا، جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہی ربیعہ کے ساتھ بھی ہو...... دونوں بہنیں تاریخ کے باب ربیعہ کے سامنے کھول کر بیٹھی تھیں کہ خرم اسی وقت وہاں سے گزر رہا تھا، سانس روک کر کھڑے ہو کر اس نے ساری گفتگو سنی جو اُن دونوں بہنوں کی طرف سے انکشافات کے انبار لیے ہوئے تھی...... خرم کے ابا عباس کی شادی زبردستی اس کی دادی نے اپنی بھانجی صالحہ سے کر دی تھی

جو کہ اسے پسند نہ تھی، زبردستی کی اس شادی کی پہلی رات گزار کر ہی اپنی ماں سے عباس نے کہا بھی کہ اسے صالحہ کے ساتھ نہیں رہنا، اماں نے دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دی اور صاحبزادے...... شادی کے پندرہ دن کے بعد، طلاق نامہ تکیے کے نیچے رکھ کر اپنی اماں کا گھر چھوڑ گئے کہ انہیں اپنی ماں کے غصے کا علم تھا۔

صالحہ اپنے وجود میں خرم کو لیے اپنے ماں باپ کے گھر آ گئیں...... خرم کو جنم دیا تو خود کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، عباس جیسا رنگ و روپ، خرم کی دادی بھی اسے دیکھنے کو آئیں اور اپنے بیٹے کی اولاد دیکھ کر تڑپ اٹھیں، بیٹا جب سے گیا تھا لوٹا نہ تھا نہ کوئی رابطہ تھا...... چاہتی بھی تو بہو اور پوتے کو گھر نہ لے جا سکتی تھیں۔ بہن سے بھی شرمندہ تھیں مگر اچھی بات یہ تھی کہ بہنوں کے بیچ اس رشتے کے ٹوٹ جانے کے باوجود بھی رابطہ تھا کیونکہ دونوں جانتی تھیں کہ قصور کس کا تھا۔ نہ عباس خود مانتا تھا نہ اس کے ابا مگر خرم کی نانی نے زبردستی اپنی بیٹی کا رشتہ بہن کو دیا، اس مان پر کہ ان کی سگھڑ بیٹی صالحہ اپنے ہنر اور سلیقے سے ایک نہ ایک دن عباس کا دل جیت لے گی، چند دنوں کے لیے اس نے اس کا وجود تو تسخیر کر لیا مگر دل تک رسائی نہ پا سکی...... عباس کو اسے دیکھ کر کوفت ہوتی تھی۔

پھر ایک اداس سے دن میں...... عباس کی حادثاتی موت کی خبر اور اس کی میت آ گئی، ماں باپ ٹوٹ کر رہ گئے، اپنے اکلوتے فرزند کے ساتھ ہونے والے حادثے نے انہیں انتہائی ملول کر دیا اور یکے بعد دیگرے وہ چل بسے...... ترکے میں ان کا جو کچھ تھا وہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی خرم کے نام کر دیا تھا، جس میں ایک وہ درمیانے درجے کا گھر تھا جس میں وہ خرم کو لیے اٹھ آئی تھیں...... خاندان کے قریبی لوگوں کے سوا زیادہ تر کو یہی علم تھا کہ وہ بیوہ ہو گئی تھیں...... اس کا ثبوت یہ تھا کہ وہ اپنے سسرالی گھر میں رہتی تھیں...... ان کی اماں نے بہت کوشش کی کہ ان کا عقدِ ثانی کر دیں مگر وہ تو ان کے سگے بھانجے کی ناک سے ہی نہ اتری تھیں کوئی اور انہیں کیا بیاہتا، کوئی جو بھولا بھٹکا رشتہ، رنڈوا یا ادھیڑ عمر کا آ بھی جاتا تو ان کی شکل دیکھ کر دوبارہ نہ لوٹتا، ان کی اماں نے تو رشتے کروانے والیوں پر اپنا آدھا گھر پھونک ڈالا تھا مگر تمنا بر نہ آئی تھی...... انہوں نے صبر کر لیا اور صالحہ نے اپنے ارمانوں کو تھپک، تھپک کر سلا دیا۔

''آپ ایک دفعہ ہاں کریں خالہ......'' ربیعہ کے لہجے میں غرور تھا۔ ''ایک بار بیاہ ہو جائے تو ایسا سیدھا کروں گی جیسے تیر ہوتا ہے......'' خرم، ربیعہ کے دعوے کو سن کر حقارت سے مسکراتا ہوا وہاں سے اپنے کمرے کی طرف لوٹ گیا۔

''میں بھی یہی سمجھتی تھی ربیعہ...... میری تو، تُو بچی ہے اور مجھے پیاری بھی بہت ہے مگر میں نے جوانی جس آزمائش میں گزاری ہے...... میرا بیٹا اپنے باپ کی طرح ہی حسین بھی ہے اور حسن کا دیوانہ بھی...... میں خود تیرا کسی اچھی جگہ بیاہ کروا دوں گی۔'' خرم کی سماعتوں میں اپنی ماں کے الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے جاتے، جاتے سنے تھے۔

کسی کے توسط سے رشتہ ہوا اور شادی بھی ہو گئی مگر کوثر نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا اور اپنی نئی بہو کی جو عزت افزائی صالحہ نے ولیمے کے دن کی تھی اس نے تو کوثر کے حوصلے کو تازہ کر دیا، جانتی تھی کہ صالحہ کی بہو اس کی تلخ زبان زیادہ دن تک نہ سہہ پائے گی۔

☆☆☆

''خرم مجھے میرے گھر پر چھوڑ دیں گے جاتے ہوئے اور واپسی پر لے لیں؟'' ہاجرہ نے التجا کی۔

''کوثر خالہ یہاں آئی ہوئی ہیں تو آج کا دن میں اماں کے پاس گزار لوں گی۔''

''اماں سے پوچھ لو......'' خرم نے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا، یہ مرحلہ کٹھن تھا۔

''آپ اجازت دے دیتے تو میں انہیں اطلاع کر دیتی۔'' وہ ہچکچائی۔

''وہ گھر کی بڑی ہیں ہاجرہ...... اجازت ان سے لینا ہوگی۔'' اس کا انداز اور لہجہ دونوں حتمی تھے۔

''مجھے اپنے شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت ہے خرم......''

''تم چار جماعتیں پڑھ لینے والی عورتوں کا المیہ یہ ہے کہ تم مذہب اور رسوم و رواج کا موازنہ شروع کر دیتی ہو......'' خرم نے غصے سے کہا۔ ''اگر جانا ہے تو اماں سے اجازت لے کر تیار ہو جاؤ ورنہ مجھے بھی دیر ہو جائے گی۔''

''میں آپ کا ناشتا بناتی ہوں......'' اس نے بال سمیٹے اور چل دی۔ ''کسی اور دن چلی جاؤں گی ان سے اجازت لے کر......'' کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے کہا۔ ''مجھے دوسروں کے سامنے ان سے بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں ہے......'' باہر نکل کر وہ آزادی سے بڑبڑائی۔

''کس سے باتیں کر رہی ہے تُو ہاجرہ......'' کوثر خالہ تو گویا اس کے کمرے کے باہر ہی کھڑی تھیں۔

''اپنے آپ سے خالہ......'' کہہ کر وہ باورچی خانے میں چلی گئی اور خالہ بڑبڑاتی ہوئی صالحہ کے کمرے کی طرف۔ تینوں کا ناشتا لے کر وہ اماں کے کمرے کی طرف چلی، ناشتا میز پر رکھا اور واپس مڑی۔

''تم نے ناشتا کر لیا ہاجرہ؟'' خرم نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے......'' وہ کہہ کر رکی نہیں۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ آنکھوں میں چمکتے موتی کسی ناقدرے جوہری کے سامنے دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

اماں کو نہلا کر اس نے بالوں میں کنگھی کی، انہیں بستر تبدیل کر کے لٹایا، ان کے اتارے ہوئے کپڑے مشین میں دھونے کو ڈالے اور ساتھ، ساتھ انہیں کھانا بنا کر کھلایا...... انہیں غنودگی سی ہونے لگی تو وہ کمرے کی بتی بجھا کر باہر نکلی، مشین سے کپڑے نکال کر پھیلائے اس کے بعد نہا کر اپنے کمرے میں آئی اور تھکاوٹ سے لیٹ گئی۔

''کہاں مر گئی ہو مہارانی؟'' زوردار دھماکے سے دروازہ کھلا اور دیوار پر لگنے کی آواز سے وہ ہڑبڑا کر جاگی۔

''کیا ہو گیا ہے اماں؟'' چند لمحے تو اسے اپنے محلِ وقوع کا اندازہ ہی نہ ہوا اور نہ ہی سمجھ میں آیا کہ وہ سو کیسے گئی تھی۔ اس نے اپنا دوپٹا ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

''گھوڑے گدھے سب بیچ باچ کر یہاں بے حیائی سے پڑی سو رہی ہو بیگم صاحبہ...... مجھے غسل خانے کون لے کر جائے گا...... بجلی بند ہو جاتی ہے تو گھنٹی نہیں بجتی...... مجبوراً مجھے خود کو کھینچ تان کر یہاں تک لانا پڑتا ہے......'' اماں نان اسٹاپ بولے جا رہی تھیں، اسے سمجھ میں نہ آیا کہ روئے یا چیخ، چیخ کر انہیں جواب دے، بے حیائی جانے وہ کس چیز کو کہہ رہی تھیں۔ بند گلے کی ڈھیلی ڈھالی، پورے بازوؤں کی لمبی سی قمیص...... فقط دوپٹا نہ اوڑھ رکھا تھا کہ بال گیلے تھے تو انہیں تکیے پر تولیا رکھ کر پھیلا کر لیٹ گئی تھی۔

''جی......'' اس کے منہ سے خوف، احترام یا ہتک کے احساس کے باعث کچھ نہ نکلا تھا۔

''غضب خدا کا...... رات ساری کیا جاگ کر گزارتی ہو تم جو دن کو بھی بار، بار نیند آ جاتی ہے...... ملتی ناں تمہیں کوئی میری بہشتن ساس جیسی ساس تو سمجھ میں آ جاتا تمہیں...... یہاں تم ملکہ بنی پڑی رہتی ہو، آ گا پیچھا بھول گیا ہے کیا تمہیں؟ سارا دن اپنی اماں کے گھر پر تو تم کولہو کے بیل کی طرح کام کار کرتی ہو گی اور یہاں مجھ اکیلی جان کا ٹھیکرا سا کام کر کے تم بار، بار بستر پر پڑ جاتی ہو، حیا ہے نہ شرم، کوئی یوں ساسوں کے سامنے بدن پھیلا کر لیٹتا ہے؟''

''میں اپنے کمرے میں لیٹی تھی اماں!'' وہ گھگھیائی۔

''ہائیں...... تمہارا کمرا؟'' انہوں نے اسے گھورا۔ ''کیا تمہارے اماں باوا نے جہیز میں دیا تھا یہ کمرا؟'' وہ خاموش ہو گئی۔

''چلیں آپ کو غسل خانے جانا تھا......'' اس نے ان کا ہاتھ پکڑا۔

'' رہنے دو تم...... کمزوری ہے، کوئی معذوری نہیں جو میں خود نہ جا سکوں...... وہ تو میرا بیٹا مجھ پر جان چھڑکتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں میں پھسل کر گر نہ جاؤں اور بستر پر نہ پڑ جاؤں......'' انہوں نے کمالِ بے نیازی سے کہا۔ '' رکھنے کو تو وہ میرے لیے ملازمہ بھی رکھ سکتا تھا مگر جتنی چاہے تنخواہ دے لو، ملازماؤں کی فطرت میں بدحرامی ہوتی ہے...... خرم کہتا تھا کہ ایسی لڑکی کو اس کی بیوی بنا کر لاؤں جو اس کی ماں کو ہتھیلی کے چھالے کی طرح رکھے...... کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیسا سودا پلے پڑ جاتا ہے......'' وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

'' تھوڑا بہت چلنا پھرنا اچھا ہوتا ہے اماں ورنہ بستر پر پڑے رہنے سے بھی جوڑ جڑ جاتے ہیں۔'' وہ ان کے ساتھ چل رہی تھی کیونکہ انہوں نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ انہوں نے اسے گھور کر دیکھا، ایسی خوفناک گھوری تو کبھی ہاجرہ نے اپنی اماں کی بھی نہ دیکھی تھی۔

☆☆☆

کتنی ہی دیر ہو گئی تھی، عموماً اتنی دیر تک خرم اپنے کمرے میں آ جاتا تھا، اسے نیند بھی آ رہی تھی مگر سو نہیں سکتی تھی کہ خرم کو اچھا لگتا تھا کہ وہ اس کے انتظار میں جاگے۔ انتظار کرتے، کرتے اس کی آنکھ لگ گئی اور جاگی تو صبح کا اجالا کمرے میں پھیل چکا تھا۔ خرم رات بھر کمرے میں نہیں آیا تھا، کہیں اماں کی طبیعت تو خراب نہیں...... اس نے سوچا اور فوراً باہر کو لپکی۔ اس نے تو اس خیال سے رات جا کر نہیں دیکھا کہ کہیں اماں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ خرم کو ان کے پاس بیٹھنے نہیں دینا چاہتی...... خرم اماں کے کمرے سے نکل رہا تھا۔

'' اماں ٹھیک تو ہیں خرم؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا، خرم کی آنکھوں میں بے خوابی کے ڈورے نمایاں تھے، خرم نے ایک عجیب سی نظر اس پر ڈالی، وہ کمرے کے اندر گئی تو اماں سکون سے خراٹے لے رہی تھیں۔

'' آپ کی اپنی طبیعت ٹھیک ہے خرم؟'' اس نے کمرے میں آ کر خرم سے پوچھا جو تیار ہو رہا تھا۔

'' باقی سب ٹھیک ہے...... بس تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے......'' اس نے لپک کر اس کی چوٹی ہاتھ میں پکڑی اور اسے جھنجوڑ ڈالا...... وہ اس حملے کی توقع کر رہی تھی نہ اس کے لیے تیار تھی اس لیے جھٹکا کھا کر نیچے گری۔

'' کیا ہوا ہے آپ کو سویرے، سویرے؟'' اس کی آنکھوں میں وحشت تھی، اس سے اتنا پیار جتلانے والا اس وقت اس سے کس لہجے میں بات کر رہا تھا۔

'' تم نے اماں سے یہ کیوں کہا کہ وہ دن بھر بستر پر پڑی رہتی ہیں؟'' اس نے خونخوار لہجے میں کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

'' میرا کہنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا......'' وہ ہکلائی۔

'' تو گویا تم نے کہا ہے انہیں ایسا؟ میں تو سوچ رہا تھا کہ شاید تم نے کچھ اور کہا ہوگا اور اماں کو سننے میں غلطی ہوئی ہوگی......'' اس نے چلا کر کہا۔

'' میری بات سن تو لیں خرم......'' وہ ملتجی ہوئی مگر خرم کو کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا کہ اس کے ٹھڈے ہاجرہ کے جسم پر کہاں، کہاں پڑ رہے ہیں...... اس کی روح پر، اس کے دل پر...... پھر وہ خاموش ہو کر بے حسی سے اس سے مار کھاتی رہی۔ وہ تھک کر تیار ہوا اور بغیر کچھ کھائے پیے دفتر چلا گیا، ہاجرہ فرش پر ہی پڑی رہی، اسے اٹھانے والا بھی کوئی نہ تھا، دیر تک وہ سسکتی رہی، پھر اٹھ کر غسل خانے میں گئی، منہ پر پانی کے چھپاکے مارے اور اپنی حالت درست کر کے ساس کے کمرے میں گئی، وہ ابھی تک سو رہی تھیں، اس نے ان کا ناشتا بنایا، دودھ کا گلاس گرم کر کے ٹرے میں رکھا، ان کی ناشتے کی ٹرے ان کے کمرے میں رکھی اور اپنے لیے چائے کا ایک کپ بنا کر اپنے کمرے میں لے آئی، اندر سے دروازے کی چٹخنی لگائی اور دوپہر تک باہر نہیں نکلی۔

دوپہر کو کمرے سے نکلی، ساس کا کھانا بنایا، ان کے کمرے میں گئی، سلام کیا، کھانا کمرے میں رکھا، ناشتے کے برتن اٹھائے اور باہر نکلنے لگی تو ان کی آواز آئی۔

'' نخرے کس کو دکھا رہی ہو؟ ابھی تمہاری دھنائی

لگتا ہے کہ گم ہوئی ہے......'' اس نے ایک زخمی نظر ان پر ڈالی، منہ سے ایک لفظ بھی نہ بولی اور باہر نکل گئی، وہ کندھے اچکا کر کھانا کھانے لگیں، وہ باورچی خانے میں آ گئی اور رات کے لیے سبزی کاٹنے لگی، دوپہر کا کھانا وہ نہیں کھاتی تھی......تھوڑی دیر کے بعد کمرے سے چھناکے کی آواز آئی، وہ بھاگ کر گئی تو وہاں ٹرے زمین پر الٹی پڑی تھی۔

''میز پر رکھنے کی کوشش کی تو نہیں رکھ سکی، میز بھی تم میرے قریب نہیں رکھ کر گئی تھیں......'' وہ ایک لفظ بولے بنا باہر نکلی، جھاڑو لے کر واپس گئی اور ٹوٹی ہوئی پلیٹ اور گلاس کی کرچیاں سمیٹ کر اسی ٹرے میں رکھیں اور فرش پر پوچا لگا کر خاموشی سے لوٹ گئی۔

کھانا تیار ہوا تو اس نے چائے بنائی اور ان کے کمرے میں جا کر خاموشی سے میز اُن کے سامنے رکھ کر اس پر چائے رکھی اور اسی خاموشی سے لوٹ گئی۔ ان پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی، بیٹے اور بہو کو خوش اور ہنستا دیکھ کر ان کے اندر ہلچل مچ جاتی اور بصد کوشش انہوں نے ایسا نکتہ نکالا تھا کہ جس پر ان کے بیٹے نے بہو کی دُھنائی کر کے مردانگی کے ایک ایسے دور کا آغاز کیا تھا جس میں مثلث کے تین زاویوں کے مابین کش مکش میں ایک زاویہ یہ کمزور پڑنے لگتا ہے مگر اس کی خاموشی انہیں اور بھی کھٹک رہی تھی۔ اس روز وہ خرم کو یہ بتانا نہیں بھولی تھیں کہ اس میں اتنی اکڑ تھی کہ وہ ان سے دن بھر ایک لفظ بھی نہ بولی تھی...... اس ایک بات پر بھی خرم نے اسے کٹہرے میں کھڑا کر لیا، ہاتھ اٹھا کر شرمندہ تو تھا مگر اماں کی تازہ شکایت کا ازالہ بھی تو کرنا تھا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں...... میں ان سے بات کروں یا نہ کروں؟'' اس نے ہمت کر کے پوچھا۔

''بات کیوں نہ کرو......مگر بالکل بات نہ کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تم کسی مدھ میں ہو۔'' خرم کی ناراضی میں تھوڑی لچک تھی، لہجہ مصالحانہ تھا...... ''کم از کم کوئی بات تو کرتا ہے بندہ...... اور تم انہیں غسل خانے بھی نہیں لے کر گئیں اور تم نے اپنے کمرے کا دروازہ بھی اندر سے لاک کر رکھا تھا......'' تو گویا ساری رپورٹنگ ہو چکی تھی۔

''انھیں اور جا کر ان سے پوچھیں کہ میں نے آپ کے جانے کے بعد جا کر انہیں سلام کیا تھا کہ نہیں؟ انہیں ناشتا اور دوپہر کا کھانا معمول کی طرح دیا یا نہیں...... انہوں نے برتنوں کی ٹرے نیچے پھینک دی اور الزام مجھی پر لگایا تو میں ایک لفظ بھی بولی؟'' وہ ہولے، ہولے بول رہی تھی، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے اپنی بات کہنے کا موقع مل رہا ہے...... ''غسل خانہ ان کے کمرے کے ساتھ ہے، وہ اگر میرے کمرے تک چل کر آ کر چیک کر سکتی ہیں کہ میرے کمرے کا دروازہ لاکڈ ہے یا کھلا ہے تو غسل خانے تک بھی تو جا سکتی ہیں ناں، مگر اس لیے لاک کیا کہ وہ دروازہ کھٹکھٹاتی نہیں ہیں اور پھر اندر آ کر انہیں میں اپنے کمرے میں بھی بغیر دوپٹے کے بے حیا لگتی ہوں...... میری اماں نے بھی میرے ساتھ کبھی اس طرح سے بات نہیں کی۔''

''تم بہت فضول بحث کر رہی ہو ہاجرہ......'' خرم کا پارہ گرم ہونے لگا۔

''میں آپ کے لیے کھانا گرم کر کے لے آتی ہوں۔'' وہ اٹھی، کھانا گرم کر کے لا کر اسے دیا اور خود باہر نکل گئی، اس سے پہلے وہ اس کے ساتھ کھانا کھاتی تھی اور دلربائی کی باتیں بھی کرتی تھی۔ اس نے تنہا کھانا کھایا اور پھر انتظار کرتا رہا مگر وہ نہ آئی، باہر نکلا تو وہ کپڑوں کا ڈھیر لگائے برآمدے میں استری کر رہی تھی۔

''نیند نہیں آ رہی تمہیں؟'' اس نے قریب جا کر پوچھا۔

''آ بھی رہی ہو تو کام ختم کیے بنا سو نہیں سکتی......''

اس نے مختصراً کہا اور پھر کام میں مشغول ہو گئی، وہ کمرے میں چلا گیا، وہ دیر تک آنسو بہاتی رہی، کپڑے استری کرتے، کرتے وہ تھک گئی تھی۔ استری بند کی اور آہستگی سے کمرے سے برتنوں کی ٹرے اٹھا کر لائی اور برتن دھونے لگی۔

''کافی ہوگئے کام اب بس کرو......'' اس نے کہا تو وہ ڈر گئی، چونک کر دیکھا تو... باورچی خانے کے دروازے پر خرم کھڑا تھا۔ ''چلو اب ختم کرو ناراضی اور سو جاؤ......'' اسے کمر سے تھام کر اس نے کہا، وہ فوراً پگھلنے لگی۔

''ملازمہ ہی تو ہوں آپ کی اور آپ کی اماں کی..... اس لیے کام ختم کرنا میری پہلی ذمے داری ہے......'' اس نے تاک کر چوٹ ماری۔

''رانی ہو تم میرے دل کی......'' اس نے اپنے ساتھ لگالیا۔ ''اتنی ناراضی اچھی نہیں ہوتی۔'' باورچی خانے سے نکلتے ہوئے وہ برآمدے کے روشن حصے میں آئے تو فاصلے سے اماں کی کمزور نظروں کو دو...... نہیں...... ایک...... ہیولہ نظر آیا اور ہنسی کی کھنک...... انہوں نے مچل کر کروٹ لی، ان کا وار خالی گیا تھا، وہ بے بسی سے بیٹے کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھنے لگیں، جس کی کنڈی لگنے کی آواز ان کی کمزور سماعتوں پر بھی گراں گزری تھی۔

☆☆☆

''تم نخرہ کس بات کا دکھاتی ہو مجھے؟'' کئی دنوں سے اس نے کوئی فالتو بات نہیں کی تھی اور اماں کو موقع نہیں مل رہا تھا کہ اس کی ''مرمت'' کرواتیں۔

''میں نے کچھ کہا آپ سے اماں؟'' اس نے سادگی سے ان سے پوچھا، وہ دُھلے ہوئے کپڑے تہ کر رہی تھی اور وہ برآمدے میں کرسی پر براجمان دھوپ سینک رہی تھیں۔

''یہی تو کمال ہے تمہارا کہ تم کچھ کہتی نہیں......'' وہ گویا ہوئیں۔ ''یہی تو تمہارا نخرہ ہے......''

''مجھے کچھ وقت لگے گا آپ کو سمجھنے میں اماں اور آپ کو مجھے سمجھنے میں...... میں نے آپ کو اپنی ماں سمجھ کر ایک مشورہ دے دیا تھا کہ آپ کے جوڑ تب ٹھیک رہیں گے جب آپ تھوڑا بہت چلتی رہیں گی...... آپ نے اسے جانے کیا سمجھا اور خرم سے کس انداز میں بات کی کہ وہ بھی طیش میں آ گئے......''

''ہر مرد کو اپنی ماں کی بے عزتی کا سن کر غصہ آتا ہے..... اسے بھی جائز غصہ آیا تھا۔''

''جب میرا مشورہ بھی آپ کو بے عزتی محسوس ہوتا ہے تو بہتر ہے کہ میں انہیں اپنے پاس ہی رکھوں...... میرے اور آپ کے بیچ اور بات کرنے کو ہے بھی کیا؟ آپ کی خوراک اور دوا کا ہر طرح خیال رکھتی ہوں اور ہر چیز آپ کو وقت پر بستر پر مل جاتی ہے..... نہ کوئی اور شخص ہے جس کے بارے میں ہم بات کریں اور نہ ہی ہم دونوں ہم عمر ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو لطیفے سنائیں......'' ان کے تو مانو تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی۔

''بہت دراز زبان ہے تمہاری......'' اماں تپ گئیں، اس نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں اور تہ کیے ہوئے کپڑے اٹھا کر باہر نکل گئی، تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے اور بسکٹ کی ٹرے ان کے سامنے رکھ کر بیٹھک کی صفائی کرنے چلی گئی، وہاں سے نکلی تو برتن ان کے سامنے سے اٹھائے اور باورچی خانے کی طرف چل دی۔

''مجھے غسل خانے میں لے چلو ہاجرہ......'' انہوں نے آواز لگائی۔

''دس منٹ ٹھہر جائیں اماں......'' اس نے جواب دیا۔ ''آٹا گوندھ رہی ہوں۔''

''دس منٹ؟'' وہ دہاڑیں، پھر منہ ہی منہ میں کچھ بدبدائیں اور خود ہی اٹھ کر غسل خانے کی طرف چل دیں، غالباً ایمرجنسی تھی، وہ زیر لب مسکرائی، آٹا گوندھنا تو اس نے ابھی شروع ہی نہیں کیا تھا۔

اس رات...... اس کی دوسری بار مرمت ہوئی تھی...... چوٹیں سہلاتے ہوئے اسے یاد آیا کہ پہلی بار جب مار کھائی تھی تو تب بھی اس نے توریاں پکائی تھیں کہ خرم نے بتایا تھا کہ اماں کو توریاں بہت پسند ہیں اور آج بھی توریاں ہی پکائی تھیں...... اس کے بعد اس گھر میں توریاں نہیں پکیں گی۔ اس نے دل میں مصمم ارادہ کیا، ایک تو اماں کو اپنی پسند کی ڈش ملتی ہے اس پر اماں

کی شہ پر اس کی ڈھنائی بھی ہوتی ہے۔

☆☆☆

''السلام علیکم خالہ جی!'' خرم نے انتہائی احترام سے ساس کو سلام کیا۔ ''بس ہاجرہ کو لینے آیا ہوں اور کوئی تکلف نہ کریں، اماں گھر پر اکیلی ہیں...... اسے خود احساس ہونا چاہیے تھا کہ اماں کو اتنے طویل وقت کے لیے تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا، میں تو سمجھا تھا کہ اب تک وہ واپس آ چکی ہوگی مگر گھر جا کر معلوم ہوا کہ ابھی تک یہیں ہے تو میں لینے چلا آیا۔''

''اوہو بیٹا...... تم فون کر لیتے تو تمہارا یوں چکر نہ لگتا۔'' ہاجرہ نے ماں کو سارے حالات بتائے تھے، وہ خرم اور اس کی ماں کو سبق سکھانا چاہتی تھی اور اس نے ماں سے وعدہ کیا تھا کہ چھوٹے سے ڈرامے کے بعد وہ خود واپس لوٹ جائے گی، اسے معلوم تھا کہ اس کے پیچھے چار اور بہنیں لائن میں بیٹھی ہیں۔ ''وہ تو اپنے ابا کے ساتھ اپنی پھوپی کے ہاں لاہور چلی گئی ہے تین چار دن کے لیے...... اور گھر پر ملازمہ ہے ناں تمہاری اماں کو سنبھالنے کے لیے۔''

''وہ تو جی چھٹی پر گئی ہے......'' وہ ہکلایا، جھوٹ بولتے ہوئے زبان میں اتنی لرزش تو آ ہی جاتی ہے۔ ''اسے مجھ سے پوچھ کر اپنے ابا کے ساتھ دوسرے شہر جانا چاہیے تھا۔''

''اپنے ابا کے ساتھ گئی ہے بیٹا اور پھر جب تم نے خود اسے بھیجا ہے میکے تو کیا حرج ہے کہ وہ اپنی پھوپی سے بھی مل آئے گی۔'' ساس نے متانت سے کہا، وہ ایک سمجھدار عورت تھیں اور جان گئی تھیں کہ صالحہ عورتوں کے کس قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔

''میں نے اسے کب بھیجا ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''تم ہی نے تو کہا تھا اس سے کہ تم اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے بیٹا......'' وہ شرم سے زمین میں گڑنے لگا، اس کے پندار کا بت پاش، پاش ہونے لگا۔

''غصے میں جانے کیا کہہ گیا ہوں گا میں......'' اس نے شرمندگی سے کہا۔

''چلو بیٹا اب تو ہفتہ بھر انتظار کرنا ہوگا...... وہ ایک فرمانبردار بیٹی ہے...... مجھے یقین ہے کہ بہو اور بیوی بھی ایسی ہی ہے، تمہارے محلے کے لوگ تمہاری اماں کی کڑک دار آواز تو سنتے ہیں مگر میری بیٹی کی سسکی کی آواز بھی باہر نہیں نکلتی، چاہے تم اس کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے ہو......'' انہوں نے اسے جتلا دیا تھا کہ وہ سب جانتی تھیں۔

''اچھی بیویاں...... میاں بیوی کے آپس کے معاملات اپنی ماؤں کو نہیں بتاتیں......'' اس نے دوبدو کہا۔

''اسے ہم نے بیاہ کر بھیجا ہے بیٹا، کوئی تمہارے ہاتھ بیچا نہیں...... اور نہ ہی اس نے کوئی ایسی غلطی کی ہے جس کی پاداش میں تم اسے دُھنک ڈالتے ہو...... اپنی مرضی کا اسلام تمہیں یاد ہے کہ اچھی بیویاں کیسی ہوتی ہیں تو یہ بھی یاد رکھو کہ اچھے شوہر، بیویوں کو پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوتے......'' انہوں نے رسان سے کہا مگر وہ بنا کچھ کھائے پیے، پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔

''لاہور سے گھوم پھر کر واپس آ بھی جائے تو اسے کہیے گا کہ آپ کے پاس رہے، جب تک کہ چاؤ پورا نہ ہو جائے اس کا......'' رک کر اس نے جاتے، جاتے کہا تھا، ساتھ والے کمرے میں اندھیرا کیے، دروازے سے کان لگا کر سنتی ہوئی ہاجرہ کا دل خوف سے دھڑکا۔

دن بھر سے زکام اور بخار سے نڈھال ابا، دوا لے کر غنودگی میں پڑے ہوئے تھے، داماد کی موٹر سائیکل کی آواز سن کر ابا چھت سے اتر کر نیچے آئے تو معلوم ہوا کہ وہ آواز موٹر سائیکل کے آنے کی نہیں بلکہ جانے کی تھی...... انہیں بیوی نے بتایا کہ داماد، ہاجرہ کو ایک ہفتہ رہنے کے لیے چھوڑ گیا ہے، اگر ممکن ہو تو لاہور اسے پھوپی سے مِلوانے لے جائیں، ابا نے خوش ہو کر ہاجرہ کو ساتھ لگا لیا...... ''میری پیاری بیٹی، میرے

گھر کی رونق..... پہلی بار شادی کے بعد آئی ہے، جہاں کہے گی وہیں لے کر چلیں گے۔'' انہوں نے جوش سے کہا، ساری بہنیں ارد گرد ہو گئیں اور فیصلہ ہوا کہ کل سب لاہور جائیں گے۔ ہاجرہ کے دل کے خوف کو ماں نے یہ کہہ کر مٹا دیا کہ کچھ زخموں کے علاج کے لیے انہیں بے دردی سے پھوڑنا پڑتا ہے..... وہ جانتی تھیں کہ داماد دل کا برا نہ تھا اور نہ ہی ان کی بیٹی میں اسے بھولے سے کوئی خرابی ملے گی، فقط ماں کی لگائی بجھائی پر اسے مارتا پیٹتا ہے۔

''تم فکر نہ کرو.....'' اماں نے اسے ساتھ لگا کر پیار کیا۔

☆☆☆

لاہور میں کیسا بے فکری کا وقت گزر رہا تھا..... پھوپی کی بھی چار بیٹیاں انہی لوگوں کی ہم عمر اور خوب شرارتی تھیں، سب نے مل کر بھرپور وقت گزارا، چند دن کے لیے تو ہاجرہ اپنی زندگی کے مسائل کو بھی بھلا بیٹھی تھی، رات بستر پر لیٹتی تو اس ظالم کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگتی مگر اس نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ ایک دفعہ دل مضبوط کر کے چند دن گزار لے تو ان ماں بیٹے کو اس کی وقعت کا احساس ہو۔ گھر واپس لوٹے تو گھر کے فون پر ہر روز خرم کی بیسیوں کالیں تھیں..... ہاجرہ کا دل بے چینی سے دھڑکا۔ مگر اماں نے اسے منع کیا اور خود خرم کو کال کی۔

''آج ہی لوٹے ہیں بیٹا تو تمہاری کالیں دیکھیں، میں بھی چھوٹی بچیوں کے ساتھ چلی گئی تھی۔ کیا بات ہے، بہن جی ٹھیک تو ہیں؟'' انہوں نے لہجے میں شفقت کا رنگ رکھا مگر انداز میں ایک رکھائی بھی تھی۔

''وہ دراصل اماں..... ہاجرہ کو بہت مس کر رہی تھیں۔'' اس نے ایک جھوٹ اور گھڑا۔ حالانکہ اماں تو وہ تھیں جو دن رات اسے کہہ رہی تھیں کہ اس منحوس، نخرے والی اور منہ چڑھی ہاجرہ کو طلاق دے کر، دن رات ان کی خدمت میں مصروف..... ربیعہ سے نکاح کرلے، اسی مصیبت سے بچنے کے لیے تو وہ دن رات ہاجرہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''چلو بیٹا کسی وقت آ جائے گی اماں سے ملنے اگر وہ اداس ہیں تو.....اور تم تو بالکل اداس نہیں ہو گے، خوش رہے ہو گے اتنے دن؟'' انہوں نے اٹل لہجے میں کہا۔

''خالہ جان..... ہمارے خاندان میں مرد اپنی بیویوں کے بارے میں اپنے جذبات کا یوں کھلم کھلا اظہار نہیں کرتے.....'' خرم نے ہچکچا کر کہا۔

''اپنے خاندان کے کن مردوں کی بات کر رہے ہو بیٹا؟'' انہوں نے زور دے کر پوچھا۔ ''مجھے تو تمہاری بارات میں سوائے ایک تمہارے خالو کے خاندان کا کوئی مرد نظر نہیں آیا، باقی سب تو دوست احباب ہی تھے..... بیوی پر اپنے غصے کا اظہار تو تمہارے خاندان کے مرد بڑے فخر سے کر لیتے ہیں، اس سے پیار سے بات کرنا کوئی گناہ یا جرم ہے؟'' خرم کو ان کی بات میں وزن محسوس ہوا.....اس کے اندر یہ ساری سوچیں تو اماں کی طرف سے دی گئی ہدایات اور شکایات کی مرہونِ منت تھیں، اب اسے ہاجرہ کے بغیر احساس ہو رہا تھا کہ وہ کتنی خیال رکھنے والی بیوی اور بہو تھی اور گھر کو کیسے صاف ستھرا رکھتی تھی، اسے وقت ضائع کرنے کا بالکل شوق نہ تھا، جو ذرا فارغ ہوتی تو کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ رہی ہوتی تھی۔

اماں اسے ان دنوں میں ربیعہ کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، اسے بار، بار وہ دن یاد آتا جب اس نے اپنی شادی سے چند دن پہلے اماں اور خالہ کی باتیں سن لی تھیں کہ ابا سے زبردستی کی گئی تو وہ گھر چھوڑ کر ہی چلے گئے تھے.....اور پھر کبھی زندہ نہیں لوٹے۔

''آپ نے میرے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی اماں تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا..... ہاجرہ میری بیوی ہے اور میری اجازت سے میکے گئی ہے، وہ واپس آ جائے گی، یہ گھر اس کا ہے، یہاں کسی اور کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے.....'' اس نے دوٹوک لہجے میں کہا تو اماں کا دل لرز گیا، ان کے دل میں ایک پرانی یاد نے

چٹکی لی اور وہ اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئیں۔

☆☆☆

ہاجرہ کو چھوڑنے خود اس کی اماں آئیں، تھوڑی دیر اس کی ساس کے پاس بیٹھیں، خرم کے آنے کا انتظار کیا، اس سے مل کر واپسی کو تیار ہوئیں۔ ''میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔'' اس نے ادب سے کہا۔

''ارے نہیں بیٹا، ابھی دفتر سے تھکے ہارے لوٹے ہو...... میں چلی جاؤں گی رکشے پر۔''

''میں آپ کے لیے رکشا لے کر آتا ہوں۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور جلد ہی رکشا لے کر لوٹا۔ ''میں نے کرایہ دے دیا ہے......'' رکشا روانہ ہوتے وقت اس نے کہا تھا، ہاجرہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ماں کو ہاتھ ہلا کر اندر آ گئی، کھانا خرم باہر سے لے کر آیا تھا، سبزی کا سالن تھا اور تنور کی روٹیاں۔

''اماں کے لیے تو یہ بازار کا کھانا ٹھیک نہیں......'' اس نے سالن دیکھ کر کہا۔ ''میں جلدی سے انڈوں کا خاگینہ بنالیتی ہوں۔'' آٹا تھوڑا سا فریج میں رکھا ہے، کم از کم اماں کے لیے تو ایک روٹی بن جائے گی۔'' وہ اس طرح نارمل بات کر رہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا...... خرم کا دل بے تاب ہوا چاہ رہا تھا کہ وہ کھانا بنانے کا ٹنٹنا نہ ڈالتی اور وہ اتنا ہی اس کی بے قراریوں کو آزما رہی تھی۔

''آپ چل کر اماں کے پاس بیٹھیں، میں سب کا کھانا وہیں لے کر آتی ہوں۔'' وہ میکے سے نہ صرف تازہ دم ہو کر آئی تھی بلکہ ماں کی ہدایات کے تازہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئی تھی، انہوں نے ہی اسے سمجھایا تھا کہ کوشش کرو کہ دونوں کو موقع ہی نہ دو...... یہی وہ کرنا چاہ رہی تھی، جانتی تھی کہ خرم کے باورچی خانے میں ہونے سے اس وقت اس کی ساس کی کیا حالت ہوگی سو اس نے خرم کو باہر بھیج دیا۔

کھانا لے کر وہ ساس کے کمرے میں گئی، انڈوں کے خاگینے کی تازہ خوشبو نے اشتہا بڑھا دی تھی۔

''کتنے دن کے بعد ایسا مزے کا کھانا ملا ہے ناں اماں!'' اماں کو کم از کم اس بات میں تو اس کی ہاں میں ہاں نہیں ملانا تھی۔

''کیسی ناشکری کی باتیں کر رہے ہو خرم بیٹا......'' اماں نے تاک کر تیر مارا...... ''وہ بیچاری ربیعہ دن رات جی جان سے تیری خدمت خاطر کرتی رہی ہے اتنے دن۔'' وہ اپنے وار کا اثر دیکھنے کو رکیں، ہاجرہ کے چہرے پر دھواں کس سے چھپا تھا۔ ''کس چیز کی کمی محسوس ہونے دی ہے اس نے تجھے؟'' منہ میں ڈالا ہوا نوالہ بھی ہاجرہ سے نگلا نہیں جا رہا تھا مگر چہرے کو بے تاثر کرنے کی کوشش میں مرنے لگی...... ''کمزور نہیں پڑنا!'' اپنی اماں کی آواز کانوں میں گونجی تو وہ سنبھلی۔

''اچھا...... شکر ہے اماں کہ وہ آ گئی تھی، میرا دھیان پیچھے آپ کی طرف ہی تھا کہ آپ کو کون سنبھالتا ہوگا۔'' اس نے دل پر جبر کر کے کہا۔

''جانتی ہوں جتنی فکر تمہیں ہے میری اور میرے بیٹے کی۔'' اماں نے دل کی بھڑاس نکالی، دل ہی تو جلا دیا تھا ہاجرہ کی بات نے۔

''آپ ماں بیٹا باتیں کریں...... میں باورچی خانہ سمیٹ کر کپڑے استری کر لوں۔'' وہ برتن اٹھا کر چل دی، مڑ کر اس نے کسی کے چہرے پر تاثر نہیں دیکھا۔

''اس وقت کپڑوں کی استری کو رہنے دو ہاجرہ......'' وہ اس کے پیچھے، پیچھے چلا آیا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے، کل استری کا کام کر لینا۔''

''کل تو اور کئی کام ہیں خرم......'' اس نے آہستگی سے کہا۔ ''ربیعہ نے آپ کی تو بہت خدمت کی ہے مگر گھر کی حالت کافی خراب ہو رہی ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چوٹ کر بیٹھی۔

''لعنت بھیجتا ہوں میں اس سے خدمت کروانے پر۔'' وہ تپ کر بولا۔ ''مجھے تو اس کی شکل سے بھی چڑ ہے، اماں جان بوجھ کر تمہیں چڑانے کو کہہ رہی ہوں گی ورنہ جانتی ہیں کہ میں اس سے بات کرنا تو درکنار، اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''اماں کیوں مجھے چڑانا چاہیں گی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔ ''میرے اور ان کے درمیان تو احترام اور محبت کا رشتہ ہے۔۔۔۔۔'' اس نے اسی کی کہی ہوئی بات اسے پلٹائی جو ایک بار اس نے کہی تھی، جب اماں نے اس کے بک، بک کرنے کی شکایت لگائی تھی۔

''اچھا اب ختم کرو کام۔۔۔۔۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹونٹی بند کی اور اسے برتن بھی نہ دھونے دیے۔۔۔۔۔ کمرے میں آکر وہ اسے اپنی بے تابیوں کی داستانیں سنانے لگا۔

''اماں تو میری شادی ربیعہ سے کروانے پر تلی ہوئی تھیں، تم واپس نہ آتیں تو شاید وہ ایسا کر بھی دیتیں۔''

''اچھا۔۔۔۔۔ واقعی؟'' اس نے سوال کیا۔ ''آپ کر لیتے دوسری شادی؟''

''جو تم نہ آتیں تو کر لیتا۔'' وہ ہنسا۔ ''مگر ربیعہ سے تو مر کر بھی نہیں۔'' اس نے فوراً اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھا۔

''ایسی فضول بات کرنا ضروری ہے کیا؟'' اس کی اس ادا پر تو وہ قربان ہو گیا۔

''کوشش کرنا ہاجرہ کہ مجھے غصہ نہ دلاؤ کبھی بھی، میں خود پر قابو نہیں رکھ سکتا۔'' صبح وہ تیار ہوتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔ ''اماں کی باتوں کو برداشت کیا کرو۔۔۔۔۔ بیماری اور عمر کی وجہ سے ایسی چڑچڑی ہو گئی ہیں۔''

''چڑچڑا تو کوئی بھی کسی بھی عمر میں ہو سکتا ہے خرم۔'' اس نے رسان سے کہا۔ ''آپ کتنے چڑچڑے ہیں، جو کچھ میرے ساتھ ہوتا ہے، میں بھی چڑچڑی ہو سکتی ہوں۔'' جانتی تھی کہ اس وقت وہ اپنی بات کر سکتی تھی، اماں نے یہی کہا تھا کہ ہلکی، ہلکی چوٹ تب لگاؤ جب لوہا گرم ہو، جب لگے کہ وہ سن کر بھپرے گا نہیں۔ ''ذرا سی بات پر آپ میری جسم اور روح کو زخمی کر دیتے ہیں۔''

''کوشش کروں گا کہ آئندہ ایسا نہ کروں۔۔۔۔۔ تم بھی حوصلے اور تحمل سے رہو۔'' اس نے جواباً کہا۔ ''اماں کی باتیں کڑوی بھی لگیں تو برداشت کر لیا کرو، میری ماں ہیں، میری خاطر سہی، میرے پیار کی خاطر۔'' اس وقت تو اس کے اندر سے پیار کے سوتے ابل رہے تھے۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا، اماں کے کمرے کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی، اپنا حلیہ ٹھیک کرنے میں اسے دو تین منٹ لگ گئے ہوں گے، کندھوں پر گرم شال ڈال کر وہ باہر نکلی تو اماں کا جلال دیدنی تھا، وہ غصے میں جانے کیا، کیا مغلظات بول رہی تھیں، انہیں خود بھی احساس نہ تھا کہ کس قدر غلط سلط بول رہی تھیں۔۔۔۔۔ سب سے بڑھ کر غلط تو انہوں نے یہ کیا تھا کہ اپنا بستر خراب کر لیا تھا، غسل خانے چلی بھی جاتی تھیں مگر صرف ہاجرہ کی چڑ میں انہوں نے رات کے اس پہر اسے ستانے کو۔۔۔۔۔ ہاجرہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے، کس طرح کرے یہ سب، یہ اس کا نیا اور انوکھا امتحان تھا۔

''میرا پیٹ خراب ہو گیا ہے بیٹا، کافی دیر سے گھنٹی بجا رہی تھی۔ شاید بجلی بند تھی، اٹھ کر جانے کی ہمت نہ تھی۔۔۔۔۔'' خرم کو صفائی دیتے ہوئے ان کا لہجہ ہی اور تھا اور جو خرم تھوڑی دیر قبل کے ان کے ارشادات سن لیتا تو۔

خرم کی مدد سے اس نے اماں کو اٹھا کر غسل خانے تک پہنچایا، ان کے کپڑے اتار کر، انہیں بھی ان کے گندے بستر کے ساتھ ہی لپیٹ کر باہر صحن میں رکھ دیا کہ بو نا قابلِ برداشت تھی، پہلے اماں کو کسی طرح نہلایا، رات کے اس پہر نہاتے ہوئے وہ ہچکچا رہی تھیں، نہانے سے تو انہیں گویا چڑ تھی مگر خرم نے ہی اصرار کیا کہ انہیں نہانا چاہیے۔۔۔۔۔ نہلا کر انہیں لپیٹ لپاٹ کر کمرے میں لائی تو وہ کانپ رہی تھیں، خرم نے دوسرا بستر ڈال دیا تھا، انہیں لٹا کر رضائی اور کمبل اوڑھایا۔

''دودھ گرم کر کے دو اماں کو!'' خرم نے اس سے کہا۔

''دودھ تو رات کو ختم ہو گیا تھا جب اماں نے بادام ڈال کر پیا تھا اور یوں بھی پیٹ خراب ہے تو انہیں دودھ کے بجائے سونف اور اجوائن کا قہوہ بنا کر دیتی ہوں۔'' اس نے اپنے لہجے میں سارے جہاں کا تفکر سمو کر کہا اور جا کر جلدی سے قہوہ بنا لائی، خرم سے کہا کہ زبردستی اماں کو پلائیں کہ یہ بہترین دوا ہے۔۔۔۔۔ خرم نے اصرار کر کے

اماں کو قہوہ پلایا اور انہوں نے ناک چڑھا کر بادلِ ناخواستہ زہر کی طرح اسے حلق سے اتارا۔ زبان کے چسکے کی اماں بڑی قائل تھیں اور اس عمر میں بھی ہر طرح کی طاقت اور ذائقے والی خوراک کھاتیں، بادام، پستے، پنجیریاں، دیسی گھی کے پراٹھے، مربے، مکھن، بالائی وغیرہ...... بے شک معدے پر گراں گزرتیں۔

''اماں، آپ نیند کی دوا کیوں نہیں لیتیں رات کو؟'' خرم نے انہیں لٹاتے ہوئے پوچھا۔

''بس بیٹا، اچھا ہے رات بھر نیند نہیں آتی تو اللہ کو یاد کر لیتی ہوں، تسبیح وغیرہ کر لیتی ہوں، نماز تو نہیں پڑھ پاتی مگر بستر پر بیٹھے بیٹھے ذکر اذکار کر لیتی ہوں۔'' اماں کے لہجے میں یادِ الٰہی کا تصور ان کے لہجے کو پُر اثر بنا رہا تھا۔ رات تو وہ سوتے جاگتے گزارتیں مگر دن کا بیشتر حصہ سو کر گزارتیں، اگر چند دن نیند کی دوا لے لیتیں تو یقیناً معمول ایسا بن جاتا کہ رات کو خود بخود نیند آ جاتی مگر...... اس وقت تو خرم نے انہیں زبردستی نیند کی گولی کھلائی، آدھی رات کے دو گھنٹے جاگنے سے اس کی اپنی حالت نیند سے خراب ہو رہی تھی، ہاجرہ بھی نیند کی چور تھی مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھی اوپر سے اماں کو نہلانے کے بعد اس کی اپنی حالت خراب ہو رہی تھی، اس کا اپنا دل چاہ رہا تھا کہ نہا کر سوئے مگر کسلمندی سے سو گئی۔

صبح اٹھ کر اس نے گلی میں جھاڑو دینے والے جمعدار کو بلوایا اور اسے پچاس روپے دے کر کہا کہ اماں کا بستر اور کپڑے اسی طرح لپیٹے لپٹائے اٹھا کر باہر کہیں لے جا کر کوڑے دان میں پھینک دے...... اماں واویلا کرتی رہ گئیں مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ ان کپڑوں کو نہیں دھو سکتی...... چاہے وہ اس کی اپنی ماں کے ہوتے۔

''کچھ خدا کا خوف کرو لڑکی......'' انہوں نے چلّا کر کہا۔ ''اتنا مہنگا بنتا ہے بستر۔''

''اور بن جائے گا اماں......'' اس نے ان کی ایک نہ سنی اور دل ہی دل میں خوفزدہ بھی تھی جانے شام کو خرم کیا کہے گا...... ذہنی طور پر وہ تیار تھی کہ آج پھر اس کی دھنائی ہوگی۔

شام کو اماں نے اس بات کا انتظار بھی نہیں کیا کہ وہ خرم کے ساتھ تنہا ہوتیں، چائے پیتے ہوئے وہ ہاجرہ کے سامنے ہی شروع ہو گئیں...... ''ایسی عورتیں پورے گھر کو سوئی کے ناکے سے گزار دیتی ہیں بیٹا!'' انہوں نے شکایات کا دفتر کھولا۔ ''غضب خدا کا! اس نے میرا بستر دھونے کے بجائے...... میرے کپڑوں سمیت گلی کی صفائی کرنے والے جمعدار کو دے دیا بیٹا، کتنی کفایت سے میں نے تنکا تنکا جوڑ کر اس گھر کی ہر چیز کو بنایا ہے......''

''اماں......'' خرم نے لہجے میں شائستگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس بستر کو کس طرح دھوتی وہ...... صبح جب میں گھر سے گیا تو پورا گھر بدبو سے بھرا ہوا تھا، اچھا کیا کہ اسے پھینک دیا، اس حالت میں کیا وہ آپ کی رضائی کو دھو سکتی تھی......؟ اور بن جائے گا بستر، آپ پریشان نہ ہوں۔'' اماں کا منہ تو حیرت سے پورا کھل گیا، نہ صرف بیٹے کے بدلنے کا احساس ہو رہا تھا بلکہ اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ...... 'اس حالت میں' ایک عجیب سا انکشاف ہوا تھا جس سے وہ کم از کم بے خبر تھیں مگر خاموش رہیں، اس کی بابت استفسار نہ کیا۔

☆☆☆

دن معمول کے مطابق گزر رہے تھے، بس یہ فرق پڑا تھا کہ خرم کا رویہ ذرا مثبت ہو گیا تھا، اس کے لیے یہی سب کچھ تھا، وہ ساتھ دیتا تو اماں کی کڑوی کسیلی بھی سہہ لیتی تھی، اس دن بستر کی بات پر ہی وہ جتنا ڈر رہی تھی اتنا ہی خرم نے پہلی بار سمجھداری کا ثبوت دیا تھا، اماں کی بدلتی کیفیت اس کی نظر سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی تھی مگر وہ بالکل بے تاثر رہی تھی۔ ''اس حالت'' سے خرم کی مراد کچھ اور تھی اور اماں کچھ اور سمجھیں...... اسی لیے تو رات جب ہاجرہ باورچی خانے کو سمیٹ رہی تھی، خرم ان کے لیے دودھ کا گلاس لے کر آیا تھا کہ انہیں دوا دے دے، وہ پوچھ بیٹھیں۔

''کتنے مہینے ہو گئے ہیں ہاجرہ کو بیٹا؟''

''کس بات کے مہینے اماں؟'' خرم نے حیرت

سے سوال کیا۔
"تم نے کہا تو تھا کہ ہاجرہ دو جے.جی سے ہے۔" انہوں نے ذرا جھجک کر کہا۔ "اس لیے میرا بستر نہیں دھو سکتی تھی۔"
"میں نے ایسا تو نہیں کہا اماں..." وہ سمجھ کر گویا ہوا۔ "ہاجرہ کی طبیعت ویسے ٹھیک نہیں ہے اور پانی کا کام کرنے سے اس کی کمر میں شدید درد ہو جاتا ہے... ویسے بھی اماں اس کی عمر دیکھیں، ہمت دیکھیں آپ کو سنبھال لیتی ہے اتنا ہی کافی ہے، کہاں آج کل کی لڑکیاں اس طرح ساسوں کو سنبھالتی اور ان کا خیال رکھتی ہیں؟"
"جو ہوتی یہاں ربیعہ ... تو تم دیکھتے کہ کس طرح وہ میری غلاظت کو اپنے ہاتھوں سے سمیٹ لیتی اور یہ آج کل کی لڑکیوں کے چلتر تم نہیں جانتے، شوہروں کی ہمدردی جیتنے کو نخرے کرتی ہیں ورنہ یہ کوئی بیماری نہیں، دنیا کی ہر عورت اس میں مبتلا ہوتی ہے اور ہم تو ہر حالت میں کنوؤں سے پانی بھی بھر کر لاتے تھے، کپڑے بھی دھوتے تھے، مویشیوں کو نہلاتے بھی تھے..." وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھیں۔
"اماں وہ حالات اور تھے، آپ لوگوں کی خوراک بھی اچھی ہوتی تھی۔" اس نے کہا تو اماں اپنا غصہ دل میں دبا کر رہ گئیں... "آپ ابھی تک دیسی گھی کے پراٹھے کھا کر بستر پر بیٹھ کر بھی ہضم کر لیتی ہیں اور ہم ہفتے میں ایک بار تیل کا بنا ہوا پراٹھا کھاتے ہیں تو وہ بھی دن بھر ہضم نہیں ہوتا۔"
"تو کس نے منع کیا ہے تمہیں دیسی گھی کے پراٹھے ہر روز کھانے سے... تیل موا تو نری بیماری ہے۔"
"نہ معدہ برداشت کرتا ہے اماں اور نہ جیب..." وہ ہنسا، اب اماں کے پاس اس کی بات کا کوئی جواب نہ تھا، انہیں تو دیسی گھی چاہیے ہوتا تھا چاہے جہاں سے بھی اور جیسے بھی آئے۔
"ہاں بیٹا، اب تو میری بوڑھی ہڈیوں میں دم خم کم ہو گیا ہے... کھڑی تک نہیں ہو سکتی خود سے... جانتی ہوں کہ تم پر اور تمہاری بیوی پر بوجھ ہوں مگر بیٹا میرے بوجھ کو اور کس نے ڈھونا ہے۔"
"ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں اماں؟" خرم کا دل موم ہوا۔ "کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟"
"بس بیٹا... خیال رکھنا کہ ابھی بچوں کی ذمے داری اس پر نہ ڈالنا، پہلے ہی مجھے سنبھالنے سے اس کی کمر ٹوٹتی ہے، پھر تو اسے بہانہ مل جائے گا... آگے میرے چل چلاؤ کا وقت ہے، گھر میں بہو بھی ماندی پڑ گئی تو اسے کون سنبھالے گا؟" خرم ان کی بات کے جواب میں خاموش رہا تھا، اس کے تو اپنے دل میں بچوں کی خواہش مچلتی تھی اور اس دن کا انتظار کر رہا تھا جب ہاجرہ اسے بتاتی کہ وہ باپ بننے والا ہے۔

☆☆☆

وہ اماں کی کمر تھامے کھڑی تھی، اماں اپنے دانتوں کو برش کر رہی تھیں، وہ بھی اسی کے کہنے پر کہ انہیں اپنی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا چاہیے، اب اسے جو کچھ کہنا ہوتا تھا وہ خرم کے سامنے کہتی، اس کا لہجہ اور الفاظ اتنے سادہ اور محتاط ہوتے کہ اماں انہیں کوئی اور معانی پہنا ہی نہیں سکتی تھیں۔ جانتی تھی کہ اماں کی بیماری کافی حد تک خود ساختہ تھی، ابھی وہ ساٹھ کی بھی نہیں ہوئی تھیں اور یوں مریضہ بن گئی تھیں جیسے اسی برس کی عمر ہو، جوڑوں کے درد کا عارضہ تھا، اس کے لیے انہیں تھوڑا بہت چلنا چاہیے، یہ بات وہ خرم سے تنہائی میں بھی کہہ چکی تھی اور اماں کے سامنے بھی کہا تھا۔ جتنا وہ سمجھانے کی کوشش کرتی، اتنا ہی اماں اس پر زیادہ انحصار کرنا شروع کر دیتیں، اس پر بوجھ بڑھ جاتا۔
"تم سمجھتی ہو کہ میں جان بوجھ کر ایسا کرتی ہوں؟" انہوں نے چتون چڑھا کر خرم کے سامنے پوچھا۔
"اللہ نہ کرے اماں..." وہ فوراً بولی۔ "میں ایسا کیوں کہوں گی۔" اس نے دفاعی پوزیشن لی تھی۔
اس کے بعد صبح اماں نے اسے گھنٹی بجا کر بلایا جب وہ ابھی نماز پڑھ کر کمر سیدھی کرنے کو لیٹ گئی

تھی، خرم غسل خانے میں تھے اس لیے اسی کو جانا پڑا تھا...... ''مجھے غسل خانے جانا ہے۔''

خرم کے باہر نکلنے تک اس نے پوری طاقت سے انہیں اٹھا کر بٹھایا، پیروں میں چپل پہنائی اور جونہی خرم نکل کر کمرے میں گئے اس نے ان سے اٹھنے کو کہا تو انہوں نے معذوری ظاہر کی کہ وہ تو خود سے نہیں اٹھ سکتیں۔

''آپ انتظار کریں اماں، میں خرم کو بلاتی ہوں، میں آپ کو اٹھا کر تو غسل خانے تک نہیں لے جا سکتی۔''

''اب کیا میرا بیٹا مجھے غسل خانے لے کر جائے گا؟'' انہوں نے ناراضی سے پوچھا۔

''وہ صرف آپ کو وہاں تک پہنچا دیں گے اماں، آگے میں سنبھال لوں گی۔'' اس نے آہستگی سے کہا، ہاجرہ نے ان کے سرہانے رکھی گھنٹی بجائی تو تھوڑی دیر کے بعد خرم آ گیا اور ان دونوں نے مل کر اماں کو غسل خانے تک پہنچایا۔ تمام وقت ہاجرہ کو غسل خانے میں موجود رہنا پڑا، اس کا دل متلا رہا تھا، وہ سانس روکے انہیں سہارا دیے کھڑی رہی اور برداشت کرتی رہی۔

خرم کے جانے کے بعد اس نے ان کا بستر وغیرہ ٹھیک کیا اور اپنی اماں کو فون کیا، انہیں موجودہ صورتِ حال بتائی...... چند دنوں میں اس سے چھوٹی بہن کی شادی تھی اور وہ کم از کم تین ہفتے کے لیے جانا چاہ رہی تھی، خرم کی اماں بھی جانتی تھیں اور ہاجرہ پریشان تھی کہ ان کی حالت کے باعث کس طرح شادی پر جا سکے گی، انہوں نے اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ خرم سے خود بات کریں گی۔

☆☆☆

''ہاجرہ......'' خرم جیسے کسی کنویں سے بولا تھا۔ ''اماں سنیں گی تو بہت پریشان ہو جائیں گی۔''

''کیا؟'' اس کی چیخ نکل گئی...... ''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں ناں کہ اماں سنیں گی تو خوشی سے پاگل ہو جائیں گی؟'' اس نے خود کو بہلایا۔

''نہیں...... اصل میں اماں کا خیال ہے کہ ابھی بچہ نہیں ہونا چاہیے اور ہماری ساری توجہ اماں کے لیے ہونی چاہیے۔'' خرم نے کھوئے، کھوئے لہجے میں کہا۔

''اچھا؟'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔ ''کب تک؟''

''جب تک اماں کا دم ہے ہاجرہ...... وہ آج ہیں، کل جانے ہوں نہ ہوں۔''

''خرم اماں کو کوئی جان لیوا بیماری نہیں ہے......وہ صحت کے لحاظ سے بھلی چنگی ہیں، چلنا پھرنا اس لیے مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ ان کا وزن بہت بڑھ گیا ہے، انہیں پرہیزی غذا کی ضرورت ہے، میں ان کے وزن کے باعث تو انہیں ویسے ہی نہیں سنبھال پاتی، اس کے لیے اب ہمیں کسی عورت کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔''

''قطعی نہیں...... اماں ملازماؤں سے کبھی خوش نہیں ہوتیں، ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک آتی ہے، چار دن کوئی نہیں ٹک سکی یہاں۔'' خرم نے کہا، ہاجرہ دل ہی دل میں ہنسی۔ 'یہاں ٹکنے کے لیے بڑا جگر چاہیے...... بی اماں کی بھی برداشت کرو اور ان کے بیٹے کی دولتیاں بھی کھاؤ...... میں ہی ہوں جو برداشت کر رہی ہوں۔' اس نے دل ہی دل میں سوچا مگر کہنے کی جرأت نہ تھی...... ''اوپر سے خالہ جی کی کال آئی تھی، ہاں تمہاری امی کی، کہہ رہی تھیں کہ تمہیں ایک مہینے کے لیے بھجوا دوں، سارہ کی شادی ہے...... کس طرح ممکن ہے بھلا؟'' وہ جیسے خود سے ہی باتیں کر رہا تھا۔

''ربیعہ کو بلوا لیں چند دن کے لیے، میں مہینہ تو نہیں رکوں گی...... تین ہفتے بعد آ جاؤں گی۔''

''تین ہفتے بھی بہت ہوتے ہیں۔'' خرم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اور میرے سامنے تم ربیعہ کا نام نہ لیا کرو، چڑ ہوتی ہے مجھے اس کے ذکر سے......''

''مہینوں میرا میکے جانا نہیں ہوتا خرم...... اب جو مجبوری بن گئی ہے تو اس کے سوا کس سے کہہ سکتے ہیں؟'' ہاجرہ ہولے سے بولی۔ ''ویسے ہمارے محلے میں ایک بیوہ عورت ہے، اماں بتا رہی تھیں کہ وہ آ سکتی ہے۔'' خرم نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اصل میں......'' وہ ہکلائی۔ ''میں نے اماں کو بتایا تھا کہ میری حالت ایسی ہے...... میں اماں کو اب مزید اٹھا بٹھا نہیں سکتی......'' وہ گویا اعتراف جرم کر رہی تھی۔

''ہاجرہ......'' اس کی آواز کسی کنویں سے آئی تھی۔

''ذرا یہاں آؤ۔'' وہ اس کے سامنے ہی تو تھی، پاس بلا کر...... کہیں کس کر تھپڑ ہی نہ مارنا ہو منہ پر کہ اس نے اس کی ماں کو مزید سنبھالنے سے معذوری ظاہر کر دی تھی، وہ کسی معمول کی طرح اٹھی اور اس کے پاس بیٹھ گئی، اس نے اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار سے اس کے بال سہلائے۔

''میں بہت خوش ہوں میری جان...... مگر اس خوشی کا اظہار بھی نہیں کر سکتا...... میرے دل نے تو ابھی سے ایک تصور بنا لیا ہے اپنے پیارے سے بچے کا مگر اماں کو ابھی علم نہ ہو...... انہیں معلوم ہوا تو وہ کہیں گی کہ اس بچے کو ضائع کر دیں۔''

''کیا؟'' وہ اچھلی جیسے اسے کسی نے ڈنک مار دیا ہو۔ ''ہرگز نہیں۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ اماں کے کمرے سے گھنٹی بجی، چھٹی کا دن تھا اور کافی دیر سے دروازہ بند تھا، اماں کو بھی کچھ کھٹک ہوئی ہو گی......

''اماں بی!''

''میری بات یاد رکھنا ہاجرہ......'' اس نے اس کا صبیح چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیا۔ ''میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں، بس کہہ نہیں پاتا، کبھی کبھار سنگدل ہو جاتا ہوں اماں کی وجہ سے......'' وہ اٹھی، باہر جانے کے لیے۔

''یاد رکھنا، اپنی اماں سے بھی کہہ دینا کہ اماں کو علم نہ ہونے دیں...... جب تک میں نہ کہوں۔'' وہ جلدی سے باہر نکلی...... ''ذرا احتیاط سے چلو......'' پیچھے خرم کی آواز آئی، اس کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا، خرم کو اس کا خیال تھا، اسے فکر تھی کہ اب وہ اس کے بچے کی امین تھی۔

☆☆☆

ہاجرہ کو خرم نے جانے کی اجازت دے دی، واپسی کا کوئی وقت بھی مقرر نہ کیا تھا۔ ''جب تک تم چاہو۔'' اس کے پوچھنے پر کہا تھا۔ ''اپنا خیال رکھنا اور جو بات کہی ہے اس کا خیال رکھنا۔'' ہاجرہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے اماں کو کس طرح سمجھایا تھا...... وہ گھر سے نکلتے وقت انہیں ملنے کے لیے گئی اور بتایا کہ اس نے فریج اور فریزر میں سالن وغیرہ بنا کر رکھ دیے تھے اور خرم واپس آ کر گرم کر لیا کریں گے...... خرم سامان باہر ٹیکسی میں رکھوا رہا تھا۔

''تم جاؤ اپنی بہن کے بیاہ پر بھنگڑے ڈالنے...... یہاں کوئی جیے یا مرے، تمہیں اس سے کیا......'' انہوں نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

''اماں...... بہن کی شادی ہے، میں بڑی بہن ہوں، جانا تو ہو گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں تھی سالن بنا کر جانے کی، جب تم نہیں تھیں نہ کوئی اور ملازمہ تو تب بھی ہمارا گزارہ چل رہا تھا......'' انہوں نے اسے جیسے اپنی کوئی ملازمہ ہی سمجھ رکھا تھا، وہ صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئی، انہیں اللہ حافظ کہہ کر باہر نکلی اور خرم نے گھر کا دروازہ باہر سے لاک کیا، ان کے جاتے ہی اماں نے فون اٹھا کر اپنی ماں جائی کو رپورٹ پیش کرنا شروع کی، انہوں نے بھی بہن کو کچھ قیمتی مشورے دیے۔

واپس آ کر خرم نے کہا تھا کہ ان کا خیال رکھنے کے لیے ہاجرہ کی اماں نے ایک عورت بھجوائی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور خرم سے کہا کہ اس عورت کو واپس کر کے انہیں ان کی بہن کوثر کے ہاں چھوڑ آئے...... دونوں کے مابین کچھ بحث مباحثہ ہوا مگر ان کی نہ، ہاں میں نہ بدلی...... اگلے دن ہی خرم نے دفتر سے چھٹی لی اور بی اماں کا سامان پیک کروا کے انہیں کوثر خالہ کے ہاں چھوڑ آیا، انہوں نے بہن کا پرتپاک استقبال کیا اور خرم سے کہا کہ اب وہ اپنی بہن کو بھی وہاں سے جانے نہیں دیں گی۔

ہاجرہ کی امی نے جو عورت بھجوائی تھی پچاس کے پیٹے کی ایک تگڑی عورت تھی مگر اس کی اماں نے اس سے ملنا تو درکنار...... اسے دیکھا تک نہ تھا۔ اماں کو لے کر روانہ ہوتے وقت، خرم نے اسے چند روپے کرائے کی مد میں

دے کر کہا کہ وہ اسے دوبارہ بلوالیں گے جب ہاجرہ گھر پر آ جائے گی، ظاہر ہے کہ گھر میں کسی اور عورت کی عدم موجودگی میں اس کے وہاں رہنے کا کوئی جواز نہ تھا، وہ سلام کر کے روانہ ہوگئی۔

اب دونوں بہنیں یکجا تھیں اور سر جوڑ کر نئی حکمتِ عملی وضع کرنے لگیں، کوثر نے ہار نہ مانی تھی، اسے اب بھی امید تھی، یوں بھی کون سا اس کی بیٹی کے لیے رشتوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں، اسے کہیں سے کوئی امید ہی نظر نہ آتی تھی، بہن اور اس کے بیٹے کو قابو کرنے کے لیے اس نے نہ صرف بیٹی کو کئی ہتھکنڈے سکھائے تھے بلکہ تعویذ گنڈے بھی کرواتی پھرتی، جہاں کوئی راہ دکھاتا، دیوانہ وار وہیں چل پڑتی۔

☆☆☆

خرم ہر روز دفتر سے واپسی پر سسرال چلا جاتا...... ہاجرہ نے اسے کہا تھا کہ جب تک اماں گھر پر نہیں ہیں وہ وہاں سے ہی کھانا کھا کر جایا کرے، ہفتہ، اتوار چھٹی ہوتی تو جمعہ کی رات وہاں رک جاتا اور اتوار کو صبح ناشتا کر کے خالہ کی طرف روانہ ہو جاتا، سارا دن وہیں گزارتا اور رات کو دیر گئے لوٹتا۔ واپس گھر آتا تو گھر بھاں بھاں کرتا، سسرال جاتا تو متلیوں اور الٹیوں سے نڈھال ہاجرہ کو دیکھ کر اس کا دل کٹتا، ہفتے میں ایک دن ہاجرہ اسی عورت کو ساتھ لے کر آتی اور سارے گھر کی تفصیلی صفائی کروا جاتی...... خرم کے کپڑے وغیرہ دھلواتی، انہیں استری کر کے الماریوں میں لٹکا جاتی۔

خرم اتوار کو خالہ کی طرف جاتا تو رنگ برنگے کھانے پکا کر خرم کو متاثر کرنے کی کوششوں میں ہلکان ربیعہ، چاپلوسی کرتی ہوئی کوثر خالہ اور بات بے بات طعنے دیتی ہوئی اماں......کئی بار اس نے سوچا کہ اماں کو ہاجرہ کی حالت کا بتائے مگر وہ اس کے میکے جانے پر ہی اتنی نالاں تھیں، اس 'جرم' کو کس طرح معاف کر سکتی تھیں، اس نے تو کبھی انہیں یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ ہر روز سسرال چلا جاتا تھا، اماں اس کے یوں سسرال جانے کو قطعی پسند نہ کرتیں۔ سارہ کی شادی کا دعوت نامہ اماں کے نام پر گیا تھا اس کے علاوہ کوثر خالہ کو بھی بلایا گیا تھا مگر دونوں بہنوں نے شادی میں شرکت نہ کی، نہ معذرت کے لیے کال کی نہ مبارک باد کے لیے۔

شادی کے دنوں میں خرم نے چھٹی لے لی تھی، ساری تقریبات اگرچہ رات کی تھیں مگر دن کو خرم ابا کے ساتھ کچھ نہ کچھ کام کار کرواتا، اس نے بڑے داماد ہونے کا حق ادا کر دیا تھا، ہاجرہ کے بھائی چھوٹے تھے اور وہ ابھی کسی معاملے کی نزاکت کو نہیں سمجھتے تھے، خرم نے ہی ابا کا دایاں بازو بن کر سارہ کو بڑے بھائی کی طرح رخصت کیا تھا۔ ہاجرہ...... دل میں خرم کے خلاف لاکھ کدورتیں لیے ہوئی تھی مگر جس طرح اس نے اس موقع پر ابا کا ساتھ دیا تھا، اس کے سارے خاندان میں واہ، واہ ہوئی کہ ہاجرہ کا شوہر کتنا اچھا داماد ہے، ہاجرہ کے دل میں اس کی قدر و منزلت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ اس نے دل میں تہیہ کیا کہ وہ اس کے بعد کوشش کرے گی کہ اماں کی تلخ و ترش باتوں کو جس حد تک ممکن ہو برداشت کرے، اس سے قبل بھی کرتی تھی مگر اب انہیں شکوہ نہ ہونے دے گی۔ ابا نے اسے بڑے لوازمات کے ساتھ رخصت کیا تھا، ساتھ ہی وہ اس عورت نسیم کو بھی لے آئی تھی کیونکہ اب اسے بہت کمزوری محسوس ہوتی تھی، کھایا پیا معدے میں ٹکتا ہی نہ تھا۔ اگلے ہی روز خرم اماں کو لینے چلا گیا، انہوں نے فی الحال آنے سے انکار کر دیا، وہ اپنی بہن کے گھر پر خوش تھیں، جانے کوثر انہیں کیا، کیا گھول کر پلا رہی تھی کہ ان کے دل میں ہاجرہ کے لیے ناپسندیدگی کا جذبہ بڑھتا ہی جا رہا تھا......

دوسرے ماں کے بہانے ہی سہی مگر ہر ہفتے خرم ان کے ہاں آ جاتا تھا، کبھی کبھار وہ اسے رات بھی روک لیتیں، انہیں امید تھی کہ کبھی نہ کبھی قدرت اسے موقع دے گی کہ خرم کو کسی ایسی صورتِ حال میں الجھا لیتی کہ اسے اس کی بیٹی سے نکاح کرتے ہی بن پڑتی۔

خرم اس سے کنی کتراتا اور وہ اتنا ہی اس سے

قریب ہونے کی کوشش کرتی...... ایک روز جب ربیعہ وہاں نہ تھی، دونوں بہنوں نے اسے گھیر لیا۔

''خرم میں نے تم سے زندگی میں کبھی کچھ نہیں مانگا بیٹا......'' اماں نے تمہید باندھی۔ ''میں یہاں بہت خوش ہوں، تم سے ایک چھوٹی سی خوشی مانگتی ہوں۔''

خرم نے استفہامیہ نظروں سے ماں کو دیکھا جس نے خالہ کو ٹھوکا دیا۔

''بیٹا ...... ربیعہ میری اکلوتی اور نازوں پلی بیٹی ہے...... اس کے بہت رشتے آئے ہیں مگر میرا اسے خود سے جدا کرنے کو دل نہیں چاہتا...... تمہیں میں نے بچپن سے کھلایا ہے بیٹا اور تم سے میرا پیار ماں جیسا ہی ہے...... تم سے یہ نہیں کہتی......'' وہ رکیں۔ ''بس تم آپا کو میرے پاس ہی رہنے دو......''

''یہ کیسے ممکن ہے خالہ......؟'' اس نے فوراً کہا۔ ''میرا اماں کے سوا اور کون ہے۔''

''تمہارے پاس ہاجرہ ہے ناں بیٹا!'' خالہ نے کہا۔

''مگر اماں میری اماں ہیں اور میری ذمے داری......'' اس نے اعتراض کیا۔

''ذمے داری تو وہ ہاجرہ کی بھی ہیں مگر وہ ان سے تنگ رہتی ہے بیٹا!'' خالہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ایسا ہرگز نہیں ہے خالہ......'' خرم نے ان کی بات کاٹی۔ ''وہ اپنی ہمت اور مقدور سے بڑھ کر اماں کی دیکھ بھال کرتی ہے...... اب وہ اماں کو تنہا اس طرح نہیں سنبھال سکتی تو وہ اپنے ساتھ ایک عورت کو لے کر آئی ہے جو دن رات اماں کی خدمت میں رہے گی۔'' اس نے ہاجرہ کی صفائی دی۔

''واہ...... یہ خوب کہی بیٹا، جس طرح ایک بیٹی ماں کو سنبھال سکتی ہے اس طرح صرف ایک بہو ہی سنبھال سکتی ہے، کوئی ملازمہ نہیں......''

''ہاجرہ کے دل میں میرے لیے وہ جذبات نہیں ہیں بیٹا جو ربیعہ کے ہیں، ربیعہ میرا خون ہے اور وہ بغیر کسی غرض کے دل و جان سے میرا خیال رکھتی ہے اور ہاجرہ کی طرح اس کے ماتھے پر کبھی بل بھی نہیں پڑا......'' اماں نے بات کا سرا پکڑا۔ ''تو بیٹا تم مجھے یہیں پڑا رہنے دو...... دو ماں بیٹی ہی تو ہیں، باقی بال بچہ تو اس کا بیاہا گیا، شوہر ملک سے باہر ہے......''

''یہاں میں آپ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟'' وہ جھنجلایا...... ''میری توجہ ہر وقت دو طرف بٹی رہے......''

''وہ تو ہوگا بیٹا......'' اماں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''ہفتے میں دو دن تم یہاں آ جایا کرنا ربیعہ کے پاس......'' اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

## مجھے تم یاد آتے ہو

جب پہاڑی گھاٹیوں میں گھنگور گھٹائیں جھومیں
جب بن کے گھنیرے پیڑوں میں برکھا کی ہوائیں گونجیں
جب جھینگر ترانے گائیں، موروں کی صدائیں گونجیں
ایسے میں مجھے تم یاد آتے ہو

جب فضا میں برکھا کے سے ہرائیں
جب کنارِ دریا ہوا کے نرم جھونکے مجھے چھو کے گزر جائیں
جب چاندنی رات میں جھیل پر، ملاح محبت کے گیت گائیں
ایسے میں، مجھے تم یاد آتے ہو

جب ساون میں باغوں میں بہاریں آئیں
جب معصوم دوشیزائیں گیت پیا ملن کے گائیں
مور ناچیں، کوئل کرے کوکو سکھیاں جھولوں پر لہرائیں
ایسے میں، مجھے تم یاد آتے ہو

جب افق کے سینے پر شاداب گھٹائیں جھومیں
گھنے بن اور باغوں میں مستانہ ہوائیں جھومیں
ان کے معطر نشیلے جھونکوں سے خاموش فضائیں جھومیں
ایسے میں، مجھے تم یاد آتے ہو

حیا ترمذی، کاغان

''ایسے تھوڑا ہی کہہ رہی ہیں بیٹا......'' خالہ کو بات اُچکنا پڑی۔ ''اس سے نکاح کرلو تم، یہی آپا کی پہلی اور آخری خواہش ہے......'' وہ غصے سے کھڑا ہو گیا۔

''آپ گھر چل رہی ہیں اماں یا میں جاؤں......؟'' اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔ ''آپ کو میں نے تین سال پہلے جس بات پر صاف جواب دے دیا تھا، اسے آپ آج تک بھولی کیوں نہیں ہیں...؟ نفرت ہے مجھے اس سے ......اس کے بعد اس بات کو آپ نے دُہرایا تو پھر آپ کبھی میری شکل نہیں دیکھیں گی جس طرح دادا/دادی کو ابا کی شکل دیکھنا نہیں نصیب ہوئی تھی۔'' دونوں بہنوں پر تو اس بات پر بم کیا پھٹا ہوگا...... دوسرے کمرے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑی ربیعہ پر صدمے کا پہاڑ گرا......نفرت......اور غصے سے وہ وہاں سے نکلی۔

''اٹھاؤ اپنی مکار ماں کو یہاں سے اور فوراً لے جاؤ......'' اس نے اس کمرے میں آ کر سب کے سامنے چیخ کر کہا۔ ''جھوٹی! مجھے کہتی تھیں کہ خرم جلد ہی مجھ سے بیاہ کرلے گا ہونہہ...... اسے مجھ سے کیا نفرت ہوگی، مجھے آپ سے نفرت ہے خالہ...... آپ نے اپنا الوسیدھا کرنے کے لیے مجھے بے وقوف بنائے رکھا، ارے آپ کی بد زبانی کے سامنے تو پتھر بھی ٹوٹ جائیں، میں ہی ہوں جو اَب تک آپ کے نخرے برداشت کرتی رہی ہوں، صرف اس لیے کہ آپ نے ایک جھوٹا آسرا دے رکھا تھا...... تین سال سے آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ ہاجرہ کو گھر سے بھگا کر دم لیں گی۔'' اس نے اپنی نفرت میں جانے کون سے انکشافات کیے تھے کہ دونوں عورتیں گنگ اور خرم بے جان سا کھڑا تھا تو گویا ہاجرہ کے خلاف محاذ آرائی...... اماں کی سوچی سمجھی سازش تھی اور اسے کوئی اور نہیں، اماں کی چہیتی ربیعہ بتا رہی تھی اور ان دونوں میں سے اس وقت کوئی ایک لفظ بھی نہ بول سکتی تھی جو اس بات کا اعتراف تھا کہ اس کا ایک، ایک حرف سچ تھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں ربیعہ......'' اسے دل ہی دل میں شرمندگی محسوس ہوئی تھی...... ''میرا مقصد ہرگز تمہارا دل دُکھانا نہیں تھا۔''

''آپ اپنی اماں کو یہاں سے لے کر جائیں پلیز......'' اس نے چہرہ دوسری طرف کرلیا۔ ''دوبارہ میں ان سے کبھی نہیں ملنا چاہوں گی۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ اماں کے پاس اب کوئی چارہ رہا تھا نہ بہن کے گھر کا مان، آنسو بھری آنکھوں سے انہوں نے اپنا سامان سمیٹا، وہ دیکھ رہا تھا کہ اماں بغیر اپنی لاٹھی کے...... بغیر ہائے ہائے کیے اور جلدی، جلدی اپنا سامان خود ہی سمیٹ رہی تھیں، خالہ بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں...... ان کی بیٹی نے انہیں ایک لفظ بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''خرم......'' ٹیکسی سے اترنے سے قبل اماں نے اسے پکارا، اس نے مستفرانہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ ''بیٹا...... جو کچھ وہاں ہوا، اسے میرے اور تمہارے بیچ راز رہنا چاہیے......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وعدہ کرو بیٹا......'' انہوں نے دوبارہ کہا۔

''کوئی بہت عزت والی بات نہیں ہوئی وہاں اماں جو میں کسی کو بتاؤں......'' ٹیکسی میں سے نکل کر ڈرائیور کو کرایہ دیتے ہوئے اس نے کہا۔ ''آپ نے جو کچھ بھی کیا، بہت غلط کیا اس لڑکی کے ساتھ......اسے جھوٹی آس دلائی جبکہ میں آپ کو صاف بتا چکا تھا، اب آپ......'' وہ کچھ کہتا، کہتا رک گیا، ہاجرہ باہر ٹیکسی رکنے کی آواز سن کر اور پھر ان کے اندر آنے پر باہر نکل آئی تھی کہ شاید اماں کو مدد کی ضرورت ہو، اس نے باہر آ کر اماں کو سلام کیا اور خرم کے ہاتھ سے ان کا ہاتھ چھڑا کر انہیں پکڑ کر اندر لے جانے لگی، اماں نے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور بغیر سہارے کے چلنے لگیں...... ہاجرہ نے انہیں پہلے بھی کئی بار یوں بغیر سہارے کے چلتے اور اپنے کمرے میں اٹھا پٹخ کرتے ہوئے دیکھا تھا مگر نظر انداز کر گئی کہ خرم کو بتاتی تو وہ یہ سمجھتا کہ وہ اماں پر شک کرتی ہے۔

''یہ کون ہے......؟'' انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا

بنا کر دیکھا...... "یہ پھر آ گئی ہے......" نسیم کو دیکھ کر اس کے منہ پر ہی انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔

"سلام اماں جی!" نسیم نے انہیں سلام جھاڑا اور بدلے میں جھاڑ کھائی۔

"تمہاری اماں کہاں سے لگتی ہوں میں؟" ہر چیز پر ناک بھوں چڑھانا اور ناپسندیدگی کا برملا اظہار کرنا انہوں نے نہیں چھوڑا۔

"جو آپ کو پسند ہو، میں وہی کہہ لوں گی آپ کو۔" نسیم نے لجاجت سے کہا، ہاجرہ کی اماں نے اسے بتایا تھا کہ اسے ایک سخت گیر عورت کے ساتھ رہنا ہوگا، مجبور اور حالات کی ستائی ہوئی عورت تھی، چھت کا آسرا مل رہا تھا وہی کافی تھا۔

"آپ انہیں باجی کہہ لیا کریں آپا......" ہاجرہ نے نسیم سے کہا تو صالحہ بیگم نے گھوری ماری...... ملازماؤں کے لیے آپا اور آپ جیسے الفاظ ان کی لغت میں نہ تھے مگر صالحہ بچپن سے ہی انہیں آپا کہتی تھی، اس نے اماں کی گھوری کو بھی نظر انداز کیا اور نسیم کو باورچی خانے میں بھجوا دیا۔

"میرے کمرے کی ترتیب کیوں بدلی ہے کسی نے......؟" انہیں کمرے میں آ کر اور کچھ نہ سوجھا تھا۔

"آپ غور سے دیکھیں تو سہی...... اماں!" خرم نے کہا۔

"کیا دیکھوں؟" انہوں نے ناک چڑھا کر کہا۔

"آپ کے کمرے میں ہاجرہ نے نیا رنگ کروایا ہے...... اور آپ کے لیے بیڈ بھی نیا لیا ہے...... نیا بیڈ اسی دیوار کے ساتھ اچھا لگ رہا ہے......" خرم نے جوش سے کہا۔

"ہاجرہ کی کوئی لاٹری نکلی ہے کیا؟" انہوں نے چڑ کر کہا۔ "کیا ضرورت تھی ان فضول خرچیوں کی؟"

"اماں خرم نے بتایا تھا کہ اس گھر کو رنگ کیے ہوئے دس سال ہو گئے تھے......" اماں کو سارا غصہ اس بات کا تھا کہ ان کا پلنگ ان کے کمرے کی سیدھ سے ہٹا دیا گیا تھا جہاں سے وہ ان کے کمرے کو دیکھ سکتی تھیں، انہیں کمرے سے نکلتے اور اندر جاتے ہوئے دیکھ سکتی تھیں۔

"پسند آیا اماں؟" خرم نے چاہ سے پوچھا۔

"ضرورت نہیں تھی اس کی بیٹا!" انہوں نے جواباً کہا۔ "کوئی اور ضرورت پوری کر لیتے تم...... گاڑی لے لو کوئی اپنے لیے چھوٹی موٹی۔"

"جتنی رقم سے کمرے میں رنگ ہوا ہے اور آپ کا پلنگ آیا ہے، اتنی رقم سے تو گاڑی نہیں آ سکتی اماں۔"

"میرا پہلا پلنگ کہاں ہے......" نئے جہازی سائز کے پلنگ کو دیکھ کر بھی انہیں اپنا پرانا پلنگ نہ بھولا تھا۔

"وہ اوپر ممٹی میں رکھ دیا ہے اماں...... اس پر نسیم سو جایا کرے گی۔" خرم نے بتایا۔

"تمہیں علم ہے کہ وہ میرے جہیز کا پلنگ ہے...... میرے ماں باپ کی نشانی۔" انہوں نے منہ بسورا۔

"اسی گھر میں ہے آپ کے ماں باپ کی نشانی......" خرم کو اس بات پر دکھ ہوا کہ انہوں نے اس کے اور ہاجرہ کی اس خلوص بھری کاوش کو بالکل نہ سراہا تھا۔

☆☆☆

اماں اب "کوشش" کر کے اپنے کام خود کرنے لگی تھیں...... انہیں نسیم سے کام کروانا پسند نہ تھا یا اس ضد میں نہ کرواتیں کہ ہاجرہ خود ان کے کام کرے...... ہاجرہ خاموشی سے اپنی ہر ممکن حد تک کام کرتی تھی، مگر جہاں وزن اٹھانے یا زور کا کام ہوتا تو وہ نسیم سے کرواتی۔

"ذرا میرا پلنگ تو گھسیٹ کر پہلے والی جگہ پر کر دو......" اماں نے اگلے ہی دن مطالبہ کر دیا، اس نے کہا کہ نسیم فارغ ہو گی تو کسی کو ساتھ بلوا کر، کر دے گی، اماں کا ماتھا اس بات پر ٹھنکا، نہ رہ سکیں تو ہاجرہ سے پوچھ ہی لیا، ہاجرہ سٹپٹائی، اسے امید نہ تھی کہ وہ یوں سیدھے سبھاؤ پوچھ لیں گی، جھوٹ نہ بول سکی اور انہیں بتا دیا۔

"مجھ سے کیوں چھپایا...... دشمن ہوں میں تمہاری کیا؟" انہوں نے چلا کر پوچھا۔

"چھپانا کیوں تھا اماں......" وہ ہکلائی۔ "موقع ہی نہیں ملا آپ کو بتانے کا اور پھر ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں...... آپ گھر پر تھیں نہیں، بتانا تو تھا ہی ناں

جب آپ آتیں۔'' بات اس نے اپنی دانست میں سنبھال لی تھی مگر اماں کا منہ پھول گیا تھا۔

''آنے دو اس زن مرید کو گھر.....'' ہاجرہ پریشان ہوگئی، خواہ مخواہ خرم کو ڈانٹ پڑ جائے گی اور پھر انہیں تو یہ بھی علم نہیں ہوگا کہ اماں کو میں بتا چکی ہوں، فون برآمدے میں تھا، وہاں سے انہیں کال کر کے بھی نہیں بتا سکتی تھی.....وعائیں کرتی رہی کہ جب خرم لوٹیں تو اماں سو رہی ہوں مگر اس کی دعائیں مستجاب نہ ہوئیں.....اس نے اپنی پریشانی کا حل سوچ لیا، نسیم کو اوپر ممٹی میں استری لگا کر کپڑے استری کرنے کو بھیج دیا، اماں صحن میں آ کر بیٹھ گئیں، اسے اور بھی بے چینی لگ گئی۔

باہر خرم کے موٹر سائیکل کی آواز آئی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، اس نے ذرا سی دیر لگا کر دروازہ کھولا، عموماً وہ موٹر سائیکل کی آواز پر دروازہ کھول دیتی تھی اور خرم بعد میں خود ہی اندر آ جاتا تھا.....مگر اس روز وہ ذرا دیر سے نکلی اور دروازہ کھولا اور خرم کو اندر آنے دیا، خرم نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ اسے دیا، اس نے خرم کو سلام کیا اور لفافہ پکڑتے ہوئے ایک کاغذ کی تہ شدہ پرچی اس کے ہاتھ میں منتقل کی۔

''باتھ روم چلے جائیں سیدھے.....'' وہ کہہ کر پلٹ گئی، خرم نے حیرت سے اسے دیکھا مگر وہ باورچی خانے میں جا چکی تھی۔

''اِدھر آؤ خرم.....'' اماں نے اس کے سلام کے جواب میں غصے سے کہا، اسے کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا، فوراً اس کے ذہن نے کام کیا۔

''غسل خانے سے ہو آؤں اماں!'' وہ فوراً غسل خانے کی طرف لپکا، اندر جا کر پرچی کھول کر پڑھی، اسے اندازہ ہوگیا کہ اماں کے غصے کے پیچھے کیا محرک ہے، چند منٹوں میں باہر نکلا تو پرچی اس کی جیب میں تھی، ہاجرہ چائے لے آئی تھی۔

''کیا سن رہی ہوں میں؟'' اماں دہاڑیں۔

''کس بارے میں اماں؟'' اس نے معصومیت اور بے خبری کی اداکاری کی۔ ''سب خیریت تو ہے ناں؟''

''تم بھولے نہ بنو زیادہ، مجھ سے چھپاتے رہے ہو.....'' اماں نے چائے کا گھونٹ بھر کر کہا۔ ''مجھے بتا دیا ہے سب ہاجرہ نے۔''

''ایسی کون سی بات ہے اماں جو ہاجرہ نے بتا دی ہے اور پھر بھی آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ سے چھپا رہا ہوں؟'' اس نے اپنی مسکراہٹ کو زیرلب دبایا، ہاجرہ اس سے نظر چرا رہی تھی۔ ..... ''اگر آپ اپنے پوتے یا پوتی کی آمد کی بات کر رہی ہیں تو اس خبر کو تو ظاہر ہے ہاجرہ نے ہی آپ کو بتانا تھا کیونکہ اسی نے آپ کا پوتا یا پوتی لانا ہے اماں..... یہ عورتوں کے کرنے کی باتیں میں کیا آپ کو بتاؤں؟''

''لیکن اس نے خود تو نہیں بتایا ناں.....میں نے پوچھا تو ہی بتایا ہے اس نے۔'' اماں نے تاویل پیش کی۔

''کل آپ لوٹی ہیں.....'' خرم نے بات بنائی۔ ''پرسوں یہ ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اور اس کی رپورٹ میں نے آج صبح کال کر کے چیک کر کے اس کو بتائی تھی.....'' خرم کی بات نے انہیں مطمئن کیا یا نہیں مگر یہ جان گئی تھیں کہ بازی پلٹ چکی تھی، بیٹا بہو کا ہمنوا بن چکا تھا۔ اس رات سونے سے قبل.....خرم ان کے پاس گیا، انہوں نے خرم کو پیار سے کہا کہ ابھی زندگی میں اور کئی اہم کام باقی تھے.....گھر کی حالت خستہ تھی، اس وقت ایک بچے کا اس گھر میں آنا ایک نئے خرچے کا باعث بن جاتا.....اگر.....ان کی اگر کے جواب میں خرم نے انہیں جن نظروں سے دیکھا تھا، وہ ان کے لیے کافی جواب تھا۔ اس کے بعد انہوں نے خرم سے انتہائی ضروری بات چیت کے علاوہ بات چیت ترک کر دی، ہاجرہ سے تو وہ بالکل بات نہ کرتیں، وہ بن کہے ان کی ہر ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتی مگر ان کے ماتھے کے بل نہ جاتے تھے۔

پہلوٹھی کے بیٹے اور بیٹی کے بعد اگلے ہی برس ایک اور بیٹے کی آمد نے ہاجرہ کو سٹپٹا دیا، نسیم کا بڑا آسرا

تھا اس نے ایک ماں کی طرح اسے ہر بار سنبھالا اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کی۔ خرم اسے کسی بچے کی پیدائش پر میکے نہ بھیجتا کہ اماں تنہا ہو جائیں گی، اب خالہ اور ان کی بیٹی والا باب بند ہو چکا تھا۔ پانچ سال میں چار بچوں کی آمد نے ان کا گھر بھی بھر دیا اور ان کا خاندان مکمل ہو گیا تھا، کمیٹیاں ڈال ڈال کر ہاجرہ نے بچت کی اور کچھ خرم نے بینک سے قرضہ لیا اور گھر میں وقت کے ساتھ، ساتھ دو کمروں کا اضافہ، پرانے کمروں کی مرمت اور تزئین کروالی..... ممٹی پر بھی ایک عام انداز کا کمرا اور غسل خانہ بنوا دیا گیا..... برآمدہ جوں کا توں رہا مگر بچوں کے کمروں کے لیے صحن کو تقریباً آدھا قربان کرنا پڑا تھا..... چاہتے تو وہ دونوں یہی تھے کہ اس گھر پر پیسہ لگانے کے بجائے اسے بیچ کر کسی نئی آبادی میں نئے سرے سے گھر بنا لیتے..... گھر تھا بھی خرم کے نام پر مگر اماں سے گھر بیچنے کی بات کی تو وہ بدک گئیں، ان سے بحث کر کے جیتا تو جا ہی نہ سکتا تھا۔

ہاجرہ کی ساری بہنوں کی ایک، ایک کر کے شادیاں ہو گئیں اور اس کے ماں باپ اپنے فرض سے فارغ ہو گئے..... اس کی اماں اپنے سارے دامادوں کو بیٹوں سے بڑھ کر چاہتیں مگر خرم کا مقام اس گھر میں بڑے بیٹے کا سا تھا، اپنی اہمیت کسے پسند نہیں ہوتی، سو خرم بھی سسرال والوں سے اتنی ہی محبت کرتا تھا۔ بس اب ہاجرہ کے والدین کے سروں پر صرف اس کے بھائیوں کا بوجھ تھا، اس کی انہیں اتنی فکر نہ تھی، بیٹیاں سبھی اپنے گھروں میں خوش تھیں، سیانی ماں کی بیٹیاں تھیں، جو ذرا سردی گرمی ہوتی تو ان کی ماں انہیں بہترین مشورے سے نوازتی جو گھر بچانے کا ہوتا تھا ذرا سی برداشت سے..... نہ کہ گھر توڑنے کا۔

چند برس گزرے..... سبھی بچے اسکول جانے لگے..... اب ہاجرہ کے ساتھ، ساتھ بچے بھی اماں کی ڈانٹ میں حصہ لینے لگے، انہیں بچوں کی ہر، ہر بات پر اعتراض ہوتا، اس لیے انہیں جتنا وقت وہ گھر پر ہوتے، روک ٹوک کرتی رہتیں۔ جہاں سے بچے شفقت کی توقع کرتے ہیں وہاں سے ہمہ وقت پھٹکار پڑتی رہے تو بچے بدظن ہو جاتے ہیں، بچے اپنے دوستوں سے سنتے کہ ان کی دادی ان سے پیار کرتی ہیں تو وہ حیران رہ جاتے..... بیٹیاں تو ماں کی طرح صابر تھیں مگر بیٹے صارم اور کاظم دادی کی ڈانٹ پر بہت برا مناتے۔ دادی کو بھی ان سب بچوں سے خواہ مخواہ کا بیر تھا، ہاجرہ اب عمر کے اس حصے میں تھی جہاں اس میں ٹھہراؤ اور تحمل کے ساتھ، ساتھ کافی سمجھداری بھی آ گئی تھی، کچھ خرم نے شادی کے پہلے سال کے بعد اپنے ہاتھ اور زبان پر کافی قابو پا لیا تھا اور کچھ، کچھ اماں کی طبیعت کو بھی سمجھ گیا تھا..... ہاجرہ سے پوچھتا کہ اماں ایسے کیوں کرتی ہیں..... ہاجرہ چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ پاتی کہ وہ صرف توجہ چاہتی ہیں..... وہ کوشش کرتی اور اپنے بچوں کو بھی نظر انداز کر کے اماں کو وقت دیتی مگر۔

کوثر خالہ کا منظر سے غائب ہو جانا بھی ہاجرہ کو عجیب لگا تھا، خرم نے اسے بتا دیا اور اس سے وعدہ بھی لیا کہ وہ کبھی اماں کو جتلائے گی نہیں..... ہاجرہ کو دل سے ان سے ہمدردی محسوس ہوئی کہ ان کا اکلوتا رشتہ بھی ان سے جدا ہو گیا تھا۔ وہ ان کا اور بھی خیال رکھنے لگی..... اماں کی گھنٹی وقت بے وقت بجتی رہتی، اب اس کی پکار پر ہاجرہ کے ساتھ اس کی بیٹیاں بھی بھاگنے لگیں۔ عمر کے ساتھ اب اماں واقعی بیمار رہنے لگیں اور کمزور ہو گئیں، ہاجرہ بھی مصروف تھی اور خود بھی ادھیڑ عمری کی طرف جا رہی تھی..... نسیم کے جوڑوں میں بھی اب اتنا دم نہ رہا تھا مگر ہاجرہ کو اس کا بڑا آسرا تھا، بیٹیوں والے گھر میں اسے گھر سے باہر جانا مشکل لگتا جو ماں جیسی ہمدرد عورت نسیم کی شکل میں اس کے ہاں نہ ہوتی۔ کم از کم نسیم اس پر بوجھ نہ تھی، غریب گھر کی بے آسرا اور مشقت کی چکی میں پسی ہوئی عورت..... اسے تو چھت کا آسرا ہی بہت تھا، تنخواہ تو اس کی کبھی خرچ ہی نہ ہوتی تھی۔

☆☆☆

اماں بالکل بستر سے لگ گئیں..... ہاجرہ کے لیے آزمائش کے مشکل ترین تین سال..... اسے اپنے بچوں کا ہوش نہ ہوتا، اب وہ رات کو اتنی دفعہ گھنٹی بجاتیں کہ ہاجرہ کا دل کبھی کبھی گھنٹی توڑ دینے کو چاہتا..... ان سے کہا بھی کہ نسیم ان کے کمرے میں سو جایا کرے مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ''تم سو جایا کرو یہاں۔'' انہوں نے ہاجرہ سے کہا۔ چند دن وہ بھی کر کے دیکھ لیا مگر جب بھی انہیں غسل خانے جانا ہوتا تھا اسے اپنی مدد کے لیے کسی نہ کسی کو بلانا پڑتا تھا، بچے اپنی پڑھائیوں کی وجہ سے دیر تک جاگتے تھے ایسے میں ہاجرہ کا دل بھی نہ چاہتا کہ ان کی نیندیں خراب کرے۔ اماں کو اٹھانے بٹھانے میں ہاجرہ کی اپنی کمر سے درد نکل گیا، کوئی مشکل سی مشکل تھی، اب بچوں کو باپ کے ساتھ مل کر دادی کو سنبھالنا پڑ رہا تھا، ڈاکٹر نے ہاجرہ کو مکمل آرام کو کہا تھا، اسے بچوں اور خرم پر ترس بھی آتا تھا مگر اماں کسی صورت نسیم کو پاس پھٹکنے دینے کو تیار نہ تھیں۔

ایک دن سوئیں تو اٹھی نہیں..... خرم کے ساتھ ہاجرہ کو بھی ان کی وفات کا دکھ تھا، ہاجرہ نے ہمیشہ ان کی کڑوی کسیلی بھی برداشت کی تھیں، کبھی کبھار خرم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا مگر ہاجرہ ماں تھی اور جانتی تھی کہ ماں کا دل اولاد کے لیے کیسا ہوتا ہے..... وہ خرم کو سمجھاتی اور مذہب کے حوالے سے انہیں ماتھے پر بل نہ لانے کا بھی کہتی۔ اماں کے بعد جہاں خرم کو اپنی زندگی میں خلا کا احساس ہوا وہاں اسے کم از کم یہ اطمینان تھا کہ سوائے ربیعہ سے شادی نہ کرنے کے، اس نے کبھی اماں کو کسی بات پر انکار نہ کیا تھا۔ ہاجرہ کی برداشت کو بھی جانتا تھا، اس نے کتنے تلخ حالات میں زندگی گزاری تھی، اسے وہ تو کوئی اجر نہ دے سکتا تھا، اللہ ہی جزا دینے والا تھا۔

''ہاجرہ تم نے اماں کی جو خدمت کی ہے، تم دیکھنا، اس دنیا میں تم اس کا صلہ پاؤ گی، تمہاری اپنی اولاد تمہاری اسی طرح خدمت کرے گی، تمہاری تابعدار ہوگی۔''

''مجھے دنیا میں کوئی صلہ نہیں لینا ہے خرم!'' وہ مسکرائی۔ ''اگلے جہاں میں کوئی اچھا مقام مل جائے.....'' اماں کے بعد اسے اپنی زندگی میں ایک خلا سا محسوس ہوتا تھا..... لگتا تھا کہ وہ بالکل فارغ ہوگئی ہو، زندگی میں کوئی مصروفیت ہی نہ رہی تھی۔ اب وہ پوری توجہ اپنے بچوں اور خرم کو دے پاتی تھی، وقت سرپٹ بھاگتا رہا اور بچے اپنی پڑھائیوں سے فارغ ہو کر عملی زندگی میں مصروف ہو گئے، بیٹیوں کی شادی کے بعد اب وہ بیٹوں کی شادی کا سوچنے لگی تھی دل میں ہمیشہ یہی سوچتی تھی کہ سوچ سمجھ کر بہوئیں لاتا ہوں گی اور دل بڑا کر کے ان کا اپنے گھر میں استقبال کرے گی، انہیں خوش رکھے گی اور ان سے اسی طرح پیار کرے گی جس طرح اپنی بیٹیوں سے کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

کمر کا درد جو کہنے کو ایک بار کمر کے پٹھے کھنچ جانے سے ہوا تھا، عمر بھر کے لیے اس کا ساتھی بن گیا تھا۔ اسے بہت سے کام کرنے میں دقت ہوتی تھی، بیٹیاں اپنے، اپنے گھروں میں خوش تھیں کیونکہ ان کی ماں نے ان کے ہاتھوں میں صبر اور برداشت جیسے سنہری اصولوں کے کنگن پہنا کر بھیجا تھا..... ''خود کو بدلو.....'' وہ اپنی بیٹیوں کو یہی کہتی، دوسروں کو نہیں بدلا جا سکتا، ان کے انداز اور ان کی سوچ کو بدلنے میں عمریں رُل جاتی ہیں..... خود کو سسرال کے سانچے میں ڈھالنا پڑتا ہے، وہاں تو ہماری مرضی نہیں چلتی..... ماں کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے میں کوشاں بیٹیاں اپنی سسرال میں کامیاب بہوئیں تھیں، کم از کم اسے اس بات کی خوشی تھی کہ ان کی سسرالوں میں انہیں ان کی ان عادات کے باعث سراہا جاتا تھا، جن کا کریڈٹ کبھی ہاجرہ کو نہیں ملا تھا۔

اب بہوؤں کو ڈھونڈنے کا مسئلہ درپیش ہوا تو دور نزدیک..... سب اطراف میں کاوشیں ہونے لگیں اور خدا، خدا کر کے صارم کے لیے حوریہ کو پسند کر لیا گیا، پیاری سی بچی، دور پار سے رشتے دار ہی تھے، اس لیے

ہاجرہ کو کوئی تامل نہ تھا، اصل مسئلہ یہ تھا کہ صارم کو بھی لڑکی پسند آ جائے۔ سب سے بڑا اندیشہ یہی تھا کہ حوریہ کے والدین چونکہ چھوٹے شہر میں رہتے تھے اس لیے وہ بی اے تک ہی پڑھ سکی تھی، وہ بھی ان مضامین کے ساتھ جن کا شہروں میں کوئی اسکوپ نہ تھا۔

''مما آپ نے سوچا بھی کیسے کہ مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہوگا.....'' صارم نے اس کا خون سیروں بڑھا دیا۔

''پھر بھی بیٹا، تم نئے دور کے بچے ہو، ایک بار اس سے مل لو، اس سے بات چیت کر لو تو تمہیں اندازہ ہو جائے.....'' ہاجرہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''آپ جیسی ہے اگر اماں تو مجھے دیکھنا بھی نہیں.....'' صارم نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا اور اس کے اندر تک سکون اتر گیا تھا۔ اس کے نہ، نہ کرنے پر بھی ہاجرہ نے حوریہ کے والدین سے بات کی اور دونوں کی ملاقات کروا دی، ان کے گھر میں ہی مگر دوسروں کی عدم موجودگی میں۔ صارم اتنی دیر میں اسے کیا جانچتا مگر اس کے ملیح چہرے کو دیکھ کر ماں کی پسند کی داد ضرور دینے لگا..... ''چہرہ ہمارے باطن کا عکاس ہی تو ہوتا ہے ضرور یہ اتنی ہی اچھی ہوگی۔'' صارم کو ماں کی پرکھ پر پورا اعتماد تھا، دوسرے اسے کسی نے گُر کی بات یہ بھی بتائی تھی کہ جب مائیں اپنی پسند سے بہویں لاتی ہیں تو کم اختلافات ہوتے ہیں۔

صارم کے ہاں کرتے ہی، دونوں طرف سے منگنی کی تیاریاں شروع ہوگئیں، منگنی کی چھوٹی سی تقریب تھی مگر ہاجرہ نے اپنے بڑے بیٹے کے لیے سارے ارمان پورے کیے، شادی چھ ماہ کے بعد ہونا قرار پائی تھی۔

☆☆☆

اب زندگی میں سکون کی ساعتیں آئی تھیں کہ ہاجرہ کی دنیا اجڑ گئی..... خرم اپنے دفتر سے واپسی پر کسی دہشت گرد کی انجان گولی کی زد میں آ گیا، فائرنگ کا سلسلہ ختم ہونے اور ایمبولینس آنے تک اتنا نقصان ہو چکا تھا کہ وہ زندگی کی بازی ہار گیا۔ ہاجرہ کو کاظم نے اپنے بازوؤں میں بھر کر اطلاع دی، اسے تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا، عمر بھر تو ذمے داریوں میں گزر گئی تھی اب سکھ چھاؤں کا وقت آیا تھا تو چھاؤں میں ساتھ بیٹھنے والا ساتھ چھوڑ گیا۔ گھر بھر پر موت کا سا سکوت طاری ہو گیا تھا، سب کو چپ لگ گئی تھی۔

کوئی کھانے کو کہتا تو کھا لیا جاتا ورنہ سب پہروں ایک دوسرے سے بے نیاز بیٹھے رہتے، بیٹیاں ہفتوں ماں کی دلجوئی کے لیے آ کر میکے بیٹھی رہیں مگر پھر ہر کسی کو اپنے معمول میں مصروف ہونا ہوتا ہے، خود ہاجرہ نے ہی کہا کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹیں، اپنے شوہروں اور بچوں کی فکر کریں۔ مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرتا، صرف ان کے ساتھ رہنے والوں کے جذبات مر جاتے ہیں، ان کی خواہشات مر جاتی ہیں۔ اور وہ خود جو سانس، سانس خرم کے ساتھ جیتی تھی، اس کے جاتے ہی جیسے بستر سے لگ گئی، لاکھ کوشش کرتی کہ مسکرائے، ہنسے مگر اس کے لب سب کچھ بھول گئے تھے، اسے بات کرنا بھی جیسے بھول گیا تھا۔ وقت چاہے جتنا بھی بڑا مرہم ہے کچھ زخموں کے منہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور ان سے لہو ٹپکتا ہی رہتا ہے.....

بچوں کے لیے باپ کا جانا بہت بڑا نقصان تھا مگر ان کے پاس کم از کم اور مصروفیات تو تھیں، بچوں کے فرائض کے بعد ہاجرہ کے لیے خرم ہی سب کچھ تھا۔

''سال بھر ہونے کو ہے بیٹا.....'' نسیم جسے اب اس گھر میں گھر کے فرد کی طرح ہی سمجھا جاتا تھا۔ ''صارم میاں کی شادی کا ہنگامہ جاگے گا تو زندگی میں کوئی تبدیلی آئے گی بیٹا، تمہارا دکھ تو ہمیشہ کا ہے مگر دنیا کے کام بھی تو چلنا ہوتے ہیں، زندگی رواں دواں رہنی چاہیے.....''

ان کے کہنے پر جیسے ہاجرہ خواب سے جاگی، ایسا تو نہ تھا کہ خرم چلے گئے تھے تو زندگی کے باقی فرائض بھی پورے نہ کرنا تھے۔ سو دو ماہ بعد کی تاریخ مقرر ہوئی

اور جیسے حبس زدہ زندگی میں تازہ ہوا چلنے لگی۔

کاظم اور صارم باپ کی اچانک اور حادثاتی موت کے بعد ماں کے اور بھی قریب ہو گئے تھے، اس کے جوڑوں اور کمر کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ بیٹیوں کی طرح سے دباتے، مالش کرتے اور اس کی دوا دارو کا خیال رکھتے۔ اٹھنے بیٹھنے میں سہارا دیتے، کبھی اس کی طبیعت ٹھیک ہو جاتی مگر سردی کا موسم اس کے لیے بیماری اور درد میں اضافے کا باعث ہوتا۔ شادی اتفاق سے سردی کے موسم میں ہی ہو رہی تھی۔

☆☆☆

شادی سادگی سے ہوئی، ارمان اور شوق تو سارے پورے کیے گئے مگر شادی کی تقریبات میں سادگی کا رنگ نمایاں تھا، ہاجرہ نے اپنا سامان اماں کے کمرے میں منتقل کروا لیا تھا اور جس کمرے میں عمر بھر اس کا اور خرم کا ساتھ رہا تھا اسے بیٹے بہو کے حوالے کر دیا، صارم کو ماں کے یوں کمرا چھوڑنے پر اعتراض تھا مگر ہاجرہ اسی پر مصر تھی، صارم کو ہی ہتھیار ڈالنا پڑے۔ جانتا تھا کہ ماں ہمیشہ سے اس بات کا پرچار کرتی تھی کہ اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر آنے والی بچیوں کے لیے دل بڑا کرنا چاہیے، ماں کا دل کتنا بڑا ہوتا ہے، اس کی گہرائی اور وسعت کو کون جان سکتا ہے بھلا۔

اتنی دور سے بارات لوٹ کر آئی تھی، ہاجرہ تو تھک کر اپنے بستر پر لیٹ گئی تھی مگر لڑکیوں اور بچوں میں ابھی تک توانائی باقی تھی، رات دیر تک سب ہاجرہ کے کمرے میں ہی بیٹھے رہے۔

''چلو بھئی اب سب لوگ آرام کرو، حور یہ بیٹی بھی تھکی ہوئی ہے......'' ہاجرہ نے محفل برخاست کرنے کا اشارہ دیا۔ ''کل کا دن پھر مصروف ہو گا۔'' اسے خرم کی کمی بہت بری طرح محسوس ہو رہی تھی، سب لوگ ایک، ایک کر کے اٹھنے لگے۔ دلہن کو اٹھا کر لے جایا جانے لگا تو وہ اس کے پاس آئی اور اسے شب بخیر کہہ کر سر جھکایا، ہاجرہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی، صارم بھی تھوڑی دیر کے بعد اسے اللہ حافظ کہہ کر نکلا، اماں کے بعد یہ کمرا خالی ہی رہا تھا، اس کی ترتیب بھی وہی تھی جو اماں کی زندگی میں تھی، اسے صارم کمرے میں جاتا ہوا نظر آیا، دلہن کو غالباً پہلے ہی وہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند ہوا تو ہاجرہ کو عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا، اسے اندازہ نہ ہوا کہ اس کیفیت کو کیا نام دے، کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی، دوائیں ابھی تک اس کے سرہانے رکھی تھیں، اس نے دوا کھائی، تسبیح ہاتھ میں لے کر آنکھیں موند لیں مگر اسے یاد نہ آ رہا تھا کہ تسبیح پر کیا پڑھنا ہے۔ کروٹیں بدلتے، بدلتے وہ اپنی گزری ہوئی زندگی کے کئی سالوں کو کھنگال گئی، کبھی اس بستر پر اماں تھیں اور وہ اس کمرے کے بند دروازے کے پیچھے، اس کے اندر اماں دھرنا دے کر بیٹھ گئیں، وہ ان کے ذہن سے سوچنے لگی، کتنا خیال کرتے تھے صارم اور کاظم اس کا، راتوں کو اٹھ اٹھ کر پوچھتے کہ اسے کوئی تکلیف یا ضرورت تو نہیں......مگر آج...... کاظم تھک کر سویا ہوا ہے، صارم ہر رات کو سونے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے مجھے دوا دیتا تھا، اسے بھی آج بھول گیا۔

ہوں......اس نے لمبی سی سانس لی، ''یوں ہی ہوتا ہو گا۔'' اس نے سوچا۔ ''کبھی میں دیوار کے اُس پار تھی، آج اس پار ہوں۔'' اس نے بے چینی سے کروٹ لی۔

''کیا ساری بہوئیں آ کر یوں ہی بیٹے چھین لیتی ہیں؟'' تسبیح اس نے میز پر رکھ دی۔ ''نیند کیوں نہیں آ رہی؟'' اس نے سوچا۔ ''نیند کی دوا جانے کہاں رکھی ہے......''

خرم کے بعد بسا اوقات رات طویل ہو جاتی تو وہ مجبوراً نیند کی گولی کا سہارا لیتی، کاظم ڈاکٹر تھا اور وہ اسے منع کرتا تھا کہ وہ خود کو ان گولیوں کا عادی نہ بنائے مگر کبھی کبھار وہ لے لیتی اور کاظم کو بھی نہ بتاتی تھی۔

دو گھنٹے بیت گئے تھے...... اسے لگا کہ سامنے کمرے کا دروازہ کھلا تھا، شاید اس کا وہم تھا، اتنی دوائیں لیتی تھی تو کبھی کبھار اسے ایسے ہی ہیولے نظر آتے تھے۔

مگر وہ ہیولہ اسی کمرے کی طرف آ رہا تھا، اس نے آنکھیں موندلیں، وہ صارم کو اندھیرے میں بھی پہچان گئی تھی، صارم اس کے پلنگ کے پاس آن کھڑا ہوا۔

''مما!'' وہ خاموش رہی۔ ''سوگئی ہیں کیا مما؟'' اسے لگا کہ وہ زیادہ دیر تک اداکاری نہ کر سکے گی۔

''کوشش کر رہی ہوں بیٹا۔'' اس نے آنکھیں کھولیں، صارم اس کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔

''میں پوچھنے آیا تھا کہ آپ ٹھیک ہیں...... مجھے یاد آیا کہ میں آپ کو دوا دینا بھی بھول گیا تھا، سوری مما......'' اس کے لہجے میں ملال تھا۔ ''آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا!'' اسے اتنی سی بات سے ہی خوشی ہوئی کہ صارم کو اپنی بھول پر ندامت تھی۔

''میں نے ٹائم دیکھنے کے لیے لیمپ جلایا تو مجھے آپ کی یہ گھنٹی نظر آئی مما جو آپ کبھی کسی ایمرجنسی کی صورت میں ہمیں اوپر سے بلانے کے لیے بجاتی تھیں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی گھنٹی اس کے پلنگ کے ساتھ رکھی میز پر رکھی۔ ''کوئی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے بلانے کے لیے یہ گھنٹی بجالیے گا مما!''

''شکریہ بیٹا!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''دوا کھالی تھی آپ نے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا، صارم ہولے، ہولے اس کے کندھے دبانے لگا، وہ سکون کی وادی میں اترنے لگی، اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں، جاگتے سوتے میں اسے دیوار کے اس پار...... امنگوں اور امیدوں سے جاگتی ہوئی ایک معصوم سی لڑکی نظر آئی...... تین دہائیوں پہلے کی ہاجرہ...... اسے کئی ہیولے نظر آ رہے تھے، ماں اور بیوی کے درمیان دونوں کو خوش رکھنے کی کوششوں میں ہلکان خرم، ناراض، ناراض سی بی اماں...... پٹ سے اس کی آنکھیں کھل گئیں، خود سے کیے گئے وعدوں کی پرچھائیاں اس کے گرد رقصاں تھیں۔

''حور یہ اچھی لگی تمہیں بیٹا؟'' جواب میں صارم لڑکیوں کی طرح شرما گیا۔ ''جاؤ بیٹا سو جاؤ...... تھکے ہوئے ہو گے تم اور میری بیٹی تمہارا انتظار کر رہی ہو گی، اس گھر میں وہ تمہارے ساتھ سب سے زیادہ مضبوط تعلق کی ڈور میں بندھی ہوئی ہے بیٹا......اس کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھنا، اس گھر میں اس کی خوشی سب سے اہم ہے کیونکہ تمہارے ساتھ نکاح کے بندھن میں وہ اپنے سارے پیارے رشتے چھوڑ کر آئی ہے......اسے کبھی تنہا نہ کرنا، ناامید نہ کرنا، اس کے حقوق پامال نہ کرنا......کوشش کرنا کہ اس کی ہر خواہش پوری ہو مگر جو تمہارے اختیار میں ہے وہ ضرور کرنا، اس سے ہمیشہ نرمی سے بات کرنا، گالی گلوچ اور مار پیٹ سے گریز کرنا۔'' وہ رکی۔ ''تم اسے پیار دو گے تو وہ تم سے منسلک سب رشتوں میں پیار بانٹے گی، ہم سب اسے اہمیت دیں گے اور اس گھر کا فرد سمجھیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہم سب کا خیال نہ رکھے، میری ان باتوں کو سرسری نہ لینا بیٹا، ہمیشہ ان کا خیال رکھنا، اس کے معاملے میں ناانصافی نہ کرنا۔'' بولتے، بولتے اسے نیند آنے لگی...... ''جاؤ بیٹا، اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔'' اس نے فراخ دلی سے کہا۔

صارم نے اس کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا......

''فکر نہ کریں مما...... میں سب جانتا ہوں جو آپ کہنا اور بتانا چاہ رہی ہیں۔'' وہ کمرے سے نکلا، ہاجرہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے اس گھر میں ایک اور ہاجرہ کو جنم لینے سے بچانا تھا، کوشش کر کے اٹھی، گھنٹی کو میز سے اٹھا کو کوڑے دان میں پھینکا، سائڈ ٹیبل کی دراز کھولی، نیند کی گولی ڈھونڈ کر نکالی، ایک گولی آدھا گلاس پانی کے ساتھ نگلی۔

''کل تو ولیمہ ہے، سب مصروف ہوں گے، پرسوں اپنے کمرے میں پلنگ کی ترتیب بھی بدلوا لوں گی...... بیٹے، بہو کی زندگیوں میں زیادہ تانک جھانک کروں گی تو خود ہی بے چین اور غیر مطمئن رہوں گی......'' سوچتے، سوچتے وہ سکون سے نیند کی وادی میں اتر گئی۔

ناولٹ

# چلو ہم ساتھ چلتے ہیں

صائمہ اکرم

دوسرا اور آخری حصہ

بسمہ سویٹ ڈش لے کر پلٹ گئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کئی سال پہلے ایک کرین اس کے باپ کے وجود سے ٹکرائی تھی اور انہیں اپاہج کرگئی تھی، آج بہت سالوں کے بعد ایک بلڈوزر اس کے وجود کے پرخچے اڑا گیا۔

بسمہ خالد کو پہلی دفعہ محسوس ہوا اعلیٰ تعلیم، اچھی جاب اور معاشرے میں موجود بہترین مقام بھی کچھ نہیں ہے کیونکہ دنیا ہمیشہ کسی بھی شخص کو اہمیت دینے کے

لیے اس کے شجرۂ نسب میں جو چیز پہلے کھنگالے گی وہ اس کے آباؤ اجداد کا اسٹیٹس اور معاشی حیثیت ہوگی۔ وہ خود کتنی بھی بڑی لینڈ لارڈ کیوں نہ ہو جائے اس کے مخالفین اور حاسدین ہمیشہ اسے خالد مغل مزدور کی بیٹی کے حوالے سے متعارف کروائیں گے۔ اس سوچ نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کافی دیر تک بے آواز آنسو بہتے رہے اور پھر کچھ سوچ کر وہ داجی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ دونوں اب پہلی منزل پر موجود کمرے میں قیام پزیر تھے کیونکہ مہمانوں کی بار، بار آمدورفت کی وجہ سے بیٹھک میں داجی کو خاصی ڈسٹربنس کا سامنا تھا۔

''میرا خیال ہے داجی عبدالرحمٰن کے رشتے میں بظاہر کوئی خامی بھی نہیں ہے.....'' وہ برتن اٹھانے آئی تو اس کا پُراعتماد انداز داجی کے ساتھ، ساتھ احیان کو بھی چونکنے پر مجبور کر گیا..... احیان نے ہلکا سا بوکھلا کر اس کا چہرہ دیکھا جو سپاٹ تھا لیکن آنکھیں سرخ تھیں۔ احیان کو ہلکی سی ندامت کا احساس ہوا۔

''لیکن اس کی کوالیفکیشن؟'' داجی ہلکا سا اٹکے۔

''تو کیا ہوا؟'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''میری ڈگریاں ہیں ناں.....'' اس نے بات کو مذاق کا رنگ دینے کی ناکام کوشش کی۔

''لیکن تم اس سے اچھے کے لیے ڈیزرو کرتی ہو بسمہ.....'' داجی نے خلوصِ دل سے کہا، جس کی تصدیق احیان کے دل نے بھی فوراً کی۔

داجی اور بسمہ کے درمیان اس موضوع پر باقاعدہ ایک بحث شروع ہوگئی تھی اور اس گفتگو کے دوران احیان اپنی پوزیشن خاصی آکورڈ محسوس کر رہا تھا۔ اس لیے اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھا ایک پرانا سا اخبار اٹھایا اور زبردستی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

''ارے چھوڑیں داجی، سوسائٹی کے اپنے معیار ہیں۔ بسمہ خالد ایل ایل ایم کے بعد کہیں مجسٹریٹ بھی لگ جائے، رہے گی تو خالد مغل مزدور کی بیٹی ہی ناں۔''

اس کے استہزائیہ انداز پر احیان کے ساتھ، ساتھ داجی کو بھی جھٹکا لگا۔

داجی نے گلہ آمیز نگاہوں سے احیان کی طرف دیکھا جو بوکھلا کر پراپرٹی ڈیلنگ کے اشتہارات پر باقاعدہ جھک سا گیا تھا۔ اب وہ زبردستی خالی دماغ کے ساتھ ان اشتہارات کو پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''تو کیا ہوا.....؟'' داجی نے بے پروا انداز میں اپنے سامنے کھڑی بسمہ کو دیکھا جو کچھ بکھری، بکھری سی لگ رہی تھی۔ ''یہ سب انسان کے اپنے اندر کے کمپلیکسز ہوتے ہیں، جو وہ دوسروں کی ذات میں تلاش کرتا ہے۔'' داجی نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''کچھ بھی ہو انسان کو اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیے، ورنہ لوگ اسے یاد دلانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔'' وہ خالی برتن ٹرے میں رکھ کر فوراً کمرے سے نکل گئی۔ اس کا لہجہ خاصا جتاتا ہوا تھا۔

''کہیں اس نے ہماری باتیں تو نہیں سن لیں.....؟'' داجی نے ہلکا سا گھبرا کر احیان کا پریشان چہرہ دیکھا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں.....'' اس نے صاف دامن بچایا۔

''اب اتنی بری بھی نہیں ہے بسمہ کہ تم کچھ کہہ ہی نہ سکو.....'' داجی کو نہ جانے کیوں اس پر غصہ آیا۔

''میں نے کب کہا کہ وہ بری ہے.....'' احیان کا مزاج برہم ہوا۔ ''میں نے ابھی کھل کر بات نہیں کی اور آپ نے فوراً مجھ پر اسٹیٹس کونشس ہونے کا فتویٰ بھی لگا دیا۔ احیان نے برا سا منہ بنا کر احتجاج کیا۔ ''آپ بھی بعض دفعہ حد کر دیتے ہیں داجی.....''

''تو تمہارا اس بات سے کیا مطلب تھا؟'' داجی نے کڑے تیوروں سے اپنے پوتے کو دیکھا جو بچوں کی طرح منہ پھلائے بیٹھا تھا۔

''میں نے تو ان حالات میں اس طرح شادی کرنے کو نامناسب کہا تھا لیکن آپ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ

اور مجھے کھری، کھری سنانی شروع کر دیں۔'' وہ ناراضی کے باقاعدہ اظہار کے لیے کمرے سے باہر نکل آیا۔ داجی ہکا بکا رہ گئے۔ وہ جیسے ہی باہر نکلا، اس نے بسمہ کو اونچے نیچے راستوں پر چلتے ہوئے دیکھا۔

وہ نیچے وادی کی طرف جا رہی تھی۔ احیان اپنی سوچوں میں گم اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ چلتے، چلتے رکی اور ایک سائڈ پر پڑے بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔ احیان کو ایک دم ہی اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ پہلے تو وہ دائیں بائیں یونہی دیکھتا رہا اور پھر وہ فطرت کے خوب صورت نظاروں میں کھو گیا۔ اس نے اپنے سیل فون سے اردگرد کے ماحول کی تصویریں بنانی شروع کر دیں۔ بسمہ جس جگہ پر بیٹھی تھی اس کے بالکل سامنے والے پہاڑ سے ایک آبشار تسلسل سے بہہ رہا تھا۔ پانی کے گرنے کی آواز خاموشی میں چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

احیان نے اپنے سیل فون سے اس آبشار کی چند خوب صورت تصویریں بنائیں۔ وہ ایک خاص زاویے سے اس پہاڑ کی تصویر بنانے کی کوشش کر رہا تھا اس نے جیسے ہی اپنے سیل فون کے کیمرے کا بٹن دبانے کے لیے ہاتھ رکھا اسی لمحے بسمہ نے اپنی گردن موڑ کر اچانک اس کی طرف دیکھا۔ احیان کے کیمرے کا بٹن دب چکا تھا اور منظر اس کے اندر قید ہو گیا۔ بسمہ کے چہرے پر پہلے حیرت اور پھر بے ساختہ ناگواری کے تاثرات ابھرے۔

''آئی ایم سوری، میں آپ کی نہیں سامنے موجود پہاڑی کی تصویر لے رہا تھا......'' احیان نے ایک دم شرمندہ ہو کر وضاحت دی۔

''میں جا رہی ہوں، آپ اب اطمینان سے جتنے چاہے فوٹوز لے سکتے ہیں۔'' اس کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ اسے مزید خجالت کا شکار کر گئی۔

احیان خاموشی سے اسی پتھر پر بیٹھ گیا، جہاں کچھ دیر پہلے بسمہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے کی شرمندگی کے احساس کو ختم کرنے کے لیے اپنی بنائی ہوئی تصویریں دیکھنے لگا۔ فطرت کا حسن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کے کیمرے میں محفوظ ہو چکا تھا۔ وہ آہستہ، آہستہ ساری تصویروں پر ایک نظر ڈالتا ہوا ایک تصویر پر جو رکا تو اس کی نظریں پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔

خوب صورت سے آبشار کے سامنے بڑے سارے پتھر پر بیٹھی وہ لڑکی گردن موڑے پیچھے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سحر انگیز آنکھوں میں حیرانی کا ایک جہان آباد تھا۔ بڑی، بڑی سیاہ آنکھوں کی گہرائی کیمرے کی آنکھ میں کسی حد تک نظر آ رہی تھی۔ احیان کو پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں مدِمقابل کو بے بس کر دینے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہیں۔ اس کا دل ایک انوکھی سی لے پر دھڑکا۔ احیان کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اردگرد موجود فطرت کے تمام تر عناصر، پہاڑ، درخت، سبزہ، پتھر ہر چیز ہی اس کے اوپر ہنس رہی ہے۔ وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ دل و دماغ دونوں ہی قابو سے باہر ہو گئے۔ ہر طرف اسے بسمہ کی حیران آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

''کیا دو آنکھوں میں اتنی طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ اگلے بندے کو ایک لمحے میں زیر کر لیں......؟'' وہ ایک ہی بات سوچے جا رہا تھا۔

''پتا نہیں یار مجھے کیا ہو رہا ہے......؟'' اس نے گھبرا کر عماد کو کال ملالی۔

''کہیں عشق وشق تو نہیں ہو گیا میرے شہزادے کو۔'' عماد اس کا جگری دوست تھا، اس لیے بے تکلفی سے چھیڑ بیٹھا۔

''بکومت، مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے ہر جگہ پر بسمہ خالد کا چہرہ اُگ آیا ہے......'' اس نے چاروں طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے آہستہ سے عماد سے کہا، دل میں یہ خوف کہیں چھپا ہوا تھا کہ یہ اس کا علاقہ ہے۔ یہاں کی ہر چیز اس کی ہے، کوئی بھی احیان کے دل کی مخبری آرام سے کر سکتا ہے۔

''میری مانو، اپنا بوریا بستر باندھو...اور واپس آجاؤ......'' عماد کا مشورہ اسے زہر لگا۔

''میرا تو دل کر رہا ہے کہ مستقل یہیں کہیں ڈیرے ڈال لوں۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ پھسلا۔

''پھر ایسا کرو، اپنی دوسری نئی فیکٹری کے لیے جگہ وہیں کہیں پہاڑوں کے درمیان دیکھ لو......'' عماد نے مفت مشورہ دیا۔

''میں نے فیکٹری بنانی ہے، کالا باغ ڈیم نہیں۔ اس لیے تم اپنے فضول مشورے اپنے پاس رکھو۔'' احیان کو اس وقت کوئی بھی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''بیٹا، محبوب کے نگر کی گلیاں، کوچے، بازار، ہوائیں ساری ایسی ہی لگتی ہیں......اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔'' عماد اب کھل کر اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ جیسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر لی جو یہ بات تم سے شیئر کر بیٹھا......'' احیان نے ٹھیک ٹھاک برا مان کر فون بند کر دیا۔ ٹھیک ایک منٹ کے بعد عماد کی کال اسے آنے لگی تھی جو احیان نے فوراً ریجیکٹ کر کے فون سیٹ کی آواز ہی بند کر دی تھی۔

☆☆☆

''تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے احیان......؟'' رات کو داجی نے اچانک ہی اسے مخاطب کیا۔ وہ جو پلنگ پر لیٹا ایک دفعہ پھر سیل فون سے اپنی بنائی ہوئی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کیوں، کیا ہوا داجی......؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے داجی کی طرف دیکھا جن کی کھوجتی نگاہیں اسی پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''پچھلے ایک گھنٹے سے تم سیل فون پر پتا نہیں کون، کون سی تصویریں دیکھنے میں مگن ہو، کیا کوئی خاص فوٹو گرافی کر لی ہے؟'' داجی نے لگتا تھا اس کا بغور مشاہدہ کیا تھا۔

''نہیں داجی، بس ایسے ہی اِدھر اُدھر کی تصویریں ہیں۔'' اس نے صاف ٹالنے کی کوشش کی، جو خاصی مہنگی پڑ گئی۔

''اچھا، ذرا مجھے بھی دکھاؤ......'' داجی کی بات نے اس کے چھکے چھڑائے۔

''ارے آپ کیا دیکھیں گے اسے......'' اس نے دانستہ بے پروا انداز اپنایا۔ ''یہ بتائیں بسمہ کے رشتے کا کیا بنا؟'' وہ ایک دفعہ پھر لیٹ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ عبدالرحمن کے ساتھ اس کی بات پکی ہو گئی ہے......'' داجی کی بات پر احیان کا سارا سکون غارت ہوا۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔

''وہ جو لمبا سا پہاڑی لڑکا تھا......؟'' احیان کو ایک دم ہی غصہ آیا۔

''ہاں وہی جس کی مال روڈ پر برگر کی شاپ ہے۔ بسمہ کے تایا کا بیٹا ہے۔'' داجی نے مزید اضافہ کیا۔

''وہ لڑکا بسمہ کے لیے کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہے......'' وہ جو چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہو رہی تھی اس نے بقائمی ہوش و حواس احیان کا جملہ سنا۔ داجی اور وہ دونوں اسے ایک دم سامنے دیکھ کر گڑبڑا سے گئے۔ احیان نے فوراً ہی سیل فون منہ کے آگے کر لیا۔

''مناسب یا نامناسب کا فیصلہ، لوگ نہیں، وقت اور حالات کرتے ہیں۔'' اس نے چائے کی پیالی احیان کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے براہِ راست مخاطب کیا، احیان ایک لمحے کو ٹپٹا سا گیا، وہ داجی کے سامنے اسے ذرا کم ہی مخاطب کرتی تھی لیکن آج تو اس کے سارے ہی انداز بدلے ہوئے تھے۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا......'' داجی نے سنجیدگی سے مزید اضافہ کیا۔

''بعض دفعہ وقت سب سے بڑا منصف ہوتا ہے اور وقت کے فیصلوں کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔'' داجی نے سنجیدہ انداز میں تبصرہ کیا۔

''اور بعض دفعہ حالات بھی انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔'' اس نے چائے کی ٹرے چھوٹی میز پر رکھتے ہوئے کہا، وہ اور داجی دونوں چپ رہے۔ کمرے میں ایک محسوس کی جانے والی خاموشی چاروں طرف پھیل گئی۔ تینوں ہی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔

اس خاموشی کو توڑنے کی جرأت بسمہ نے ہی کی تھی۔

''رات کے کھانے میں آپ کے لیے حلیم بنواؤں داجی......؟'' بسمہ کا ہلکا پھلکا انداز احیان کو سلگا گیا۔

''ارے نہیں بیٹا، ہم لوگ اب چائے پی کر اسلام آباد کے لیے نکلیں گے۔'' داجی کی اگلی بات پر احیان کو زوردار جھٹکا لگا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی پیالی سے تھوڑی سی چائے چھلک کر اس کے ہاتھ پر جا گری۔ اس کے منہ سے بے ساختہ سی کی آواز نکلی۔ بسمہ بے اختیار اٹھی۔ اس نے فوراً ہی اپنے دوپٹے سے اس کا ہاتھ صاف کیا۔ دوپٹے پر چائے کے بڑے واضح داغ لگ گئے تھے۔

''ہاتھ زیادہ تو نہیں جلا......؟'' داجی فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔

''ہاتھ تو نہیں لیکن آپ دونوں کی باتیں میرا دل ضرور جلا گئی ہیں۔'' وہ یہ جملہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گیا۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر داجی کو تسلی دی۔

''آپ یہ لگا لیں۔ ہاتھ پر آبلہ نہیں بنے گا۔'' وہ اندر سے ایک کریم اٹھائے دوبارہ اس کے پاس آئی۔

''جتنے آبلے اس وقت میرے دل پر بن چکے ہیں، ان پر وقت ہی مرہم لگا سکتا ہے یہ کریم نہیں......'' احیان یہ فقرہ بھی دل ہی دل میں سوچ کر رہ گیا۔

''اِدھر دکھائیں، میں لگا دیتی ہوں......'' وہ خاصی پُراعتماد تھی۔

''اٹس اوکے......'' احیان نے بڑے محتاط انداز سے اس سے ٹیوب پکڑی اور اپنے ہاتھ پر لگانی شروع کر دی۔

''احیان بیٹا، جلدی کرو، ہمیں نکلنا چاہیے......'' داجی کا عجلت بھرا انداز آج احیان کو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''داجی موسم خاصا خراب ہے آج......'' بسمہ نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا، سیاہ بادل بھوربن کی فضاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ احیان نے مشکور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ارے نہیں بیٹا، مری میں تو یہ معمول کا موسم ہے......'' داجی نے اس کی بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

''میرا تو خیال ہے، آپ لوگ صبح نکل جائیں، اب تو ویسے بھی رات کے دس بجنے والے ہیں۔'' بسمہ کی بات پر اس نے فوراً تائیدی نگاہوں سے داجی کی طرف دیکھا۔

''تم کیا کہتے ہو احیان.....؟'' داجی نے اچانک ہی اسے مخاطب کیا۔

''جو آپ کی مرضی داجی.....'' اس نے اپنی طرف سے فرمانبرداری کا بھرپور مظاہرہ کیا، جو آج کی تاریخ میں اسے خاصا مہنگا پڑا۔

''میرا تو خیال ہے کہ بس اللہ کا نام لے کر نکلتے ہیں.....'' داجی کی بات پر وہ ایک دفعہ پھر بے سکون ہوا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے داجی.....'' بسمہ نے بڑی اپنائیت سے ان کی بات رد کی۔ ''مجھے ٹینشن رہے گی، صبح اطمینان سے چلے جائیے گا۔'' وہ ٹرے میں کپ رکھ کر اب بڑے آرام سے کمرے سے نکل گئی۔

''اس نے اب کیا سوچا ہے.....؟'' احیان نے خود کو بے پروا ظاہر کرتے ہوئے محتاط انداز سے داجی کو مخاطب کیا جو وہاں رکھی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھا کر مطالعہ شروع کر چکے تھے۔

''کس نے.....؟'' داجی نے حیرانی سے احیان کو دیکھا، جو گرم کمبل میں گھسا بیٹھا تھا۔

''بسمہ نے.....'' وہ ہلکا سا گڑبڑایا۔

''کس چیز کے بارے میں.....؟'' داجی نے آج کوئی بات بھی خود سے نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''یہی کہ وہ اسلام آباد میں کیسے رہے گی، پہلے تو اس کی دادی ساتھ تھیں.....'' احیان نے خود ہی ڈھیٹ بن کر تفصیل سے بات کا آغاز کیا۔

''میں نے پوچھا تھا اس سے.....'' داجی نے کتاب بند کی۔ ''کہہ رہی تھی کہ کوئی بیوہ پھپھو ہیں جن کی کوئی اولاد نہیں۔ وہ اس کے ساتھ جائیں گی۔''

''اوہ.....'' احیان نے اطمینان بھری سانس لی۔

''ویسے تمہیں بیٹھے بٹھائے کہاں سے بسمہ کی ٹینشن اسٹارٹ ہوگئی؟'' داجی نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ فوراً اپنے سیل فون پر جھک گیا۔

''میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا۔'' اس نے فوراً بات بدلنے کے انداز میں کہا۔ ''اچھا صبح کتنے بجے نکلنا ہے؟''

''بس ناشتا کرتے ہی نکل پڑیں گے۔'' داجی نے جمائی لی اور کتاب بند کر دی، وہ اب سونے لگے تھے۔ احیان نے وال کلاک کی طرف دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ داجی پندرہ منٹ کے بعد ہی گہری نیند میں تھے۔

وہ دونوں آج ان کی پہلی منزل پر بنے کمرے میں تھے، جس کے آگے چھوٹی سی بالکونی تھی۔ احیان اٹھ کر اس طرف چلا آیا۔ مری کا موسم آج ہڈیوں کو چیر دینے والی سردی پر مشتمل تھا لیکن وہ آج موسموں کی شدت سے بے نیاز تھا۔ تیز برستی ہوئی بارش کے ساتھ ٹھنڈی اور یخ ہوا نے اس کی ساری نیند غارت کر دی تھی۔ وہ گرل کو پکڑ کر جھک کر گلی میں دیکھنے لگا۔ ہر چیز رات کی تیرگی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہیں، کہیں گھروں میں جلتے ہوئے بلب دور سے ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی نے پہاڑوں پر ننھے، ننھے سیکڑوں دیے جلا کر رکھ دیے ہوں۔

''یہاں کا موسم انسان کی طبیعت کو بہت اپ سیٹ کر دیتا ہے۔ آپ اندر چلے جائیں۔'' وہ سیاہ رنگ کی شال اوڑھے ساتھ والے کمرے سے باہر نکلی اور بالکل اس کے برابر آن کھڑی ہوئی۔

''آپ کے مہمان چلے گئے.....؟'' احیان نے گھر میں پھیلی ہوئی خاموشی سے اندازہ لگایا۔

''جی سب چلے گئے.....'' وہ ہاتھ آگے کر کے بارش کی بوندوں کو محسوس کرنے لگی۔

''یہاں ہر وقت کے گیلے موسموں سے آپ کو وحشت نہیں ہوتی.....؟'' احیان نے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑی اس لڑکی کو غور سے دیکھا جو آج اسے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہو رہی تھی۔

''میں یہاں رہی ہی کب ہوں.....'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ ''بس کبھی کبھار دادی کے ساتھ چھوٹی،

بڑی عید پر آنا ہوتا تھا۔ اب تو وہ بھی ختم ہو جائے گا۔‘‘
’’ختم کیوں، اب تو آپ نے مستقل ڈیرے، ہی یہیں ڈالنے کا پروگرام بنالیا ہے۔‘‘ احیان کے لہجے کی کاٹ پر وہ ہلکا سا چونکی۔
’’کیا مطلب......؟‘‘ اس نے بھویں اچکا کر دیکھا۔
’’آپ کے عبدالرحمٰن صاحب جو یہیں رہتے ہیں......‘‘ احیان کے طنزیہ لہجے پر ایک مبہم سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی۔
’’آپ کو عبدالرحمٰن کے نام پر اتنا غصہ کیوں آتا ہے......؟‘‘ اس نے احیان کو سراسر چڑایا، وہ آہستہ، آہستہ اپنی فارم میں واپس آرہی تھی احیان کو اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ اب مزے سے دونوں ہتھیلیاں پھیلائے بارش کے قطرے سمیٹ رہی تھی۔
’’میں بھلا کیوں اس سے چڑنے لگا، میرا اس سے رشتہ ہی کیا ہے......‘‘ وہ صاف مکر گیا۔
’’اچھا...... مجھے پتا نہیں کیوں ایسا محسوس ہوا......‘‘ اس نے بھی مزید بحث نہیں کی۔
’’میرا خیال ہے، آپ اندر چلے جائیں، ٹھنڈ سے بیمار پڑ جائیں گے۔‘‘ اس کا فکرمند انداز احیان کو اچھا لگا تھا۔
’’تو آپ کو بھلا کیا فرق پڑے گا......؟‘‘ اس نے فوراً ڈائیلاگ مارا۔
’’فرق مجھے نہیں، آپ کو ضرور پڑے گا کیونکہ آپ ان موسموں کے عادی نہیں......‘‘ وہ بے پروائی سے گویا ہوئی۔
’’اب اتنا بھی نازک مزاج نہیں ہوں میں لڑکیوں کی طرح......‘‘ اس نے اپنی طرف سے خاصا فخریہ انداز اپنایا تھا، جو اسے کافی مہنگا پڑ گیا۔ سردی کی شدت سے ناک میں خارش ہوئی اور اگلے ہی لمحے وہ لمبی، لمبی چھینکیں مار رہا تھا۔ بسمہ کھل کر مسکرائی۔
’’میں نے کہا تھا ناں......‘‘ وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔
’’فلو تو مجھے شام سے تھا......‘‘ احیان نے صاف جھوٹ بولا۔
’’جی مجھے اندازہ ہے، جب آپ تصویریں بنا رہے تھے تو خاصی طبیعت خراب تھی آپ کی......‘‘ بسمہ کے طنزیہ انداز نے احیان کی طبیعت صاف کی۔
’’بائی دا وے، آپ نے کہیں قانون کی ڈگری کے ساتھ، ساتھ ایڈیشنل طنزیات کی ڈگری تو نہیں لے رکھی؟‘‘ وہ بری طرح سے چڑا۔
’’ابھی لی تو نہیں لیکن مستقبل میں لینے کا ارادہ ضرور ہے......‘‘ وہ مکمل اطمینان سے بولی۔ احیان چپ رہا۔ اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس سے بحث میں جیتنا آسان نہیں ہے۔
’’آپ اندر چلیں، میں گرین ٹی بنا کر لاتی ہوں......‘‘ اس نے بات بدلی۔
’’نو تھینکس......‘‘ اس نے ناراض لہجے میں کہا۔
’’آپ چاہیں تو اندر جا سکتی ہیں۔ میں ابھی کچھ دیر یہیں رکوں گا۔‘‘ وہ جم کر کھڑا ہو گیا، حالانکہ سردی کی شدت سے پورا جسم دہائی دے رہا تھا لیکن ایک لڑکی کے سامنے اس کی انا اجازت نہیں دے رہی تھی کہ وہ اس کی بات کو تسلیم کرلے۔ بسمہ نے کچھ لمحے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔
’’آپ شکل سے اتنے ضدی لگتے تو نہیں ہیں......‘‘
’’میں جتنا ضدی ہوں، اتنا تو واقعی شکل سے نہیں لگتا لیکن آپ میری ممی سے یا داجی سے پوچھ سکتی ہیں۔‘‘ احیان کی بات پر وہ حیران ہوئی۔
’’ایک دفعہ کسی چیز کا ارادہ کرلوں تو پھر پیچھے پلٹتا نہیں ہوں۔‘‘ اس نے مزید کہا اور سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے فل رفتار سے آسمان کا شاور کھول رکھا ہو۔ بارش پوری قوت سے برس رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔
’’یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے آخر......؟‘‘ احیان کو ایسا لگا جیسے وہ کسی نظر کے حصار میں ہے اور یہ نظر بسمہ کے علاوہ کس کی ہو سکتی تھی بھلا۔ اسی خوش فہمی

کی وجہ سے وہ ڈھیٹ بن کر وہیں کھڑا رہا۔ ٹھنڈ سے پورا جسم اکڑنے کے قریب تھا لیکن انا کی جنگ میں ہتھیار ڈالنا آسان نہیں تھا۔

''یہ لیں، گرین ٹی اور پین کلر......'' وہ دس منٹ کے بعد گرما گرم گرین ٹی کے ساتھ حاضر تھی۔ احیان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، وہ دوستانہ مسکراہٹ لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''لے لیں، میں نے اس میں کوئی زہر نہیں ملا رکھا......'' اس کے ہلکے پھلکے انداز پر احیان نے کچھ سوچ کر کپ اس سے لے لیا۔

''اِدھر روم میں آ کر بیٹھ کر پی لیں گے تو میری ذات پر بہت بڑا احسان ہوگا آپ کا......'' احیان نے اس کی طرف دیکھا جو اپنے کمرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر اس کے پیچھے چلا آیا۔ کمرے میں اندر داخل ہوتے ہی پورے جسم کو سکون کا احساس ہوا۔ ایک انگیٹھی میں کافی سارے کوئلے دہک رہے تھے جنہوں نے کمرے کا ماحول خاصا گرم کر رکھا تھا۔ احیان کو اندر آ کر فوراً احساس ہوا کہ وہ باہر کھڑا ہو کر کتنی بڑی بے وقوفی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ سامنے پلنگ پر اس کی پھپھو گہری نیند سو رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا اور گرین ٹی پینے لگا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھی۔ خالی کپ رکھ کر وہ کھڑا ہوا تو بسمہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی ایک نظر میں عجیب سا جہان آباد تھا۔ احیان کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ گھبرا کر کمرے سے نکل گیا۔ باہر بارش رک چکی تھی۔ وہ کچھ لمحے کے لیے پھر باہر بالکونی میں آ کر کھڑا ہوا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی تھی، احیان کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔

''کیا بات ہے بسمہ......؟ کچھ کہنا ہے کیا؟'' اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

''نہیں۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔ ''اپنا خیال رکھیں اور جا کر سو جائیں۔'' وہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں اور واپس پلٹ گئی۔ احیان جھنجلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ پلنگ پر کافی دیر بیٹھنے کے بعد جا کر اسے نیند آئی۔ اگلی صبح وہ بخار کے ساتھ بیدار ہوا تھا۔

''تمہیں تو واقعی بہت تیز بخار ہے......'' داجی نے اس کا ماتھا چھو کر فکر مندی سے کہا۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے میں مذاق کر رہا تھا......'' وہ روٹھے ہوئے بچے کی طرح کمبل اوڑھ کر بیٹھا تھا۔

''کس نے کہا تھا آدھی رات کو بسمہ کے ساتھ بارش میں کھڑے ہو کر شیخیاں مارو......'' داجی کی بات پر اسے کرنٹ سا لگا۔ اس نے فوراً نظر اٹھا کر داجی کی طرف دیکھا جو توتھ پک اپنے دانتوں میں گھسائے مزے سے کھڑکی کے پاس کھڑے تھے۔

''آپ کو کس نے بتایا......؟'' وہ شرمندہ ہوا۔

''جوان جہان اولاد ساتھ ہو تو والدین کو نظریں کھلی ہی رکھنا پڑتی ہیں......'' انہوں نے شرارتی انداز میں اسے مزید خفت میں مبتلا کیا۔

''بہت ہی تیز اور چالاک قسم کے والدین یہ کام آنکھیں بند کر کے بھی سرانجام دے سکتے ہیں۔'' وہ منہ بنا کر گویا ہوا۔

''اب بیماری کا بہانہ بند کرو اور اپنا سامان اکٹھا کرو، ڈرائیور آنے والا ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''آپ کا کیا خیال ہے میں یہاں بہانہ بنا کر بیٹھا ہوں، ایسی بھی کوئی جنت نہیں ہے یہ......'' وہ سست سے انداز میں کھڑا ہوا، اتنا تو اسے بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ داجی آج خاصے ریلکس موڈ میں ہیں اور جب بھی ان کا ایسا مزاج ہوتا، وہ احیان سے ایسے ہی چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔

''اچھا...... مجھے تو لگتا ہے کہ تمہارا کچھ زیادہ ہی دل لگ گیا ہے یہاں۔'' وہ اپنا سوٹ الماری سے نکالتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں بولے۔

''مجھے تو لگ رہا ہے، آپ کسی بیوہ شیوہ کے چکر میں بیٹھے ہیں یہاں......'' احیان نے بھی اپنی زبان کے جوہر دکھائے۔

''استغفراللہ......'' وہ بے ساختہ پلٹے۔ ''میں تمہارا داداہوں کوئی لفنٹر دوست نہیں......'' انہوں نے یاددلایا۔

''پتا ہے، پتا ہے مجھے سب......'' وہ ناراض سے انداز میں اپنے بیگ میں ساری چیزیں ڈال رہا تھا۔ فلو سے برا حال تھا، اوپر سے داجی کی باتیں اسے تیر کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ ہلکا سا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی۔

''داجی ڈرائیور نے ناشتا کرلیا ہے......'' رائل بلیو کلر کی شال میں وہ خاصی افسردہ اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

''یہ ہمارا لڑکا بھی لڑکیوں کی طرح بیمار ہو کر بیٹھ گیا ہے، کوئی اچھا ڈاکٹر ہوگا یہاں......؟'' داجی کا جملہ احیان کو زہر لگا۔ بسمہ نے چونک کر احیان کی شکل دیکھی اور زیرلب مسکرائی۔ شاید رات والی بات یاد آگئی تھی۔

''جی داجی، مال روڈ پر ہے اسپتال......''

''اب ایسا بھی بیمار نہیں ہوں میں کہ اسپتال میں داخل ہونے کی نوبت آجائے۔'' اس نے ناگواری سے اپنے بیگ کی زپ بند کی۔

''لگتا ہے طبیعت زیادہ خراب ہے ان کی......'' بسمہ نے پریشانی سے داجی کی طرف دیکھا۔

''طبیعت نہیں ''نیت'' خراب لگتی ہے مجھے اس کی......'' داجی ہنسے۔ احیان نے خفگی بھرے انداز میں ان کی طرف دیکھا اور اپنا بیگ اٹھا کر احتجاجاً کمرے سے نکل گیا۔ داجی اب بے اختیار ہنس رہے تھے۔ بسمہ نے حیرانی سے داجی کی طرف دیکھا۔

''ان کو کیا ہوا......؟''

''کچھ نہیں، کبھی کبھار میرے ساتھ مستیاں کرتا ہے یہ۔'' داجی کے لہجے میں احیان کے لیے محبت کا ایک جہان آباد تھا۔

بسمہ کو بے اختیار اس پر رشک آیا۔

''بس بیٹا، اب آپ بھی سنڈے کو پہنچیں اور اپنے کام پر واپس آئیں۔ زندگی اسی کا نام ہے......'' داجی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا۔

''تھینک یو داجی......آپ کا یہ احسان میں ساری زندگی نہیں بھول سکتی......'' بسمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''داجی بھی کہتی ہو اور ایسی باتیں بھی کرتی ہو......'' داجی نے شفقت بھرے انداز میں کہا۔

وہ بہ مشکل مسکرائی اور ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔ احیان گاڑی کی پچھلی سیٹ پر منہ پھلائے سنجیدہ سے انداز میں بیٹھا تھا۔ وہ اس کے پاس آئی۔ احیان فوراً باہر نکل آیا۔

''تھینک یو......'' بسمہ نے نظر اٹھا کر احیان کی طرف دیکھا جو نظریں چرائے کھڑا تھا۔

''ٹیک کیئر یور سیلف......'' وہ آہستگی سے بولا اور گاڑی میں دوبارہ بیٹھ گیا۔ داجی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی چلا دی تھی۔ احیان کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے، جیسے گاڑی ان سڑکوں سے نکلتی جا رہی تھی، ویسے، ویسے اس کا دل بیٹھ رہا تھا۔ جب ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوئے، احیان اپنا دل، اپنا دماغ اور اپنی سوچیں وہیں کہیں چھوڑ آیا تھا۔

☆☆☆

''تم انسان کب بنو گے......؟'' عماد نے اس دن اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر غیر سنجیدگی سے پوچھا۔ دونوں لنچ پر اکھٹے تھے۔

''کیوں، مجھے کیا ہوا ہے......؟'' اس نے بھی معصومیت کی انتہا کردی۔

''ایسا لگتا ہے جیسے تم سے نہیں، تمہارے جیسے کسی اور شخص سے بات کررہا ہوں۔'' عماد نے اپنا مسئلہ بتایا۔

''اب مجھے ایسا کیا کرنا ہوگا کہ تمہیں لگے کہ میں وہی احیان ہوں......'' اس نے ہنوز سنجیدگی سے کہا۔

''کم ازکم اپنی اس ''خودساختہ'' سنجیدگی کا چولا اتار پھینکو اور اپنے پیچھے دیکھو، پتھر کے ہو جاؤ گے......''

عماد کے شرارتی انداز پر اس نے فوراً مڑ کر دیکھا۔ ان سے کچھ فاصلے پر بسمہ خالد اپنے کزن عبدالرحمٰن کے

ساتھ موجود تھی۔ احیان کی ساری بھوک اڑ گئی۔
''یہ کس پینڈو کے ساتھ بیٹھی ہے، جس نے جینز کے ساتھ کھیڑی چپل پہن رکھی ہے......'' عماد نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔
''کزن ہے اس کا......'' احیان نے منہ بنا کر جواب دیا۔ اگلی بات وہ دانستہ چھپا گیا وہ عماد کو ہرگز نہیں بتانا چاہتا تھا کہ یہ بسمہ کا منگیتر بھی ہے۔
''شکل سے ہی خاصا شوخا اور ال مینرڈ لگ رہا ہے......'' عماد کو نہ جانے کیوں وہ بسمہ کے کزن کی حیثیت سے بھی بالکل پسند نہیں آیا تھا۔
''تمہیں کیا......'' احیان نے زبردستی نوالہ منہ میں ڈالا۔
''تمہیں تو پہچانتا ہوگا......'' عماد نے اچانک پوچھا۔
''بہت اچھی طرح......'' احیان کا حلق تک کڑوا ہوا۔
''ویسے تم نے اتنی بور جگہ پر اتنے دن گزار کیسے دیے؟'' عماد نے دلچسپی سے پوچھا۔
''خیر ایسی بھی اب کوئی بور جگہ نہیں تھی۔ اسپیشلی بسمہ کا گاؤں تو بہت خوب صورت ہے......''
''خوب صورت لوگ جہاں پر ہوں وہ جگہ تو خود بخود اچھی لگنے لگتی ہے......'' عماد نے اسے چھیڑا تو اس نے نوالہ نگلنے کے لیے پانی کا گلاس منہ سے لگالیا۔
''کہیں کوئی محبت وحبت کے جراثیم تو نہیں لگوا کر لے آئے وہاں سے......؟'' عماد اصل بات تک پہنچ ہی گیا تھا۔
''یہ تو وائرل بیماری ہے۔ ایک سے دوسرے کو لگتی ہے، مجھے لگ گئی تو کیا ہوا......'' احیان اتنی آسانی سے مان جائے گا اس کا عماد کو ہرگز اندازہ نہیں تھا۔ وہ فش کا ٹکڑا کانٹے پر لگائے ہکا بکا انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ اس کا ہاتھ فضا میں معلق تھا۔ وہ بے یقینی سے اپنے بہترین دوست کا سنجیدہ سا چہرہ دیکھ رہا تھا جو اس کا سکون غارت کر کے اب اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا۔
''تم سیریس ہو......؟'' عماد نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ وہ دونوں کھانا کھا کر باہر نکل آئے تھے۔ بسمہ پہلے ہی جا چکی تھی۔
''محبت نان سیریس لوگوں کا کام تھوڑی ہے......'' اس نے سی ڈیز کی ترتیب بدلنا شروع کر دی۔
''کون ہے وہ......؟'' عماد کو اندازہ تو ہو رہا تھا لیکن وہ اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔
''وہی جو کراہائے عدالت میں کسی کو بات کرنے نہیں دیتی......'' احیان نے غیر سنجیدہ انداز میں کہا۔
''فکر مت کرو، تم دونوں کی شادی ہو گئی تو وہ تمہیں گھر میں بھی نہیں بات کرنے دیا کرے گی۔'' عماد نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔
''ہماری شادی نہیں ہو سکتی......'' احیان کی بات پر عماد نے بے ساختہ بریک پر پاؤں رکھا۔ گاڑی ایک دم رک گئی۔ پیچھے آنے والے بندے نے اپنی گاڑی کے ہارن پر ہاتھ رکھ کر سخت احتجاج کا اظہار کیا۔
''گاڑی تو چلاؤ یار، عین سڑک کے درمیان روک لی ہے......'' احیان جھنجلایا۔
''جب ایسی خوفناک باتیں کرو گے تو گاڑی کہاں چلے گی۔'' عماد نے طنزیہ انداز میں کہہ کر ایکسی لیریٹر پر پاؤں رکھا۔ گاڑی اب مین روڈ پر بھاگنے لگی تھی۔
''اس کی انگیجمنٹ ہو چکی ہے......'' احیان نے اصل بات بتائی۔
''جب منگنی ہو رہی تھی تو تم کہاں مرے ہوئے تھے......؟'' عماد کو اس پر غصہ آیا۔
''وہیں تھا......'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔
''تو اپنے منہ سے کچھ پھوٹ دیتے۔ داجی سے کہتے، وہ کچھ نہ کچھ کر لیتے......'' عماد نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا جواب مجنوں بنا بیٹھا تھا۔
''داجی نے پہلے مجھ سے ہی پوچھا تھا......'' احیان ہلکا سا شرمندہ ہوا۔
''پھر؟'' عماد نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
''اس وقت میں نے انکار کر دیا تھا......'' احیان

نے ڈرتے ،ڈرتے بتایا۔
''تم سے مجھے سو فیصد ایسی ہی حماقت کی امید تھی.....'' عماد کو ایک دم ہی اس پر غصہ آیا۔ ''پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت دماغ میں کون سا کیڑا حرکت فرما رہا تھا؟''
''داجی نے اچانک ہی پوچھا تھا، مجھے سمجھ نہیں آیا.....'' وہ سر جھکائے اس بچے کی طرح بولا تھا جو کلاس روم میں اپنی غلطی کے بعد کافی نادم ہو۔
''انہوں نے کون سا ڈیڑھ کا یا ڈھائی کا پہاڑا پوچھ لیا تھا جو تمہیں سمجھ نہیں آیا.....'' عماد نے غصے میں گاڑی کی اسپیڈ کافی بڑھادی۔
''اب تم ہی بتاؤ، میں کیا کروں.....؟'' احیان نے کن انکھیوں سے اس کا خفا،خفا سا چہرہ دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔
''کرنا کیا ہے، اس کی برات پر دھمال ڈالنا یا پھر ٹینٹ لگانا اور دیگوں کی رکھوالی پر بیٹھنا.....'' عماد اس پر فل ٹائم تپا ہوا تھا۔
''بکواس مت کرو۔'' احیان ٹھیک ٹھاک برا منا گیا۔ ''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے.....''
''اور تم سے تمہاری رائے پوچھنا انتہائی واہیات حرکت ہے جو داجی نے کی، میں ان کی جگہ ہوتا تو رائے لینے کے بجائے اپنا فیصلہ بتاتا۔'' وہ گاڑی ان کے سیکٹر کی طرف موڑ چکا تھا۔
''اب تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا.....'' گاڑی ان کے گھر کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔
''اس لیے بیٹا تم بھی اپنی حسرتوں پر آنسو بہا کر سو جاؤ، صبر کا گھونٹ کتنا ہی کڑوا سہی، پینا ہی پڑتا ہے۔'' عماد نے بھی ہری جھنڈی دکھائی۔ اسی وقت احیان کے گھر کا گیٹ کھلا۔ اندر سے بسمہ کی گاڑی برآمد ہوئی، ڈرائیونگ سیٹ پر وہ خود تھی اور ساتھ اس کا کزن بیٹھا ہوا تھا۔
''خدانخواستہ اس پہاڑی بندر کے ساتھ تو نہیں اس کی منگنی ہوگئی.....؟'' عماد نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔ بسمہ اپنی گاڑی نکال کر لے جا چکی تھی، وہ یقیناً داجی سے ملنے آئی تھی۔
''اسی کے ساتھ ہوئی ہے.....'' احیان نے افسردگی سے کہا۔
''استغفر اللہ.....'' عماد کو ٹھیک ٹھاک صدمہ پہنچا۔ ''یہ کس نے اتنا بے تکا کپل زمین پر بنایا ہے، مجھے بتاؤ میں چار گولیاں تو ضرور ماروں گا اسے۔''
''اس کے خاندان والوں نے.....'' احیان نے اصل بات بتائی۔
''تو کیا یہ خود اندھی تھی؟ ویسے تو اتنی لمبی زبان چلتی ہے اس کی کمرا ہائے عدالت میں۔'' عماد کو اب بسمہ پر غصہ آیا۔
''خاندان والوں کے سامنے کہاں لڑکیوں کی چلتی ہے.....'' احیان نے اس کی طرفداری کی۔
''یہ لڑکی نہیں چھری ہے.....چھری.....'' عماد کو یقین نہیں آرہا تھا۔
''اب یہ اس بندر کو کیا داجی سے ملوانے لائی تھی.....؟'' عماد جی بھر کر بدمزہ ہوا۔
''شاید.....'' احیان نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا۔
''داجی کو میرا ایک پیغام دینا، ویسے تو وہ ساری زندگی اس کے گاڈ فادر بنے رہے لیکن زندگی کے اتنے اہم فیصلے پر انہوں نے اپنے منہ پر مہر کیوں لگالی ؟''
''یہ داجی کا نہیں، اس کا اپنا فیصلہ تھا۔'' احیان نے اسے مزید صدمے سے دوچار کیا۔
''آج مجھے یقین ہو گیا حسین لڑکیاں اپنے معاملے میں کبھی ذہین نہیں ہوتیں.....'' عماد اپنی گاڑی ریورس کرتے ہوئے منہ بنا کر بولا۔
''اچھا اب مجھے اجازت دو، میں چلتا ہوں۔'' عماد اس سے الوداعی سلام دعا کر کے واپس چلا گیا۔ احیان بھی اندر اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے داجی کے پورشن کی طرف آ گیا۔
''بسمہ کیا کرنے آئی تھی.....؟'' اس نے ان کا

حال احوال پوچھتے ہی ڈائریکٹ سوال کیا۔ داجی جو اپنی اسٹڈی میں موجود تھے اور کتابوں کو ایک ترتیب سے رکھ رہے تھے نے مڑ کر احیان کا سنجیدہ انداز دیکھا۔

''ویسے ہی آئی تھی......'' داجی نے مختصراً کہا۔

''عبدالرحمن کو ملوانے لائی ہوگی......'' احیان نے برا سا منہ بنایا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' وہ مبہم سے انداز میں مسکرائے۔

''صبح سے تو وہ اسے اپنے ساتھ لیے ایسے گھوم رہی ہے جیسے اس کی کوئی فخریہ پیشکش ہو۔'' اس کے دل جلے تبصرے پر داجی کھل کر ہنسے۔

''تو تمہیں کیا پرابلم ہے، اس کا منگیتر ہے وہ......''

''ہونہہ، اس لفظ منگیتر پر ہی تو مجھے سخت اعتراض ہے......'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور چپ رہا۔

''تمہاری ممی نے کوئی رشتہ دیکھا ہے تمہارے لیے۔ لڑکی مجھے تو ہر لحاظ سے مناسب لگ رہی ہے......'' داجی کی اگلی بات پر اسے کرنٹ لگا۔

''ہرگز نہیں......'' وہ بدکا۔ ''ممی کی چوائس پر، کم از کم مجھے تو اعتبار نہیں......'' اس نے صاف انکار کیا۔

''تو میری چوائس کون سا تمہیں پسند آئی تھی......''

داجی کا اشارہ بسمہ کی طرف تھا، وہ بل کھا کر رہ گیا۔

''آپ نے کون سا انسانوں کی طرح پوچھا تھا مجھ سے......'' وہ جل کر بولا۔

''تو چلو تم انسانوں کی طرح جواب دے دیتے......'' داجی بھی تو اسی کے دادا تھے۔ ان کی بات پر وہ ایک لمحے کو لاجواب ہوا۔

''دوبارہ پوچھ لیں......'' وہ ہلکا سا رخ موڑ کر جھجک کر بولا۔

''زندگی کے بعض معاملات میں ریورس گیئر نہیں ہوتا۔ اس لیے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کیونکہ بعض جگہیں اور بعض معاملے ایسے ہوتے ہیں جہاں ہم پیچھے نہیں پلٹ سکتے، تقدیر ہماری قسمت میں بس سیدھا چلنا لکھ دیتی ہے۔ تب خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہیے......'' داجی کا فلسفیانہ انداز اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا لیکن دل کہاں ان فلسفوں کو سمجھتا ہے۔ وہ اکتا کر ان کے کمرے سے نکل آیا۔ عجیب سی اداسی اور بے کلی نے اس کے وجود کا حصار کر رکھا تھا۔ کوئی بھی چیز دل کو اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ دل کسی ضدی بچے کی طرح ایک ہی چیز کے لیے مچل رہا تھا۔

اگلا پورا ہفتہ ان کی فیملی نے خاصا کرائسس میں گزارا۔ تایا ابا کی اکلوتی بیٹی عمارہ کا اپنے میاں سے ٹھیک ٹھاک جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس کے سسرال والوں نے اس کے دونوں بچے چھین کر اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ پورے گھر میں ٹینشن پھیلی ہوئی تھی۔ عمارہ اپنے میاں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی لیکن بچوں کو وہ کسی بھی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی اس ضد نے پورے گھر کو پریشان کر رکھا تھا۔ ہر کوئی اسے سمجھا، سمجھا کر تھک گیا تھا لیکن وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہلنے کو تیار نہیں تھی۔ اس نے کورٹ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے ان سارے فیصلوں میں داجی اس کی مکمل سپورٹ کر رہے تھے۔ جبکہ عمارہ کے والدین کی پوری خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مصالحت کی کوئی راہ نکل آئے۔

''تم عمارہ کو لے کر بسمہ کے آفس چلے جاؤ، میری اس سے بات ہوگئی ہے۔'' اس دن داجی نے اسے اپنے بیڈروم میں بلا کر حکم دیا۔

''وہ کس سلسلے میں......؟'' احیان حیران ہوا۔

''وہ اسے ٹھیک طریقے سے گائڈ کر دے گی......'' داجی کو بسمہ پر مکمل بھروسا تھا۔

''اپنے لیے تو ڈھنگ کا فیصلہ کر نہیں سکتیں محترمہ، دوسروں کو کیا خاک گائڈ کریں گی۔'' وہ آج کل بسمہ پر ٹھیک ٹھاک تپا ہوا تھا۔

''فضول مت بولو، ہر انسان اپنے لیے بہتر سمجھتا ہے کہ اس نے کیا کرنا ہے......'' داجی اس کی بات پر برا منا گئے۔

''عمارہ آپی کو اس کے پاس کب لے کر جانا

ہے؟''احیان نے مصلحتاً بات کا رخ بدلا۔

''آج گیارہ بجے......'' داجی نے وال کلاک پر ٹائم دیکھا۔ اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے۔

''ٹھیک ہے، میں لے جاتا ہوں......'' احیان سنجیدگی سے کہہ کر ان کے کمرے سے نکل گیا۔

شاور لے کر وہ نیچے آیا تو عمارہ آپی بالکل تیار بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ ممی اور عمارہ آپی کی والدہ ماجدہ دونوں لاؤنج میں موجود تھیں۔ ان کے تناؤ زدہ چہرے بتا رہے تھے کہ کچھ دیر پہلے یہاں خاصا زور دار قسم کا معرکہ ہوا ہے۔ مسز سجاد جو عمارہ کی ماما تھیں وہ اپنی بیٹی کے کورٹ جانے کے سخت خلاف تھیں۔

''بھلا ایسے معاملات کہیں کورٹ کچہریوں میں بھی طے ہوئے ہیں......؟'' مسز سجاد اسے دیکھتے ہی ناگواری سے بڑبڑائیں۔

''ہم جیسے شریف لوگ، ان سے گھروں میں بیٹھ کر نہیں نبٹ سکتے... ماما آپ کو یہ بات سمجھ کیوں نہیں آرہی؟'' عمارہ جھنجلا اٹھی۔

''تو یہ بات پہلے سوچنی تھی ناں، اس وقت تو عشق کا بھوت سر پر سوار تھا......'' مسز سجاد نے غصے میں اپنی بیٹی کو آئینہ دکھایا۔ سب کو معلوم تھا کہ عمارہ نے اپنے کلاس فیلو سے اپنی پسند کی شادی کی تھی اور اس کے لیے گھر میں اچھا خاصا ہنگامہ بھی کھڑا کیا تھا۔

''چلو احیان......'' عمارہ آپی ناراض سے انداز میں کھڑی ہوئیں۔ احیان نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ممی کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی جیٹھانی کو ٹھنڈا کریں۔

''بسمہ خالد کیسی وکیل ہے......؟'' عمارہ آپی نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پہلا سوال کیا۔

''ٹھیک ہے......'' اس نے سپاٹ سے انداز میں جواب دیا۔

''مجھے صرف ٹھیک قسم کی ایڈووکیٹ کو اپنا کیس نہیں دینا تمہیں اندازہ نہیں ہے میرے سسرال والے کتنے خرانٹ ہیں۔'' عمارہ آپی بہت زیادہ برا منا کر بولیں۔

''فکر نہ کریں، زبان کی دھار تو اس کی بھی اتنی تیز ہے کہ آپ کے سسرال والے بھی کیا یاد کریں گے، کس سے پالا پڑا ہے۔'' احیان، بسمہ سے جتنا بھی خفا سہی لیکن دل میں اس کی صلاحیتوں کا تو اچھا خاصا معترف تھا۔

''داجی تو بڑی تعریفیں کر رہے تھے......'' عمارہ آپی کو اچانک یاد آیا۔

''داجی کو بھی پوری دنیا میں بس ایک یہی محترمہ ملتی ہیں تعریفیں کرنے کے لیے......'' وہ برا سا منہ بنا کر گاڑی ایک سگنل پر کھڑی کر چکا تھا۔

''بتا رہے تھے ان کے کسی دوست کی پوتی ہے وہ......'' داجی کے بیان پر اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''مجھے نہیں معلوم......'' اس نے اپنا دامن بچایا۔

''اللہ کرے کہ وہ میرے سسرال والوں کو ناکوں چنے چبوا دے کورٹ میں......'' عمارہ آپی کا دھیان اب اپنے سسرال والوں کی طرف ہو گیا تھا اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے کے زاویے بھی بگڑ گئے۔

''اس کی تو آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

اگلے آدھے گھنٹے میں وہ دونوں بسمہ کے آفس میں تھے۔ بسمہ کو دیکھتے ہی عمارہ آپی کو بالکل ویسا ہی جھٹکا لگا جیسے پہلی ملاقات پر خود احیان کو لگا تھا۔ اس نے شکایتی نظروں سے احیان کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں کہ یہ چھٹانک بھر کی لڑکی میرا کیس کیا خاک لڑے گی۔ وہ اب منہ بنا کر بیٹھ گئیں۔ احیان کو ان کی شکل دیکھ کر دل ہی دل میں ہنسی آرہی تھی۔

''آپ ٹینشن مت لیں داجی......'' بسمہ سیل فون پر، شاید نہیں یقیناً داجی کے ساتھ ہی بات کرنے میں مگن تھی لیکن احیان کو اندازہ تھا کہ عمارہ آپی کو ٹھیک ٹھاک قسم کی بدہضمی ہو چکی ہے اور وہ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتی جب تک انہیں بسمہ کی خفیہ صلاحیتوں کا علم نہیں ہوگا۔

''آپ لوگ بات کریں، میں ایک دوست سے

مل کر آتا ہوں۔'' احیان نے دونوں کو دانستہ پرائیوسی فراہم کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ عمارہ آپی بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں۔

''جلدی آجانا، مجھے نہیں لگتا کہ ہمیں یہاں زیادہ دیر لگے گی۔'' عمارہ آپی نے نظروں ہی نظروں میں اسے ایک اور پیغام دینے کی کوشش کی۔

''آپ پلیز آپی کو تفصیل سے بتا دیجیے گا کہ آپ کن، کن پوائنٹس پر ان کی ہیلپ کرسکتی ہیں۔'' احیان نے اس کے آفس سے نکلتے ہوئے بسمہ کو مخاطب کیا۔

''ڈونٹ وری..... میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں، مجھے اپنا کام کیسے کرنا ہے۔'' وہ خاصی خود آگاہ تھی اور یہ بات کم از کم احیان کو اچھی طرح معلوم تھی۔

''او کے آپی.....'' احیان نے جاتے، جاتے عمارہ کا بیزار سا چہرہ دیکھا۔

''جلدی آجانا۔'' انہوں نے پیچھے سے پھر تان لگائی۔

وہ خاموشی سے اس کے آفس سے نکل کر باہر آگیا۔ ویسے بھی اس دشمنِ جاں کے سامنے بیٹھنا کوئی آسان کام تھوڑی تھا۔ کچھ دیر تو وہ ریسپشن پر بنے ویٹنگ روم میں بیٹھا اس کے بعد اٹھ کر باہر ٹہلنے لگا۔ موسم آج بھی غضب کا تھا۔ سیاہ بدلیاں آسمان پر محو رقص تھیں اور کسی بھی لمحے بارش کے قطرے زمین پر پہنچنے کو بے تاب تھے۔

''تو نہ سہی تیری گلی یا تیرا کوچہ ہی سہی.....'' عماد پیچھے سے آکر اس کے کان کے پاس بولا تھا۔ وہ اچھلتے، اچھلتے رہ گیا۔

''تم کیا شیطان کی طرح ہر جگہ حاضر ہو جاتے ہو.....'' احیان اسے دیکھ کر مسکرایا۔ اس وقت اس کی آمد حقیقتاً اس کے لیے نعمت ثابت ہوئی تھی۔

''میری شیطانیوں کو چھوڑو، تم بسمہ خالد کے دفتر کے باہر کون سا چلّہ کاٹ رہے ہو.....؟'' عماد نے اسے چھیڑا۔

''یار عمارہ آپی کو اس سے ملوانے لایا تھا.....'' اس نے گھبرا کر وضاحت دی۔

''کیا منگنی تڑوا دی اس کی.....؟ بتایا ہی نہیں.....'' عماد کے شرارتی انداز پر اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔

''مجھے کیا تم نے گلی محلے میں گھومنے والی پھاپھا کٹنی سمجھ رکھا ہے جو لگائی بجھائی کر کے لوگوں کے رشتے تڑواتی ہے۔'' وہ تپ کر بولا؟

''محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے جگر.....'' عماد ہنسا۔

''بکومت، میں ہر چیز میں اصول، ضابطے اور اخلاقیات کی پاسداری کرنے والا انسان ہوں.....'' احیان نے اسے یاد دلایا۔

''پھر کس خوشی میں محبوب کی گلی کی اینٹیں گھسائی جارہی ہیں.....؟'' عماد کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آیا۔

''عمارہ آپی کا اپنے سسرال والوں سے اچھا خاصا جھگڑا ہو گیا ہے، بچوں کی کسٹڈی کا معاملہ ہے، وہی ڈسکس کرنے آئی ہیں وہ.....'' احیان نے سنجیدگی سے جواب دیا تو عماد کی غیر سنجیدگی اب بھی کم نہیں ہوئی۔

''جس رفتار سے تمہارے خاندان والوں کو قانونی مسائل سے واسطہ پڑ رہا ہے، تمہارا اس موقع پر فرض بنتا ہے کسی ایڈووکیٹ لڑکی سے شادی کر کے ان کو ایسے مسائل سے نجات دلاؤ.....'' عماد نے ہنستے، ہنستے مشورہ دیا۔

''تم کس خوشی میں یہاں مٹر گشتی کر رہے ہو.....؟'' احیان نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

''میں تو انکل مرتضیٰ قریشی سے ملنے آیا تھا یہاں.....'' عماد نے اپنے فادر کے قریبی دوست کا حوالہ دیا۔ ''جیسے ہی گاڑی سے نکلا تو نظر تم پر پڑ گئی۔''

''آفس میں کون ہے.....؟'' احیان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''زین العابدین ہے، دیکھ لے گا سب کچھ.....'' عماد نے اپنے اسسٹنٹ کا نام لے کر تسلی دی۔

''ہاں تم اپنے دورے جاری رکھو.....'' احیان نے طنزیہ نگاہوں سے اس کی تیاری دیکھی۔ براؤن پینٹ کوٹ میں وہ اچھا خاصا جچ رہا تھا۔

''تمہیں پتا تو ہے زیادہ دیر میں کسی کمرے میں

بندر ہوں تو مجھے مرگی کا دورہ پڑنے لگتا ہے.....'' عماد نے شوخ نظروں سے اپنے دوست کو دیکھا جو خاصی بیزار سی شکل بنائے کھڑا تھا۔ ''ویسے تمہاری شکل پر سوا بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟''

''اس لیے کہ اس وقت سوا بارہ بجے کا ہی ٹائم ہے.....'' احیان نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا۔ عمارہ آپی کو پورا ایک گھنٹا ہو چکا تھا بسمہ کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے اور ابھی تک ان کی کوئی کال نہیں آئی تھی۔

''انکل مرتضیٰ کے پاس ایک کپ کافی پینے نہ چلیں.....؟'' عماد نے اسے آفر کی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کی بات کا جواب دیتا۔ سیل فون کی گھنٹی بجی اور بسمہ کا نمبر اس کی اسکرین پر ظاہر ہوا۔ احیان کو حیرانی ہوئی۔

''جی.....'' اس نے فوراً سیل فون کان کے ساتھ لگایا۔

''عمارہ آپی، آپ کا ویٹ کر رہی ہیں.....'' اس کی آواز کی کھنک سے احیان کو اندازہ ہوا کہ ملاقات خاصی اچھی رہی ہے۔

''ان کے سیل فون کی بیٹری ختم ہے۔ اس لیے میں کال کر رہی ہوں.....'' اس نے فوراً ہی وضاحت دی تو احیان نے مسکرا کر فون بند کر دیا۔

''ایسا کون سا اسم پھونک دیا ہے اس نے، جو چہرے پر اتنی لالیاں بکھر گئی ہیں تمہارے.....''

''تم کتنا فضول بولتے ہو عماد.....'' احیان نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''فضول نہیں سچ بولتا ہوں.....'' عماد نے فوراً ہی تصحیح کی۔

''خیر اپنی شکل گم کرو، میں عمارہ آپی کو چھوڑ کر آفس آ رہا ہوں، تم بھی یہ میل ملاقاتیں کر کے فوراً پہنچو.....'' احیان نے بسمہ کے آفس کی طرف مڑتے ہوئے عماد کو کہا تو وہ بری، بری سی شکلیں بناتا ہوا اپنے انکل کے آفس کی طرف مڑ گیا۔

''یہ لڑکی تو ٹھیک ٹھاک قسم کی وکیل ہے، میں نے تو اس کے بارے میں بڑا غلط اندازہ لگایا تھا.....'' عمارہ آپی نے گاڑی میں بیٹھتے ہی بے تکلفی سے تبصرہ کیا۔

''ہماری کمپنی کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے محترمہ نے.....'' احیان نے مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''پتا چلا تھا مجھے.....'' عمارہ آپی کی بات پر احیان کو جھٹکا لگا۔

''اس نے یہ بات بھی بتا دی؟..........'' بہت ہی شوخی واقع ہوئی ہے۔'' احیان کو غصہ آیا۔

''اس نے نہیں، داجی نے بتایا تھا مجھے.....'' عمارہ نے گھبرا کر وضاحت دی۔

''یہ داجی بھی بعض دفعہ حد ہی کر دیتے ہیں، اب بھلا یہ بات بتانے کی کوئی تُک بنتی تھی۔'' وہ دل ہی دل میں بری طرح کھول کر رہ گیا۔

''کافی سارے کامیاب کیسز اس کے کریڈٹ پر ہیں.....'' عمارہ آپی اس سے اچھی خاصی متاثر ہو چکی تھیں۔

''شکل سے تو بالکل بھی نہیں لگتی کہ یہ وکیل ہے.....'' انہوں نے مزید تبصرہ کیا۔

''اچھی خاصی خرانٹ قسم کی وکیل ہے.....'' احیان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''خرانٹ تو خیر کہیں سے بھی نہیں لگتی، اچھی خاصی کیوٹ اور اسٹائلش لڑکی ہے۔'' عمارہ آپی کی بات پر وہ بے ساختہ اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''تم نے اس کا پروپوزل کیوں ریجیکٹ کر دیا تھا؟'' عمارہ آپی کی اگلی بات پر احیان کو چار سو بیس وولٹ کا کرنٹ لگا۔ اس نے فوراً گاڑی ایک سائڈ پر کھڑی کر لی۔

''آپ کو کس نے کہا.....؟'' وہ بوکھلایا۔

''داجی نے.....'' عمارہ کی بات پر اسے آگ ہی تو لگ گئی تھی۔

''اچھی خاصی لڑکی تھی مجھے تو بہت پسند آئی ہے.....'' عمارہ کی تعریفیں اس کا دل جلا کر رہ گئیں۔

''داجی نے ایسے ہی بے وقوف بنایا ہے آپ کو۔'' وہ برا مان کر بولا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''وہی ناں، میں بھی حیران تھی کہ ایسی لڑکی کے

لیے کوئی عقل کا اندھا ہی انکار کر سکتا ہے۔'' عمارہ آپی کی بات پر اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ویسے بھی عمارہ آپی کے ساتھ اس کی کتنی بھی بے تکلفی سہی لیکن اصل بات ان کو بتانے کی غلطی وہ نہیں کر سکتا تھا۔

''حد ہوتی ہے ویسے ہر بات کی داجی لیکن افسوس صد افسوس، آپ بعض دفعہ ساری ہی حدوں کو کراس کر جاتے ہیں۔'' وہ گھر پہنچتے ہی لڑنے کے لیے ان کے بیڈ روم میں پہنچ گیا جبکہ داجی بڑے مزے سے بیٹھے حلیم کھا رہے تھے۔ ٹرے انہوں نے گود میں رکھی ہوئی تھی۔

''تو کیا تم نے انکار نہیں کیا تھا......؟'' انہوں نے اپنی پلیٹ میں لیموں نچوڑ کر مزے سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ بات عمارہ آپی کو بتانی ضروری تھی کیا......؟'' وہ غصے سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

''میں نے تو یونہی اس کی تعریف کی تھی تو وہ کہنے لگی کہ اتنی اچھی ہے تو احیان کی شادی کر دیں اس سے۔'' داجی نے حلیم کھاتے ہوئے اصل بات پر روشنی ڈالی۔

''اور آپ نے سارا ملبہ میرے سر پر ڈال دیا......'' وہ جھنجلایا۔

''جس کی غلطی تھی اسی پر ڈالوں گا ناں۔'' وہ ایک اور لیموں اپنی پلیٹ میں نچوڑتے ہوئے اطمینان سے بولے۔

''ویسے اس عمر میں جیسی حرکتیں آپ کر رہے ہیں خاصی مہنگی پڑ سکتی ہیں۔'' احیان نے لیموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یاد دلایا کہ کھٹائی ان کے گلے کے لیے کتنی مضر ہو سکتی ہے۔

''میری حرکتوں کو چھوڑو، تم اپنی طرف دھیان دو......'' داجی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

''اصل میں تو آپ خود ہی نہیں چاہتے تھے کہ میری شادی بسمہ کے ساتھ ہو۔'' اس نے ٹھیک ٹھاک قسم کا داجی پر الزام لگایا۔ وہ گلاس منہ سے ہٹانا بھول گئے۔

''مطلب......؟'' انہوں نے بھویں اچکا کر اپنے سب سے لاڈلے پوتے کو دیکھا، جو آج کل خاصا اکتایا ہوا پھرتا تھا۔

''مطلب یہ کہ اگر آپ کو اس پروپوزل پر کوئی اعتراض نہ ہوتا تو آپ ممی یا ڈیڈی سے ڈائریکٹ بات کرتے۔'' وہ کھڑکی کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

''اچھا......پھر......؟'' داجی نے خود پر ضبط کرتے ہوئے بہ مشکل پوچھا۔

''اس کے بعد مجھ سے پوچھتے، آپ نے تو ڈائریکٹ گن پوائنٹ پر رکھ کر پوچھنا شروع کر دیا تھا......'' اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹایا۔ روشنی کا ایک سمندر اندر امنڈ آیا۔

''برخوردار، یہ تم کسے ماموں بنا رہے ہو، مجھے یا خود کو......؟'' داجی کے طنزیہ انداز پر وہ گھبرا کر پلٹا۔

''اب کس بات پر بار، بار پچھتا رہے ہو......؟'' انہوں نے تھانیداروں کے اسٹائل میں اسے گھورا۔

''میں تو ویسے ہی ایک جنرل سی بات کر رہا تھا۔'' احیان ان کے سامنے زیادہ دیر تک جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

''تو ایک جنرل سی بات میری بھی سن لو......'' انہوں نے ٹرے ناراضی سے سائڈ ٹیبل پر رکھی۔ ''بسمہ کی کوئی منگنی شگنی نہیں ہوئی تھی عبدالرحمٰن کے ساتھ۔''

''کیا......؟'' احیان کو شاک لگا۔

''اس نے اس دن تمہارا انکار خود اپنے کانوں سے سنا تھا......'' احیان کو ایسے لگا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال دیا ہو۔

''وہ تو محض اپنی عزتِ نفس کو بچانے کے لیے ایسا کہہ رہی تھی، ورنہ اسے بھی معلوم ہے عبدالرحمٰن جیسا ایف اے فیل لڑکا اسے کہاں سوٹ کرتا ہے۔'' داجی نے ایک اور راز فاش کیا۔ احیان نے داجی کی طرف ایسے دیکھا جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

''ویسے بھی عبدالرحمٰن تو خود اپنی خالہ کی بیٹی کو پسند کرتا ہے اور اس نے خود ہی اپنے والد کے سامنے انکار کر دیا تھا۔'' داجی نے ایک اور اندر کی بات بتائی۔

''پھر......؟'' وہ بے تابی سے ان کے پاس آن بیٹھا۔

''میں نے تمہارے لیے بسمہ سے بات کی تھی۔ جب وہ اُسی کزن کے ساتھ مجھ سے ملنے آئی تھی۔'' داجی کی بات پر اس کی سانس اٹکی۔

''پھر......؟'' وہ عجلت بھرے انداز سے گویا ہوا۔

''اس نے صاف انکار کر دیا......'' داجی کی بات پر اسے دھچکا سا لگا، اس نے بے یقینی سے داجی کا چہرہ دیکھا۔

''کیوں......؟ مجھ میں ایسے کون سے کیڑے پڑے ہوئے ہیں......'' احیان کو اپنی انسلٹ محسوس ہوئی۔

''پتا نہیں......'' داجی نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ ''وہ کہہ رہی تھی کہ تمہارا پروپوزل اسے اپنے لیے مناسب نہیں لگا......'' داجی کی بات پر احیان کو لگا جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہو۔ ایک بھانبھڑ سا اس کے اندر جل اٹھا۔

''سمجھتی کیا ہے وہ خود کو......'' وہ مشتعل انداز میں کھڑا ہوا۔

''ٹیک اٹ ایزی، اس نے تو ایسا کوئی شور نہیں مچایا تھا جب تم نے اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے تھے۔'' داجی نے اسے یاد دلایا۔

''وہ ہمارے گھر میں آ کر آپ کے سامنے انکار کر گئی اور آپ نے کچھ نہیں کہا......؟'' وہ ناراض ہوا۔

''جب تم نے اس کے گھر میں بیٹھ کر اس کے لیے انکار کیا تھا تو میں نے تمہیں بھی ایسا کچھ خاص نہیں کہا تھا۔'' داجی نے اسے آئینہ دکھایا تو وہ ایک دم شرمندہ سا ہو گیا۔

''اگر تم کہو تو میں دوبارہ اس سے بات کر سکتا ہوں......'' داجی نے کچھ سوچ کر احیان کا مایوس چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہرگز نہیں......'' اس نے صاف انکار کیا۔ یہ بھی بھلا کوئی مردانگی ہے۔ اب وہ اتنا بھی بسمہ کے عشق میں مرا نہیں جا رہا تھا۔

''آپ دوبارہ اس سے بات نہیں کریں گے، ایسی بھی کوئی حور پری نہیں ہے وہ......'' وہ پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ ساری دوپہر اس نے جلتے کڑھتے ہوئے گزاری۔

''وہ مجھے کیسے مسترد کر سکتی ہے؟'' اس سوچ نے اس کا سارا سکون ختم کر دیا تھا۔

''اب پتا چلا جب کسی کو ریجیکٹ کیا جائے تو اسے کتنا دکھ ہوتا ہے؟'' اس کا ضمیر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''لیکن...... میں تو......'' اس کی زبان لڑکھڑائی۔

''تم دنیا کے ہر بندے کے سامنے جھوٹ بول سکتے ہو لیکن اپنے ضمیر کے سامنے نہیں۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑا خود کو یہ سمجھا رہا تھا۔ دماغ کو تو یہ چیز سمجھ میں آ گئی تھی لیکن دل کسی طور بھی بہلنے کو تیار نہیں تھا۔ تنگ آ کر وہ عماد کو فون کر کے کلب کی طرف نکل پڑا۔

☆☆☆

''ویسے یار اس نے کی تمہارے ساتھ خوب ہے......'' شام کو وہ کلب میں عماد کے سامنے سارا دکھڑا سنا رہا تھا۔ پوری بات سنتے ہی عماد نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔

''دیکھ لوں گا میں اسے......'' اس نے سلگتے لہجے میں دھمکی دی۔

''آج کل تو اسے صرف حمزہ علی دیکھ رہا ہے اور خوب دیکھ رہا ہے......'' عماد نے اسے مزید چڑایا۔

''حمزہ علی......؟ یہ کون ہے بھئی......؟'' احیان حیران ہوا۔ اس نے پہلے کہاں یہ نام سنا تھا۔

''خاصے کی چیز ہے۔ باہر سے پڑھ کر آیا ہے، ابھی ابھی فاروق صاحب کا چیمبر جوائن کیا ہے۔'' عماد کی معلومات ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ رہتی تھیں۔

''تمہیں کس نے بتایا......؟'' احیان کو نہ جانے کیوں غصہ آیا۔

''لو آج کل ہر جگہ تو وہ اکٹھے پائے جاتے ہیں، کبھی نیشنل لائبریری، کبھی پریس گیلری میں تو کبھی

گالف کلب.....'' عماد اس کے ساتھ بیڈمنٹن کورٹ کی طرف نکل آیا۔

''میں نے تو کبھی نہیں دیکھا انہیں.....'' احیان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''تو اب دیکھ لو.....'' عماد ہنس کر بولا۔

''کہاں.....؟'' احیان نے حیرانی سے دائیں بائیں دیکھا۔

''اپنے سامنے، سلور گرے ہنڈا سٹی میں.....''

عماد کی بات پر احیان نے کلب کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوتی گاڑی کو دیکھا۔ بسمہ ایک ہینڈسم سے لڑکے کے ساتھ اب گاڑی سے مسکراتے ہوئے اتر رہی تھی۔ پنک کلر میں اس کی شہابی رنگت خوب دمک رہی تھی۔

''دل کر رہا ہے اسی ریکٹ سے سر توڑ دوں اس کمینے کا.....'' احیان جل کر بولا تو عماد نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

''اس کے ساتھ گیم کر لو، ایک آدھ شٹل منہ پر مار کر حسرت پوری کر لینا۔'' عماد نے مفت مشورہ دیا۔

''تو تم گھیر کر لے آؤ ناں اسے.....'' احیان نے مذاق میں کہا لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی بات اتنی جلدی پوری ہو جائے گی۔

''ہاں بھئی عماد ایک آدھ گیم ہو جائے.....'' بسمہ کچھ دیر بعد ان کے بیڈمنٹن کورٹ میں تھی۔ حمزہ علی ان دونوں سے ہاتھ ملا کر خوشدلی سے مل رہا تھا۔

''میرا تو کوئی خاص موڈ نہیں.....'' عماد نے صاف انکار کیا۔

''اس کا مطلب ہے آج بھی گیم کے لیے کوئی بندہ نہیں ملے گا۔'' حمزہ تھوڑا سا مایوس ہوا۔

''احیان تم کھیل لو ناں، تمہارا موڈ تو تھا کھیلنے کا۔'' عماد کا ذومعنی انداز احیان کو اچھی طرح سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ اس کی خباثت پر صرف مسکرا ہی سکتا تھا۔

''اوہ شیور.....وائے ناٹ.....'' حمزہ، بسمہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ احیان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

دونوں کچھ دیر بعد کورٹ میں تھے۔ احیان کو کچھ ہی لمحوں کے بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ حمزہ علی اچھا خاصا کھلاڑی ہے اور اسے ہرانا اتنا آسان نہیں۔ احیان نے ایک راؤنڈ تو اسے ہرا دیا تھا لیکن اگلے دو راؤنڈ بہت آسانی سے وہ اس سے جیت چکا تھا۔ اس کی سروس بہت شارپ تھی اور اس نے احیان کو خوب پورے بیڈمنٹن کورٹ میں خوب گھمایا۔ احیان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔ اس کی جیت پر بسمہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

''تم بہت اچھا کھیلے ہو.....'' میچ کے بعد حمزہ نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے تسلی دی۔

''نہیں، میں آج بہت برا کھیلا ہوں.....'' وہ ٹاول سے پسینہ خشک کرتے ہوئے صاف گوئی سے بولا۔

''اچھا، مجھے ایسا محسوس نہیں ہوا.....'' حمزہ کے چہرے پر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔

''اس لیے کہ تم خود اچھا کھیل رہے تھے.....'' احیان نے کھل کر اسے سراہا۔ احیان کے کمنٹ پر بسمہ کے چہرے پر بڑی بے ساختہ سی مسکراہٹ پھیلی۔

''نیکسٹ ٹائم تم حساب پورا کر دینا.....'' حمزہ نے کہا تو سادہ انداز سے تھا لیکن احیان کو یہ جملہ خاصا چبھا۔

''ڈونٹ ووری، میں زیادہ دیر تک کسی کا قرض اپنے سر پر رکھنے کا عادی نہیں ہوں.....'' اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے اس سے دوبارہ ہاتھ ملایا اور عماد کے ساتھ پارکنگ کی طرف چل پڑا۔ اسے حد درجہ شرمندگی ہو رہی تھی۔

''تم تو اس کے سامنے بالکل اناڑیوں کی طرح کھیل رہے تھے.....'' عماد کو اس کی ہار پر بہت غصہ تھا۔

''میں آؤٹ آف پریکٹس تھا.....'' اس نے شرمندگی سے وضاحت دی۔

''بندہ جتنا بھی آؤٹ آف پریکٹس ہو، اس طرح آسانی سے ہار تھوڑی تسلیم کرتا ہے، جس طرح تم نے کی.....'' عماد نے ناگوار نظروں سے اس کی طرف

دیکھا جو اَب بھی بسمہ اور حمزہ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ دونوں سوئمنگ پول کے پاس رکھی چیئرز پر بیٹھے جوس پی رہے تھے۔

''آئی ایم سوری یار......'' احیان نے خلافِ توقع بہت آسانی سے اپنی غلطی مان لی تھی۔

''ہار اور جیت زندگی کا حصہ ہے لیکن بغیر لڑے کسی کو ٹرافی کا حقدار بنا دینا کسی بھی لحاظ سے عقلمندی نہیں......'' عماد نے طنزیہ لہجے میں بہت کچھ اس پر جتا دیا تھا۔

''یہ حمزہ علی کی اتنی جلدی کیسے بسمہ کے ساتھ فرینڈ شپ ہوگئی؟'' احیان کے دماغ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''کہیں یہی سوچتے، سوچتے تو نہیں تم ہار بیٹھے......؟'' عماد نے طنزیہ نگاہوں سے اپنے بہترین دوست کو دیکھا جو اسے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا تھا۔

''دماغ تو میرا ویسے وہیں اٹکا ہوا تھا......'' وہ پھیکے سے انداز سے مسکرایا۔

''یار دونوں کلاس فیلو رہے ہیں... پھر حمزہ، فاروق صاحب کا بھتیجا ہے جن کے چیمبر میں بسمہ کام کررہی ہے......'' عماد نے تفصیل سے بتایا۔

''اوہ اچھا......'' احیان کو کچھ تسلی ہوئی۔

''آج کل دونوں مل کر ناصر سنز والوں کا مشہورِ زمانہ کیس بھی لڑ رہے ہیں......'' عماد نے اسے مزید بتایا تو احیان چپ رہا۔

''عمارہ آپی کے کیس کا کیا بنا......؟'' عماد کو اچانک یاد آیا۔

''کل دوبارہ پیشی ہے۔ پہلی ہیرنگ میں تو بسمہ نے خاصے چھکے چھڑا دیے تھے عمارہ آپی کی سسرال والوں کے......'' احیان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''پھر تو عمارہ آپی فین بن گئی ہوں گی بسمہ خالد کی......؟'' عماد مسکرایا۔

''ایسی ویسی...... ہر وقت گھر میں بسمہ نامہ چل رہا ہے آج کل......'' احیان اپنی گاڑی کے پاس آ کر رک گیا تھا۔

''تمہیں تو پھر خوب مرچیں لگتی ہوں گی......'' عماد نے اسے چھیڑا۔

''ہاں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ انسان جلد بازی میں کتنے احمقانہ فیصلے کرجاتا ہے اور بعد میں ساری زندگی پچھتاتا ہے۔'' اس نے ریموٹ سے اپنی گاڑی کے دروازے کھولے۔ عماد آہستگی سے اس کے پاس آیا۔

''ایک بات کہوں اگر تم برا نہ مانو تو......؟''

''برا مان بھی لوں تو کون سا تم پر کچھ اثر ہوگا۔'' احیان نے اسے چھیڑا، جو اس وقت خاصے سیریس انداز میں اس کے پاس کھڑا تھا، اس نے گھما کر ایک جھانپڑ احیان کے کندھے پر رسید کیا۔

''ہاں بولو......'' احیان نے اپنا کندھا مسلتے ہوئے منہ بنایا۔

''مجھے لگتا ہے یہ بسمہ تمہیں پسند کرتی ہے......'' عماد کی بات پر احیان نے اس طرح اُسے دیکھا جیسے اس نے اس صدی کا سب سے بڑا لطیفہ سنا دیا ہو۔

''ہاں تبھی حمزہ علی کے کندھے سے لٹکتی پھر رہی ہے۔'' احیان کے چڑنے پر وہ بے اختیار ہنسا۔

''مجھے لگتا ہے تمہیں چڑانے کے لیے ہی پھر رہی ہے......'' عماد نے اس کی بات کی تائید کی تو اسے بالکل بھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ رات اس نے سخت ٹینشن میں گزاری تھی۔ بسمہ اور حمزہ کے چہرے رات بھر اسے اپنا منہ چڑاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ بار، بار اٹھ کر بیٹھ جاتا اور کبھی ٹہلنے لگتا۔ محبت اسے جی بھر کر خوار کر رہی تھی۔ وہ تنگ آ کر لان کی طرف نکل آیا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ موسم میں خاصی خنکی تھی۔

وہ لان میں رکھی کرسی پر بیٹھا آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھ رہا تھا، جب واجی نے اسے اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی سے دیکھا اور باہر نکل آئے۔

''کتنے ستارے گن لیے برخوردار......؟'' وہ اس کے پاس آ کر آہستگی سے بولے۔

''ارے آپ......'' وہ بوکھلا کر کھڑا ہوا۔
''کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ......؟'' انہوں نے بغور اس کا افسردہ سا چہرہ دیکھا۔
''ایسی تو کوئی بات نہیں......'' وہ صاف مکر گیا۔
''میرا خیال ہے تم نے بسمہ والی بات کو سر پر سوار کر لیا ہے......'' ان کے بالکل ٹھیک اندازے پر وہ بوکھلایا۔
''جی نہیں......آپ غلط سوچ رہے ہیں......'' وہ یہ بات مر کر بھی ان کے سامنے نہیں مان سکتا تھا۔
''تو پھر راتوں کی نیندیں کیوں اُڑی ہوئی ہیں تمہاری......؟'' آگے بھی داجی ہی تھے۔
''وہ تو ویسے ہی آج کافی کے دو کپ پی لیے تھے میں نے......'' اس نے دانستہ لاابالی سا انداز اپنایا۔
''خواتین کی طرح بات، بات پر غلط بیانی کرنے سے اچھا ہے ڈائریکٹ اس کے ساتھ جا کر بات کرو، جس کی وجہ سے تمہارا دن کا سکون اور رات کی نیند حرام ہو چکی ہے۔'' داجی اپنی بات کہہ کر رکے نہیں اور لان سے نکل گئے لیکن احیان کو سوچنے کے لیے ٹھیک ٹھاک نکتہ دے گئے تھے۔ وہ دل ہی دل میں بسمہ سے بات کرنے کا مکمل ارادہ کر چکا تھا۔

☆☆☆

''دیکھا آپ نے کیسے میرے سسرال والے ناک رگڑ رہے ہیں آج کل......'' صبح ناشتے کی میز پر عمارہ آپی نے فخریہ انداز میں سب کو اطلاع دی۔ احیان اور داجی سمیت سبھی لوگ ڈائننگ روم میں موجود تھے۔
''دعائیں دو اپنی وکیل کو......'' مسز سجاد نے ٹوسٹ پر جیم لگاتے ہوئے اپنی بیٹی کو یاد دلایا۔
''دعائیں تو میں داجی کو دے رہی ہوں جنہوں نے یہ گوہرِ نایاب چھپا کر رکھا ہوا تھا اپنے پاس......'' عمارہ آج بہت خوش تھی۔
''بابا کس کی بیٹی ہے یہ بسمہ خالد......؟'' سجاد صاحب نے چونک کر داجی کو مخاطب کیا تو احیان نے گھبرا کر ان کا پُرسکون چہرہ دیکھا۔
''تمہاری فیکٹری میں کوئی ورکر تھے خالد صاحب، ان کی اکلوتی بیٹی ہے، ماں باپ کی ڈیتھ ہو چکی ہے......'' داجی نے آج سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
''اچھا......؟ مجھے تو یاد نہیں......'' سجاد صاحب نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔
''آپ کیسے جانتے ہیں اسے......'' سجاد صاحب کے اگلے سوال پر وہ ہلکا سا گڑبڑائے۔
''اس کا دادا میرا بہت اچھا دوست تھا......'' انہوں نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔
''اس کا مطلب ہے کہ اس کی فیملی تو خاصی اسٹیبلش ہوگی......'' سجاد صاحب کو نہ جانے کیوں بسمہ میں بیٹھے بٹھائے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔
''ہاں......لیکن بعد میں کافی حالات خراب ہو گئے تھے ان کے......'' داجی نے بات سنبھالی۔
''مراد تم ملے ہو اس سے......؟'' سجاد صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی مراد کو مخاطب کیا۔ جو احیان کے والد تھے۔
''جی بھائی جان، کل میری بھی عمارہ کے ساتھ ہی ملاقات ہوئی ہے اس سے۔ خاصی لائق بچی ہے۔ ناصر سنز والوں کا کیس بھی وہی ہینڈل کر رہی ہے۔'' مراد صاحب نے توصیفی لہجے میں جواب دیا تو داجی نے بطورِ خاص جتاتی ہوئی نگاہوں سے احیان کو دیکھا۔ جو ہاف بوائل انڈے پر تیزی سے کالی مرچیں چھڑک رہا تھا۔
''مجھے تو احیان کے لیے بہت اچھی لگی تھی......'' مسز مراد نے بھی اچانک گفتگو میں حصہ لیا۔ سب ان کی بات پر چونک گئے۔
''اچھی لگی تھی تو بات کر لیتیں......'' مراد صاحب نے سنجیدہ انداز میں کہا تو احیان کے ساتھ ساتھ داجی کو بھی جھٹکا لگا۔
''داجی نے بات کی تھی لیکن شاید احیان کو پسند نہیں آئی......'' عمارہ آپی بے دھڑک انداز میں گویا ہوئیں۔
''اچھی خاصی تو بچی ہے، کیا کمی ہے اس

میں......؟'' مسز مراد نے ناک چڑھا کر اپنے سب سے لاڈلے بیٹے کو دیکھا۔ جس کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے۔

''میں نے کب کہا ایسا......'' وہ بھی صاف مکر گیا۔ جب ان سب کو کوئی اعتراض نظر نہیں آ رہا تھا تو وہ کیوں اس بات کو مانتا۔

''خاصا برائٹ فیوچر ہے اس کا۔ عباسی صاحب بھی تعریف کر رہے تھے......'' مراد صاحب نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے احیان کو سنایا۔

''مان جاؤ احیان، اب بھی وقت ہے......'' وہ باہر نکل رہا تھا جب اس نے عمارہ آپی کا یہ جملہ سنا۔

''فی الحال تو آپ مان جائیں، آپ کی سسرال والے خاصی منتیں کر رہے ہیں آپ کی......'' اس نے بھی سنجیدگی سے مشورہ دیا اور گھر سے نکل گیا۔

''بات تو سولہ آنے درست کر کے گیا ہے احیان......'' مسز سجاد نے بھی ناراض نظروں سے اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھا۔

''ایسے ہی منہ اٹھا کر مان جاؤں کیا......؟'' وہ چڑ کر بولیں۔ ''کچھ اپنی شرائط منوا کر ہی جاؤں گی اب......'' عمارہ آپی نے جھنجلا کر اپنی والدہ کا چہرہ دیکھا، جن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہاتھ پکڑ کر اسے، اس کے سسرالی گھر چھوڑ آئیں۔

☆☆☆

احیان دل ہی دل میں کڑھتا ہوا اپنے آفس پہنچا تو پتا چلا کہ عماد آج بھی غیر حاضر تھا۔ وہ دل ہی دل میں اچھا خاصا بیزار ہوا۔ آفس کے کافی سارے معاملات نبٹاتے ہوئے شام کے چھ بج چکے تھے۔ وہ بری طرح سے تھک چکا تھا۔

''احیان کہاں ہو تم......؟'' ساڑھے چھ بجے مراد صاحب کی کال آئی۔ وہ خاصے بوکھلائے ہوئے تھے۔

''آفس میں......''

''فوراً اسپتال پہنچو، بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' ڈیڈی کی اطلاع نے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ اگلے پچیس منٹ میں وہ اسپتال میں تھا۔ داجی کو آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ سب گھر والے وہیں تھے۔

''داجی از ناٹ فائن......'' اس نے پتا نہیں کیا سوچ کر بسمہ کو ٹیکسٹ کیا۔ اگلے ہی لمحے اس کی کال آ گئی۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی اور پریشان تھی۔

''وہ آئی سی یو میں ہیں......'' اس نے افسردہ سے انداز سے اطلاع دی۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد وہ حواس باختہ انداز سے اسپتال میں تھی اور اسے دھواں دھار انداز میں روتے دیکھ کر سارا خاندان پریشان کم اور حیران زیادہ تھا۔

''داجی کے ساتھ اس کی بہت اٹیچ منٹ ہے......'' احیان نے مسز مراد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''تبھی اکثر ان سے ملنے کے لیے آتی تھی۔'' مسز مراد نے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے...... بے پروائی سے جواب دیا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔

''بسمہ تم اپنی گاڑی پر آئی ہو کیا......؟'' عمارہ نے اچانک پوچھا۔

''نہیں، میرے ایک کولیگ ڈراپ کر کے گئے ہیں۔'' اس نے ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے افسردگی سے جواب دیا۔

''احیان تم بسمہ کو اس کے گھر چھوڑ آؤ، ٹائم بہت ہو رہا ہے۔'' مسز مراد کے فکرمند انداز پر احیان نے اثبات میں سر ہلایا۔ داجی کی طبیعت خاصی سنبھل چکی تھی اس لیے سب گھر والے اب مطمئن تھے۔

''چلیں......؟'' احیان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، بسمہ کا دل تو نہیں کر رہا تھا لیکن اس طرح پورے خاندان کی موجودگی میں یہاں کھڑے ہونا بھی اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ کچھ لمحے سوچ کر وہ احیان کے ساتھ چل پڑی۔

''داجی سے اتنی محبت تھی تو ان کی بات کیوں نہیں مانی......؟'' اس کی مسلسل سوں سوں سے تنگ آ کر احیان نے ناراضی سے کہا، وہ بے آواز رو رہی تھی لیکن بار، بار وہ جب ٹشو سے ناک اور آنکھیں صاف کرتی تو احیان کو غصہ آ جاتا۔ بھلا اس طرح رونے کی کیا تک بنتی ہے۔

''کیا بات نہیں مانی.......؟'' اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے باقاعدہ احیان کو گھورا۔

''میرے پرپوزل سے انکار حمزہ ہی کی وجہ سے کیا تھا ناں تم نے؟'' احیان کی بات پر اسے کرنٹ لگا۔

''اس کا نکاح ہو چکا ہے اس کی کزن کے ساتھ اور وہ بھی اس کی مکمل رضامندی اور خواہش سے......'' وہ چڑ کر بولی۔

''تو تم بھی کر لو اپنی مکمل رضامندی اور خواہش سے......'' احیان نے ہلکے پھلکے انداز سے اسے چھیڑا۔

''شرم آنی چاہیے آپ کو، داجی آئی سی یو میں ہیں اور آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں۔'' اس نے غصے سے ٹشو باکس پورا ہی اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

''تمہاری انہی باتوں کی وجہ سے وہ وہاں پہنچے ہیں، پتا ہے تمہارے انکار سے وہ کتنا ہرٹ ہوئے تھے۔'' احیان نے سراسر جھوٹ بولا۔

''اور جو خود آپ نے انکار کیا تھا، اس پر تو بہت خوش ہوئے ہوں گے وہ......؟'' بسمہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''میں نے ان حالات میں اُس وقت مناسب نہیں سمجھا تھا، لیکن داجی میری بات کا غلط مطلب لے گئے......'' احیان نے سیاست دانوں کی طرح اپنے بیان میں حسبِ ضرورت تبدیلی کی۔

''کیوں اب حالات بدل گئے ہیں کیا......؟'' وہ ناراضی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب اردگرد کے حالات ہی نہیں دل کی دنیا بھی بدل گئی ہے۔'' وہ ہلکا سا شوخ ہوا تو وہ گھبرا سی گئی۔

''آپ چاہتے کیا ہیں اب......؟'' وہ ہلکا سا کھڑکی کی طرف رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

''تمہیں......'' وہ ہنسا۔

''کل کو پھر حالات بدل جائیں گے تو ساتھ ہی آپ کے مزاج کے رنگ ڈھنگ بھی بدل جائیں گے۔'' اس کو منانا کوئی آسان کام تھوڑی تھا۔

''میرا دل ہے کوئی محکمۂ موسمیات والوں کا دفتر نہیں، جہاں ہر وقت موسموں کے بدلنے کی اطلاعات آتی رہیں۔'' وہ ٹھیک ٹھاک منہ بنا کر بولا تو بسمہ کو ہنسی آ گئی۔ وہ مزید پھیل کر بیٹھ گیا اور گاڑی کی اسپیڈ آہستہ کر دی۔

''چلو چھوڑو سارا غصہ، لڑنے کو ساری زندگی پڑی ہے۔ بس دونوں زندگی کے سفر میں ساتھ چلتے ہیں...... کیوں ٹھیک کہا ناں میں نے......!'' اس نے سنجیدہ بات انتہائی غیر سنجیدہ انداز سے کہی تھی۔

''جس رفتار سے آپ گاڑی چلا رہے ہیں، مجھے اندازہ ہو گیا ہے زندگی کا سفر آپ کے ساتھ کیسا گزرے گا۔'' وہ ہنسی۔

''تم ہاں تو کرو، ابھی گاڑی اڑاتا ہوا دوبارہ داجی کے پاس لے جاؤں گا۔ اب تو سارے گھر والے اسپتال سے جا چکے ہوں گے۔'' احیان کا موڈ اچھا خاصا خوشگوار ہو چکا تھا۔ وہ بات بے بات مسکرا رہا تھا۔

''جانے سے پہلے پٹرول ضرور ڈلوا لیجیے گا، کیونکہ میرا دھکا لگانے کا کوئی موڈ نہیں۔'' بسمہ نے مسکرا کر اس کا دھیان پٹرول کی سوئی کی طرف دلایا۔ گاڑی جھٹکا کھا کر رک چکی تھی۔ بسمہ کھلکھلا کر ہنسی اور احیان نے چونک کر دیکھا۔ گاڑی کا ریزرو پٹرول بھی ختم ہو چکا تھا لیکن اسے اپنی خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے محبت کے جس تیل کی ضرورت تھی وہ اسے بسمہ کی طرف سے مثبت اشارے کی صورت مل چکا تھا۔ اب زندگی کی گاڑی کو ان دونوں نے مل کر چلانا تھا۔

☆☆☆

ختم شد

صدف آصف

رات کے اس آخری پہر میں سرد ہواؤں کا زور بڑھ گیا تھا۔ سومی کا ٹھنڈ سے ایسا برا حال ہوا کہ دل بس نرم گرم کمبل میں گھس کر فوراً سونے کے لیے ہمکا..... مگر وجود پر ایسی بے چینی چھائی ہوئی تھی کہ نیند اڑ کر رہ گئی۔ کھڑکی کی جالی سے سرد ہوا کا جھونکا آیا۔ سومی نے جلدی سے موٹے کمبل میں منہ چھپالیا، اس سمے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی، آنکھوں کے گوشے نم اور چھوٹی سی ناک گلابی ہو رہی تھی۔ پتا

نہیں کیا ہوا..... شام کا واقعہ نگاہوں کے سامنے کسی فلمی سین کی طرح دوڑنے لگا..... سومی کو محسوس ہوا جیسے اعصاب کو شل کرنے والے وہ لمحات غنودگی اور بیداری کے درمیان پردے کی طرح حائل ہو رہے ہیں۔ من میں ایک دم خوف کی لہر دوڑنے لگی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھی..... محسوس ہونے لگا کہ کوئی اس کے نازک وجود پر بھاری وزن ڈالے دے رہا ہو، گزرتی رات کے ساتھ سردی بڑھ رہی تھی۔ اس کے وجود کی قلفی جم گئی۔ سومی نے آگے بڑھ کر جلدی سے کھڑکی کا شیشہ بند کیا۔

''چر..... چر..... چر.....'' کمرے میں ہونے والی کھٹ پٹ کی وجہ سے بیڈ کے دوسری طرف سوئی منورہ نے بے چینی سے کروٹ بدلی تھی، سومی پلٹی اور منورہ پھپو کی آنکھ کھل جانے کے خوف سے واپس بستر میں دبک کر بیٹھ گئی۔

''شکر ہے سو گئیں..... ورنہ..... اس وقت تو پھپو کی جرح سہنے کا حوصلہ بالکل نہیں..... دماغ پہلے ہی سوچ سوچ کر پلپلا ہو چکا ہے۔'' منورہ پھپو کے پیروں پر اچھی طرح سے کمبل ڈالتے ہوئے اس نے گھبرا کر سوچا پھر اپنے گھٹنوں پر چہرہ ٹکا کر دوبارہ خیالوں میں کھو گئی۔

''اے میرے اللہ..... مجھے اس کے شر سے محفوظ فرما.....'' سومی نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی..... مشہود کی ذات سومی کے لیے..... ''ہوا'' بنی ہوئی تھی..... وجود میں گھٹن بڑھنے لگی۔ سومی نے نادانستہ طور پر منہ کھول کر زور، زور سے سانس لی۔

''کیا کروں..... کل کو چنگ جاؤں..... یا..... پاپا کے لوٹنے کا انتظار کروں؟'' سومی کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ باپ کی غیر موجودگی میں اسے کالج جانے کی پریشانی یوں نہیں تھی کہ شروع سے وین لگی ہوئی تھی۔ مگر کوچنگ وہ خود ہی چھوڑنے جاتے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں سومیہ کو تنہا جانا خاصا مہنگا پڑ گیا۔

''بھوں..... بھوں..... بھوں.....'' اچانک کھڑکی کے باہر کتوں کے بھونکنے کی آواز پر برابر میں سوئی ہوئی منورہ پھپو کی آنکھ کھل گئی۔

''ان کم بختوں کا بیڑا غرق ہو، رات کو بھی چین سے سونے نہیں دیتے، کھڑکی کے نیچے جمع ہو کر پہلے دعوت اڑاتے ہیں۔ پھر ان کا مشاعرہ شروع ہو جاتا ہے۔'' منورہ منہ پھاڑ کر جمائی لیتے ہوئے بڑبڑائیں..... ان کے انداز پر سومیہ کی ہنسی نکل گئی۔

''کیا بات ہے لڑکی...... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے..... اتنی رات کو بیٹھی کیوں ٹھی ٹھی کر رہی ہو؟'' منورہ نے تکیے کے نیچے رکھا چشمہ ٹٹول کر پہنا اور ناک پر انگلی جما کر پوچھا۔

''پھپو..... پتا نہیں کیوں ایک دم آنکھ کھل گئی..... اب نیند نہیں آ رہی.....'' سومیہ نے بہانہ بنایا تو انہوں نے زیرِ لب آیت الکرسی پڑھ کر پہلے سومی پر دم کیا اس کے بعد اپنے گریبان میں پھونک ماری..... زور، زور سے تین بار تالی بجائی..... اس کے بعد اطمینان سے لیٹ گئیں۔

''چلو بہت رات ہو گئی ہے..... اب تم بھی سو جاؤ۔'' منورہ نے تھوڑی دیر بعد گردن اٹھا کر بھتیجی کو ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے دیکھا تو تیز نگاہیں ٹکا کر زور سے کہا اور کمبل اپنے اوپر ڈال لیا۔

''جی پھپو۔'' اس نے ان کی تسلی کے لیے سر ہلایا اور جلدی سے لیٹ گئی۔

''میرے اللہ..... کتنی ٹھنڈ ہو رہی ہے..... کمر اکڑ کر رہ گئی ہے۔'' منورہ اپنی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سونے کی کوشش میں جت گئیں۔

''کل جا کر ماہم سے ہی مشورہ کروں گی..... وہ جی دار بندی..... دوستوں کی دوست ہے..... ایسے مسئلوں سے نمٹنا خوب جانتی ہے۔'' سومیہ نے ایک حل سوچا اور مسکرا دی۔

''پر پھپھو....... ؟ان کا کیا کروں؟ یہ تو ماہی کو دیکھتے ہی ایک دم برے، برے منہ بنالیتی ہیں۔ آبگینے آپی کا ہی حوصلہ تھا...... جنہوں نے اپنی ماں کا ایسا انوکھا مزاج اور روک ٹوک برداشت کی......''
سومی کی آنکھیں اپنی کزن کا خیال آنے پر نم ہوگئیں۔

''مما...... پاپا بہت ہوگیا۔ اب تو آپ لوگ واپس آہی جائیں۔'' سومی نے کروٹ بدلی...... والدین کی یاد آنے لگی اس نے منہ بسورا...... آخر تھک ہار کر سنہری کلائی آنکھوں پر رکھی اور سونے کی کوشش میں مصروف ہوگئی۔

☆☆☆

''اچھا تو یہ بات ہے...... ویسے منڈا کیسا ہے؟'' ماہم نے سومی کا مسئلہ سننے کے بعد حسبِ عادت شوخی دکھائی۔

''ماہی...... سیریس ہوجاؤ...... ورنہ......''
سومیہ کو اس وقت یہ شرارتی انداز زہر لگا...... اسی لیے منہ چڑا کر کہا۔

''اچھا...... اب تم نے کہا ہے کچھ تو سوچنا پڑے گا۔ ویسے تم بڑی کب ہوگی؟'' ماہم کی شوخی اسے بہت کھل رہی تھی۔

''ماہی...... دیکھو...... لاسٹ وارننگ۔'' سومیہ نے اپنا ٹیڈی بیئر اٹھا کر اس کی پٹائی شروع کردی۔

''کتنی زور سے مار دیا۔ اُف...... میری آنکھ میں تمہارے سڑے ہوئے ٹیڈی کی ناک چبھ گئی...... کچھ نظر نہیں آرہا...... ہائے ابھی تو شادی بھی نہیں ہوئی اور مجھے اندھا کردیا۔'' ماہم نے اپنی گلابی ہتھیلی سے ایک آنکھ کو ڈھانپ کر ایسا واویلا شروع کیا کہ منورہ پھپھو بھی گھبرا کر وہاں چلی آئیں۔

''ماہی ...... سوری ڈیئر میں تو مذاق کررہی تھی...... ہاتھ ہٹاؤ ناں... میں چیک تو کروں۔'' سومیہ کے ہاتھوں کے طوطے، چڑیا، کبوتر سب اڑ گئے۔

''ہاہاہا......'' سومیہ نے بڑی مشکلوں سے اس کی آنکھ سے ہاتھ ہٹایا تو وہ قہقہہ لگانے لگی۔ اس کی شرارت پر سومیہ نے ہنستے ہوئے دوبارہ پٹائی شروع کردی۔ منورہ پھپھو نے ماہی کو کچا چبا جانے والی نظروں سے گھورا اور پلٹ گئیں۔

''ماہی کی بچی...... تمہیں خبر ہے ناں...... پھپھو آئی ہوئی ہیں...... پھر بھی......؟'' سومیہ نے دانت پیس کر اسے یاد دلایا۔

''سوری...... بھول گئی تھی۔'' ماہم نے بے فکری سے کہا۔ سومیہ اس کے انداز پر دیکھ کر رہ گئی۔

''بائی داوے سومی...... یہ انکل، آنٹی اچانک کہاں چل پڑے؟'' ماہم کو یاد آیا تو پوچھا۔

''مما...... پاپا اصل میں، ایک ہفتے کے لیے بڑے بھیا کی طرف سکھر گئے ہوئے ہیں، ان کے پتّے کا آپریشن ہے ناں...... بھابی اکیلے پریشان ہورہی تھیں اسی لیے ان دونوں کو بلالیا۔'' سومیہ نے افسردگی سے بتایا۔

''توبہ...... تم کتنی خراب بہن ہو......'' ماہم نے اسے پھٹکارا۔

''میں تو خود بھائی کی طبیعت کی وجہ سے وہاں جانے کو بے قرار تھی...... مگر یہ ایگزام بھی ناں...... ہمیشہ غلط وقت پر آتے ہیں...... اسی وجہ سے مجھے گھر پر رکنا پڑا...... اب میں اکیلے تھوڑی رہ سکتی تھی...... مما نے مجبوراً پھپھو کو بلالیا۔'' سومیہ نے ماہم کی تسلی کرائی۔

''اس سے اچھا تو تم ہمارے گھر رک جاتیں...... کم از کم ایسی ہٹلر پھپھو کو تو جھیلنا نہیں پڑتا۔'' ماہم نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو سومی نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔ اس طرح کی باتیں...... ان لوگوں کی فیملی میں ناقابلِ برداشت تھیں...... ماہم اس کی عزیز ترین دوست صحیح...... مگر...... اسے خود بھی یوں منہ اٹھا کر وہاں رہنا گوارا نہیں ہوتا۔

☆☆☆

سومیہ انصاری کے بڑے بھائی ربیع انصاری

سول انجینئر تھے، ان کا سال بھر قبل سکھر ٹرانسفر کر دیا گیا تو سب اداس ہو گئے، اگر اتنی اچھی گورنمنٹ جاب نہ ہوتی تو وہ شاید ریزائن کر دیتے۔ انہیں اپنے گھر سے دور رہنا مشکل لگ رہا تھا۔ والدین کے سمجھانے پر مجبوراً اپنی فیملی کے ساتھ دوسرے شہر شفٹ ہو گئے۔ بیمار پڑے تو مما، پاپا کے لیے بے قرار ہو گئے..... اسی لیے ان دونوں کو ایمرجنسی میں جانا پڑا۔

''بات سنو بی بی..... یہ لڑکیوں کا ہر وقت کا ہنسی مذاق اچھی بات نہیں..... ویسے..... تمہیں اپنے گھر میں کوئی کام وام نہیں ہوتا.....؟'' وہ دونوں کارٹون دیکھتے ہوئے جیری کی حرکتوں پر کھلکھلا رہی تھیں، منورہ کے طنزیہ انداز پر ٹپٹا گئیں۔

''پھپو..... وہ ہم کارٹون..... دیکھتے ہوئے ہنس پڑے۔'' سومیہ نے صفائی دی مگر..... وہ تیزی سے پلٹ گئیں، ماہم کا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھ کر اسے دکھ ہوا..... وہ تیزی سے پھپو کے پیچھے گئی تاکہ ماہم کے حوالے سے صفائی دے سکے..... ڈرتے، ڈرتے کچن میں جھانکا..... منورہ دودھ ابالتے ہوئے خود بھی ابلے جا رہی تھیں۔

''پتا نہیں کیسے والدین ہیں جو جوان بیٹیوں کو تتلیوں کی طرح آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی پر نوچ ڈالے تو پھر روتے پھرتے ہیں۔'' انہوں نے چولھا بند کر کے پتیلی پر زور سے ڈھکن رکھا۔ ان کی بات پر سومی کے اندر کرب جاگا..... وہ بھی تو ایک لڑکی ہی تھی۔ اس کی ہمت جواب دینے لگی۔

''اس کا حلیہ تو دیکھو..... لڑکی کم..... لڑکا زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ دیکھنا جب بھیا کے گھر پر کوئی بڑا طوفان ڈھائے گی تب سب کو میری بات کا یقین آئے گا۔'' انہوں نے ساگ کی ڈنڈیوں پر یوں چھری چلائی جیسے وہ ماہم کی گردن ہو۔

''ایک تو ان لوگوں کو جتنا سمجھاؤ سب بیکار ہے۔ ایک دن اس تتلی کی صحبت رنگ دکھائے گی.....'' منورہ بڑے جارحانہ انداز میں بڑبڑا رہی تھیں۔

''پھپو..... لاشعوری طور پر شاید سب کو آبگینے آپی کی جگہ رکھ کر سوچتی ہیں..... ورنہ ماہی کتنی اچھی نیچر کی ہے۔'' سومیہ نے ان کی باتیں سن کر تجزیہ کیا۔

اس نے آہٹ پر پلٹ کر دیکھا..... ماہم کھڑی تھی..... اس کا چہرہ چٹخا سا لگا۔

''اوہ، لگتا ہے، ماہم نے پھپو کی ساری باتیں سن لی ہیں۔'' سومی کے دل میں ایک دم ڈر نے سر ابھارا۔

''ماہی..... کیا ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''سومی..... ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔ چلتی ہوں پھر آؤں گی۔'' ماہم نے دوست سے اپنی سرخ آنکھوں کو چھپانے کے لیے گلاسز لگائے، جلدی سے ہاتھ ملایا بیگ اٹھا کر اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر باہر نکل گئی۔ سومیہ ہکا بکا اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

وہ، بلیک جینز، سفید کرتے میں ملبوس، گلے میں کالا اسکارف ڈالے ہمیشہ کی طرح کچھ منفرد سی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ ماہی کا بے تکلفانہ اندازِ نشست و برخاست سامنے والے کو عجیب الجھن میں ڈال دیتا..... سومی کی فیملی کے مقابلے میں اس کا گھرانا الٹرا ماڈرن تھا۔ اسی لیے ماہی پر بھی اپنی فیملی کی چھاپ تھی..... یہ ہی باتیں منورہ کی نگاہوں میں کھٹکتیں۔

سومیہ کی مما..... نائمہ ذرا کھلے ذہن کی مالک تھیں۔ اس لیے انہوں نے نند کی باتوں کا کبھی اثر نہیں لیا..... ویسے بھی وہ منورہ کے مزاج کے ساتھ، ساتھ ماہم کو بھی اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس کا کافی سالوں سے ان کے گھر میں آنا جانا تھا۔ نائمہ، ماہم کی شرارتوں کو کبھی اعتراض کا نشانہ نہیں بناتی تھیں۔ ویسے بھی سومیہ جتنی بزدل اور ڈرپوک تھی اسے ماہم کا ساتھ تحفظ فراہم کرتا تھا۔

کسی کی شخصیت کا اس کے ظاہری حلیے سے موازنہ کرنا اکثر صحیح ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بظاہر سخت

دل دکھائی دینے والا، اندر سے بہت سادہ مزاج اور ہمدردانہ طبیعت کا حامل بھی نکل سکتا ہے اسی لیے پہلی نظر کے تاثر کو آخری سمجھنے کا کلیہ کبھی کبھی وقت کی چال کے حساب سے غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

''سومی جان...... تم اپنے چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور نہیں دو...... اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... کل کو چنگ آؤں گی...... بس چپکے سے اس ہیرو کی شکل دکھا دینا...... دیکھنا کیسا زیرو بناتی ہوں۔ ایسی تدبیر ذہن میں آئی ہے، تم جھوم اٹھو گی۔'' اس نے بڑی مشکلوں سے ماہم کو اس کے گھر جا کر منایا تھا تب کہیں جا کر وہ منورہ پھپو کی موجودگی میں یہاں آنے پر تیار ہوئی۔

''سومی......! کیا میں بری لڑکی ہوں؟'' ماہم نے بڑی، بڑی آنکھیں پٹپٹا کر معصومیت سے پوچھا۔ اس نے بہت برداشت کیا پر آج شکوہ منہ سے پھسل ہی گیا۔ وہ سومیہ کو لینے اس کے کوچنگ آئی تھی۔

''میرے اللہ...... بڑا ہی برا ہوا۔ ماہم نے اس دن پھپو کی باتیں جو سن لی تھیں...... وہ اس کے دل میں کھب گئی ہیں۔'' سومیہ نے ماہم کی جانب بغور دیکھا۔ اسے کنفرم ہو گیا، وہ دونوں پیدل گھر جا رہی تھیں۔

''ماہی جانو...... کس نے کہا تم بری ہو؟'' سومیہ نے ساتھ چلتے ہوئے پیار سے مڑ کر دیکھا۔

''پتا نہیں...... سومی...... مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ تمہاری پھپو مجھے پسند نہیں کرتیں...... جب ہی تو انہوں نے میرا نام تتلی رکھ چھوڑا ہے۔'' ماہم نے ہونٹ لٹکا کر ناراضی سے کہا۔

''تمہیں کسی سے اپنی اچھائی یا برائی کا سرٹیفکٹ لینے کی ضرورت نہیں...... تم میری دوست ہو...... میں جانتی ہوں تم کتنے پیارے دل کی مالک ہو۔ سب سے بڑھ کر تمہارا ظاہر اور باطن ایک سا ہے اور آج کل یہ خصوصیت بہت کم لوگوں میں رہ گئی ہے۔'' سومی کی تعریف پر ماہم نے اترا کر ناک چڑھائی۔

''سنو...... جہاں تک پھپو کی بات ہے...... وہ ذرا سا پرانے خیالات کی مالک ہیں...... پھر ان کے ساتھ جو ٹریجڈی ہوئی ہے اس کے بعد تو وہ کچھ زیادہ ہی بے اعتبار ہو گئی ہیں۔'' سومی نے ایک جھرجھری سی لی۔

''کیا مطلب...... میں کچھ سمجھی نہیں......؟''

ماہم اپنا دکھ بھول کر تجسس میں مبتلا ہو گئی۔ اس کی سوالیہ نظریں سومی کے چہرے پر ٹک گئیں۔

''بس...... ماہی، منورہ پھپو کے دو بیٹے ہیں اور ایک بیٹی...... آبگینے آپی تھیں...... وہ بے انتہا حسین و جمیل اور نازک اندام تھیں۔''

''تھیں سے کیا مطلب...... اب وہ نہیں رہیں کیا؟'' ماہم نے بے قراری سے پوچھا۔

''اللہ ان کو سلامت رکھے...... میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اب ان کا ہم سب سے ملنا جلنا نہیں رہا۔ ویسے تم جب تک چپ کر کے پورا قصہ نہیں سنو گی...... کچھ سمجھ نہیں پاؤ گی۔'' سومیہ کے جھڑکنے پر اس نے منہ پر انگلی رکھ کر سر ہلایا۔

''آبگینے آپی...... سب کی بہت لاڈلی تھیں...... انہیں بڑے ناز و نخرے سے پالا گیا...... وہ بچپن سے ہی پڑھائی کی شوقین تھیں۔ شومئی قسمت ان کے جوان ہوتے ہی پھپو ایک دم محبت کرنے والی ماں سے روایتی عورت بن گئیں...... انہوں نے آپی پر پابندیاں عائد کرنا شروع کر دیں...... آبگینے آپی...... کھلے ذہن کی باشعور لڑکی تھیں...... انہیں اپنے والدین کی عزت کا پاس تھا...... مگر وہ آزاد پنچھی کی طرح فضاؤں میں اڑ کر دنیا دیکھنے کی خواہش مند بھی تھیں۔ اس دوران پھپو نے تو ان کا سانس لینا بھی دشوار کر دیا تھا۔ اپنی سہیلیوں کے ساتھ انجوائے کرنے کی ضد پر پھپو نے جل کر آپی کو تتلی کا خطاب دے دیا تھا۔ یہ بات آبگینے آپی کے دل پر جا لگی۔'' سومیہ نے

ٹھنڈی سانس بھری...... وہ دونوں باتوں میں مشغول ڈھیرے، ڈھیرے راستہ طے کررہی تھیں۔

''تمہاری...... پھپو کو کسی نے سمجھایا نہیں......؟''

ماہم نے حیران ہو کر پوچھا...... کاؤبوائے ٹائپ ماہم کے لیے یہ ساری باتیں اچنبھا تھیں۔

''پھوپا اور کزنز انہیں بہت سمجھاتے مگر وہ کسی کی کہاں سنتی ہیں...... اس وقت بھی ان کو یہ ہی مناسب لگا کہ اس طرح جوان بیٹی قابو میں رہے گی...... پر ہوا اس کا بالکل الٹ...... آپی...... ماں کے بدلے رویے اور پابندیوں سے گھبرا گئیں۔ حالات اس وقت مزید خراب ہوگئے، جب آپی نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی ٹھانی...... پھوپا اور ان کے دونوں بیٹوں نے اس معاملے میں آپی کا مکمل ساتھ دیا...... پھپو کو واہمہ تھا...... یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکیاں بگڑ جاتی ہیں...... آزاد خیال ہو کر اپنی مرضی چلاتی ہیں...... انہوں نے بیٹی کو پرائیویٹ ماسٹرز کرنے کی اجازت تو دے دی تھی مگر یونیورسٹی بھیجنے سے انکار کردیا تھا۔ آپی کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہوگیا۔ وہ خاموش رہنے لگیں۔ انہوں نے ضد میں آکر پڑھائی چھوڑ دی، باغیانہ سوچوں نے انہیں ایک دم بیمار کردیا۔

''ڈاکٹر نے کہا انہیں صرف سوچنے کی بیماری ہے۔ ان کے لیے کوئی مصروفیت ہونا ضروری ہے۔ پھوپا نے زبردستی بیٹی کو لڑکیوں کے ایک ووکیشنل سینٹر میں داخلہ دلوادیا۔ جہاں وہ پینٹنگ سیکھنے لگیں۔ اسی دوران ان کا اتفاقاً جمیل بھائی سے ٹکراؤ ہوا جو اس سینٹر میں اکاؤنٹس کے شعبے کے انچارج تھے۔ آبگینے آپی کو ایک دفعہ اپنی فیس کے معاملے میں کوئی مشکل پیش آئی تو مجبوراً ایڈمن کی طرف جانا پڑا۔ بس وہیں ان کی جمیل بھائی سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کا حسن دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ بس محبت نے اپنے راستے خود ہی ہموار کیے...... رفتہ، رفتہ دونوں ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہنے لگے۔ جمیل بھائی نے آپی کی ذات کا مان بڑھایا جو انہوں نے کھو دیا تھا۔ وہ اپنے دل کی ہر بات ان سے شیئر کرتیں...... آپی، جمیل بھائی کے پیار میں کھو کر ایک بار پھر جی اٹھیں...... خوش رہنے لگیں۔ مگر یہ راستہ اپنانے کے باوجود اُن کا ضمیر مسلسل ملامت کرتا۔ آپی کو اب بھی والدین کی عزت کا خیال تھا۔ انہوں نے اپنی محبت کو مقدس رشتے کا نام دینے کا سوچا۔ وہ ویسے بھی ماں کے اندیشوں سے خوف زدہ تھیں، اسی لیے جمیل بھائی سے پروپوزل بھیجنے کا مطالبہ کیا۔

''جمیل بھائی کو سچ مچ آبگینے آپی سے محبت تھی۔ انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھیجنے کی حامی بھرلی اور اپنا وعدہ نبھایا۔ جب رشتہ آیا تو پھپو نے ان کے والدین کو برا بھلا کہہ کر چلتا کردیا۔ آپی ماں سے مزید بدظن ہوگئیں...... انہیں ایک بار پھر پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا...... اب تو پھپو...... خوب طعنے بھی دیتیں۔ مگر اب آپی مکمل طور پر باغی ہوچکی تھیں۔ بس پھر ایسا ہوا کہ ایک دن موقع دیکھ کر آپی، جمیل بھائی کے ساتھ چپکے سے گھر چھوڑ گئیں اور دونوں نے شادی رچالی...... آپی کے اس اقدام سے منورہ پھپو کا مان جو ٹوٹا تو ٹوٹا...... مزاج میں اور کڑواہٹ آگئی...... اب وہ ساری لڑکیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔'' سومیہ نے تفصیل سے منورہ پھپو کے حالات بتائے تو ماہم بھی دکھی ہوگئی۔

''اوہ...... وری سیڈ...کیا آپی لوٹ کر والدین سے ملنے نہیں آئیں؟'' ماہم کو منورہ پھپو سے ہمدردی محسوس ہوئی۔

''اپنی پہلی بیٹی کی پیدائش پر وہ روتی ہوئی ماں سے ملنے آئیں...... مگر پھپو نے ان کے معاملے میں خود کو پتھر کا کرلیا۔ پھوپا اور دونوں بھائیوں نے آپی کو معاف کرکے گلے لگالیا مگر پھپو نے خود کو اس وقت تک کمرے میں بند رکھا جب تک آپی واپس نہیں چلی

گئیں۔ وہ کئی بار آئیں ہر بار پھپو نے منہ موڑ لیا......
اب تو خیر آپی اپنی ماں کے رویے سے مایوس ہو چکی ہیں اور اب تو جمیل بھائی پوری فیملی کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہو گئے ہیں۔'' سومیہ نے قصہ لپیٹا...... اچانک اسے سامنے گلی میں مشہود دکھائی دیا۔

''وہ......وہ سامنے دیکھو نیلی شرٹ والا لڑکا...... وہی ہے جو مجھے روز تنگ کرتا ہے۔'' سومیہ نے ماہم کو اشارے سے بائیک پر بیٹھا ایک لڑکا دکھایا۔

''یہ......؟ اوہ مائی گاڈ......'' ماہم نے اس کی انگلی کے اشارے کو دیکھا اور اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔

☆☆☆

سومیہ کی کلاس ختم ہوئے پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔ وہ اداسی سے وہیں کرسی پر بیٹھ کر ماہم کا انتظار کرنے لگی۔ اس کا دور، دور تک پتا نہیں تھا۔ سارے اسٹوڈنٹ ایک، ایک کر کے روم سے باہر چلے گئے۔

''شاید...... ماہم کہیں بزی ہو گئی ہوگی......اس کے پاس کام بھی تو بہت ہوتے ہیں......لگتا ہے اب نہیں آئے گی۔'' سومی نے گھڑی میں ٹائم دیکھا...... اور ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیگ کاندھے پر لٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

وہ پہلے ہی کافی لیٹ ہو چکی تھی۔ مگر مشہود کے خوف سے باہر نکلتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ جو دو دن سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا کہ وہ کسی پارک میں چل کر بیٹھے۔ وہ تھک ہار کر باہر نکلنے لگی کہ ماہم کی دھماکے... دار انٹری ہوئی سومی نے سکون کی سانس لی۔

ماہم کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی تھی۔ اس کی زبان فراٹے بھر رہی تھی...... وہ اجنبی لڑکی بس سر ہلائے جا رہی تھی۔ سومیہ کو اس پر ترس آیا۔

''چلو......تم دونوں اپنے عبایا آپس میں ایک دوسرے سے بدل لو۔'' ماہم نے ہدایت دی...... سومی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر ماہم نے اسے موقع ہی نہیں دیا۔

''شیریں......بھئی......جلدی کرو۔'' سومیہ نے اب شیریں کا باقاعدہ سر سے پیر تک جائزہ لیا۔ سومی کو نہ جانے کیوں اس کے نین نقش کچھ شناسا سے لگے۔

''یہ...... پہن لو۔'' شیریں نے اپنا گرے کوٹ اور اسکارف سومیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ اتفاق سے ان دونوں کا قد و قامت یکساں تھا۔ اس لیے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

''ماہم آخر...... یہ سب کیا ہے؟'' سومیہ نے زچ ہو کر سرگوشی کی۔

''یہ سب بعد میں بتاؤں گی......جلدی سے باہر نکلو...... ایسا نہ ہو کہ مشہود تمہارے دیر سے نکلنے پر مایوس

ہو کر چلا جائے اور میرا پلان فیل ہو جائے۔'' ماہم نے جلدی مچائی تو وہ بھی قائل ہو گئی۔

ماہم نے ان دونوں کو عبایا بدل بہنیں بتانے کے بعد باہر چلنے کی ہدایت دی۔ سومی نے شیریں کے اسکارف سے اپنا منہ چھپالیا اور دو توں سن گلاسز چڑھا لیے۔

''ایک...... منٹ......'' انہوں نے باہر کی طرف قدم بڑھائے کہ ماہم ایک دم کمر پر ہاتھ رکھ کر چیخی...... سومی اور شیریں کی سوالیہ نگاہیں اس پر گڑ گئیں۔

''شیریں ...... یار...... تم مرواؤ گی...... سنو لڑکی...... تم...... سومی کے اسٹائل میں چہرے کا نقاب کرنا بھول گئی ہو۔'' ماہم نے اس کی کمر پر دھپ لگائی...... سومیہ ان دونوں کی بے تکلفی دیکھتی رہ گئی...... سچویشن یاد آئی تو خود بڑھ کر شیریں کے چہرے پر نقاب کر دیا اور بیگ بھی آپس میں تبدیل کر لیے۔

☆☆☆

''جناب...... مان لیا کہ تم بادلوں میں چھپا چمکتا چاند...... ہو...... میں چھوٹا سا مدھم ستارہ...... پھر بھی میری ایک ریکویسٹ مان لو...... صرف ایک بار اپنا دیدار کرا دو......'' وہ عبایا میں چھپی شیریں کو سومیہ سمجھ کر اس کے پیچھے آیا۔

''بالکل سچ کہتا ہوں...... تمہاری آنکھوں نے وہ جادو کیا ہے کہ مجھے اپنا ہوش بھی نہیں رہا۔ آج تو تم نے انہیں بھی ڈھانپ لیا۔'' شیریں نے کاندھے پر لٹکے سومی کے بیگ کے اسٹریپ کو زور سے پکڑا...... وہ سیدھی روڈ پر پیدل چل رہی تھی۔ یہ دونوں کوچنگ کے گیٹ پر ہی تھیں۔ مشہود اب بائیک سے اتر کر دھیرے، دھیرے اس کے ساتھ چلنے لگا...... خوب تیار شیار بالوں میں ایک ادا...... سے ہاتھ پھیرتا ہوا فلمی ہیرو کی طرح ڈائیلاگ بازی کیے جا رہا تھا۔ شیریں کھول رہی تھی...... پر...... اس نے کمالِ ضبط کا مظاہرہ کیا۔

''یوں راستے میں بات نہیں ہو سکتی۔ چلو کہیں چلو آرام سے بیٹھتے ہیں۔'' مشہود نے اس کے ایک قدم قریب پہنچ کر کہا۔ شیریں بے چین ہوئی...... ماہم اور سومیہ نے تھوڑی دور چلتے ہوئے سارا منظر دیکھا...... ماہم نے انگلی سے مشہود کی طرف اشارہ کیا۔ اب کلائمکس آ چکا تھا۔

''دیکھو...... تم نے بات نہیں مانی تو میں...... زبردستی بھی کر سکتا ہوں۔'' مشہود کے انداز پر شیریں کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ مڑی اور اپنا نقاب کھول دیا۔

''با...... با...... جی...... تم مگر تم تو کوٹ اسکارف پہنتی ہو...... یہ تو سومیہ کا عبایا ہے۔'' بڑی بہن کے بے نقاب چہرے پر نگاہ پڑتے ہی مشہود کے پسینے چھوٹ گئے۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا وہ جس کو چھیڑ رہا ہے، وہ سومیہ کی جگہ اس کی بڑی بہن نکلے گی۔ اسے بے انتہا شرمندگی نے آن گھیرا۔

شیریں نے آگے بڑھ کر بھائی کو ایک طمانچہ رسید کیا...... وہ ایک دم گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دل میں شکر ادا کیا کہ گلی میں کوئی کھڑا نظر نہیں آیا۔ ویسے بھی یہ گلی کافی سنسان رہتی تھی۔ اسی بات کا وہ ایک ہفتے سے فائدہ اٹھا رہا تھا اور سومیہ کو مسلسل تنگ کر رہا تھا۔

''باجی...... معاف کر دو غلطی ہو گئی۔'' مشہود بہن کے آگے ہاتھ جوڑنے لگا۔

''شہودی...... تم تو بہنوں کا مان تھے۔ تم نے بہت مایوس کیا......'' شیریں کی آواز میں نمی سی گھل گئی۔

''باجی...... پلیز ابا جی کو نہ بتانا...... وہ تو مجھے جان سے مار دیں گے۔'' مشہود کو اپنے باپ کی سخت گیر طبیعت کا پتا تھا، عشق کا بھوت اتر چکا تھا۔ خوف طاری ہوا تو بہن کی منتیں کرنے لگا۔ اتنے میں سامنے سے ماہم اور سومیہ بھی آ گئیں...... وہ ایک دم گھبرایا، بغیر کچھ کہے سنے بائیک اسٹارٹ کی اور تیزی سے اڑا لے گیا۔

''یہ......سب کیسے ہوا؟'' سومیہ کو ابھی تک اپنی آنکھوں دیکھے پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اسے لگا جیسے ڈرامے کا کوئی سین چل رہا ہو۔

''سومی......دیکھا تم نے میرا کمال...... یہ شیریں ہے مشہود کی بڑی بہن......'' ماہم نے اسے ٹہوکا دیتے ہوئے انکشاف کیا۔

''شیریں......اور......مشہود کی بڑی بہن پر...... یہ تمہیں کہاں سے ملیں...... یہ کیا گڑ بڑ گھٹالا ہے؟ میں کافی کنفیوز ہو رہی ہوں۔'' سومی نے پریشانی سے سر جھٹکا اور پوچھا۔

''شیریں ...... یہاں آجاؤ...... سومی کو مکمل بات بتاتے ہیں...... ورنہ اس کے پاگل ہونے میں کوئی کسر نہیں رہے گی۔'' ماہم کے پکارنے پر شیریں بھی ان لوگوں کے پاس آگئی، اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

''شیریں ......صرف میری دوست ہی نہیں محلے دار بھی ہیں...... چند مہینے قبل ہی ان کی فیملی ہماری گلی میں اپنے نئے تعمیر شدہ گھر میں شفٹ ہوئی ہے۔'' ماہم نے مسکرا کر سومیہ کو بتایا۔

''سومیہ......جو کچھ ہوا میں اس پر آپ سے بہت معذرت خواہ ہوں......'' شیریں نے نگاہیں چراتے ہوئے ماہم کی بات کاٹی۔ سومیہ نے اسے نرم مسکراہٹ سے نوازا...... اسے مشہود کی وجہ سے جو ذہنی کوفت ہوئی، اس کا غصہ کم تو نہیں ہوا مگر اس کی سگی بہن ہو کر بھی شیریں نے جیسے مدد کی...... یہ ایک قابلِ تحسین عمل تھا۔

''کوئی میری بھی تو سن لے...... آخر میں ہی تو...... اس ڈرامے کی ڈائریکٹر ہوں۔'' ماہم میں برداشت کم تھی...... ان دونوں کو آپس میں مشغول دیکھا تو زور سے بولی۔

''سومی......اس دن جب تم نے مجھے دور سے مشہود کو دکھایا تو میں خوشی سے اچھل پڑی...... وہ تو میری دوست کا بھائی نکلا......میرے دماغ میں اسی وقت یہ لاجواب آئیڈیا آیا......میں شیریں کے پاس گئی اور ڈرتے، ڈرتے انہیں بھائی کے کرتوت سے آگاہ کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ اپنے بھائی کی حمایت میں مجھ سے لڑ نہ پڑیں۔'' ماہم نے محبت سے شیریں کی جانب دیکھ کر کہا۔

''نہیں ماہی، میرا بھی ایک شریف گھرانے سے تعلق ہے...... مجھے تو یہ سنتے ہی دکھ کے ساتھ شرمندگی نے آگھیرا تھا کہ میرے بھائی کی وجہ سے کوئی لڑکی مشکل میں ہے...... مجھے تو اس بات پر بہت غصہ آیا۔ ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے تمہارا ساتھ دینے کی ٹھانی...... مشہود میرا بھائی ہوا تو کیا ہوا۔ غلط تو غلط ہی ہوتا ہے ناں......'' شیریں کا چہرہ اترا ہوا تھا مگر آنکھوں میں ایک عزم تھا۔ ماہم اور سومیہ نے اسے محبت سے دیکھا۔

''شیریں کے مثبت رویے نے میری ہمت بندھائی پھر میں نے اپنا منصوبہ اس کے آگے رکھا...... یہ بیچاری تھوڑی سی ردوکد کے بعد مان ہی گئی۔'' ماہم نے ساری حقیقت بیان کر دی۔

''سومیہ پلیز......ویسے تو یہ الفاظ ان بدصورت لمحوں کا ازالہ نہیں کر سکتے جو مشہود کی وجہ سے تم نے جھیلے...... مگر...... پھر بھی میرے بھائی کو معاف کر دینا......اسے دل سے بددعا نہیں دینا۔'' شیریں ایک دم سومی کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

''آپ نے جو کام کیا...... ایسا کرنے کی جرأت بہت کم بہنوں میں پائی جاتی ہے۔'' سومیہ نے بھی فوراً بڑھ کر اسے دلاسا دیا۔

''اچھا......جو ہونا تھا ہو گیا...... میں بھی اسے ایک بری یاد سمجھ کر بھول جاؤں گی......آپ بھی ان باتوں کو دل سے جھٹک دیں......'' سومیہ نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر کہا۔

''دیکھو...... سومیہ...... مشہود ہم پانچ بہنوں کا

اکلوتا بھائی ہے۔ دل کا اتنا برا نہیں مگر ابا کی بے جا سختی اور اماں کے لاڈ پیار نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ شاید اسی لیے اس سے یہ غلطی ہوئی۔ آج ماہم کے کہنے پر اسے جو سبق ملا ہے، مجھے امید ہے کہ اب وہ کسی غیر لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔'' شیریں نے بھائی کی صفائی دی۔

''شیریں آپ فکر نہیں کریں...... سومیہ بہت نرم دل لڑکی ہے...... بات کو یہیں ختم سمجھیں......'' ماہم نے نرم لہجے میں شیریں کو سمجھایا تو وہ مسکرا کر اجازت طلب کرنے لگی۔

''یہ...... عبایا؟'' سومیہ نے ہچکچا کر پوچھا۔

''اب راستے میں تو تبدیل کر نہیں سکتے...... کوئی بات نہیں میں کل ماہم کے گھر بھجوا دوں گی۔'' شیریں نے مسکرا کر سومی کے گال تھپتھپائے اسے بھی یہ نمکین سی پُرکشش لڑکی بہت اچھی لگی۔ سومیہ نے سر ہلا کر اس کی بات سے اتفاق کیا۔

''سومی...... چلو نہیں...... بھاگو...... اتنی دیر ہوگئی پھپو نے ایک تماشا کھڑا کر دیا ہوگا۔'' ماہم کے یاد دلانے پر وہ چونکی۔

''ہاں ...... آج تو مما...... پاپا کو واپس آنا تھا...... اب تک گھر پہنچ گئے ہوں گے......'' سومی کو یاد آیا تو اس نے ماہم کو بتایا اور اس کی تیز رفتار کا ساتھ دینے لگی۔

''لو آ گئی تمہاری لاڈلی...... پوچھو...... کہاں گئی تھی؟'' وہ دونوں جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، ایک نیا مسئلہ کھڑا تھا۔ منورہ بھائی بھاوج کے سامنے لال پیلی ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ دونوں ابھی آدھا گھنٹا قبل ہی گھر پہنچے تو منورہ نے سوفسانے گھڑ لیے۔

''بیٹا...... آج تو بہت ہی دیر ہوگئی...... خیریت تو رہی؟'' ناعمہ نے شوہر کے اشارے پر آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگا کر پیار سے پوچھا۔ منورہ ماں، بیٹی کا لاڈ پیار دیکھ کر برے، برے منہ بنانے لگیں۔

''سوری...... آنٹی جی...... مجھے ایک ضروری چیز خریدنے مارکیٹ جانا تھا۔ آپ کو تو پتا ہے مجھ سے سومی کے بنا شاپنگ نہیں ہوتی اسی لیے اسے کو چنگ سے ساتھ لے گئی۔'' ماہم نے سہیلی کے چہرے کا رنگ اڑتے دیکھا تو حقِ دوستی نبھاتے ہوئے سارا الزام اپنے اوپر لے لیا۔ ناعمہ اور اکرام علی نے سکون کی سانس لی۔

''بات سنو...... تتلی تم لوگوں کے یہاں یوں لڑکیوں کا آوائی توائی پھرنا اچھا سمجھا جاتا ہوگا...... مگر ہمارا خاندان شریفوں کا ہے...... ایسی باتوں کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔'' منورہ، ماہم کی مداخلت پر جلبلا اٹھیں...... ان کے اندر کئی دنوں سے پکنے والا لاوا ایک دم باہر نکل گیا...... روانی میں ان کے منہ سے ایک بار پھر تتلی نکل گیا۔ جس پر ماہم کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ باقی لوگ سن ہو کر رہ گئے۔

''میں...... میں چلتی ہوں۔'' ماہم نے منورہ کی بات پر بے عزتی محسوس کی۔ وہ جانے کے لیے حقیقتاً پر تولنے لگی مگر سومیہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

''پھپو...... اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ ماہی کو اس نام سے نہ پکاریں۔'' سومیہ سے دوست کی بے عزتی برداشت نہیں ہوئی۔

''بھیا...... ہماری سومی کے منہ میں بھی زبان آگئی...... صحبت کا اثر تو ہونا ہی تھا۔'' منورہ نے بھائی کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''چلیں...... آپا چھوڑیں...... بچیاں ہی ہیں۔'' اکرم علی نے بہن کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''سومی...... آپ لوگ اندر جاؤ۔'' ناعمہ نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ان دونوں نے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

''ایک...... منٹ...... سومی...... یہ کس کا کوٹ اسکارف پہن کر آئی ہو...... تمہارا عبایا کہاں گیا؟'' منورہ نے چونک کر چشمے کی اوٹ سے دیکھا اور کڑک

دار لہجے میں بھتیجی سے پوچھا۔

''مما، پاپا جس لڑکی کو پھپو اتنا برا بھلا کہہ رہی ہیں...... اسی نے آج میری مدد کی......'' سومیہ نے والدین کو سچائی کے ساتھ پورا واقعہ سنایا اور ماہی کی تعریف کی کہ کس طرح اس نے ان دونوں کی غیر موجودگی میں دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے سومیہ کا خیال رکھا۔

''دیکھا...... ہم نے اپنے بچی کو اعتماد دیا تو وہ ترغیب دلانے کے باوجود بگڑی نہیں...... اس کے اندر کوئی گھٹن نہیں تھی جسے وہ باہر نکالنے کے لیے کوئی غلطی کر بیٹھتی...... اس میں ماہم جیسی دوست کا بھی کمال ہے۔ شکریہ بیٹا......!'' ناعمہ نے ترچھی نگاہوں سے منورہ کو دیکھا جو ایک دم سکڑ سمٹ کر بیٹھ گئی تھیں۔

ماہم چپ چاپ کھڑی تھی۔ ساری باتیں سن لینے کے بعد اکرام علی نے ماہم کے سر پر ہاتھ پھیر کر شکریہ ادا کیا۔ منورہ کا منہ اتر گیا۔

''چلو بیٹا...... میں آپ دونوں کو ہاٹ زنگر برگر اور اسپائسی فرنچ فرائز کھلاتا ہوں۔'' اکرام علی نے شرارتی انداز اپنایا تو وہ دونوں ہنس دیں۔ شاید وہ اپنی بہن کی دل شکن باتوں کا کچھ ازالہ کرنا چاہتے تھے اسی لیے گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گئے۔ پیچھے پیچھے وہ دونوں بھی چل دیں۔

''آپا...... لڑکیاں...... تتلیاں نہیں ہوتی...... وہ تو ماں، باپ کی آنکھ کا تارہ ہوتی ہیں...... ہم نے ہمیشہ سومی پر اعتماد کیا...... جب ہی تو وہ سیدھی راہ سے نہیں بھٹکی...... ترغیب ہونے کے باوجود...... اس نے ہمارا اعتبار ٹوٹنے نہیں دیا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی اتنی مضبوط ڈھال بن گئے کہ اسے کسی مصنوعی سہارے کی ضرورت ہی نہیں پڑی...... بس رشتوں کی ڈوری ٹوٹنے سے بچانے کا سب سے آسان نسخہ، اعتماد دے کر، اعتبار قائم کر کے انہیں محبت کی گانٹھ سے کس کر باندھ دینا ہے۔'' ناعمہ نے بڑھ کر منورہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ نگاہیں چرا بیٹھیں۔

''صحیح...... کہہ رہی ہو...... میری سوچ غلط تھی...... منفی سوچ اور اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے میں نے اپنی بیٹی بھی کھودی۔ میں اس کی جدائی سے اندر تک زخمی ہوں مگر انا اور ضد کی وجہ سے پلٹ کر نہیں پکارا۔ اور آج وقت نے ثابت کر دیا کہ میں غلط تھی۔ میری وجہ سے وہ ایسا قدم اٹھانے پر مجبور ہوگئی۔ اُف یہ میں نے کیا، کیا......؟'' منورہ ایک دم ناعمہ کا ہاتھ تھام کر پچھتاوے کا اظہار کرنے لگیں۔

''آبگینے آج کل پاکستان آئی ہوئی ہے۔ سسرال میں رہ رہی ہے...... مجھے فون کیا تھا...... وہ میکے آنے کے لیے تڑپ رہی ہے...... اسے معاف کر کے گلے سے لگالیں آپا...... ابھی وقت باقی ہے۔'' ناعمہ نے ان کی پشت پر ہاتھ پھیر کر نرمی سے کہا۔

''مجھے پتا ہے، اس کا باپ کے پاس فون آیا تھا۔ وہ میکے آنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ بس ناعمہ اب میں خود اپنی بچی کو بلالوں گی۔ اپنے نواسے، نواسی کی محبت سے دامن بھرلوں گی۔'' منورہ نے مسکرا کر کہا تو ناعمہ نے سکون کی سانس لی۔

''آپا...... یہ بہت مناسب اور بروقت فیصلہ ہے۔ یاد رکھیے گا۔ وہ لوگ جن کی نظر ہمیشہ دوسروں کی کوتاہیوں اور غلطیوں پر ہوتی ہیں، وہ خود کو وقت کا خدا سمجھنے لگتے ہیں۔ دوسرے کو غلط مان کر ان پر اپنا نظریہ زبردستی ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ سزا سنا دیتے ہیں پر وہ ایک بات بھول جاتے ہیں کہ انسان تو خطا کا پتلا ہے جب رب کائنات اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے تو کسی کو کیا حق حاصل کہ وہ دوسرے انسان پر جینے کی راہ تنگ کر دے۔'' ناعمہ نے دھیرے، دھیرے کہا تو منورہ نے ندامت سے سر ہلا دیا۔ چھوٹی بھاوج نے بڑی خوب صورتی سے انہیں قائل کر لیا تھا۔

عصمی کے کمرے میں دیوار گیر آئینے میں وہ اپنا مکمل عکس دیکھ کر خود بھی حیران تھی۔ عصمی کی نظروں میں بھی تعریف اور توصیف تھی۔ شہنی بوا نے گھر کے لان میں لگے موتیے کے پودے سے کلیاں توڑ کر بڑی گندھی ہوئی لڑیاں پروئی تھیں۔ جنہیں اب عصمی نے بڑی مہارت سے اس کے بالوں میں سجادیا تھا۔

''بھابی جان......! آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں...... جانے سے پہلے نانو جان سے اپنی نظر

اتروا لیجیے گا۔'' عصمی نے ایک بار پھر اس کی تعریف کی۔

''مجھے کس کی نظر لگے گی؟'' وہ جھینپ کر مسکرائی۔

''میری......'' اسی لمحے ثعلب اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں ہی نہیں نظروں میں بھی وارفتگی تھی۔ وانیہ نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا......

رائل بلیو سوٹ، وائٹ شرٹ، بلیو اور وائٹ ڈاٹس والی ٹائی میں ثعلب نکھرا نکھرا مزید پراعتماد نظر آرہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کے لبوں کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

''اپنوں کی نظر نہیں لگتی۔''

''کبھی کبھی لگ جاتی ہے مائی کوئین۔'' ثعلب ذرا ترنگ میں وانیہ کی طرف بڑھا تو عصمی دونوں کو اس کمرے میں چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ وانیہ نے اس کا جانا محسوس کیا۔

''عصمی کا تو خیال کریں...... کیا سوچتی ہوگی وہ۔''

''کچھ نہیں سوچتی ہوگی...... وہ اب سمجھدار ہے۔''

''اسی لیے کہہ رہی ہوں۔'' وانیہ نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

''کم آن یار......'' ثعلب نے بے پروائی سے کہا۔

''اچھا اب چلیں...... ابھی نانو اور بچوں سے بھی ملنا ہے۔''

''ہاں...... ہاں...... چلو......'' ثعلب نے بڑی ادا سے اپنا ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر بازو کا حلقہ سا بنا کر اسے بھی اپنا بازو کراس کرنے کا اشارہ کیا تو وانیہ اسے دیکھ کر بولی۔

''جی نہیں، میں آپ کے کسی ایسے سین پاٹ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ آپ کو تو خیال ہی نہیں...... بچے بھی موجود ہیں۔''

''تو بچے کیا کہتے ہیں، میرا ہاتھ بھی نہیں تھامو؟''

''بہت سی باتوں کا خیال ہمیں خود ہی رکھنا چاہیے۔ بچوں کے ذہن کچے ہیں، پتا نہیں کب کون سی بات اثر کر جائے۔'' وانیہ کا رویہ ولہجہ متاثر کن تھا۔

''ہوں...... عقلمند ہوتی جا رہی ہو، ہاں بھئی سارا کمال میری صحبت کا ہے...... مزید میری ہم نشینی میں رہیں تو جینئس ہو جاؤ گی۔'' ثعلب نے آخر اس کا بازو تھام کر باہر کھینچا۔ وانیہ کی ہنسی شرارت بھری تھی۔

☆☆☆

عصمی وہاں سے نکل کر نانو کے کمرے میں آگئی تھی۔ بچے بھی وہیں موجود تھے۔ نانو نے وانیہ کو بنا سنورا دیکھتے ہی بے ساختہ کہا۔

''ماشاء اللہ...... میری بیٹی تو واقعی بہت پیاری لگ رہی ہے۔ شہنی بوا...... ذرا بچوں کی نظر تو اتارنا...... چشم بددور......'' شہنی بوا بھی فوراً ہی بھاگی آئیں۔ ان کے ہاتھوں میں کچھ مرچیں اور سفید دھاگے کے ٹکڑے تھے جسے انہوں نے دونوں پر سے وارا...... اور فوراً وہاں سے نکل گئیں۔ عمی حسب توقع بس ہنسے جا رہا تھا۔

وانیہ، نانو سے مل کر بچوں کی پیشانیوں پر محبت بھری مہر لگا کر عصمی کو گلے لگا کر ثعلب کے ساتھ باہر نکل آئی۔

ثعلب نے گاڑی میں رومانوی گانوں کی سی ڈی لگا کر خود بھی ساتھ ساتھ گنگنانا شروع کر دیا۔ سارے راستے اس کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔

عصمی بچوں کو زبردستی کھانا کھلا رہی تھی۔ دونوں ہی اسے تنگ کر رہے تھے...... اسی لمحے کال بیل بجی تو دونوں ہی کرسیوں سے اتر کر دروازے کی طرف بھاگے۔

''آہا...... چاچو آگئے...... چاچی آگئیں......''

دونوں کا شور پورے گھر میں گونج رہا تھا۔ نانو بھی حیران تھیں۔ اتنی جلدی کیسے آسکتے ہیں۔ ابھی تو گئے تھے...... شہنی بوا دروازہ کھولنے لپکی تھیں۔ عصمی بھی ڈائننگ روم سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو حیران رہ گئی۔ صبحی آپی گولڈی کو گود میں لیے بڑھی چلی آرہی تھیں۔

''آپی......! اچانک......'' عصمی بھی چیخ اٹھی تھی۔ صبحی بنا اطلاع کے اچانک ہی آئی تھیں۔

''سرپرائز......'' صبحی آپی بھی خاصی خوش نظر

آ رہی تھیں۔

''سب کہاں ہیں؟'' صبحیٰ نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

''ہم سب کھانا کھا رہے تھے اور ممی بھائی اور بھابی جان تو آج حسن بھائی کے گھر گیٹ ٹوگیدر میں گئے ہیں۔''

''اچھا...... تو یہ ٹھاٹ ہیں آنے دو پوچھتی ہوں۔''

''میں فون کردوں......؟'' عصمیٰ بھی بے چین ہوئی۔

''نہیں...... نہیں، انہیں انجوائے کرنے دو...... میں ابھی دو دن یہیں ہوں......'' عصمیٰ نے بہن کو دیکھ کر قدم بڑھائے...... نانو بھی انہیں دیکھ کر حیران تھیں۔

''اطلاع کیوں نہیں دی؟ وانیہ کو معلوم ہوتا تو وہ نہ جاتے...... بلکہ وہ تو جانا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔'' نانو نے بھی اظہار کیا تو صبحیٰ مسکرا دی۔

''بس اچانک ہی آنے کا پروگرام بن گیا...... یہاں ایک دو کام تھے...... ایسی کیا بات ہے، فارغ ہو کر گھر ہی آئیں گے...... ابھی تو میں بھی کھانا ہی کھاؤں گی...... کیا پکا ہے؟'' صبحیٰ آپی نے ایک کرسی سنبھالی۔

''وانیہ بھابی بنا کر گئی تھیں آلو گوشت اور چاول آج میں نے بنائے ہیں۔ اگر آپ کو کباب وغیرہ کھانا ہیں تو فریزر میں ہیں۔ بوا سے کہیں فرائی کردیں گی۔'' عصمیٰ نے خاصی خوشی سے بتایا تو صبحیٰ نے پہلے اشارے سے منع کیا پھر پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے بولی۔

''ہوں تو اب ہماری چھٹکی بھی گھر داری سیکھ رہی ہے۔ اچھی بات ہے، بیٹھو کھانا کھاؤ......'' صبحیٰ کی بات پر عصمیٰ کچھ جھینپ کر بیٹھ گئی۔ بچے بڑی پھپو کو دیکھ کر آرام سے کھانے بیٹھ گئے تھے۔

''ہاں بھئی اچھی بات ہے، پڑھائی کے ساتھ، ساتھ بچیوں کو آہستہ آہستہ گھر داری بھی آنی چاہیے تاکہ شادی کے بعد سسرال میں جا کر کوئی مشکل نہیں ہو۔ ماشاء اللہ ہماری وانیہ نے تو آتے ہی گھر سنبھال لیا۔ سچی بات ہے تمکین کی کمی پوری ہوگئی۔'' نانو نے اپنی نرم بیانی سے وانیہ کو جس طرح سراہا صبحیٰ آپی کو وہ سرشار کر گیا۔ آخر وہ انہی کا انتخاب تھی۔

☆☆☆

پارٹی میں ثعلب کے کئی شادی شدہ دوست مدعو تھے اور سبھی نے وانیہ کو سراہا تھا۔ ثعلب کی شوخ نظروں کے حصار میں وہ سبھی کے شوخی بھرے فقروں پر قدرے نروس ہو رہی تھی۔ ثعلب کے ایک دوست سالار کی بیوی ثمینہ آخر اسے ایک طرف لے کر بیٹھ گئی۔ سالار اور ثمینہ، ثعلب کے یونیورسٹی فیلو بھی تھے۔ باتوں، باتوں میں ثمینہ نے رومانہ کا بھی ذکر چھیڑ دیا۔

''وانیہ آپ تو بہت ہی سمپل ہیں۔ باتوں میں بھی اور......'' ثمینہ نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس کے حلیے...... پر بھی...... جیسے تنقید کی۔

''سمپل ہونا اگر خوبی نہیں ہے تو میرا خیال ہے یہ اتنی بڑی خامی بھی نہیں......'' وانیہ نے پہلی بار ذرا اعتماد سے جواب دیا تو وہ یک دم لہجہ بدل کر بولی۔

''وانیہ تم غلط سمجھ رہی ہو...... دیکھو...... شاید تمہیں معلوم ہو...... رومانہ سے ہی تو کالج، یونیورسٹی میں اصل فیشن شروع ہوتا تھا۔ بہت ماڈرن اور بولڈ تھی وہ...... اور ثعلب بھائی اس کے دیوانے...... تمہیں ثعلب بھائی نے کبھی نہیں کہا کہ تم بھی ذرا ماڈرن لک دو خود کو۔''

''مجھے تو کبھی نہیں کہا اور بھابی ہر انسان کی اپنی ایک الگ شخصیت ہوتی ہے۔ میں انہیں ایسے ہی پسند ہوں۔''

''حیرت ہے بھئی...... مردوں کی پسند بدلا تو نہیں کرتی...... پہلی محبت تو خصوصاً دل پر نقش رہتی ہے۔ چلو خیر یہ تو اچھی بات ہے، وہ تمہیں احساس نہیں دلاتے...... ورنہ تو لائف بہت مشکل ہوجاتی......'' ثمینہ نے اپنے شولڈر کٹ گولڈن اسٹریپ کٹنگ بالوں کو اس طرح انگلیوں سے سنوارا جیسے پانی میں کوئی لہر اٹھی ہو۔ اس کے ناز و انداز اور بانکپن اسے اصل عمر سے کافی چھوٹا دکھا رہے تھے۔ وانیہ کو اس کے مصنوعی

پن سے ایک دم الجھن سی ہونے لگی۔ اس کا دل و دماغ مکدر سا ہو رہا تھا۔ سبھی اپنے آپ میں مگن تھے۔

ثعلب بھی ذرا فاصلے پر موجود تھا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ ثمینہ کے سیل فون پر کسی کی کال آ گئی تو وہ اٹھ کر ایک طرف چلی گئی۔ کچھ لمحوں بعد ممی بھی اس کے پاس آ بیٹھا۔

''کیا ہوا...... بور ہو رہی ہو......؟'' ممی نے اس کے چہرے پر بیزاری دیکھ کر پوچھا۔

''شاید...... پلیز ذرا جلدی نمٹیے...... بس مجھے گھر لے چلیں۔'' وانیہ کی بات نے ثعلب کو حیران کر دیا۔

''اتنی جلدی......؟ اینی پرابلم...... ثمینہ نے کچھ کہا ہے......؟'' ثعلب نے اپنے تئیں قیاس کیا۔

''کسی نے کچھ نہیں کہا...... بس میں گھر واپس جانا چاہ رہی ہوں۔ میری طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے۔ آپ چلیں۔'' وانیہ نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور انگلیوں سے پیشانی کو مسلا بھی...... ثعلب نے بغور اسے دیکھا۔ تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ ثعلب نے اپنے آس پاس دیکھا...... سبھی آپس میں مگن تھے۔ وہ بھی ایک طرف ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔

''کیسا فیل کر رہی ہو؟''

''میں بتا نہیں سکتی...... پلیز ممی......'' وانیہ نے پہلی بار اسے ممی کہہ کر مخاطب کیا تو ثعلب کی آنکھوں میں نئی چمک کوندی۔

''پھر...پھر سے کہو......''

''کیا کہوں......؟'' وہ زچ ہو کر بولی۔ اسے اپنی کیفیت خود سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''ممی......!''

''یا اللہ...... آپ کو میری ساری بات میں بس یہی سمجھ آیا ہے۔'' وانیہ نے ایک بار پھر کوفت سے کہتے ہوئے اپنی پیشانی مسلی۔

''یار...... تھوڑا صبر سے کام لو...... اس طرح پارٹی چھوڑ کر جانا کیا اچھا لگے گا؟'' ثعلب نے بہت دھیمے، دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا تو وہ مزید بے چین و بے قرار ہو کر بولی۔

''اور میرا دل جو الٹ کر باہر آ جائے گا۔''

''اچھا...... چلو پھر الٹوا اپنا دل، اس کے لیے میری ہتھیلی حاضر ہے۔ میں بھی گاتا پھروں گا...... آپ کا دل...... ہمارے ہاتھ پر ہے، ہمارا دل......'' ثعلب اس کی حالت کا نوٹس لیے بغیر خاصا شوخ ہو گیا وانیہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے وہ ترنگ میں گیت گنگنا رہا تھا۔

''آپ کو شرارت سوجھ رہی ہے اور میری جان پر بن رہی ہے۔ مجھے یقین ہے اگر مزید یہاں رکی تو میرا تماشا بن جائے گا۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں ثعلب......'' وانیہ نے زچ ہو کر اٹھنے کی کوشش کی مگر آنکھوں کے آگے اندھیرا سا آنے کی وجہ سے پھر سے بیٹھ گئی۔ اس کا دل اتھل پتھل ہو رہا تھا۔

''کیا سمجھوں میں...... تمہاری نیت میں پہلے سے خلل تھا۔''

''ٹھیک ہے بس یہی سمجھیں۔ میں جا رہی ہوں، گاڑی کی چابی دیں، میں گاڑی میں بیٹھوں گی جا کر...... آپ کا جب دل چاہے آ جایئے گا۔'' وہ ایک دم جانے کے لیے کھڑی ہو گئی تو ثعلب نے اسے حیرت سے دیکھا اسی لمحے میزبان خاتون فاریہ حسن بھی اِدھر آ نکلیں۔

''ارے آپ لوگ ایسے ہی بیٹھے ہیں، سوئٹ ڈش تو ٹیسٹ کریں ناں...... وانیہ بھابی آپ نے کھانا بھی بس چکھا ہی تھا۔ ارے کیا ہوا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ماریہ کی نگاہ یک دم اس کے رنگ بدلتے چہرے پر ٹھہر سی گئی۔ وہ خاصی تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔ فاریہ کی تشویش پر ثعلب نے بھی اسے دیکھا۔

''نہ...نہیں وہ بس...... طبیعت اچانک بوجھل ہو گئی ہے...... تو پلیز......'' وانیہ سے بات نہیں ہو رہی تھی۔

''آپ کی حالت تو کافی بدل گئی ہے۔ میں ڈاکٹر کو فون کر کے بلواتی ہوں۔'' فاریہ کی تشویش ثعلب کو بھی متوجہ کر گئی۔

''نہیں...... آپ رہنے دیں...... میں راستے

میں کسی ڈاکٹر کو دکھادوں گا۔بس حسن کو بلوادیں ، میں اس سے ایکسکیوز کرلوں۔'' فاریہ نے آواز دے کر حسن کو بلالیا۔ثعلب کے باقی دوست بھی چلے آئے۔ اور ساتھ ان کی بیویاں بھی...... سبھی اپنی، اپنی رائے دینے لگے۔ثعلب برجستہ جواب دے رہا تھا۔فاریہ گاڑی میں بیٹھنے تک تاکید کرتی رہی کہ اسے جاتے ہوئے ضرور کسی ڈاکٹر کو دکھایئے گا۔

گاڑی حسن کے گھر سے ذرا دور آئی تھی کہ وانیہ نے بے اختیار ہی ثعلب کا بازو پکڑ کر بہ مشکل کہا۔

''ممی......وہ......'' اسے ابکائیاں آرہی تھیں۔

''گا......ڑی روکیں۔'' گاڑی کے ٹائر بڑی زور سے چرچرائے تھے۔ثعلب کی گاڑی بیچ سڑک میں رکی تھی اور وانیہ فوراً ہی گاڑی سے اتر کر ایک طرف بھاگی تھی۔ اس نے جو کچھ بھی پارٹی میں کھایا تھا اسی طرح الٹ دیا تھا۔ثعلب بھی اتر کر اس کی طرف لپکا......وہ سڑک کے کنارے جھکی کھڑی تھی۔ممی کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آرہی تھی۔ممی نے اسے سنبھالا تو وہ نڈھال سی اس کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھی۔سر سیٹ کی پشت پر ڈال کر وہ جس طرح بے دم ہوئی تھی وہ انداز ثعلب کے لیے پریشانی کا باعث تھا۔ڈرائیونگ سیٹ پر آکر اس نے بڑی بے قراری سے اس کی نم آلود پیشانی کو چھو کر پکارا۔

''وانیہ......نیا......کیا ہوا ہے......پلیز بولو تو......''

وانیہ آنکھیں موندھے بالکل خاموش تھی۔ثعلب زور، زور سے اس کے گال تھپتھپانے لگا۔

''نیا......میری جان تم ٹھیک تو ہو......؟''

وانیہ کچھ لمحوں بعد گہری سی سانس کھینچ کر سیدھی ہوگئی۔

''میں......ٹھیک ہوں......'' نقاہت اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

''آئی تھنک تمہیں فوڈ پوائزن ہوگیا ہے۔'' ثعلب نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے خاصی فکرمندی سے اظہار کیا۔

''شاید......'' وانیہ کے جیسے لب ہلے تھے۔

''مگر......یار......تم نے تو وہاں بالکل ذرا سا کھایا تھا پھر بھی......یقیناً تمہیں کسی کی نظر لگی ہے، تم لگ بھی تو بہت خوب صورت رہی ہو ناں......اور تمہارے بال......خدا کے لیے آئندہ کہیں کھلے چھوڑ کر مت جانا۔ ساری خواتین تمہیں ہی گھور رہی تھیں۔'' ثعلب اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ کرتا گاڑی چلا رہا تھا۔

''یہ بات آپ مجھے کتنی بار بتائیں گے، پلیز جلدی گھر چلیں۔'' وانیہ نے اسے ترچھی نظر سے دیکھا۔

''کتنی بار......؟ مجھے تو لگتا ہے پہلی بار کہا ہے۔''

''اُف......آپ تو دیوانے ہورہے ہیں، سارا قصور آپ کا ہے۔آپ ہی مسلسل مجھے گھور رہے تھے، میں نانو سے کہوں گی کہ......'' وانیہ اب قدرے بہتر محسوس کررہی تھی۔

''شوہر کی محبت کو گھورنا کہتی ہو......صحیح جارہی ہو......بالکل ٹھیک......'' ممی نے مصنوعی خفگی سے کہہ کر اسے دیکھا تو وانیہ گڑبڑا گئی۔

''آپ خفا ہوگئے......میں تو مذاق کررہی تھی۔''

''مذاق کے لیے طبیعت درست ہوگئی۔'' ثعلب نے اسے مصنوعی سنجیدگی سے چھیڑا۔

''آپ کا مطلب ہے کہ میں جھوٹ بول رہی تھی۔''

''لگتا ہے بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا ہے۔''

''نہیں...... میں تو اتنا بڑا ڈراما کررہی تھی ناں......'' وہ سچ مچ بگڑ اٹھی۔اس کی طبیعت ہی ایسی ہورہی تھی۔وہ خود پر کنٹرول نہیں رکھ پارہی تھی۔

''کول ڈاؤن ڈیئر......تمہاری طبیعت پھر بگڑ جائے گی اور میں گھر پہنچنے تک پھر سے اسی سچویشن کو فیس کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔سو پلیز کنٹرول یور سیلف......'' ممی محض دل لگی کرتا اسے چھیڑ رہا تھا مگر وہ ایک دم سنجیدہ ہوکر رو پڑی۔ذہن کے کسی گوشے میں ثمینہ کی باتیں بھی گردش کررہی تھیں۔

''کیا...... آپ......؟''

''ار...... رے...... یار ہنی...... مذاق کر رہا تھا میں...... ہو کیا رہا ہے آج...... کبھی شعلہ، کبھی شبنم......''

ثعلب نے ایک ہاتھ سے........ سنبھال کر دوسرے سے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر اسے حوصلہ دیا۔ ''میں آج جتنا موڈ میں تھا اتنا ہی تمہارے موڈ نے ستیاناس کر دیا۔ مسئلہ کیا ہے؟ کل سے ڈسٹرب ہو تم...... بتاؤ مجھے۔'' وانیہ نے اس کی شکایت پر ایک دم دوسرے ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کیے اور بڑھ کر اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کا رویہ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

''سوری...... ممی...... پتا نہیں کچھ دن سے میں اچانک اپ سیٹ ہو جاتی ہوں۔ مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ کیوں...... بس......'' اس کے اعتراف پر ممی نے قدرے بے قرار ہو کر ذرا کی ذرا اسے دیکھا۔

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ڈاکٹر کو دکھایا ہوتا۔ میں خود ڈاکٹر سے ٹائم لے لیتا بلکہ ابھی لے کر چلتا ہوں۔''

''نہیں...... ابھی گھر چلیں...... میں کل ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤں گی۔''

''دیکھ لو یار تمہاری یہی کنڈیشن رہی تو میرا گزارہ کیسے ہو گا۔''

''میں اب آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔''

''اچھا...... مجھے تنگ نہیں کرو گی تو پھر کسے تنگ کرو گی؟''

''ثعلب...... مجھے ایک بات بتانی ہے آپ کو......'' کچھ توقف کر کے وہ بولی۔

''ہوں...... کہو...... میں سن رہا ہوں۔'' ممی نے سامنے سے نظر ہٹا کر پھر سے اسے دیکھا۔

''پہلے آپ وعدہ کریں، مجھے تنگ نہیں کریں گے۔'' وانیہ سنبھل کر بیٹھ گئی تھی۔

''کوئی خاص...... بات ہے؟'' ممی کو ذرا سا تجسس ہوا۔

''بہت خاص......

''بتاؤ تو......''

''پہلے وعدہ کریں۔'' وانیہ نے اصرار کیا تو اس بار وہ قدرے حیران ہوا۔

''میں جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتا...... تم جانتی ہو میں تمہیں چھیڑے بنا نہیں رہ سکتا۔''

''اچھا یہ وعدہ تو کر سکتے ہیں کہ ابھی کسی کو نہیں بتائیں گے۔''

''یہ تم مجھے کوئی خاص بات بتا رہی ہو یا مجھ سے کوئی بل پاس کروا رہی ہو؟'' وہ ایسے بولا جیسے اسے وانیہ کی خاص بات والی حقیقت پر شبہ ہو۔

''سرپرائز ہے ناں...... ابھی میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔ پہلے آپ کو ہی پتا لگے گا...... مگر......'' وانیہ کا رویہ پہلی بار اس قدر تجسس آمیز تھا۔

''کوئی خزانہ مل گیا ہے یا کوئی لاٹری نکل آئی ہے؟'' ثعلب کی سنجیدگی میں بھی شوخی تھی۔

''دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔'' وہ بھی نظریں جھکا کر مسکرائی۔

''مجھے لگتا ہے تم بھی سیریس نہیں ہو نیا...... مجھے الو بنانے کی کوشش ہے۔''

''پہلے سے بنے ہوئے ہیں...... مزید میں کیا کر سکتی ہوں۔'' وانیہ نے برجستہ شوخی دکھائی تو ثعلب اس بار تو بے حد حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''یہ تم ہی ہو......؟ ذرا چٹکی تو کاٹوں...... میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔''

''جو خبر میں آپ کو دوں گی، اسے سن کر شاید آپ کے ہوش اڑ جائیں۔'' وانیہ اب جس طرح چہک رہی تھی وہ حیران کن بات تھی۔

''ایسی خبر ہے تو رہنے دو ابھی میں ڈرائیونگ سیٹ پر ہوں۔ یہ کام بیڈ روم میں جا کر کرنا...... ایسا نہ ہو میرے ہوش اڑاتے، اڑاتے تمہارے بھی فلائی کر جائیں۔ بس گھر آ گیا ہے۔ کمرے میں چل کر بتانا۔''

اوکے......'' گاڑی گیٹ پر روک کر ہارن دیتے ہوئے ثعلب نے غیر سنجیدگی سے کہا تو وہ ذرا خفا ہوئی۔

''آپ کبھی سیریس نہیں ہوتے......'' چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ ثعلب گاڑی اندر لے گیا۔ وہ لوگ جلدی لوٹ آئے تھے، گھر کی تقریباً سبھی بتیاں روشن تھیں۔ وانیہ کو اتر کر کھڑے ہونے میں ذرا دقت ہوئی تھی۔ ثعلب اسی کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دم تشویش سے اس کی طرف بڑھا۔

''یار میں واقعی تمہاری کنڈیشن کو سیریس نہیں لے رہا تھا۔ مگر تم تو اچھی خاصی زرد ہو رہی ہو۔ نانو کو تو فکر ہوگی۔'' وہ اس کے ساتھ اندر بڑھتے ہوئے اسے تسلی دینے لگی۔

''آپ فکر نہیں کریں، میں انہیں سنبھال لوں گی۔'' وہ ممی سے بھی پہلے اندر بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

نانو جان، صبحیٰ آپی، عصمیٰ اور بچے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سنی اور گولڈی اپنی پسند کے کارٹون دیکھ رہے تھے۔ جبکہ نانو اور آپی باتوں میں مگن تھیں۔ تبھی وانیہ اور ممی السلام علیکم کہتے اندر داخل ہوئے۔ جہاں ان کے جلدی آنے پر سبھی حیران ہوئے وہیں وہ دونوں بھی آپی اور بچوں کو موجود دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وانیہ جلد ہی سنبھل کر صبحیٰ کی طرف بڑھی اور پھر جا کر ان سے لپٹ گئی۔

''بھابی جان آپ اچانک......''

''ہاں، بھئی ایک دو ضروری کام نمٹانے تھے اور پھر تم لوگوں کو دعوت بھی دینی تھی۔ چار مہینے ہوگئے ہیں شادی کو یہاں ابھی تک دعوتیں چل رہی ہیں۔ اور ہمیں تم لوگ ٹال رہے ہو۔'' صبحیٰ آپی نے ہنستے، ہنستے شکوہ کیا تو ثعلب بھی سامنے آبیٹھا۔

''چار مہینے ہوگئے؟ واقعی...... نیا تم نے مجھے بتایا نہیں......'' بولتے، بولتے اس نے شرارت سے وانیہ کو آنکھ بھی ماری تو وہ گھور کر رہ گئی۔

''چھوڑ دو یہ ایکٹنگ، تم اسے بنایا کرو جو تمہیں نہیں جانتا......'' آپی نے اسے مصنوعی خفگی سے ڈانٹا۔

''ہائے...... آپ اپنے بھائی پر شک کر رہی ہیں۔ قسم لے لیں میں تو بالکل تیار تھا۔ آپ کی نند نے ہی مجھے نہیں کہا۔''

''بالکل جھوٹ بھابی جان...... انہیں خود فرصت نہیں تھی۔ میں نے تو کہا تھا...... مگر......'' وانیہ نے فوراً صفائی دی۔

''چاچی آپ جلدی آگئیں۔ ہم اب آپ سے اسٹوری سنیں گے۔'' سنی اور گولڈی اس کے پاس آکر اس کی گود میں چڑھ گئے تو وہ انہیں سر ہلا کر مطمئن کرنے لگی۔ جبکہ عصمیٰ بھی ان کے جلدی آنے پر تعجب ظاہر کر رہی تھی۔

''ہا...... ں...... وہ اچانک......'' وانیہ سے بات بنانی مشکل ہوئی۔

''گئے بھی تھے یا نہیں...... دونوں میں یہیں سے ٹھنی ہوئی تھی؟'' نانو نے بغور دونوں کو دیکھا۔ جیسے دونوں کے مابین ناراضی ڈھونڈ رہی ہوں۔

''نانو جان ہم گئے تھے وہاں...... اچانک میرے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ اس لیے ہم جلدی واپس آگئے۔'' وانیہ نے رسانیت سے جواب دیا تو نانو مزید فکر مند ہوگئیں۔

''سر میں درد تو تمہیں کل سے ہے بیٹی...... ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھایا؟''

''معمولی سا درد ہے نانو جان...... میں نے وہاں ٹیبلیٹ لے لی تھی۔ آپ ثعلب سے پوچھ لیں۔'' ثعلب اس کے پاس ہی آبیٹھا تھا۔ وانیہ نے تائید چاہی تو وہ بے ایمانی سے مسکرا دیا۔

''جھوٹ بولے کوا......'' وانیہ نے بے اختیار ساتھ بیٹھے ممی کو چٹکی کاٹ کر کسی مزید شرارت سے روکا۔

''اُف...... یہاں کوئی چیونٹی ہے، بڑی زور سے کاٹتی ہے۔'' ثعلب مصنوعی طور پر کراہا تھا آپی سامنے

بیٹھی دیکھ رہی تھیں۔

''ممی...... کیا بات ہے، تم دونوں کچھ چھپا رہے ہو؟''

''ہاں تو...... دیکھو ذرا......'' نانو نے بھی تشویش ظاہر کی۔ ''معمولی سے درد سے شکل ایسی پھیکی ہوگئی ہے۔ شام کو تو ایسی نکھری اجلی گئی تھیں۔ بچوں...... یہ معمولی درد بھی کبھی، کبھی جان لیوا بن جاتے ہیں۔ میں نے بھی کبھی پروا نہیں کی تھی۔ بار بار ٹانگ میں اٹھنے والی سنسناہٹ نے آخر معذور کر دیا ناں......''

''اوہ نانو...... آپ اس طرح مت سوچیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وانیہ ان کی شفقت پر متاثر ہو کر بولی تو ثعلب نے بھی ان کی تشفی کے لیے اپنے مخصوص شریر انداز میں کہا۔

''ایکچوئیلی نانو...... ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا، آپ کا وہم پورا ہوگیا ہے۔ آپ کی بہو رانی کو نظر لگ گئی ہے اور بقول محترمہ کے وہ بھی میری......''

''مجھے پہلے ہی خدشہ تھا۔ لگ بھی تو کتنی پیاری رہی تھی میری بچی، تمہیں کہا تو تھا راستے میں ہی کچھ صدقہ دے دینا۔''

''نانو...... اب کیا ہوسکتا ہے، اب تو لگ چکی......'' ثعلب نے پھر چھیڑا۔

''تمہیں کیا پتا بچے صدقات سو بلائیں ٹالتے ہیں۔ صبح میں خود ہی صدقہ دوں گی۔'' نانو نے ذرا خفگی سے کہا تو وانیہ نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا جبکہ صبیحی آپی مسکرا دیں۔

''نانو آپ اس کی مذاق کی عادت تو جانتی ہیں۔''

''چلو بچو! اب سونے چلو......'' وانیہ نے گود میں اونگھتی گولڈی کو تھپتھپا کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ عصمیٰ اسی وقت سب کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔

''بھابی جان...... آپ چائے نہیں پئیں گی۔''

''نہیں، میرا دل نہیں چاہ رہا......'' میں نی گولڈی کو سلا کر چینج کر کے آتی ہوں...... آپی آپ ابھی یہیں بیٹھیں گی ناں......''

''ہاں...... مگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم آرام کرنا...... صبح تفصیل سے باتیں ہوں گی۔'' آپی نے بھی اسے اپنائیت سے مشورہ دیا تو وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بچوں کا ہاتھ تھامے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

''میں نے سنا ہے تم وانیہ کو بہت تنگ کرتے ہو۔'' صبیحی آپی نے وانیہ کے جاتے ہی ثعلب سے پوچھا تو وہ ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔

''یہ ہوائی کس دشمن نے اڑائی ہے؟ بلائیں ذرا میرے سامنے......''

''مجھے وانیہ نے کچھ نہیں کہا۔''

''پھر......؟''

آپی نے اسے گھورا۔

''پھر کچھ نہیں...... وانیہ ہمیشہ تمہاری تعریف ہی کرتی ہے۔ یہ تو میرا اندازہ ہے کہ تم اسے چین نہیں لینے دیتے ہوگے۔'' انہوں نے فوراً وانیہ کا دفاع کیا۔

''پتا ہے کیا......؟ اس وقت آپ مجھے اپنی سسرال کیمپ سے لگ رہی ہیں۔ بھائی کے بجائے نند کی بڑی فکر ہے۔''

''ہاں تو کیوں نہ ہو...... تمہارے بچپنے سے آگاہ جو ہوں۔ کسی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیتے ہو تم......''

صبیحی نے اسے اس کے انداز میں جواب دیا۔

''آپی اب میں بڑا ہوگیا ہوں۔ اتنا نہ ڈانٹا کریں پلیز......'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''نئی اطلاع ہے......'' آپی اور وہ ساتھ، ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ تبھی کال بیل ہوئی، باہر چوکیدار تھا تو سب اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھے رہے۔

بیرونی دروازے سے لاؤنج میں آنے والی ہستی کا ''السلام علیکم'' نہ صرف حیران کر گیا بلکہ سبھی کے چہروں پر تاریک سا سایہ لہرا گیا۔ نانو، صبیحی، ثعلب، عصمیٰ سب مبہوت رہ گئے...... وہ ہستی یقیناً رومانہ تھی۔

وہ سبھی کو حیران دیکھ کر دروازے میں جمی کھڑی رہ گئی۔ شہنی بوا اس کا سامان رکھ کر واپس چلی گئی تھیں۔ اس نے اپنا شولڈر بیگ بھی کندھے سے اتار کر وہاں رکھا اور خود آگے بڑھ آئی۔ بلیک اور گولڈن کیولاٹ پر گولڈن پرنٹڈ شرٹ اور گولڈن اسکارف گلے میں ڈالے۔ وہ پہلے والی رومانہ کہیں سے نہیں لگ رہی تھی۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھ آئی تھی۔ سب کی آنکھوں میں بے یقینی ہنوز قائم تھی۔

''میرا آنا..... آپ سب کو یقیناً حیران کر رہا ہے؟'' اس کی آواز کی گونج نے جیسے طلسم کو توڑا۔ سب کسی خواب سے جاگے تھے اور رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔ آپی کے چہرے پر صاف تحریر تھا کہ انہیں رومانہ کی آمد اچھی نہیں لگی۔

''اب تم یہاں.....؟'' وہ اپنی حیرت چھپا بھی نہیں سکیں۔

''کیا.....؟ آپ سب کو میرا آنا اچھا نہیں لگا؟ میرا مطلب ہے مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' اس نے براہِ راست ثعلب کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔

''آپ سبھی ناراض ہیں..... تو ٹھیک ناراض ہیں۔ ماما، پاپا نے کچھ اچھا بھی تو نہیں کیا تھا۔'' اس نے اپنے بیٹھنے کے لیے خود ہی جگہ چنی..... ثعلب کے سامنے اور نانو کی وہیل چیئر کے پاس ایک صوفہ خالی تھا، وہ وہاں ہی بیٹھ گئی اور اپنی بات جاری رکھی۔

''وہ دونوں بھول گئے تھے کہ جب ہم دوسروں کے لیے اچھا نہیں کرتے تو ہمارے ساتھ بھی اچھا کیسے ہوسکتا ہے۔ میں سب کچھ بھلا کر آپ سب کے پاس آئی ہوں..... کیونکہ وہ دونوں اب اس دنیا میں نہیں رہے۔''

''کیا.....؟'' سبھی کا ردِعمل بے ساختہ تھا، صبحی آپی جو ثعلب کے قریب بیٹھی تھیں وہ بھی اٹھ کر رومانہ کے قریب دوسرے صوفے پر آ بیٹھیں۔

''نہیں..... کیا ہوا.....؟'' آپی نے بے یقینی کے ساتھ استفسار کیا تو وہ نظریں جھکا کر بھرائی آواز میں بولی۔

''چند ماہ پہلے کار ایکسیڈنٹ میں وہ مجھے تنہا کر گئے۔ اپنی تنہائیوں سے ہی تنگ آ کر میں یہاں آپ سب کے پاس آئی ہوں، میرا اب آپ کے علاوہ ہے ہی کون.....'' (آپی کا دل چاہا کہ پوچھیں تمہاری وہ پھپو کہاں گئیں جو تم سب کو یہاں سے بھگا کر لے گئی تھیں) مگر انہیں لحاظ و مروت مار گئی۔

''میں کچھ دن یہاں رہنے آئی ہوں، کیا آپ لوگوں کی اجازت ہے؟'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

''ہاں کیوں نہیں..... تمہاری ماں اس گھر کی بیٹی تھی..... اسی ناتے تمہارا بھی ان بچوں کے ساتھ خون کا رشتہ ہے۔ ماضی کے برے دنوں کو ہم بھی بھلا چکے ہیں، تم بھی بھول جاؤ..... جب تک دل چاہے رہو..... یہ تمہارے بھائی، بہن، تمہارے دکھ میں شریک ہیں۔ خود کو تنہا مت سمجھو.....'' نانو نے فراخدلی سے کہا۔ ثعلب کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے..... عصمیٰ اور آپی کے چہرے پر البتہ کشمکش تھی۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ رومانہ کی موجودگی پر وانیہ کا ردِعمل کیا ہوگا۔

''عاص..... اٹھو بیٹا! بوا سے کہو..... بہن کے لیے کھانا گرم کرے۔'' نانو نے عصمیٰ کو مخاطب کر کے نظروں سے بھی اشارہ کیا جیسے وہ چاہتی ہوں عصمیٰ رومانہ کو وہاں سے لے جائے۔

''نہ..... نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، نہ ہی طلب ہے۔'' اس کی نگاہیں ثعلب پر ٹکی تھیں۔ جن میں صاف لکھا تھا۔

''سوائے ثعلب کے.....'' ثعلب نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اسی لمحے وانیہ بھی ذرا فاصلے سے بولتی چلی آئی۔

''کون آیا ہوا ہے۔'' اس نے ابھی تک ساڑی چینج نہیں کی تھی۔ بس بچوں کو سلا کر آ گئی تھی۔ اس نے

رومانہ کو نہیں پہچانا تھا۔ ویسے بھی رومانہ اپنی تصویروں سے یکسر مختلف دکھائی دے رہی تھی۔ وانیہ اپنی مدھر آواز بکھیرتی ثعلب کے پہلو میں آکر بیٹھ گئی۔ رومانہ کی پہلی نظر متعجب، دوسری تنقیدی اور تیسری چبھتی ہوئی تھی۔ سبھی کی کشمکش مزید بڑھ گئی۔

''ارے...... مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' وہ ہولے سے مسکرائی۔ اس کے لہجے کی کھنک نے ثعلب کو حوصلہ دیا تھا۔ اس کے حواس واپس لوٹ آئے تھے۔

''اس لیے کہ تم نے ابھی تک چینج نہیں کیا۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آرام کرنا تھا یار......'' ثعلب کا وہی لب ولہجہ تھا۔ رومانہ حیرانی سے انہیں دیکھے جارہی تھی۔

''آپی سے تو میں ٹھیک طرح سے ملی بھی نہیں۔ وہ آئی ہیں اور میں آرام کرتی رہوں یہ اچھی بات ہے کیا؟'' وانیہ نے فوراً جواب دیا۔

''تو...... تم چاہتی ہو آپی سے مل کر انہیں فوراً رفو چکر کردو...... سن لیں آپی، آپ کی نند صاحبہ آپ کو یہاں ٹھہرانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔'' ثعلب اپنی جون میں تھا۔ آپی بھی ذرا مطمئن ہوکر مسکرادیں۔

''آپی...... آپ بالکل یقین مت کریں...... یہ تو ایسے ہی کہتے ہیں۔'' آپی کو یقین دلانے کے ساتھ اس نے رخ موڑ کر ممی کو خفگی سے دیکھا بھی۔

''ممی بھی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ صبحی ابھی دو تین دن رہے گی۔ تم ابھی آرام کرتیں...... ایک دن میں کمزور اور زرد نظر آنے لگی ہو۔'' نانو نے بھی شفقت سے کہتے ہوئے حمایت کی۔ رومانہ کو جیسے سبھی نے نظر انداز کردیا تھا۔ رومانہ کو سارا منظر ہی عجیب لگ رہا تھا۔ ثعلب کے اس قدر قریب بیٹھی ہستی اس کے اندر نئی آگ اور جلن بھڑکارہی تھی۔ دونوں کے مابین تعلق کو کوئی بھی آرام سے سمجھ سکتا تھا۔ وانیہ کو بھی اچانک سامنے بیٹھی ہستی کی آنکھوں میں اپنے لیے عجیب سا احساس محسوس ہوا تھا۔

’’ہم سبھی اپنی باتوں میں لگے ہیں، مجھ سے ان کا تعارف تو ہوا نہیں...... حالانکہ میں اسی لیے واپس آئی تھی کہ دیکھوں کون آیا ہے۔‘‘ ماحول میں یک دم خاموشی چھا گئی۔ وانیہ مختظر نظروں سے ثعلب کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ثعلب نے ہی اپنی ہمت جمع کر کے پہلے وانیہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی ذات کا اعتماد بخشا۔

’’نیا...... یہ ہماری پھپی زاد رومانہ ہیں...... کینیڈا سے آئی ہیں اور رومانہ یہ میری لائف پارٹنر مسز وانیہ ثعلب......‘‘ دونوں کے لیے یہ انکشاف نہ صرف حیران کُن بلکہ دکھ آمیز بھی تھا...وانیہ نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں کبھی رومانہ سے اس طرح سامنا ہوگا اور وہ بھی اپنے ہی گھر میں......اور رومانہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ ثعلب اس کی طرف سے اتنی جلدی مایوس ہو کر راستہ بدل لے گا۔ دونوں کے ہی چہروں پر سائے سے لہرائے تھے مگر الگ، الگ احساس کے......ثعلب نے غیر محسوس طور پر وانیہ کا ہاتھ دبا کر اسے حوصلہ دینا چاہا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

’’تو کچھ بھی بے معنی نہیں ہوتا، میری پریشان، مضطرب طبیعت کا آخر یہ نتیجہ نکلنا تھا۔‘‘ وانیہ نے دکھ سے سوچا۔ سب مہرہ ب تھے۔‘‘ کچھ بھی ہو ثعلب اب میرے ہیں، مجھے خود اپنے حق کی حفاظت کرنا ہوگی۔‘‘ ثعلب کی اعتماد بخش گرفت نے اس کے اندر نئی توانائی بھر دی تھی اسی لیے وہ آسودگی سے مسکرا دی۔ بڑے صبر، ضبط سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔ وہ خود کو کمزور ثابت کر کے ثعلب کو شہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے خوش دلی سے بولی۔

’’آپ سے مل کر خوشی ہوئی......‘‘ رسمی سی بات کو اس نے غیر رسمی انداز میں کہا۔ ایک دم سبھی کے چہروں پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ پھر نانو نے وہی باتیں دُہرا کر رومانہ کا تعارف مکمل کر دیا۔ وہ باتیں جو کچھ دیر قبل رومی انہیں بتا چکی تھی۔

’’رومانہ، آپ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں، کوئی کام ہو...... کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دیجیے گا...... بوا...... بوا......‘‘ شہنی بوا کچن کے دروازے میں کھڑی تھیں۔ وانیہ کی آواز پر سامنے آگئیں۔

’’شفیق (ملازم) کو کوارٹر سے بلوا کر کہیں، ان کا سامان گیسٹ روم میں رکھ دے......‘‘ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ثعلب کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ ہنوز تھا۔ رومانہ کی آنکھوں میں چبھن بھی تھی اور شکایت بھی......

’’رومانہ آپ بھی اب آرام کیجیے...... سفر کی تھکن تو بہت ہوگی۔‘‘ وانیہ اپنی فطری نرمی سے سبھی کو متاثر کر رہی تھی۔

’’آپی آپ بھی نہیں سوئیں گی کیا ابھی......؟ چلیں نانو...... آپ کو بھی ابھی اپنی میڈیسن لینی ہوگی۔ میں آپ کو دے دیتی ہوں، صبح بچے تو ٹائم پر اٹھ جائیں گے...... پھر سب کو جگا دیں گے...... پھر کوئی شکایت نہیں کرے......‘‘ وہ اپنی محبت جتاتی سبھی کو وارننگ بھی دے رہی تھی۔ نانو کی وہیل چیئر دھکیلنے لگی تو آپی نے اسے روک دیا۔

’’آج مجھے نانو کے ساتھ سونا ہے، تم اپنے اس تیسرے بچے کو لے کر جاؤ...... یہی صبح اٹھتے ہوئے تمہیں تنگ کرے گا...... عصمی، تم رومی کو اس کا کمرا دکھا کر خود بھی سونے جاؤ۔‘‘ آپی نے بڑی رسانیت سے رومانہ کو وانیہ کی اہمیت جتائی تھی۔ وانیہ بنا کچھ کہے ثعلب کی طرف بڑھ گئی اور پھر اس کے اٹھنے کے لیے اپنا ہاتھ بھی بڑھا دیا۔ عصمی نے رومی کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ رومی شکستہ دل، شکستہ وجود سے بڑی بے ہمتی سے اٹھی......اس کی نگاہیں ثعلب کی طرف ہی اٹھی ہوئی تھیں۔ ممی نے کسی معمول کی طرح وانیہ کا ہاتھ تھام لیا تھا......اور پھر وہ سبھی کو شب بخیر کہتے سب سے پہلے وہاں سے چلے گئے...... رومانہ نے وانیہ کی پشت پر نظریں جما دیں۔ اس کے لمبے بال لہراتے ہوئے اسے بہت کچھ یاد دلا گئے تھے۔ وہ اپنے ہی احساسات

میں ڈوبی کمرے میں آکر بھی حیران، پریشان تھی اسے جیسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ثعلب کسی اور کو اپنی رفاقت بخش کر اس قدر مطمئن اور سکون سے تھا۔ وانیہ کے گھنے لمبے بال دیکھ کر اسے اچانک وہ دن یاد آگیا تھا۔ جب اس نے اپنے بالوں کو مزید چھوٹا کر کے نئے انداز میں خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کی تھی۔

ثمی نے اسے دیکھتے ہی ٹوکا تھا۔ "if you dont ' mind• تم پر یہ اسٹائل اتنا سوٹ نہیں کر رہا....." اور وہ جواباً برا منا گئی تھی۔

"تمہیں تو عادت ہے مجھ پر تنقید کرنے کی..... سبھی نے اتنی تعریف کی ہے میری..... لڑکیاں کیا..... لڑکے بھی مجھے مڑ، مڑ کر دیکھ رہے تھے۔"

"اصل دوست وہی ہے جو منہ پر بھی سچ کہنے کی جرأت رکھتا ہوں اور میں تمہارا دوست ہوں، اسی لیے کہہ رہا ہوں..... آئندہ یہ ہیئر کٹ مت کروانا۔" ثعلب نے قدرے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"مگر کیوں.....؟" رومانہ نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔

"اس لیے کہ تم پر سوٹ نہیں کر رہا۔" ثمی نے اسی انداز میں کہا تھا۔

"مجھے تو اچھا لگ رہا ہے اور پلیز تم مجھے ہر معاملے میں ڈس ہارٹ مت کیا کرو..... میرا جو دل چاہتا ہے میں تو وہی کروں گی۔" رومانہ نے اپنے مخصوص نخریلے انداز میں جواب دیا تھا۔

"ابھی کرلو..... جو کرنا ہے..... شادی کے بعد میں تمہیں بال نہیں کٹوانے دوں گا..... یار خواتین کا اصل حسن تو ان کے لمبے بالوں میں ہوتا ہے۔" ثعلب نے بھی اسے چڑایا تھا۔

"تو پھر کرلینا تم کسی لمبے بالوں والی سے شادی....." وہ بھی رومانہ تھی ترکی بہ ترکی بولی تھی۔ جواباً اس نے بھی کہا تھا۔

"اگر تمہارا مشورہ ہے تو ضرور مانوں گا۔"

ثعلب نے اس وقت بے شک شرارت میں کہا تھا..... مگر آج اس کی بیوی کے لمبے بال دیکھ کر رومانہ کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ غیر سنجیدہ ہو کر بھی سنجیدہ تھا۔

"ثمی تم واقعی اتنے مطمئن ہو..... جتنے نظر آرہے ہو؟ یا پھر سب کو فریب دے رہے ہو۔" رومانہ بیڈ پر بیٹھ کر پھر سے اپنی سوچوں اور احساسات میں الجھ گئی تھی۔

☆☆☆

ڈریس چینج کر کے بستر پر آنے تک دونوں کے درمیان ایسی خاموشی حائل تھی جیسے وہاں کوئی ذی نفس موجود ہی نہیں ہو۔ وانیہ اپنے خیالات میں تھی اور ثعلب اس کے بولنے کا منتظر..... حالانکہ وانیہ اپنے معمولات حاضر دماغی کے ساتھ نمٹا رہی تھی پھر بھی جیسے وہاں نہیں تھی۔ آخر ثعلب نے تکیہ درست کرتی وانیہ کا کندھا ہلا کر متوجہ کیا۔

"تم مجھے کوئی سرپرائز دینا چاہتی تھیں؟"

وانیہ نے بھی اپنا رخ بدل کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں..... بالکل۔"

"پھر..... چپ کیوں ہو؟ رومانہ کا آنا اچھا نہیں لگا تمہیں..... ہے ناں.....؟" ثعلب نے اس کے تاثرات جاننے کے لیے استفسار کیا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"کیا مجھے اچھا لگنا چاہیے؟"

اس کی مسکراہٹ سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس موڈ میں بات کر رہی ہے، ثعلب نے اسے ناسمجھی سے دیکھا تو وہ مزید وضاحت سے بولی۔

"ایک بیوی کبھی برداشت نہیں کرتی کہ اس کے شوہر سے کسی زمانے میں منسوب رہنے والی ہستی کی پرچھائیں بھی اس کی زندگی پر پڑے۔ میری فیلنگز بھی یہی ہیں..... لیکن مجھے حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ آخر رومانہ سے آپ کا خون کا رشتہ بھی ہے اور میرے وسوسوں کے آگے اس کی ذات کو نظر انداز کرنا بھی مشکل ہے۔ پھر بھی فی الحال مجھے اطمینان ہے کہ آپ میرے ہیں اور میں آپ کی محبتوں کی.....

امانت دار۔'' وانیہ اپنے جذبوں کے بہاؤ میں تھی۔ ثمی نے یک دم چونک کر اسے دیکھا۔
''میں صرف تمہارا ہوں اور آئندہ بھی تمہارا ہی رہوں گا...... سمجھیں......'' ثعلب نے اس کے چہرے پر آئی لٹ کو کھینچا...... ''تمہارے وسوسے بالکل غلط ہیں، کسی زمانے میں منسوب رہنے والی عورت کی پرچھائیں بھی...... اس شیشۂ دل سے مٹ چکی ہے، وہاں اب صرف تمہارا عکس ہے...... تمہاری شبیہہ...... تمہاری محبت...... اگر تمہیں یقین نہیں ہے .تو آئندہ ضرور آجائے گا۔'' ثعلب کے لہجے میں وانیہ کے لیے سچی محبت گھلی تھی۔ اس کی آنکھوں سے پیار کی روشنی چھلک رہی تھی۔ اس کا پُراثر دھیما مگر گرم جوش رویّہ وانیہ کو نئے سرے سے اعتماد بخش گیا۔ جواباً اس نے بھی ثمی کو اپنے یقین کا احساس بخشنے کے لیے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے دل پر رکھتے ہوئے بڑے جذب سے کہا۔
''مجھے آپ پر خود سے زیادہ یقین ہے، ثمی، بھی تو میرے دل کی دھڑکن میں جو تسلسل ہے وہ آپ کی محبت کی وجہ سے اور میرے وجود میں بھی......'' وہ بولتے، بولتے یک دم چپ ہوگئی کیونکہ ثعلب کی آنکھوں میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی اور شرارت بھی۔
''ہاں بھئی...... وجود میں کیا مطلب...... ڈائیلاگ پورا کرو، میں منتظر ہوں......؟'' ثمی نے اسے چھیڑا تو اس نے ثمی کا ہاتھ چھوڑ کر اپنا چہرہ چھپایا۔
''نہیں...... پلیز......''
''کیا......؟ نہیں...... میں کچھ نہیں سمجھ پا رہا۔''
''بس مجھے شرم آتی ہے، نہیں کہا جاتا......'' وانیہ نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر کہا تو ثعلب متعجب ہوا۔
''کیا ڈائیلاگ......؟''
''میرے اظہار کو آپ ڈائیلاگ سمجھتے ہیں......'' اس نے مصنوعی خفگی سے اپنی مسکراہٹ سمیٹی۔
''اچھا...... اب ناراضی کا پروگرام نہ بناؤ۔ میں تمہارے سرپرائز کو دیکھنے، سننے کو بے چین ہوں اور اگر تم نے ایک منٹ کے اندر اندر کچھ نہ بتایا تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔'' وہ قدرے جھنجلایا۔
''مثلاً......؟'' وہ اپنی مسکراہٹ روک نہ سکی...... خبر ہی ایسی تھی۔ وہ خود سنانے کو بے چین و بے قرار تھی مگر فطری جھجک و شرم مانع تھی۔
''مثلاً...... مثلاً یہ جو تمہارے بکھرے بال ہیں سب سے پہلے تو انہیں......'' ثمی نے بھرپور شرارت سے اس کے بکھرے بالوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وانیہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے تھوڑا پیچھے سرک کر اپنے بالوں کو سمیٹتے، سمیٹتے بولی۔
''اللہ...... پلیز نہیں...... انہیں کاٹنے کا خیال دل سے نکال دیں۔ میں نے انہیں بڑی مشکل سے پال پوس کر بڑا کیا ہے اور......'' اس دوران وہ ڈھیلا سا جوڑا بھی بنا چکی تھی۔ وانیہ کے چہرے پر بڑی دلکشی بکھری ہوئی تھی۔
''یار...... جلدی سے بتاؤ ناں...... دیکھو کتنا ٹائم ہوگیا...... صبح نہیں اٹھا تو تم ہی شور مچاؤ گی۔'' ثعلب نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ ''اب بتاؤ...... چلو شروع ہو جاؤ۔''
''اچھا...... پھر کان اِدھر لائیں......'' وانیہ نے سنجیدہ ہونے کی کوشش کی۔
''میرے کان کاٹو گی......'' ثمی نے شرارت میں اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے تو وہ نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔
''یہاں کون ہے جو تمہارا سیکرٹ آؤٹ ہو جائے گا۔'' وہ پھر سے زچ ہوا۔
''اوکے...... آپ آنکھیں بند کرلیں...... پلیز دیکھیے گا مت......''
''لگتا ہے تم آج آنکھ مچولی کھیلنے کے موڈ میں ہو...... صاف کہو......''
''آپ سیریس نہیں ہیں...... جائیں میں نہیں بتاتی۔'' وہ بھی ذرا خفا ہوئی۔
''کیسے نہیں بتاتی ہو، کب سے سسپنس پھیلا

رکھا ہے، یہاں نیند سے برا حال ہے اور محترمہ شرطیں باندھ کے بیٹھی ہیں۔‘‘ ممی نے آخر اس کے زانو پر سر رکھ کر زبردستی دکھائی تو وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

’’آپ دیکھتے ہی ایسے ہیں کہ میں نروس ہو جاتی ہوں۔‘‘

’’اب میں نے آنکھیں بند کرلی ہیں۔ اب فوراً بتاؤ اگر کوئی بات ہے تو بھی نہیں ہے تو بھی......؟‘‘ ممی کا لہجہ مشکوک تھا، اس نے پھر بھی شرافت سے آنکھیں بند کرلیں۔

’’وہ......میں دراصل ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔‘‘

وہ رک، رک کر بولی تو ممی ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔

’’دھت تیرے کی...... کھودا، پہاڑ اور نکلا چوہا...... مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ تم خواہ مخواہ سسپنس کری ایٹ کررہی ہو......ڈاکٹر کے پاس جانے سے کسی .... خوشخبری کا کیا تعلق ہے...... یہ سمجھاؤ گی مجھے......؟‘‘ اس کی کوفت بڑی واضح تھی۔ وانیہ نے اسے بے بسی سے دیکھا......جو اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھا۔

’’آپ نے پوری بات سنی نہیں اور بگڑنے لگے ہیں، تعلق ہے تو بتا رہی ہوں ناں......آپ اتنے ناسمجھ لگتے تو نہیں......‘‘ اس کی بات سن کر وہ حیران ہوا۔

وانیہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ثعلب کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا تو وہ کسی کی نہیں سنے گا۔ اسی لیے اپنا سر جھکا کر جلدی سے بولی۔

’’ڈاکٹر نے کنفرم کردیا ہے کہ آپ پاپا بننے والے ہیں۔‘‘ اور پھر فوراً ہی اپنے چہرے کے آگے تکیہ اٹھا کر رکھ لیا۔

’’وہاٹ......؟ رئیلی......کب......؟‘‘ ثعلب کو ایک لمحے میں کئی احساسات نے چھوا تھا۔ اس نے فوراً ہی وانیہ کے چہرے سے تکیہ ہٹایا تو اس کے چہرے پر نور کا ہالہ دیکھ کر یقین سا آگیا۔

’’کب گئی تھیں ڈاکٹر کے پاس؟‘‘ ممی کی آواز میں خوشی بھی تھی اور بے چینی بھی۔

’’وہ ایکچوئیلی دو دن پہلے میں مسز زیاد (ہمسائی) کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی تو وہاں میری بالکل آج والی کنڈیشن ہوگئی تھی۔ پھر وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں تو ڈاکٹر نے یہ گڈ نیوز دی تھی کہ......‘‘

’’بڑی ٹھنی ہو تم، سب سے اتنی بڑی خبر چھپائے پھر رہی ہو۔ کسی کو بتایا تک نہیں......‘‘ ممی کی شوخی بھری شکایت پر وہ خجالت سے وضاحت دینے لگی۔

’’م......میں تو آپ کو ہی سب سے پہلے بتانا چاہتی تھی مگر......‘‘

’’وہی تو...... وہی تو کہہ رہا ہوں، کل سے میں تمہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

’’آپ کا موڈ خراب تھا ناں...... میں کیسے بتاتی۔‘‘

’’بتا دیتیں تو موڈ خراب نہیں ہوتا۔ چلو ابھی اٹھو......کہیں باہر چلتے ہیں، کاش تم مجھے شام کو بتا دیتیں تو یہ رات بہت یادگار ہوتی...... چلو ناں...... اب تو میری نیند اڑ گئی ہے۔‘‘ ثعلب نے بڑی لگاوٹ سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما......تو وہ جزبز ہوئی۔

’’ممی اس وقت......؟‘‘

’’کیا ہوا وقت کو......صرف ایک ہی تو بجا ہے۔‘‘

’’ساری دنیا سوگئی ہوگی اور ہم دیوانوں کی طرح نکل کھڑے ہوں۔‘‘

’’ساری دنیا جاگ رہی ہوتی ہے، تم بھی ناں بس فضول کے جواز ہیں تمہارے پاس......‘‘ وہ پھر سے جھنجلایا مگر فوراً ہی وانیہ کے چہرے کو دیکھ کر مسکرا اٹھا۔

☆☆☆

رومانہ نے ساری رات جس بے قراری سے کاٹی تھی اس کا سارا عکس اس کی سرخ آنکھوں میں لہرا رہا تھا۔ ساری رات اسے یہی تصور انگاروں پر لوٹتا رہا کہ اب ثعلب اس کا نہیں رہا......اسے تو مکمل یقین تھا کہ کچھ بھی ہوجائے، کتنا عرصہ بھی گزر جائے وہ سات سمندر پار بھی چلی جائے ثعلب اس کا انتظار کرے گا۔

اس کی واپسی کا منتظر رہے گا..... مگر ثعلب نے تو اسے بھلا دیا تھا۔ اس کی محبت کسی اور عورت کو سونپ دی تھی۔ اس کی محبت کی سیج پر دوسری کو لا بٹھایا تھا۔ یہی احساس اسے مارے دے رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہی تھی صبح اٹھ کر وانیہ کو گھر کے معمول کے کاموں میں مگن دیکھ کر وہ مزید جل بھن گئی۔ اور اسی ذہنی خلفشار کے تحت وہ ثعلب کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ دل میں ارادے باندھتی کہ وہ ثعلب سے یہ کہے گی، وہ کہے گی اور اسے واپس اس کی طرف لوٹنا ہوگا۔ رومانہ، ثعلب کے کمرے کے دروازے کے پاس آ کر کان لگا کر کھڑی ہوگئی۔ دروازے میں ہلکی سی درز تھی اسی سے اندر کی آوازیں شعوری کوشش کے تحت وہ سن رہی تھی۔ وانیہ کی محبت واستحقاق سے لبریز آواز اس کی سماعت میں اتری۔ اس کی نظریں کمرے کے اندر دروازے کے پار تھیں۔

''بس، اب میں دوبارہ نہیں آؤں گی جگانے..... آپ کو خود اٹھنا ہوگا۔'' وانیہ اس کے قریب بیٹھی اس کے بالوں میں اپنی مخروطی انگلیاں سرسراتی اسے جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اتنی ظالم نہ بنو یار..... تمہیں پتا تو ہے، جب تک تمہیں دیکھوں گا نہیں، اپنی صبح کا احساس ہی نہیں ہوگا۔''

''تو صبح تو ہوگئی ہے، میں اپنے کتنے کام چھوڑ کر بس آپ کو جگانے آتی رہوں۔ ابھی بچوں کو بھی جگانا ہے، اور یاد رکھیں، گھر میں مہمان بھی ہیں۔ کیا سوچیں گے، اگر بار، بار اِدھر کے چکر لگائے تو.....؟'' وانیہ نے اٹھنے کی کوشش کی تو می نے آنکھیں کھولتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''جو سوچتے ہیں سوچنے دو۔ تم تو ابھی میرے پاس بیٹھو..... خود کو محسوس کرنے دو مجھے۔'' وہ بہت رومینٹک ہو رہا تھا۔

''بس ناں..... میں جا رہی ہوں۔'' وانیہ نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''ساری رات مجھے ڈسٹرب رکھا ہے۔ خود سوگئی تھیں اور میری نیند اڑا دی تھی۔ ویسے مجسم خوشخبری کب دو گی؟'' ثعلب نے بوجھل مگر محبت کی حدت سے مہکتی آواز میں پوچھا اور نیم دراز ہو کر سائڈ ٹیبل سے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

''چھ ماہ بعد.....'' وہ اٹھ کر پھیلاوا سمیٹنے لگی تھی۔

''مائی گاڈ..... اتنا انتظار..... پھر تو سب کو پتا لگ جائے گا۔'' ثعلب کی ناسمجھی پر وہ ہنس دی۔ باہر کھڑی رومانہ کے اندر تجسس نے سر ابھارا..... (یہ کس خوشخبری کی بات کر رہے ہیں کہیں..... ) اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

''ہاں، پتا تو لگ جائے گا..... سوچ رہی ہوں، نانو جان کو کیسے بتاؤں؟ نہ بتایا تو خفا نہ ہو جائیں۔'' وہ واپس اس کے پاس آگئی۔

''تم ایسا کرو آپی کو بتادو۔'' ثعلب نے مشورہ دیا۔

''میں نہیں بتا سکتی..... مجھے شرم آتی ہے۔''

''تو انہیں بتائے گا کون.....؟'' ثعلب نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''آپ.....'' وہ بے ساختہ مسکرائی تو ثعلب جھنجلا سا گیا۔

''تمہیں شرم آتی ہے اور میں تمہیں بے شرم نظر آتا ہوں۔''

''ہاں..... نہ..... نہیں.....'' ثعلب کے گھورنے پر وہ بے اختیار ہی کھلکھلائی۔

''او کے..... آج تم آپی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلی جانا..... انہیں ڈاکٹر خود بتادے گی۔'' ثعلب نے جلد ہی اس کی مشکل حل کر دی۔

''ٹھیک ہے، میں چلی جاؤں گی مگر پلیز آپ پھر سے مت سو جایئے گا۔ آپ ناشتے کے وقت ضرور آجایئے گا..... آپ کی غیر موجودگی اچھی نہیں لگے گی۔'' وانیہ نے ذرا منت سے کہا تو می نے بھی محبت

پاش نظروں سے اسے دیکھا۔
''او کے..... بابا تمہارا حکم بھلا ٹال سکتا ہوں، تم بے فکر ہو کر جاؤ..... میں آجاؤں گا.....''
رومانہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ یہ محبت یہ چاہت تو صرف اس کا حق تھی اور ممی اپنے جذبوں کی صداقت کسی اور پر نچھاور کر رہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے رومی کو دیکھے بنا ممی کو سورج کے نکلنے کا یقین نہیں آتا تھا اور آج کسی اور کے لیے اس کی صبح نہیں ہوتی تھی..... ایک تیر سا اس کے جگر کے آر پار ہو گیا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اندر جا کر ثعلب کو جھنجوڑ کر اپنی محبت کا حساب مانگے..... ممی نے کہا تھا کہ وہ مرتے دم تک اس کی محبت کی حفاظت کرے گا مگر وہ اتنی جلدی بدل گیا..... وانیہ پھر سے ثعلب کو تاکید کر کے باہر آرہی تھی۔ رومانہ قدموں کی چاپ پر چونکی ہو کر جلدی سے وہاں سے ہٹی اور تیزی سے کاریڈور میں بڑھنے لگی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا تھا۔ دونوں کچن کے قریب تھیں..... وانیہ نے اسے دیکھ کر بڑی خوشدلی سے کہا۔
''گڈ، مارننگ رومانہ.....! آپ رات کو آرام سے تو سوئیں ؟'' جواباً اس کے ملائم چہرے پر رومانہ کی تیکھی نظر ٹھہر گئی۔
''تم شاید ابھی میرے بارے میں جانتی نہیں ہو ورنہ یہ مسکراہٹ تمہیں اتنا حسین نہ دکھاتی.....'' وہ دل میں اعتراف بھی کر رہی تھی..... اور کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں پا رہی تھی..... وانیہ مزید اس سے کچھ کہہ رہی تھی
''ناشتے میں کوئی خاص ڈش بنوانا چاہیں تو بتا دیں..... پلیز.....'' وانیہ نے اس کی خاموشی پر خصوصی طور پر اسے دیکھا تو وہ اپنے اندر کی تلخی کو باہر آنے سے نہ روک سکی.....
''نو تھینکس..... میں کوئی مہمان نہیں ہوں..... جو سب گھر والے لیں گے میں بھی وہی لے لوں گی'' اس کے لہجے میں کوئی بات ضرور تھی..... مگر وانیہ نے جان کر توجہ نہ دی..... دونوں ایک ساتھ کچن میں داخل ہوئیں..... رومانہ کے ہاتھ میں چائے کا بھرا کپ تھا اس نے سنک میں لے جا کر کپ خالی کر دیا۔ وانیہ نے اس کی حرکت کا نوٹس لیتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ فوراً واپس چلی گئی تھی..... شبنمی بوا اسی لمحے کچن میں داخل ہوئی تھیں۔ اس کے قریب آکر خاصی ہمدردی سے مشورہ دینے لگیں۔
''بیٹا ایک بات کہوں..... ذرا دھیان رکھنا.....''
''کس بات کا بوا جی.....؟'' وانیہ جان بوجھ کر انجان بنی۔
''اسی رومی کا..... اس کی واپسی کوئی اچھا شگون نہیں ہے..... نظر رکھنا اس پر..... پہلے کی بات اور تھی اب تو ممی میاں پر صرف تمہارا حق ہے..... مجھے اس لڑکی کے ارادے اچھے نہیں لگ رہے..... ایسا نہ ہو یہ ممی کو تم سے چھیننے کی کوشش کرے.....'' شبنمی بوا اس کی ناسمجھی پر قدرے زچ ہو کر وضاحت سے سمجھانے لگیں۔
''بوا جی..... ممی کوئی کھلونا تو نہیں جسے وہ جب چاہے گی پھینک دے گی اور جب چاہے واپس لے گی..... آپ بے فکر رہیں۔''
''پھر بھی بیٹا تمہیں احتیاط کرنا ہوگی، مرد کے دل میں کب ہیر پھیر آجائے کچھ بھروسا نہیں..... دونوں کو گھلنے ملنے کا موقع مت دینا۔'' شبنمی بوا کی باتوں میں تجربہ بول رہا تھا۔
''بوا جی..... مجھے ثعلب پر اعتماد ہے..... پھر بھی آپ فکر نہ کریں، میں آپ کی بات پر عمل کروں گی۔'' وانیہ نے اپنی مثبت باتوں سے انہیں قائل کیا..... تو وہ اسے دعائیں دینے لگیں۔
''جیتی رہو بیٹا..... تمہی نے اس گھر کو دوبارہ آباد کیا ہے، تم بھی سدا شاد آباد رہو۔''
''شکریہ بوا جی..... میں آکر پراٹھے بناتی ہوں، آپ چائے کا پانی اور رکھ دیں..... میں ہنی، گولڈی کو جگا کر آؤں۔'' وہ ممنونیت کا اظہار کر کے کچن سے

نکل گئی تو بوا نے بڑے دل سے اسے دعائیں دیں۔
ناشتے کی میز پر سبھی جمع تھے۔ وانیہ بڑی لگاوٹ سے سنی، گولڈی کو اپنے ہاتھ سے ناشتا کروانے کے ساتھ، ساتھ سبھی کو سرو بھی کر رہی تھی، رومانہ بھی اس وقت کافی مطمئن نظر آرہی تھی۔ جیسے کسی نتیجے پر پہنچ چکی ہو......وانیہ اپنے لیے گرم، گرم پراٹھا بنانے کچن میں گئی تو بچے بھی فارغ ہو کر اس کے کہنے پر اپنے کمرے میں گیم کھیلنے چلے گئے۔ سبھی کے لیے یہ معمولی بات تھی جبکہ رومانہ بغور اس کی حرکات وسکنات دیکھ رہی تھی۔
اس کی چبھتی نظروں کو ثعلب نے بھی محسوس کیا تھا مگر وہ کسی کو کوئی احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔ رومانہ، وانیہ کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر آخر اسے مخاطب کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ وہی دیرینہ لگاوٹ کا لہجہ بھی کو چونکا گیا تھا۔
''معی ...... مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں، اگر تمہارے پاس وقت ہو تو؟'' ثعلب خود بھی حیران تھا......اس کے خیال میں ان دونوں کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل تھی جو پاٹنی ناممکن تھی مگر وہ تو درمیانی عرصہ بھلا کر اسی طرح مخاطب تھی۔ ثعلب کی نگاہ کچن کے دروازے پر تھی جہاں سے وانیہ واپس آرہی تھی۔ اس نے کافی محتاط انداز میں جواب دیا۔
''سوری مجھے ابھی کہیں جانا ہے......نیا یار ایک کپ چائے گرما گرم اور بنا دو۔'' نانو دیکھ رہی تھیں وہ وانیہ سے کچھ زیادہ ہی لگاوٹ کا اظہار کر رہا تھا۔ اسی لیے وہ مطمئن تھیں۔
''میں زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ مجھے بھی کہیں جانا ہے، اگر تم مجھے ڈراپ کر دو تو......؟'' رومانہ اردگرد سے بیگانہ ہو رہی تھی۔ وانیہ اپنے اور ثعلب کے لیے چائے بناتے، بناتے قدرے چونک کر متوجہ ہوئی۔
''Again sorry میرے پاس ٹائم نہیں ہے، گھر پر ڈرائیور اور گاڑی ہے، تم جہاں چاہے چلی جانا۔'' ثعلب کا رویّہ سرسری اور عام سا تھا۔ وانیہ نے بھاپ اڑاتا چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا۔
''کیا مطلب......؟ تمہارے پاس میرے لیے وقت نہیں......؟'' وہ زچ ہو کر بولی تو معی نے اسی لہجے میں جواب دیا۔
''چھٹی کے دن میرا اپنا شیڈول ہوتا ہے، میں دوسروں کے لیے اپنا شیڈول نہیں بدل سکتا......''
رومانہ کو یہ سب سننے کی توقع نہیں تھی۔ وانیہ اس کے سامنے گرم، گرم آملیٹ کی پلیٹ رکھ رہی تھی۔
''نہیں بس اور نہیں......'' اس نے اشارے سے بھی منع کیا۔
''آج آپ نے ٹھیک سے ناشتا نہیں کیا؟'' وانیہ نے اسے چائے کا کپ لے کر اٹھتے دیکھا تو تشویش سے کہا......رومانہ کی آنکھوں میں یک دم فاتحانہ چمک کوندی......(اس کا مطلب ہے ڈسٹرب تو تم بھی ہو) اس کی سوچ اس کے چہرے پر نظر آرہی تھی اگر کوئی دیکھتا تو جان جاتا۔
''میں نے تو پہلے ہی کھا لیا تھا، البتہ تم آج کل کم کھا رہی ہو......آپی پلیز اسے آج ڈاکٹر کے پاس لے جائیں...... یہ کافی دنوں سے سر درد کی شکایت کر رہی ہے۔'' معی نے آپی کو مخاطب کیا۔
''تو تم خود لے جاؤ......تم کہاں جا رہے ہو؟'' آپی نے اسے روکا۔
''مجھے لے جانے میں کوئی پرابلم نہیں ہے، آفٹر آل یہ میری ذمے داری ہے مگر یہ خود آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔'' رومانہ کے اندر نئے سرے سے بے اطمینانی بھرنے لگی تھی۔ وہ یقیناً اسے جتا رہا تھا۔
''اچھا نانو...... میں دوپہر تک واپس آؤں گا...... ایک دوست سے ملنے جانا ہے، اللہ حافظ......'' کھڑے، کھڑے چائے ختم کر کے وہ نانو کے گال سے گال ملاتا انہیں چوم کر باہر نکل گیا۔
وانیہ بھی ایکسکیوز می کہتی اٹھی اور اس کے پیچھے چل دی۔
''یہ بچے میری تو مانتے نہیں......کل سے کہہ رہی

ہوں...... کچھ صدقہ دے دو...... کسی کی بری نظر پڑی ہے بچی پر...... ورنہ تو ان چار مہینوں میں اسے سر درد کی شکایت بھی نہیں ہوئی۔ اب کیسی زرد، پھیکی سی نظر آرہی ہے۔'' نانو نے پھر سے تشویش کا اظہار کیا تو عصمی آپی نے مسکرا کر معنی خیزی سے اپنی رائے دی۔

''نانو، کم کھانا، سستی، سر درد کی کوئی خاص وجہ بھی تو ہوسکتی ہے؟'' آپی کی مسکراہٹ دیکھ کر نانو کو بھی اچانک خیال آیا۔ اپنی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔

''ارے ہاں...... واقعی مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ مجھ سے تو شاید وہ جھجک جائے، تم ہی پوچھ دیکھنا۔'' نانو کے چہرے پر بھی نیا احساس اور مسکراہٹ تھی۔

''پوچھنا کیا ہے، ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی تو خود ہی پتا لگ جائے گا۔'' وانیہ واپس آگئی تھی۔

''کیا پتا لگ جائے گا؟''

''وہی جو تم چھپا رہی ہو......'' آپی نے معنی خیزی و محبت سے دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

''نہیں...... بھلا میں کیا چھپاؤں گی؟'' میز کے پاس آکر اس نے اپنی چائے کا کپ اٹھایا۔

''وہی تو پتا لگانا ہے۔''

''آپ معلوم نہیں کیا کہہ رہی ہیں...... چلیں آئیں نانو کے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔'' وانیہ نے بھی بولتے، بولتے اپنی ٹھنڈی ہوتی چائے کو دو تین گھونٹ میں پیا پھر نانو کی وہیل چیئر کے ہینڈل تھام کر باہر کا رخ کیا...... رومانہ اپنی جگہ پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وانیہ نے اسے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔

''رومانہ آپ بھی آئیں، ہم سب آپ کے اپنے ہیں، آپ یوں الگ تھلگ کیوں بیٹھی ہیں۔'' رومانہ کچھ سوچ کر بے دلی سے اس کے پیچھے چل دی۔

☆☆☆

ڈاکٹر نے آپی کی بات کی تصدیق کردی تھی۔ آپی نے بے اختیار ہی اسے گلے سے لگا کر چوما۔

''شکر ہے اللہ کا...... اس نے ہمیں بروقت اس خوشی سے نوازا...... بہت مبارک ہو......'' آپی نے راستے میں سے مٹھائی لی اور جا کر نانو کی گود میں رکھ دی۔ ثعلب بھی گھر واپس آچکا تھا۔ نانو کی خوشی دیدنی تھی...... سبھی ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے، وانیہ سبھی کے درمیان شرمائی لجائی بیٹھی تھی۔ نانو اور شہنی بوا کی ہدایات فوراً شروع ہوگئی تھیں۔ کیا کھانا ہے، کیا نہیں...... کتنا آرام کرنا ہے، ممی کے لیے تو خاص وارننگ تھی کہ وہ وانیہ کو تنگ نہیں کرے گا۔ ان سب کا شور، ہلا گلا سن کر رومانہ بھی کمرے سے نکل کر آگئی۔ عصمی نے اسے دیکھتے ہی مٹھائی کی پلیٹ بڑی خوشی سے اس کی طرف بڑھائی۔

''رومی آپی لیجیے...... ہم پھر سے پھپھو بننے والی ہیں۔'' رومانہ کے کانوں میں آواز تو عصمی کی تھی اور نگاہیں ثعلب کے کھلتے چہرے پر...... وہ الجھتی، جھنجلاتی جس طرح آئی تھی اسی طرح مڑ آئی۔

''ایسا...... نہیں ہونا چاہیے، اس طرح تو ممی میرا نہیں ہوسکتا...... کبھی بھی نہیں اور میں...... میں اپنا سب کچھ اسی کے لیے چھوڑ کر آئی ہوں...... نہیں ممی...... تم صرف میرے ہو...... تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا...... کبھی نہیں......'' وہ کمرے میں چکراتی اِدھر سے اُدھر پاؤں پٹختی اپنے مذموم ارادے باندھ رہی تھی۔

☆☆☆

پھپھو سعیدہ نے فون پر بے حساب دعاؤں کے ساتھ مبارک باد دی تھی۔ وانیہ کے بابا کریم احمد نے بھی آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ ظاہر ہے بیٹی کی خوشی میں تو انہیں اپنی محبت کا ثبوت دینا ہی تھا۔

حسب وعدہ ثعلب بچوں کے ساتھ سبھی کو لے کر آؤٹنگ کے لیے نکلا تھا۔ رومانہ سے بھی کہا تھا مگر وہ نہیں گئی...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کس طرح ثعلب کو ان سب کے درمیان سے غائب کر کے لے جائے...... اسے آئے ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور ثعلب نے اسے ایک لمحے کی بھی لفٹ نہیں دی تھی۔

وانیہ سے اس کی لگاوٹ ومحبت دیکھ کر وہ زخمی ناگن کی طرح تڑپ رہی تھی مگر ثعلب کی نگاہِ التفات وانیہ سے ہٹنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

صبحی آپی واپس جارہی تھیں اور جانے سے پہلے کچھ شاپنگ کرنا چاہتی تھیں...... عصمی اور بچے بھی ان کے ساتھ جانے پر بضد تھے سو وہ بھی شاپنگ کرنے نکلے تھے...... آپی بار، بار ثعلب کو تنبیہ کرتی رہیں کہ وہ رومانہ کو جلد از جلد گھر سے چلتا کرے...... مگر وانیہ کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ثعلب نے ہر لمحہ اس سے تغافل برتا تھا پھر وہ اپنا موڈ کیوں خراب کرتی...... گھر سے نکلتے ہوئے وانیہ نے ثعلب کو اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا۔ واپسی پر بچوں نے برگر کھانے کی فرمائش کی، انہیں اپنی باتیں منوانے کا گُر آتا تھا۔ وانیہ ان کی ضد کے آگے ہار جاتی تھی۔

☆☆☆

شمی اپنے معمول سے گھر لوٹا تو گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ ان کے شاپنگ پروگرام کا تو انہیں معلوم تھا مگر ان کا مزید کوئی پروگرام بن گیا تھا اسے یہ نہیں معلوم تھا۔ آفس سے آکر نانو سے ملنے کے بعد وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ حسبِ عادت اپنا لیپ ٹپ بیڈ پر رکھ کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا گردن سے نکال کر ایک طرف پھینک کر وہ ایزی چیئر پر آنکھیں موندے نیم دراز ہوگیا۔ کچھ لمحے ہی گزرے تھے اسے کسی اجنبی سی خوشبو کا احساس ہوا۔ اس نے قدرے چونک کر آنکھیں کھولیں تو اس کے سامنے نک سک سے تیار رومانہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ ایک دم سیدھا ہو بیٹھا۔

''تم...... تم یہاں؟ میرے کمرے میں کیا کررہی ہو؟'' لہجے میں حیرانی و کرختگی ایک ساتھ در آئی۔

''کم آن شمی...... یہ ایکٹنگ کرنا چھوڑو، تمہاری بیوی، اس وقت گھر پر نہیں ہے۔'' رومانہ نے جیسے اسے کچھ جتانے کی کوشش کی۔

''تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں ایکٹنگ کررہا ہوں۔'' شمی کو اس کے یقین پر اچنبھا ہوا۔

''یہ ایکٹنگ نہیں تو اور کیا ہے، کتنے دن ہوگئے یہاں آئے ہوئے اور تم نے مجھے رسپانس نہیں دیا...... کوئی بات نہ کی صرف اس وجہ سے ناں...... کہ تمہاری بیوی، تمہارے سر پر مسلط رہتی ہے ورنہ ....... ورنہ بے چین تو تم بھی ہو...... مجھے معلوم ہے ہزاروں سوال تم بھی مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔'' وہ اپنے مخصوص لب و لہجے میں بولی۔

''ہاں سوال تو ہے مگر...... ہزاروں نہیں، صرف ایک سوال...... اور وہ یہ کہ تم اب یہاں کیا لینے آئی ہو...... تمہارا گولڈن فیوچر کیا ہوا؟'' شمی کے لہجے میں خود بخود چبھن اتر آئی تھی۔

''میں بھی تو...... ہاں میں بھی تم سے یہ سب کہنے کو بے چین ہوں شمی مگر تم ......تم تو مجھ سے نظریں چراتے پھر رہے ہو۔'' وہ شکوہ کناں ہوئی۔

''وہ اس لیے کہ میں کسی اور سے نظریں ملا چکا ہوں اور جس سے نظریں ملا چکا ہوں وہ کبھی برداشت نہیں کرے گی کہ کوئی عورت اس کے شوہر کے ساتھ اسی کے بیڈ روم میں وقت گزارے۔'' اپنی توہین پر رومانہ کا چہرہ سلگ اٹھا۔

''شمی ...... یہ تم...... کہہ رہے ہو...... تم......؟'' وہ بے یقین ہوئی۔

''ہاں...... ایسا غلط تو نہیں کہہ رہا...... کیا تم اپنے شوہر کے ساتھ دوسری عورت کو برداشت کرسکتی ہو......؟ میں خود بھی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ کوئی میری پرائیوی میں مخل ہو۔'' ثعلب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی طرف سے رخ موڑ گیا۔

''تم...... کہنا کیا چاہتے ہو؟'' رومانہ بے یقین تھی۔

''یہی کہ تم یہاں سے میرا مطلب ہے میرے روم سے چلی جاؤ۔''

''مگر میں اپنی بات کہے بِنا یہاں سے نہیں جاؤں گی۔'' وہ بھی اٹھی اور اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا......'' ثمی نے دُرشتگی سے دیکھا۔

''کیسے نہیں سننا چاہتے؟'' رومی نے اس کا بازو تھام کر اسے حرکت کرنے سے روکا۔ ''مجھے درد دے کر تم آرام سے کیسے رہ سکتے ہو، میری نیندیں اڑا کر تم چین سے کیسے سو سکتے ہو؟'' رومی جیسے چیخ ہی اٹھی تھی۔ ثعلب کو حالات کی نزاکت کا احساس تھا۔ وانیہ کی آمد بھی کسی لمحے متوقع تھی، وہ لاکھ اس کی طرف سے پُراعتماد سہی لیکن...... رومانہ کی موجودگی اسے ایک لمحے کے لیے تو جھنجوڑ جاتی...... وہ ایسے کسی لمحے کو وانیہ کی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وانیہ اس کی محبت بن گئی تھی...... اسے سکونِ زندگی بخشنے والی، اس کے بکھرے وجود کو سمیٹنے والی...... اب اس کی نظر میں رومانہ کی کوئی اہمیت کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔ اس نے بڑے صبر وضبط سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑوایا اور پھر اسے گھورتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

شاپنگ کے بعد وہ سبھی بچوں کے پسندیدہ برگر پوائنٹ پر برگر کھانے آتو گئے تھے مگر وہاں اس قدر رش تھا کہ ان کا آرڈر پورا ہونے کے لیے کم از کم ڈیڑھ دو گھنٹے ضرور لگتے...... وانیہ نے پندرہ منٹ تک تو آرام سے بیٹھ کر گزارے سولھویں منٹ میں وہ بے چینی ظاہر کرنے لگی۔

''آپی کیا کروں...... یہاں تو بہت ٹائم لگنے والا ہے اور گھر پر نانو بھی تنہا ہیں اور ثعلب بھی آنے والے ہوں گے......'' آپی نے بھی سنجیدگی سے اس کی بات سن کر کہا۔

''تمہیں بچوں کی ضد نہیں ماننی چاہیے تھی۔ یہاں دیر تو لگ جائے گی...... وہ دیکھو وہ تو کوئن گیمز میں بزی ہو گئے ہیں، اب انہیں کہیں گے تو کبھی واپس نہیں چلیں گے۔'' ان کی نگاہ بچوں پر تھی۔

''آپی...... میں ان کی بات ٹال ہی نہیں سکتی...... وہ بھی میری ہر بات مانتے ہیں...... اچھا......! میں ایسا کرتی ہوں ڈرائیور کے ساتھ گھر چلی جاتی ہوں۔ پھر اسے واپس بھیج دوں گی۔'' وانیہ نے خود ہی حل نکالا۔

''تم ممی کو فون کر دو...... بتا دو ہمیں دیر لگ جائے گی۔''

''نہیں آپی...... میں چلی جاتی ہوں، انہیں اب شبنمی بوا کے ہاتھ کی چائے پسند نہیں آتی۔ نانو بھی پریشان ہوں گی، آپ بچوں کے ساتھ ہیں ناں...... تو کوئی فکر کی بات نہیں...... آدھے گھنٹے کی بات ہوتی تو میں رک جاتی...... پلیز......'' وانیہ نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

''ہاں انہیں تو میں سنبھال لوں گی مگر...... اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ'' آپی بالآخر راضی ہو گئیں۔ بچے ریسٹورنٹ کے اندر پلے ایریا میں کھیلنے کودنے میں مگن تھے...... عصمی ان کو دیکھ رہی تھی۔ اور وہ صبحی آپی سے کہہ کر ڈرائیور کے ساتھ گھر کے لیے نکل آئی۔

☆☆☆

ثعلب کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا تو رومانہ اس کے پیچھے لپک کر آ گئی۔ اسے گھر میں کسی کی موجودگی کا بالکل احساس نہیں تھا۔ نانو جان اپنے کمرے میں تھیں اور شبنمی بوا کچن میں، باقی گھر میں بالکل سناٹا تھا۔

''تم آخر چاہتی کیا ہو اب؟'' وہ زچ ہوا۔

''اب بھی صرف تمہیں......'' ثعلب کی بے بسی و جھنجلاہٹ پر وہ مسکرائی۔

''دیکھو رومانہ......! جو کچھ ہمارے درمیان تھا، وہ کبھی کا ختم ہو چکا۔ گزرا وقت واپس نہیں آئے گا...... ہمارے راستے بہت پہلے الگ، الگ کر دیے گئے تھے۔ ہم اب کسی موڑ پر مل نہیں سکتے۔ یہ بات تمہیں بھی معلوم ہے اچھی طرح سے۔ تمہاری واپسی کا مقصد اگر مجھے حاصل کرنا ہے تو تمہارا آنا بیکار ہوگا...... کیونکہ میرا طالب مجھے حاصل کر چکا ہے۔ میرے لیے پلٹنا تو دور کی بات پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی ناممکن ہے۔''

ثعلب نے اپنے سرد رویّے اور لہجے سے اس کے سارے گمان، سارے یقین جھٹلا دیے تھے۔ وہ پھر سے اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''ثمی...... یہ...... تم کہہ رہے ہو......؟ تم نے مجھ سے محبت کی تھی، تم نے مجھے اپنی وفا کا احساس بخشا تھا۔ تم کیسے بھلا سکتے ہو وہ سب...... وہ چاہت، جس کا تم دم بھرتے تھے، وہ دن، وہ شامیں...... وہ لمحے جو ہم نے ساتھ گزارے تھے، ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ آخری سانس تک ساتھ نبھانے کے وعدے کیے تھے۔'' وہ جذباتی ہو کر بول رہی تھی۔ ''تم اتنی جلدی...... کیسے بھول گئے ہو۔''

''اتنی جلد...... ی......'' ثمی کے چہرے پر استہزائیہ پھیل گیا۔

''صدیوں کا سفر طے کیا ہے میں نے، تب کہیں جا کر سب بھلا پایا ہوں، وہ چاہت، وہ یادیں اسی دن ختم ہو گئی تھیں جب میرے رِستے ہوئے زخموں کے لہو سے تم نے اپنے ہاتھوں پر حنا رچائی تھی۔ انتظار کی آس بھی نہیں رہنے دی تھی، اب مجھ پر کیوں الزام لگا رہی ہو...... ایسا تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ تم نے اپنا راستہ چن لیا تھا، میں اسی مقام پر کیسے ٹھہرا رہ سکتا تھا؟'' ثمی بھی قدرے جذباتی ہو کر بول رہا تھا۔ مگر اس کا لہجہ بہت دھیما اور ٹھہرا ہوا تھا۔

''تم چاہتے تو میرا انتظار کر سکتے تھے۔ تم میری مجبوری جانتے تھے ثمی...... میں نے جو کچھ کیا دباؤ میں آ کر کیا...... اپنی مرضی اور خوشی سے نہیں...... اور تم نے

اپنی اور میرے حصے کی محبت کسی اور کو سونپ دی؟ میں یہ برداشت نہیں کرسکتی...... ثمی...... تم کسی اور کے ہو جاؤ میں ایسا ہونے نہیں دوں گی......'' وہ جذباتی ہو کر رونے بھی لگی تھی۔ ''میں نے تمہاری ہی خاطر سب کچھ چھوڑا۔ وہاں اپنا گھر...... اپنا شوہر حتیٰ کہ اپنا چند ماہ کا بچہ بھی...... اب تمہیں بھی اپنی بیوی کو چھوڑنا ہوگا...... اور...... اور۔'' وہ بول رہی تھی اور ثمی جیسے پتھر کا ہو گیا تھا...... یہ انکشاف کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ ایک ماں اپنے چند ماہ کے بچے کو چھوڑ آئی تھی۔ اپنی جنت کو آگ لگا آئی تھی...... رومانہ کا یہ انداز تو بالکل نیا اور سنگین تھا۔ آج وہ دعویٰ کررہی تھی کہ وہ اس کی محبت کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر آگئی تھی۔ وہی محبت جسے وہ بیچ منجدھار میں چھوڑ گئی تھی۔ اور اس کے ڈوبنے کا نظارہ بھی نہیں دیکھا تھا...... آج وہ اسی کی دعوے دار بن کر آگئی تھی۔

☆☆☆

نانو اپنے کمرے میں وہیل چیئر پر بیٹھی دہل رہی تھیں۔ شہنی بوا نے آکر انہیں سب کچھ بتادیا تھا۔ انہیں وانیہ کی فکر کھائے جارہی تھی۔

''خدایا...... یہ لڑکی کتنی بے باک ہے، ارے دوسروں کے گھر میں آگ لگانے آگئی ہے۔ وانیہ آگئی تو کیا سوچے گی کہ...... یا اللہ ثمی کو ہی عقل آجائے...... چلا جائے کہیں...... کیوں بیٹھا سن رہا ہے اس کی رام کہانی......''

''بی بی...... میں نے تو بیٹا سے پہلے دن ہی کہا تھا کہ دونوں کو گھلنے ملنے کا موقع نہ دے...... مجھے تو خود ڈر ہے کہ اگر ثمی میاں کی پرانی محبت جاگ گئی تو...... بٹیا کا کیا ہوگا؟''

''بوا دعا کرو...... ایسا کچھ نہ ہو...... مجھ میں اب اور سکت نہیں ہے کہ اپنے بچوں کے گھروندے کو بکھرتے دیکھوں۔''

''تمہیں یقین نہیں آرہا ناں...... میں سچ کہہ رہی ہوں ثمی...... میں چھوڑ آئی ہوں سب کچھ......'' ثعلب کی خاموشی پر وہ پھر سے یقین دلا رہی تھی۔

''میں نے روحیل کو دل سے قبول ہی نہیں کیا تھا...... نہ ہی اسے وہ حق دیا تھا...... وہ اپنی یک طرفہ محبت میں خوش تھا مگر تمہیں میں ایک پل کو بھی نہیں بھول پائی۔'' ثعلب نے اس کی بے حسی پر بے حد دکھی ہو کر اسے دیکھا...... رومانہ کا یہ روپ بہت عجیب تھا۔

''تمہاری یہ وضاحتیں اب کوئی معنی نہیں رکھتیں رومانہ...... میں سب کچھ بھلا چکا ہوں...... تمہیں...... تمہاری محبت، سب کچھ...... تمہاری دی ہوئی قربانی اب میرے لیے بے معنی ہے، جب میں اپنا حق حاصل نہیں کرسکا تھا تو قربانیوں کا متحمل کیسے ہوسکتا ہوں۔'' ثعلب کے اندر کا دکھ آہستہ، آہستہ اس کے لہجے سے سماعتوں میں اترنے لگا تھا۔

''تم خود کو میری وفادار ثابت کرنے کے لیے اپنے شوہر سے بے وفائی کر کے آسکتی ہو...... اپنے معصوم بچے کی محبت کو قتل کرسکتی ہو...... مگر...... مگر میں تم سے وفاداری ثابت کرنے کے لیے کوئی حماقت نہیں کرسکتا...... وفا اور وفاداری تو ویسے بھی مشروط ہیں ناں...... جب تم ایفائے عہد نہ کرسکیں تو مجھ سے کیوں امید لگا کے آئی ہو......؟ میں نے وفا کے بدلے میں وفا کا وعدہ کیا تھا...... جب تم نے ہی راستہ بدلنے میں پہل کرلی تھی تو میں بھی ہر قسم، ہر رسم سے خود بخود آزاد ہوگیا تھا۔ مجھ سے کوئی امید مت رکھو...... تم اپنے شوہر اور بچے کو فراموش کرسکتی ہو۔ مگر میں اپنی بیوی اور آنے والے بچے کو کسی قیمت پر نہ بھلا سکتا ہوں اور نہ ہی چھوڑ سکتا ہوں...... ہوسکتا ہے تم صحیح کہہ رہی ہو...... کہ تمہیں روحیل کی محبت یا رفاقت قائل نہ کرسکی اور نہ ہی اپنی ممتا کی تڑپ تم محسوس کرسکتی ہو گی مگر میرے بارے میں جان لو میں...... اول روز سے ہی دانیہ کی محبت میں ڈوب گیا تھا۔ وفاداری کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اس نے بھی مجھے اپنی وفا کا اسیر کرلیا ہے۔ اس کے وجود،

اس کی ذات سے مجھے وہ خوشیاں، وہ راحتیں ملی کہ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اور مجھے وہ سب نہیں دے سکتا تھا...

اور میرے گھر کا سکون اب اسی کے دم سے ہے، وہ میری زندگی میں نہ آتی تو میں اور یہ گھر کیا تھا...... ویران اجاڑ بستی کے مانند...... تم یقین کرو وہ جب سے میری زندگی میں آئی ہے اس نے مجھے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ میرے دل سے تمہاری یادوں کے نقش تک مٹادیے ہیں...... مجھے اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی اور کا خیال تک نہیں آتا۔ میں وانیہ کے سوا کسی کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ تمہارے لیے کسی کو چھوڑنا آسان ہوگا...... میں کیوں اسے چھوڑ دوں؟ میرے لیے تو یہ سب سے بڑا گناہ ہوگا۔'' ٹھہر، ٹھہر کر بولتا ثعلب' وانیہ کی محبت کا دم بھرتا رومانہ کے اندر زہر اتارتا چلا جارہا تھا۔ اور وہ اسے مبہوت سن رہی تھی۔ دیکھ رہی تھی، اس کے اندر دھڑا دھڑ یقین کی بلند ترین کوئی عمارت گرنے لگی تھی۔ اس قدر شور و گرد کا طوفان ارد گرد تھا کہ ثعلب ہی کیا اسے اپنی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''کیا......؟ کیا تم...... یہ سب اتنی آسانی سے کہہ رہے ہو......؟ ایک سال سے بھی کم کے عرصے میں تم اتنی دیرینہ رفاقت، محبت و چاہت کو بھلا چکے ہو۔ میرے ساتھ سے حاصل شدہ امنگوں کو مٹا چکے ہو؟ صرف چند ماہ میں...... میں تو تمہیں ایک پل نہ بھلا سکی اور تم ہر نقش مٹا چکے ہو...... تم جھوٹ کہہ رہے ہو...... ایسا نہیں ہوسکتا...... تم نے تو صرف میری تمنا کی تھی۔ تم تو میرے بنا زندگی گزارنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ پھر اب یہ طرزِ تغافل، یہ نئی روش، تمہاری کوئی مصلحت تو ہوسکتی ہے مگر مجھے یقین ہے میری تڑپ، میری کسک آج بھی تمہارے سینے میں دھڑکتے دل کی ہر دھڑکن میں موجود ہے۔ کہو یہ سچ ہے ناں......؟ پلیز کہو ناں......'' رومانہ کے چہرے پر عجیب سے رنگ ابھر آئے۔ الجھن، پریشانی، کشمکش، وہ جسے اعتبار و....

بے اعتباری کے برزخ میں معلق تھی...... اس کی آنکھوں میں امید کی آخری لو تھرتھرا رہی تھی...... ثعلب افسوس و ملال بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی خاموشی پر وہ پھر بولی۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں...... میں جانتی تھی، تم میرے سوا کسی کو قبول نہیں کرپاؤ گے...... تمہاری آنکھوں کو میرے سپنے دیکھنے کی عادت تھی تو میرے خوابوں کے مالک بھی تو تم ہی تھے۔ بلکہ اب تک ہو...... پھر یہ سب کیا ہوا......؟ تمہیں مجھ پر اعتبار ہونا چاہیے تھا۔ میں کتنی بھی دور...... چلی جاتی، مجھے پلٹ کر تمہاری طرف ہی آنا تھا اور دیکھ لو...... میں آگئی ہوں وہ سب کچھ چھوڑ کر، ہر اس قید سے آزاد ہوکر جو تم تک پہنچنے میں حائل ہوتی......'' ثعلب کی پُرملال آنکھوں کا تاثر بدلا اور ان میں بالکل نیا سا دکھ نظر آنے لگا۔

آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے رومانہ بے حس پتھر لگ رہی تھی...... وہ اپنے لہجے میں تاسف بھر کر بولا۔

''رومانہ میں نے جو کہا ہے وہ حرف حرف سچ ہے، تمہیں بھی یقین کرلینا چاہیے۔ تم ایک سراب کے پیچھے چلی آئی ہو...... وہ ثعلب فاران...... جس نے تم سے محبت کی تھی جو تمہاری وفاؤں کا متمنی تھا۔ وہ تو اسی روز مرگیا تھا۔ جب تم اس کی وفاؤں کو ٹھکرا کر یہاں سے چلی گئی تھیں۔ وہ ثعلب فاران ایک زندہ لاش بن کر رہ گیا تھا۔ جس نے اس گھر کی فضاؤں کو بھی بے مہر و بے گیاہ بنادیا تھا مگر وانیہ...... وانیہ کی محبت و ہمت نے اس ثعلب فاران کو دفنا کر ایک نئے ثعلب کو جنم دیا...... اس نے اس گھر کو سنوار کر گلشن بنا دیا ہے، اپنی امنگوں کے رنگ بکھیر کر خوشیاں سجائی ہیں۔ اس گھر کی فضا کو مہر و وفا کے پُر فضا جھونکوں سے روشناس کرایا ہے۔ اب یہاں صرف وانیہ کی مہک رچی ہے، میرا دل اس کی وفاؤں کا اسیر ہوچکا ہے۔ مجھے تمہاری تمنا نہیں...... میں وہ نہیں جس کی تمہیں تلاش

ہے..... سمجھ لو جیسے تم بدل گئی ہو...... وہ بھی بدل گیا ہے۔'' ثعلب نے بڑی مشکل سے خود کو نارمل رکھا تھا۔

ڈرائیور کو واپس بھیج کر وانیہ رہائشی حصے کی طرف آئی تو لاؤنج کے نیم وا دروازے سے باہر آتی آواز نے جیسے اسے دروازے کے پاس ہی کسی زنجیر سے باندھ دیا..... وہ چاہ کر بھی قدم اٹھا نہیں پا رہی تھی..... رومانہ جیسے گڑگڑا رہی تھی اس کا حرف، حرف منت گزار تھا۔

''مگر..... مگر میں نے تو سب کچھ چھوڑ دیا ہے، صرف تمہاری خاطر..... میں تو اسی آس پر واپس آئی ہوں کہ تم..... تم میرے منتظر ہو گے، مجھے ہر حال میں قبول کر لو گے..... مجھے یقین تھا تم میرے ناکردہ گناہوں کو معاف کر دو گے..... مگر تم..... تم تو مجھے سزا دے رہے ہو تم ایسا نہیں کر سکتے..... میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ جنونی کیفیت میں بول رہی تھی۔

''ہاں..... اگر میں وہی ثعلب ہوتا اور تم وہی رومی..... وقت صرف ایک لمحے کا گزرا ہوتا..... تم ایک قدم کے بعد پلٹ کر آئی ہوتیں تو میں بڑھ کر تمہارا ہاتھ تھام لیتا لیکن..... ہم دونوں ہی وہ نہیں ہیں۔ وقت بہت آگے نکل گیا ہے، قدموں کے نشان تک گم ہو گئے ہیں۔ ہم دونوں ہی وہ نہیں رہے..... جو ایک دوسرے کے بنا جی نہیں سکتے تھے، تم نے دیکھا..... بلکہ محسوس کیا ہو گا کہ نہ تو تم میرے بنا مر گئی ہو نہ ہی میں..... تم بھی ایک طویل مدت میرے بنا بڑی سہولت سے گزار کر آئی ہو اور میں بھی..... میں بھی بہت پُرسکون زندگی گزار رہا ہوں، یقین کرو، میرا سکون، میرا چین اب میری بیوی وانیہ ہے، جس کی ذات سے میں نے زندگی کی تمام خوشیاں، تمام جذبے حاصل کیے ہیں۔ جس نے تمہارے بارے میں سب کچھ جان جانے کے باوجود اپنا آپ، اپنی محبت، اپنی وفا صرف میرے لیے وقف کر دی ہے۔'' رومانہ نے اس انکشاف پر آنکھیں پھیلائیں۔ اس کے اشک آنکھوں میں ہی ٹھہر گئے۔

''اعتبار کرو..... وہ سب جانتی ہے..... وہ میرے ماضی کے ایک، ایک لمحے سے آگاہ ہے اور میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں کہ پلٹ کر نہیں دیکھوں گا۔ اس کے نزدیک اس کی وفاؤں کا یہی صلہ یہی انعام ہے۔ میں حیران ہوں..... تم کیسے روحیل اور اپنے بچے کی محبت کو فنا کر آئی ہو.....؟ تم کیسے ان زنجیروں کو اتار آئی ہو، وہ جو نہ صرف تمہیں معاشرتی طور پر اسیر کرتی تھیں بلکہ مذہبی و روحانی طور پر بھی پابند کرتی ہیں، میں کیسے یقین کر لوں کہ تمہیں، تمہاری ممتا نے نہیں روکا؟ تمہیں ایک لمحے کے لیے اپنے معصوم بچے کا خیال نہیں آیا، ماں کی محبت و تعلق تو دنیا کے تمام رشتوں سے اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ ماں تو اپنی اولاد کے لیے ہر نعمت، ہر رشتہ ٹھکرا دیتی ہے اور تم.....؟ تم، تم محض آسودگی دل کے لیے اسے، اپنے جگر کے ٹکڑے کو چھوڑ آئی ہو؟ تم اس قدر بے رحم اور پتھر دل ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور تم مجھ سے بھی یہی امید رکھتی ہو کہ میں بھی تمہاری تقلید کروں.....؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ثعلب فاران کو خود غرضی پسند نہیں..... تم نے ایسا کیسے سوچ لیا..... میں محبتوں اور وفاؤں کا اسیر ہوں..... اگر میں خود غرض ہوتا تو اسی وقت تمہاری ماما کی دلی خواہش پوری کر دیتا..... اپنے بھائی سے اپنا حق لے کر تمہاری ہمراہی میں اپنا مقدر بنا لیتا..... مگر نہیں میں نہ ہی تب ایسا کر سکا تھا اور نہ ہی اب ایسا کر سکتا ہوں۔ تم جیسی خود غرض ہستی کا میری زندگی میں گزر بھی نہیں ہو سکتا..... واہ بہت خوب.....! جو اپنی ممتا کا تعلق نہ نبھا سکی وہ مجھ سے اب محبتیں نبھانے آئی ہے، اپنی نام نہاد وفا کا ثبوت دینے..... تمہیں کیا پتا وفاداری کیا ہوتی ہے، تم وفا نبھاؤ گی..... تم.....؟'' ثعلب کا استہزائیہ قہقہہ لاؤنج میں بکھر گیا۔ رومانہ یک ٹک اسے تکے گئی۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ ثعلب نے اسے آئینہ دکھا دیا تھا۔

☆☆☆

دروازے کے اس پار کھڑی وانیہ کے پیروں

میں بندھی زنجیر جیسے خود بخود ڈھیلی پڑی تھی اور وہ دم بخود کسی تنویمی عمل کے تحت بنا آہٹ کے نیم وا دروازے کو ذرا سا دھکیل کر لاؤنج میں داخل ہوئی۔ دونوں کو ہی اس کی آمد کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ماحول میں مکمل سکوت تھا...... پھر آہستہ، آہستہ رومانہ کی سسکیاں بلند ہونے لگیں...... بہت بلندی سے گری تھی وہ ......لہولہو ہوگئی تھی، چکنا چور ہوکر بکھر گئی تھی۔

''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی ثعلب......تم......تم مجھے اتنا کچھ کہوگے، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں تو تمہارے بھروسے پر اس شخص کو ٹھکرا کر آئی ہوں جو میری ایک مسکراہٹ پر جشن منایا کرتا تھا۔ جس نے مجھے میری تمام تر بدتمیزیوں اور بے وفائیوں کے باوجود برداشت کر رکھا تھا، اب ......اب بتاؤ، میں کہاں جاؤں...... کس سے کہوں کہ مجھے میری محبت لوٹا دے...... بولو...... ثعلب میں کیا کروں...... کیا کروں میں......؟'' وہ بے بسی وشدت سے رو دی۔

''کشتیاں جلا کر لہروں پر سفر کرنے والے ساحل نہیں پاسکتے......تم نے بھی بہت بڑی بھول کی، محبت، محبت، محبت تم یہ پرچار کیوں کر رہی ہو......تمہیں کسی سے محبت نہیں، نہ مجھ سے......نہ کسی اور سے......تمہیں صرف اپنے آپ سے محبت ہے، تم اپنی ذات کے غرور میں سب کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہو۔ یاد رکھو...... جو اپنی ذات کے غرور میں مبتلا ہوں وہ اسی طرح تڑپتے، سسکتے اور خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے تم جیسی خودغرض ہستی سے بچالیا۔ ورنہ شاید تمہارے کزن کی جگہ آج میں برباد ہوتا......اب میں ہاتھ جوڑتا ہوں خدا کے لیے تم یہاں سے چلی جاؤ......اگر تم میں ذرا سی بھی انسانیت باقی ہے تو جاؤ اپنی محبت کا رخ، اپنے بچے کی طرف موڑ دو جو ابھی تمہاری فطرت کے رنگ پہچان نہیں سکا ہوگا...... اور ہوسکے تو اس شخص کو بھی اعتماد بخش دو، جو تمہاری ایک مسکراہٹ پر جشن منایا کرتا تھا۔'' ثعلب اس وقت دوہرے جذبات کی لپیٹ میں تھا۔ رومانہ کا سسکتا وجود دل گداز کرنے کے ساتھ، ساتھ دماغ میں آگ بھی بھڑکا رہا تھا۔ اسے یقین کیا...... امید بھی نہیں تھی کہ اس کی محبت رہنے والی ہستی ایک اندھے راستے پر چل کر اسے اور اس کی محبت کو رسوا کرے گی۔ روحیل نے اس کے بارے میں کیا، کیا نہ سوچا ہوگا......اس کے معصوم بچے نے اپنی فطرت کے مطابق اسے کس، کس طرح نہ پکارا ہوگا...... وہ اسے ہی چھوڑ آئی تھی...... رومانہ بھی بے یقین تھی کہ اس کی محبت میں جان دینے والا ثعلب اس کی ہر خواہش ماننے والا شخص بدل گیا تھا......اسے اچانک اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا......اس کے اندر یک بیک خوابیدہ ممتا بیدار ہوئی تھی۔ بچے کی تڑپ نے اسے بھی بے چین کر دیا تھا۔ وہ جو ہاری ہوئی سی شکستہ دل بیٹھی تھی اپنے آنسو پونچھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ یک دم پرعزم دکھائی دینے لگی تھی۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، تم وہ ثعلب فاران نہیں ہو جو میری محبت تھا...... جس کے لیے میں نے واپسی کے سارے راستے مسدود کرلیے ......جس کے لیے میں کشتیاں جلا کر آئی تھی۔ وہ تو کوئی اور ہی تھا۔ شاید تم ٹھیک کہتے ہو......وہ تو مر گیا......اگر وہ ہوتا تو کیا مجھے روتے دیکھتا؟ میری مسافتیں بڑھاتا......؟ میں لوٹ جاؤں گی، لہروں پر ہی سفر کرلوں گی، کم از کم وہاں تو پہنچ جاؤں گی جہاں میری ممتا کے لیے ننھا سا وجود تڑپ رہا ہوگا...... مجھے یقین ہے اس کی محبت کی کشش مجھے اس تک ضرور لے جائے گی۔ کیونکہ اس سے میرا غرض کا رشتہ نہیں ہے۔'' وہ ایک پل میں سنبھل گئی تھی۔ ''مجھے معاف کر دینا ثعلب...... میں نے آکر تمہیں، تمہارے گھر کو ڈسٹرب کر دیا...... میں ہی پاگل تھی جو سمجھتی رہی کہ کچھ بھی ہوجائے، زمانہ اور حالات لاکھ دوریاں کھڑی کر دیں، میں پھر بھی تمہارے پاس موجود رہوں گی......لیکن خبر نہیں تھی کہ تم تو اپنے اردگرد سے میری پرچھائیاں تک مٹا دوگے۔ آخر تم بھی تو ایک مرد ہی

ہوناں..... ایک پرچھائیں پر دوسرا عکس آسانی سے سجا سکتے ہو..... مگر..... میں کیا..... کرتی..... ؟ میں کسی عکس کو تمہاری شبیہہ پر برداشت نہ کرسکی۔ تم سے جو تعلق بندھا تھا اسی کو وفا سمجھتی رہی۔ مجھے خبر ہی نہیں تھی کہ کیا وفا ہے اور کیا گناہ..... میرا خدا مجھے معاف کرے.....'' وہ سر ذرا سا اونچا کر کے اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتی تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔ ثعلب کتنی دیر تک سانس روکے اسی طرف دیکھتا رہا جدھر وہ گئی تھی۔

وانیہ بھی یک دم کسی طلسم سے باہر آئی تھی۔ اس کی سماعتوں میں ساری باتیں گردش کر رہی تھیں اور ثعلب کی گم صم کیفیت پر اسے اس کے ملال کا گمان ہوا..... خود کو سمیٹتی..... وہ اس کے قریب پہنچ کر متوجہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ ثعلب کے کندھے پر ہاتھ دھرے وہ بڑی ہمت سے پوچھ رہی تھی۔

''آ..... پ ٹھیک تو ہیں؟'' ثعلب نے یک دم چونک کر اسے دیکھا..... لمحہ بھر کو اس کا رنگ متغیر ہوا..... اسے وانیہ کی آمد کی خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

''تم..... تم کب آئیں؟'' ردعمل بے ساختہ مگر ٹپٹایا ہوا تھا۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' سوال کے جواب میں استفسار تھا۔ وہ اس کی پشت سے ہٹ کر اس کے سامنے آگئی۔

''مجھ سے.....؟'' ثعلب نے نارمل ہونے کی کوشش کی۔

''ہاں..... آپ سے.....'' وہ اس قدر سنجیدہ تھی کہ اس کے ارادے کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ ممی کو اس کے تاثرات جاننے کی جلدی تھی۔

''کیا.....؟ بولو.....'' ثعلب نے اس کے چہرے پر پھیلے حزن و ملال کو دیکھا۔

''آپ رومانہ سے شادی کرسکتے ہیں، مجھے کوئی شکوہ نہیں ہوگا۔'' ثعلب کو ایک جھٹکا لگا۔ گویا وہ سب کچھ سن چکی تھی۔

''کیا..... تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو.....؟'' غیر شعوری طور پر ثعلب کی جھنجلاہٹ اس کی بلند آواز سے ظاہر ہوگئی۔

''میں ہوش میں ہوں..... البتہ وہ بے خبری میں یہاں تک پہنچی ہے اور اپنی واپسی کا راستہ بھی گم کر آئی ہے، اسے منزل کا ملنا بہت ضروری ہے ورنہ وہ بھٹک سکتی ہے..... آپ اس کی منزل بن سکتے ہیں تاکہ وہ اپنے سفر کی تھکن بھلا سکے.....'' وانیہ کی بوجھل آواز پر ثعلب یک دم اٹھ کر اس کی جانب بڑھا پھر اس کی کلائی تھام کر اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''ت..... م..... ہاری..... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں.....؟'' اس کی گرفت میں وانیہ کی یخ بستہ کلائی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں..... آپ میری بات کا جواب دیں.....'' وانیہ جیسے اس پر دباؤ ڈال رہی تھی۔ ثعلب قدرے زچ ہوکر بولا۔

''بے وقوفی کی باتیں نہ کرو..... چلو..... آؤ..... کمرے میں چل کر لیٹو..... مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' ممی نے اس کی کلائی تھامے ہوئے ہی اسے کمرے کی طرف لے جانے کی کوشش کی مگر وہ وہیں جمی کھڑی رہی۔

''میں رومانہ کو روکنے جارہی ہوں..... اور آپ کو اس سے کہنا ہوگا کہ آپ نے اس سے جو بھی کہا وہ سب جھوٹ تھا۔ آپ ہمیشہ اس کے منتظر رہے اور آج بھی اسے قبول کرنے کو تیار ہیں..... میری وجہ سے آپ نے جھوٹ.....''

''شٹ اپ وانیہ.....'' نہ چاہتے ہوئے بھی ممی دہاڑ اٹھا۔ ''میں کسی بھی صورت تمہاری کسی حماقت کو قبول کرنے کو تیار نہیں انڈر اسٹینڈ.....؟'' ثعلب کا لہجہ خود بخود کرخت ہوگیا..... مگر وانیہ پر کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ اپنے ارادے میں اٹل تھی۔

''آپ سچ کہیں..... آپ نے واقعی رومی کو بھلایا تھا؟ آپ نے اسے صرف میرے کہنے پر فراموش کیا تھا

ناں......؟ تو جب مجھے ہی کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ اپنے دل پر جبر کیوں کرتے ہیں۔'' وانیہ نے اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑائی اور ثعلب کو دم بخود چھوڑ کر وہاں سے نکل گئی۔ ثعلب کو بڑا تکلیف دہ جھٹکا لگا تھا۔ رومانہ کی باتوں نے اُسے اتنی تکلیف نہیں دی تھی جتنی اذیت وہ وانیہ کے ردِعمل سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ دوبارہ سے لاؤنج کے صوفے پر جیسے ڈھے گیا...... اس کے اندر بار، بار یہی سوال اٹھ رہا تھا۔

''وانیہ کو بھی...... میری وفا پر شک ہے؟ اسے یہ احساس ہے کہ میں اس سے وفادار نہیں...... اسے میری محبت کی بس اتنی سی پہچان تھی......؟'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

زور سے رومانہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر وانیہ کمرے میں داخل ہوئی تو اپنا بیگ بستر پر رکھے رومانہ نے یک دم چونک کر اسے دیکھا...... اس سے پہلے کہ رومانہ کچھ بولتی وانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پھر اسے تقریباً کھینچتے ہوئے ثعلب کے سامنے لاؤنج میں لے آئی۔ رومانہ مزاحمت کے باوجود اپنا ہاتھ چھڑا نہیں پائی تھی۔ ثعلب نے قدرے چونک کر مگر غصے سے وانیہ کو دیکھا۔

''رومانہ انہوں نے تم سے جو کچھ بھی کہا غلط اور جھوٹ تھا۔ صرف میری وجہ سے...... ورنہ یہ اب بھی تمہارے ہیں...... بس مقدر کے پھیر نے مجھے آپ دونوں کے درمیان لا کھڑا کیا...... مگر مجھے رکاوٹ مت سمجھنا...... میں تمہاری خوشی کے لیے ایک طرف ہونے کو تیار ہوں۔ میں جانتی ہوں تمہاری واپسی اب مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے تم ایک مرد کی انا کو چکنا چور کر کے آئی ہو...... وہ تمہیں اب اپنے بچے کی ماں کی حیثیت سے بھی شاید ہی قبول کرے...... اسی لیے تمہیں مزید بھٹکنے کے بجائے یہیں قدم جما لینے چاہئیں۔ جب تم نے منزل کے لیے اپنی راہ گم کر دی ہے تو پھر منزل چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟'' وانیہ کا لب و لہجہ بہت نرم، دھیما اور سمجھانے والا تھا۔ ثعلب نے اپنا غصہ ضبط کرنے کے لیے اپنی مٹھیاں بھینچیں...... رومانہ نے سر اٹھا کر پہلے ثعلب کو دیکھا...... وہ غصے میں کھول رہا تھا۔ پھر چہرہ وانیہ کی طرف موڑ کر مخاطب ہوئی۔

''سنو...... یہ میری منزل نہیں ہے، میں بھولے سے ادھر آنکلی ہوں، راستہ بھٹک گئی تھی۔ میری صحیح منزل تو میرا بیٹا ہے...... جسے صرف میری ضرورت ہے، شکر ہے میں نے اپنی منزل چھوڑی تھی کھوئی نہیں...... روحیل نے مجھے باقاعدہ طلاق نہیں دی تھی۔ میں خود اسے چھوڑ کر آئی ہوں ...... شاید کہ اسے میری ناکامی کا یقین تھا، میں یا وہ ایک دوسرے سے رجوع کر سکتے ہیں۔ یہ تمہاری ہی منزل ہے، تم اپنی منزل کھونے کی کوشش مت کرو...... اور تم بھی یقین کر لو کہ ثعلب کے دل پر صرف تمہاری حکمرانی ہے، تمہارے سوا اس کے دل پر اور کسی کا سایہ بھی نہیں ہے۔ اگر انجانے میں مجھ سے کوئی دکھ پہنچا ہو تو پلیز مجھے معاف کر دینا۔ میں واپس جا رہی ہوں۔ میرے لیے بس دعا کرنا......''

رومانہ یک دم بہت مضبوط اور پُراعتماد نظر آ رہی تھی۔ نانو جان بھی اپنی وہیل چیئر کے پہیے گھماتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہو رہی تھیں۔ رومانہ چلتی ہوئی ان کے قریب جا کر جھک گئی۔

''نا...... نو میں نے یہاں آ کر وہ کچھ پا لیا ہے جو کھویا تھا۔ امید ہے آپ بھی اپنے دلوں سے میرے لیے میل نکال دیں گے۔'' نانو نے غیر محسوس انداز میں اس کے جھکے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔ ان کی نگاہیں کافی فاصلے پر بیٹھے مٹھیاں بھینچے ثعلب سے ہوتی ہوئی صوفے کے سہارے کھڑی وانیہ پر رک گئیں۔ وہ جیسے وہاں ہو کر بھی نہیں تھی۔ رومانہ ایک دم ان کے درمیان سے غائب ہو گئی تھی۔ تینوں نفوس اپنی، اپنی جگہ پر خاموش تھے۔ شاید ایک دوسرے سے نظریں ملانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وانیہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں...... پھر اس کی مدھم سسکیاں ماحول میں

ارتعاش پھیلانے لگیں۔ثعلب نے بے چین ہو کر سر اٹھا کر دیکھا......نانو بھی وہیل چیئر کے پہیے گھما کر اس کے قریب آ گئیں۔اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھنے کے لیے کہا' وہ اسی صوفے پر بیٹھ گئی پھر ان کا سہارا ملتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

''بات کیا ہوئی ہے، مجھے تو بتاؤ......اس طرح کیوں رو رہی ہو......وہ تو چلی گئی ہے شاید......'' نانو جان نے اپنی دانست میں تسلی دی تھی۔مگر وہ مزید شدت سے رو دی۔

''ثمی! اِدھر آؤ، تم ہی بتاؤ ہوا کیا ہے؟'' انہوں نے ثعلب کو بھی قریب بلا لیا۔

''کچھ نہیں ہوا نانو......'' وہ سنجیدگی سے بولتا اسی کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کچھ نہیں ہوا...... پھر یہ اس طرح کیوں روئے جا رہی ہے؟'' نانو بے چین و پریشان ہو گئی تھیں۔

''کیا تم نے ایسا کچھ کہا ہے جو......؟''

''کہا تو ہے کہ کوئی بات نہیں...... بس inspire (انسپائر) جو نہیں کر سکیں محترمہ......رومانہ کو میری قربانی دینا چاہتی تھیں۔ اس نے قبول نہیں کی...... اسی کا ردِعمل ہے، عجیب ری ایکشن ہے۔'' ثعلب کی سنجیدگی میں شرارت بھی تھی مگر وہ سمجھ نہ سکی فوراً چلا پڑی۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں، میں انجان ہوں...... میں نہیں جانتی......کہ آپ نے میری خاطر اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹا ہے......صرف میرے لیے اپنی محبت سے دستبردار ہو گئے اور میں جانتے بوجھتے خود غرضی دکھاؤں؟ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کو باندھ لوں اور آپ مجھے اپنا پابند سمجھنے لگیں۔'' وہ سسکتے ہوئے بول رہی تھی۔ثعلب یک دم طیش سے چلا پڑا۔

''شٹ اپ......شٹ اپ......خبردار اگر اب ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو......'' ثعلب کے چہرے پر ایک لمحے میں کئی رنگ آ کر گزرے تھے۔نانو بھی جیسے بات کی تہ تک پہنچ گئی تھیں اگر وہ نہ ہوتیں تو ثمی یقیناً ان باتوں پر ہاتھ اٹھا لیتا۔

''اوہو......بچوں......میاں، بیوی کو حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی محبتوں سے باندھ لیں......یہ خود غرضی نہیں وفا ہے، جس کے وہ پابند ہوتے ہیں۔وانیہ بیٹی میں تو تمہیں بہت سمجھدار سمجھتی تھی مگر تم تو حد سے زیادہ بے وقوف نکلیں......کوئی بھلا اپنا سر ننگا کر کے دوسرے کا ڈھانپتا ہے، ثعلب نے کیا ایسا کہا کہ تم نے اسے پابند بنا دیا ہے؟'' نانو جان بھی متاسف ہوئیں۔

''آئندہ یہ بے وقوفی مت کرنا ورنہ زندگی بھر پچھتاؤ گی جو فیصلہ کرنا ہے ابھی کر لو......میرا مطلب ہے، اپنا دل صاف کر لو......ثعلب کا کوئی عمل بھی قابلِ گرفت نہیں ہے۔جس پر تم یا ہم اسے الزام دے سکیں۔چلو اٹھو...... جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ اپنی حالت دیکھو...... بچے اور صبحیٰ آنے والے ہیں، وہ آ گئے تو کیا سوچیں گے۔'' انہوں نے بڑی نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی...... وانیہ بہ مشکل آنسو صاف کرتی اٹھی اور اپنے کمرے میں آ کر بستر پر جیسے ڈھے کر پھر سے رو دی وہ خود کو بڑا ذلیل خیال کر رہی تھی جو ثعلب کو اتنا کچھ کہہ دیا تھا۔اپنی بے معنی بدگمانی ظاہر کر دی تھی۔

ثعلب اس کے وہاں سے جاتے ہی قدرے بے بسی و دکھ سے بولا۔

''نانو......دیکھ لیں......اسے مجھ پر آج تک یقین نہیں ہے۔''

''ثمی اس کی حالت بھی سمجھو......کوئی بھی ہوتی رومی کو دیکھ کر بدگمان ہو ہی جاتی۔وہ بھی شاید تم سے کچھ بدگمان ہو گئی ہے، جاؤ اسے اپنا اعتماد دو اس وقت اس کی حالت ایسی ہے کہ تم کوئی بھی نقصان اٹھا سکتے ہو۔''

نانو نے ثمی کو کشمکش کا شکار دیکھ کر سمجھایا۔
''میں جانتی ہوں بیٹا..... رومی تمہارے لیے اب کچھ نہیں ہے بلکہ وانیہ سب کچھ ہے، تمہیں اپنا سب کچھ بچانے کے لیے خود میں لچک پیدا کرنی ہوگی۔ اس کی بے وقوفی کو بھلا دو، نادان ہے وُہ تم جاؤ..... وہ تو رو، رو کر پاگل ہو رہی ہوگی۔ بے وقوف لڑکی۔'' نانو نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے ثعلب کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھے تھے۔ تبھی محبت سے سمجھا رہی تھیں کہ کہیں وہ انا میں نہ آ جائے۔ وہ ایک لمبی سانس کھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ نانو اسے نظروں سے بھی تحمل برتنے کا حوصلہ دے رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آیا تو وانیہ نانو کے کہنے کے مطابق واقعی تکیے میں منہ چھپائے سسک رہی تھی۔ ثعلب کا سارا غصہ سارا تناؤ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا پھر اس کے قریب نیم دراز ہو کر وہ اسے چپ کروانے لگا۔ حوصلہ دینے لگا مگر وہ کسی طرح چپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
''نیا..... یہ تو سراسر زیادتی ہے، غلطی تمہاری ہے، الٹا تم مجھے سزا دے رہی ہو۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا جو تم مجھ سے بدگمان ہو گئیں؟ میری محبت، میری چاہت میں کہاں کمی رہ گئی تھی جو تمہیں میری وفا پر شک ہوا...؟ جانم میرا یقین کرو..... میرے دل میں صرف تمہاری محبت ہے، تمہی میری زندگی ہو، تمہارے علاوہ میں کسی اور کے بارے میں ... سوچ بھی نہیں سکتا پھر ..... پھر یہ بدگمانی، یہ ری ایکشن کیوں.....؟'' ثعلب اپنے مخصوص محبت بھرے لہجے میں اسے نئے سرے سے اپنی محبت، اپنی وفا کا ایقان بخش رہا تھا۔ وہ سیدھی ہو گئی۔
''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں..... آپ سے بدگمان نہیں ہوں بلکہ خود کو آپ کا مجرم سمجھ رہی ہوں..... آپ نے میرے لیے، اپنے در پر آئی من کی مراد، اپنی محبت کو ٹھکرا دیا۔ صرف میرے لیے.....!''
اس نے دوپٹے سے اچھی طرح اپنی ناک رگڑی.....
''فار گاڈ سیک..... یار..... بار بار یہ مت کہو..... میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں، میرے من کی مراد بھی تم ہو اور محبت بھی تم..... میں تمہیں ٹھکرا کر جی سکتا ہوں؟ ہرگز نہیں..... رومانہ عہد رفتہ کی کسی شب کے خواب کے سوا میرے لیے کچھ نہیں ہے اور خوابوں پر زندگی کی حقیقتیں بلکہ خوب صورت حقیقتیں قربان نہیں کی جا سکتیں۔'' ثعلب نے اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھری نظروں سے دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی۔
''اور سنو..... جس طرح رومانہ کو میں یکسر بھول چکا ہوں، تم بھی اس کی کھٹک دل و دماغ سے نکال دو یار..... یہ تمہاری اچھی پالیسی تھی، مجھے تو پہلی رات ہی قائل کر لیا تھا اور خود ابھی تک دل میں پھانس بنا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ اچھی رہی..... مان گیا ہوں بھئی تمہیں..... میں تو تمہیں کوئی الگ ہی بیوی سمجھا تھا مگر تم تو وہی روایتی، شکی، بدگمان بیوی ثابت ہوئی ہو۔ ابھی تک دل و دماغ میں سجایا ہوا ہے سب کچھ.....'' ثعلب نے اسے اچھی طرح شرمندہ کر دیا۔
''کوئی نہیں میں ایسی.....'' وہ جھینپ کر خجالت سے بہ مشکل مسکرائی۔
''ہاں، ہاں اب تو یہی کہو گی، کچھ دیر پہلے جو حسد کی آگ میں مجھے جھونک رہی تھیں، تب کیا تھا؟''
''وہ حسد نہیں سچے دل سے ایسا کر رہی تھی کیونکہ میں خود کو آپ دونوں کا مجرم سمجھ رہی تھی۔ پتا نہیں کیوں۔'' اس نے آخری سسکی روکی۔
''اور..... اگر وہ واقعی تیار ہو جاتی... تمہارا نذرانہ قبول کر لیتی تب.....؟'' ثعلب کے لبوں پر واضح شریر مسکراہٹ تھی۔
''میں کبھی کوئی شکوہ نہیں کرتی.....'' اس نے ایک بار پھر چہرے کو دوپٹے سے صاف کیا۔
''اس کا مطلب ہے کوئی بھی آجائے میری محبت

کا حصے دار بننے تو تم تو بخوشی ساجھے داری کے لیے تیار ہو جاؤ گی؟'' ثعلب مصنوعی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ گویا اسے آزما رہا تھا۔

''کیوں کوئی اور آ جائے......'' وہ ایک دم چمک کر بولی۔ ''میں اس پر جینا نہ تنگ کر دوں......'' ھمی نے پھر جیسے اسے اکسایا۔

''تم تو ویسے بھی اپنا حق دان کرنے والوں میں سے ہو۔ تم کیا کر لو گی؟''

''ھمی...... میں بتا رہی ہوں ایسا کبھی سوچیے گا بھی مت ورنہ...... رومانہ کا معاملہ اور تھا...... اور اب تو میں اس کے لیے بھی تیار نہیں ہوں۔ سمجھے آپ......'' وہ پورے استحقاق سے بولتی ثعلب کو محظوظ کر گئی۔ اس کا جاندار قہقہہ کمرے میں بکھر گیا۔

''بالکل سمجھ گیا...... ویسے ایک بات صاف، صاف بتاؤ۔ اب تو مجھ پر اعتبار ہے ناں......؟'' کچھ توقف سے وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

''مجھے اپنے آپ سے بھی زیادہ تھا اور ہے......''

''اچھا...... واقعی......؟'' ھمی نے اس کی آنکھوں میں شرارت سے جھانکا۔

''سوری......'' اس نے شرمندگی سے ہاتھ جوڑے تو ثعلب نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''اٹس اوکے...... بس ایک وعدہ کرو۔''

''ہوں...... کیا؟'' وہ بھی سنبھل چکی تھی۔

''آج کے بعد مجھ سے کبھی بدگمان نہیں ہو گی اور یہ رونے کا معاملہ کیا تھا۔ تمہیں پتا ہے مجھے کتنا دکھ ہو رہا تھا تمہیں روتے دیکھ کر...... اگر رو، رو کر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میرا کیا بنتا......'' اس نے خفگی سے پوچھا۔

''رونے سے کچھ نہیں ہوتا جناب......'' وہ اس کی محبت پر مزید شرمندہ ہوئی۔

''آئینہ دیکھو ذرا کیا حال ہو رہا ہے تمہارا...... لگتا ہے تم نے آنسو نہیں اپنا خون بہا دیا ہے۔ بالکل ٹھنڈی اور پیلی ہو رہی ہو...... اسٹوپڈ اتنا روتا ہے کوئی......

طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری......؟'' ثعلب کی فکر مندی اسے سرشار کر گئی۔ اثبات میں گردن ہلا کر وہ اسے یقین دلانے لگی۔

''میں ٹھیک ہوں ثعلب...... اور میں آپ سے بدگمان تو پہلے بھی نہیں تھی اول روز سے آپ کی وفا پر یقین و اعتبار تھا...... میں...... میں تو خود سے بدگمان ہو گئی تھی۔ مجھے سارا غصہ سارا رونا اپنے آپ پر اپنی بےبسی پر آ رہا تھا کہ میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں، کچھ بھی تو نہیں کر سکی۔''

''کیوں نہیں کر سکیں...... میرے گھر کو جنت، تم نے بنا دیا...... اپنی وفاؤں سے تم نے مہکا دیا۔ مجھے جھوٹ اور فریب کی دنیا سے نکال کر خوب صورت حقیقتوں سے روشناس کرایا...... اور...... اور ابھی تو بہت کچھ کرنے کو ہے میرے لیے۔'' ثعلب نے اس کے بکھرے بال سمیٹے۔

''میری خوش نصیبی ہو گی...... میری زندگی...... میری وفا، خلوص، محبت، ایمان حتیٰ کہ جان بھی آپ پر قربان ہے۔ میری زندگی کا مقصد ہی آپ کو خوشی دینا اور اس گھر میں خوشیاں بکھیرنا ہے۔'' وہ بڑے جذب سے بولتی اسے مزید سرشار کر رہی تھی۔ ثعلب کے روح و قلب پر دھرا بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا۔ وہ اطمینان و سکون کی پھوار میں بھیگ گیا۔

''تمہاری جان بہت قیمتی ہے میرے لیے، میری جان...... بس تم اتنا کرنا...... مجھ پر اپنی جان قربان کرنے کے بجائے دو چار بچوں کا بابا جان بنا دینا۔ وہی کافی ہے۔'' ثعلب کی بھرپور شرارت پر وہ اسے پیچھے دھکیلتی منہ چھپا کر رہ گئی جبکہ ثعلب کا زندگی سے بھرپور قہقہہ کمرے کی فضا میں ہی نہیں پورے گھر میں جلترنگ سا بجا گیا۔ لاؤنج میں فکر مند بیٹھی نانو اور صبحی نے بھی بے اختیار شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

اختر شجاعت

## توبہ..........توفیقِ الٰہی

اللہ کے لیے حمد وستائش ہے۔ ہر وہ حمد جو اس کے مقرب فرشتے، بزرگ ترین مخلوقات اور پسندیدہ حمد کرنے والے بجالاتے ہیں۔ ایسی ستائش جو دوسری ستائشوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ جس طرح ہمارا پروردگار تمام مخلوقات سے افضل تر ہے پھر اسی کے لیے حمد وثنا ہے۔ ایسی حمد جو اس رب کی اطاعت و بخشش کا وسیلہ، اس کی رضامندی کا سبب، اس کی مغفرت کا ذریعہ، جنت کا راستہ، اس کے عذاب سے پناہ، اس کے غضب سے امان اور اس کے حقوق و اجبات کی ادائیگی میں مددگار ہو۔ ایسی حمد جس کے ذریعے ہم اس کے خوش نصیب دوستوں میں شامل ہو کر خوش نصیب قرار پائیں۔ بے شک وہی مالک ومختار اور قابلِ ستائش ہے۔ اے میرے رب! تیری بزرگی وعظمت کے عجائب ختم ہونے والے نہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر جنت نازل فرما اور اپنی رحمت میں ہمارا بھی حصہ قرار دے...... آمین۔

☆☆☆

لمحہ لمحہ گزرتا وقت تیزی سے گزرتے شب و روز سب ہماری عمرِ عزیز کو کم کرتے چلے جارہے ہیں مگر ہم دنیاداری کے ایسے دھندوں میں گم ہیں کہ کبھی حساب ہی نہیں کیا کہ ہم نے اب تک کیا کھویا؟ اور کیا پایا؟

اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور عطا کی۔ تندرستی وجوانی سے نوازا۔ زبان دی تاکہ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اس کی حمد وثنا اور ذکر میں مصروف رکھے۔ قبل اس کے کہ آخری وقت آپہنچے اور پھر توبہ کا موقع بھی نہ ملے تو موجودہ وقت کو عزیز ترین جان کر اپنے کائنات کے خالق کی طرف لوٹ آئیں اپنا محاسبہ کریں اور اس کی بارگاہ میں دل سے توبہ کریں۔ توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا۔ ندامت وشرمندگی کا نام ہی توبہ ہے یعنی ہمیں اپنے گناہوں پر شرمندگی ہو، حددرجہ ندامت ہو پھر توبہ کر کے اس کی بارگاہ میں آئیں تو یہ پہلا قدم ہوگا۔ توبہ منزل تک پہنچنے والوں کی گراں قدر پونجی ہے۔ گمراہ لوگوں کے لیے استقامت کی کنجی ہے اور توبہ ہی نجات اور بلندیِ درجات کا باعث ہے۔ اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو یہ بات حیرت انگیز نہیں کیونکہ ہم حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ آدمؑ سے ترکِ اولیٰ ہوا اور آدمؑ نے اس کی تلافی کی تھی اس لیے ہم آدم زادوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ توبہ کریں۔ ندامت کے آنسو بہائیں۔

حق بات یہ ہے کہ خیر کا ہو کر رہ جانا ملائکہ مقربین کا شیوہ ہے اور صرف شر میں مشغول ہونا شیطان کا مشغلہ ہے مگر شر میں پڑ کر خیر کی طرف رجوع کرنا انسان کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص گناہ کے بعد تائب ہوتا ہے (گناہ سے توبہ کرنے والا) تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے انسانیت کے لیے دلیل فراہم کی ہے۔ انسان کے خمیر میں خیر اور شر دونوں کی ایسی پختہ آمیزش ہے کہ صرف ندامت کی حرارت یا دوزخ کی آگ ہی سے ان دونوں میں جدائی ہوسکتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

ترجمہ:''بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے پاکیزہ لوگوں کو۔''

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۲)

ترجمہ:''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔''

(سورۂ تحریم، آیت ۸)

حدیث شریف میں ہے کہ ”توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔“

”گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جس پر کوئی گناہ نہیں۔“

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو فرشتوں نے انہیں مبارک باد پیش کی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ کے دل کو سکون بخشا تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس توبہ کے بعد بھی قیامت کے روز مجھ سے سوال ہوا تو کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ۔ ”اے آدم تیری اولاد کو تجھ سے معصیتیں (گناہ، قصور) بھی وراثت میں ملی ہیں اور توبہ بھی۔ تو ان میں سے جو شخص بھی مجھے پکارے گا میں اس کی پکار سنوں گا۔ جس طرح تیری پکار سنی ہے اور جو شخص مجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوگا میں اس کی مغفرت کرنے میں بخل سے کام نہیں لوں گا۔ اس لیے کہ میں قریب ہوں، مجیب ہوں...... اے آدم! میں توبہ کرنے والوں کو ان کی قبروں سے ہنستے ہوئے اور بشارت سنتے ہوئے اٹھاؤں گا۔ ان کی دعا قبول ہوگی۔“

☆☆☆

توبہ کے قبول ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

1۔ گناہ سے الگ ہوجائے۔

2۔ گناہ پر ندامت کا ہونا۔

3۔ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ۔

4۔ کسی کا حق مارا ہو تو اس کا حق ادا کرنا۔

ان چاروں شرطوں کے بعد توبہ قبول ہے اور پھر محبوبیت کا نزول ہے یعنی جب بندہ یہ شرطیں پوری کرے گا تو اسی وقت محبوب ہوجائے گا۔

ہم گناہ کرتے، کرتے تھک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف کرتے، کرتے نہیں تھک سکتا۔ اگر شیطان بھی توبہ کرلیتا تو اس کا بھی کام بن جاتا۔ مولانا اشرف تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ ”شیطان میں تین عین تھے۔ ایک عین نہ تھا۔ عابد کا عین اس میں تھا۔ عارف کا عین بھی تھا۔ عالم کا عین بھی تھا۔ عالم اتنا بڑا کہ تمام نبیوں کی شریعتوں کی جزئیات اس کو یاد ہیں۔ عابد اتنا بڑا کہ کوئی زمین اس کے سجدے سے خالی نہیں رہی اور عارف اتنا کہ اللہ تعالیٰ کے عین غضب کی حالت میں دعا مانگ رہا ہے کیونکہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تاثر اور انفعال سے پاک ہے۔ مغلوب الغضب نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی میری دعا قبول کرنے پر قادر ہے۔ اتنی معرفت تھی اسے لیکن بس عاشق کا عین نہیں تھا۔ اس کے پاس اگر عاشق کا عین ہوتا تو پھر یہ مردود نہ ہوتا اگر یہ عاشق ہوتا تو مقابلہ نہ کرتا بلکہ محبوب حقیقی کی ناراضی سے بے چین ہوکر سجدے میں گر پڑتا اور وہی کہتا جو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تھا یعنی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا...... اگر یہ ایسا کرلیتا تو اس کی بھی معافی ہوجاتی۔“

علما نے لکھا ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجائے وہ مردود نہیں ہوسکتا۔ انسان سے زندگی میں جو گناہ ہوتے ہیں اس پر چار گواہ بن جاتے ہیں۔

1۔ ایک گواہ زمین ہے...... جس پر گناہ ہوتے ہیں۔

2۔ دوسرا گواہ اعضا ہیں...... جن سے گناہ سرزد ہوتا ہے۔

3۔ تیسرا گواہ صحیفۂ اعمال ہے۔

4۔ چوتھا گواہ کراماً کاتبین فرشتے ہیں۔

تو یہ ہمارے گناہوں کے چار گواہ تیار ہوگئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک نسخہ بھی بتادیا کہ اگر تم گناہ کرچکے اور چار، چار گواہ بھی مقرر ہوچکے تو اب یہ بگڑی کیسے بنے گی؟

حدیث شریف ہے کہ ”یعنی بندہ جب توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ملائکہ (کراماً کاتبین) کو بھی بھلادیتا ہے اور جن اعضا سے گناہ ہوا تھا ان اعضا

سے بھی بھلا دیتا ہے اور جہاں، جہاں زمین پر گناہ ہوئے تھے زمین کے نشانات بھی مٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہوں پر کوئی گواہی دینے والا نہ ہوگا۔'' (سبحان اللہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ بے آب وگیاہ میدان میں کھو جائے اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر ہو اور وہ اس کی تلاش کر کے مایوس ہو چکا ہو یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ جائے اور عین اسی حالت میں دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے تو اس وقت جیسی خوشی اس شخص کو ہوگی اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے لوٹ آنے سے ہوتی ہے۔''

☆☆☆

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ''توبہ چھ چیزوں کا مجموعہ ہے۔

1۔ گزشتہ گناہوں پر ندامت۔
2۔ ترک شدہ فرائض کو دوبارہ ادا کرنا۔
3۔ حقوق لوٹانا۔
4۔ دعویٰ داروں کو راضی کرنا۔
5۔ دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔
6۔ اللہ کی اطاعت پر قائم رہ کر نفس کو پاک کرنا۔''

اپنے رب کی بارگاہ میں پریشان اور غمگین دل کے ساتھ انتہائی گڑگڑا کر اپنے ایک، ایک گناہ کو یاد کرتے ہوئے روتے ہوئے اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگے، مخلص ہو کر دل کو اللہ سے جوڑے یہی توبتہ النصوح ہے کہ ایسی توبہ کرے کہ پھر گناہوں کی طرف نہ لوٹے۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ ''توبتہُ النصوح یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر پشیمان ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرے۔''

ایک بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اگر دوبارہ گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرے۔ بار بار بلکہ ہزار بار بھی گناہ ہو جائیں تو ہزار بار توبہ کریں۔ توبہ اور توبہ کی طرف جلد آنے کو اپنا وتیرہ بنالیں۔ توبہ سے عاجز اور مایوس نہ ہونا اور نہ ہی شیطان کے فریب میں آ کر توبہ سے روگردانی کرنا کیونکہ توبہ نیکی اور بھلائی کی علامت ہے کیونکہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''ہر بدکار توبہ کرنے والا تم میں سے بہتر ہے۔'' یعنی تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو گناہ میں بہت زیادہ مبتلا ہونے والا اور بہت زیادہ توبہ کرنے والا...... اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت و استغفار سے رجوع کرنے والا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو فقط عبادت گزاروں کے مقابلے میں وہ گناہ گار زیادہ عزیز ہیں جو گناہ کر کے ندامت کے آنسو بہا کر اسے منا لیتے ہیں۔ جو غلطی کر کے شرمندگی اور توبہ کے آنسوؤں سے اس کے غیظ و غضب کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔

اللہ کی رحمت فقط سجدہ گزاروں پر اتنی جھوم کر نہیں برستی جتنی ان گناہ گاروں پر برستی ہے جو گناہ کے بعد صدقِ دل کے ساتھ اپنے مولا سے معافی مانگ لیتے ہیں لہٰذا معاف کرنے میں رحمتِ خداوندی زیادہ جوش میں ہوتی ہے اور ایسے نادم لوگوں کو معاف کرتے ہوئے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

یہاں ایک نہایت قابلِ غور بات یہ ہے کہ عبادت گزاروں کے لیے معافی نہیں ہوتی، ان کے لیے فقط جنت ہی جنت ہے جبکہ تائب گناہ گاروں کے لیے پہلے بخشش و مغفرت کی نعمت ہے اور پھر جنت۔ گویا گناہ گار اللہ تعالیٰ کی دو رحمتوں کے طلب گار ہوتے ہیں اور عبادت گزار صرف ایک رحمت کے۔

گناہ گار کیوں اللہ کو عزیز ہوتے ہیں؟ اس پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ''عبادت گزار فقط اللہ کی نعمتوں میں کھوئے رہتے ہیں ان کی

تمنائیں، آرزوئیں جنت کی طرف ہوتی ہیں جبکہ گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوتا، وہ فقط اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں اور اس کے غضب سے خائف ہو کر صرف اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عبادت گزار نعمتوں کو دیکھتے ہیں اور گناہ گار نعمتوں کے خالق و مالک کو تکتے رہتے ہیں۔ وہ صرف نعمتوں والے رب کی مغفرت و بخشش کے چہرے کو دیکھتے ہیں۔ صبح شام ان کا دھیان اور توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کو ان کے اس دھیان سے محبت ہے۔"

☆☆☆

توبہ کی تین اقسام ہیں جس درجے کی توبہ ہوگی اسی درجے کی آپ کو محبوبیت ملے گی۔

1۔ عوام کی توبہ...... یہ سب سے معمولی درجے کی توبہ ہے۔ جس میں گناہ گار زندگی چھوڑ کر فرمانبرداری کی زندگی اختیار کرتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کو یاد کر کے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔

2۔ خواص کی توبہ...... یہ دوسرے درجے کی توبہ ہے۔ جس میں غفلت کی زندگی چھوڑ کر اللہ کو یاد کرو، معمولات پورے کرو، صرف فرض و واجب ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے ضابطے کا معاملہ نہ کرو بلکہ اللہ سے رابطے کا معاملہ کرو۔ رابطے والوں کو رابطہ ملتا ہے۔ نوافل پڑھو... اذکار کرو یہ توبتہ الخواص ہے یعنی غفلت والی زندگی چھوڑ کر ذکر والی زندگی شروع کر دی جائے۔

3۔ اعلیٰ درجے اخص الخواص کی توبہ...... یہ سب سے اعلیٰ درجے کی توبہ جس سے اعلیٰ درجے کی محبوبیت ملے گی۔ اس میں اپنے دل کو ہر وقت نگرانی میں رکھو کہ ہمارا دل کہیں غیر اللہ کی یادوں سے سابقہ حرام لذات میں مبتلا تو نہیں ہو رہا۔ ہر لمحہ اپنے دل کی نگرانی کر وا اپنا محاسبہ کرو۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ "عوام کی توبہ گناہوں سے ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے۔"

حضرت ابوحفص حدادؒ فرماتے ہیں کہ "توبہ کی تعریف یہ ہے کہ جب تم گناہ کو یاد کرو پھر تم اس کی یاد میں لذت نہ پاؤ تو وہ توبہ ہے۔"

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ "یارسول اللہ! میں زبان دراز ہوں اور اپنے اہل و عیال پر زبان درازی کرتا رہتا ہوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم استغفار کیوں نہیں پڑھتے۔" "میں تو دن میں ستر مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔"

توتوبہ ہر حال کی اصل بنیاد اور ہر روحانی حال کی کنجی ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید تم کو تمہارا مرض اور دوا دونوں بتاتا ہے۔ تمہارا روگ تو گناہ اور دوا استغفار ہے۔"

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "جو شخص تباہ ہوتا ہے تعجب ہے کہ نجات اس کے ساتھ ہے اور پھر وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔" لوگوں نے پوچھا کہ نجات کیا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ "وہ استغفار ہے۔" آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے دل میں استغفار نہیں ڈالا کہ اس کو عذاب دینا چاہتا ہو یعنی جس کو عذاب دینا منظور نہیں اس کو استغفار کا الہام کر دیتا ہے۔"

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے کہ "بندے کی طرف سے استغفر اللہ کہنے کا مطلب ہے کہ مجھ کو معاف کر دے۔"

☆☆☆

حضرت بشر حافیؒ نہایت بزرگ اور صاحبِ دل تھے۔ مرو میں پیدا ہوئے اور بغداد میں اپنا وطن اختیار کیا۔ بہت مال دار تھے۔ مے نوشی بکثرت کرتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کاغذ پڑا ہوا نظر آیا۔ اس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی۔ تڑپ گئے فوراً اٹھایا چوما، آنکھوں سے لگایا۔ عطر خرید کر اس کاغذ کو معطر کیا اور تعظیم سے اسے ایک بلند

جگہ پر رکھ دیا۔ اسی شب کو ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ اللہ کی طرف سے انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ بشر سے جا کر کہہ دو کہ تو نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہم بھی اس کے صلے میں تجھے پاک کرکے تیرا رتبہ بلند کریں گے۔ بزرگ نے یہ سمجھ کر کہ بشر تو ایک گناہ گار انسان ہے شاید مجھے غلط فہمی ہوئی ہو مگر آپ جب سوئے تو پھر یہی ہدایت ہوئی۔ تب چوتھے روز وہ بزرگ حضرت بشر حافیؒ کے گھر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ نشے میں مدہوش پڑے ہیں۔ آپ نے ملازم سے کا کہا کہ بشر کو کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام ان کے لیے لے کر آیا ہوں۔ ملازم نے جب آپ کو یہ کہا تو آپ یہ سن کر... آبدیدہ ہوگئے اور بولے کہ خدا جانے کیا پیغام ہے۔ دروازے پر جا کر جو پیغام سنا تو دل میں آگ سی لگ گئی۔

''یا الٰہی! مجھ گناہ گار پر یہ کرم ہے تو نیکوکاروں پر کیا کچھ ہوگا'' یہ کہا اور بے ہوش ہوگئے۔ اسی وقت آپؒ نے اپنے گناہوں سے توبہ کی پھر آپ نے عبادات و مجاہدات شروع کردیے۔ ادب کی بنا پر آپؒ نے جوتے پہننے ترک کردیے تھے۔ فرماتے تھے کہ جس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے مصالحت کی تھی اس وقت میں برہنہ پا تھا۔ اب مجھے شرم آتی ہے کہ میں جوتا پہنوں اور اللہ کی زمین کا ادب نہ کروں۔ بہت جلد آپ کے زہد و کمال کا شہرہ ہوگیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو آپ کی ذات سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے شاگردوں نے ایک روز امامؒ سے کہا کہ آپ اتنے بڑے مجتہد اور امام ہوکر ایک دیوانے کے پاس جاتے ہیں آپ کی شان کے خلاف ہے۔ تب حضرت امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں تمہاری نسبت اپنے علم کو بہتر جانتا ہوں لیکن بشر حافیؒ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔''

☆☆☆

حضرت ذوالنون مصریؒ، مصر کے بڑے جلیل القدر بزرگ اور صاحب کمال ولی گزرے ہیں۔ آپ کی توبہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ آپ شخص دنیا دارانہ زندگی بسر کررہے تھے۔ ایک روز آپ ایک عابد کی زیارت کے لیے گئے، دیکھا کہ وہ ایک درخت پر لٹکا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ''اے میرے جسم! اطاعت و عبادت میں میرا حکم مان ورنہ میں تجھے اسی طرح اذیت میں مبتلا رکھوں گا۔'' آپ بہت متاثر ہوئے اور آپؒ پر رقت طاری ہوگئی۔ درخت سے لٹکے ہوئے عابد نے جو آپ کی سسکیوں کی آواز سنی تو اس نے پکار کر کہا۔ ''اے شخص تو کون ہے؟ جو اس شخص کی حالت پر رحم کرنے کے لیے آیا ہے جو گناہ میں غرق ہے؟'' یہ سن کر آپؒ ان کے سامنے آگئے۔ سلام کے بعد آپ نے کہا کہ ''حضرت آپ نے کیوں اپنے آپ کو اس قدر اذیت میں مبتلا کررکھا ہے؟'' تب انہوں نے کہا۔ ''کیا کروں؟ یہ میرا جسم میرا کہنا ہی نہیں سنتا، دنیا اور دنیا والوں کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ عبادت و ریاضت میں میرا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہوتا۔'' آپ نے فرمایا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ آپ سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہے یا آپ کسی کا قتل کر بیٹھے ہیں؟'' تب وہ بولے۔ ''افسوس ہے کہ تو راز کی بات نہ سمجھ سکا۔ لوگوں سے میل ملاپ اور دنیوی علائق میں پھنسنا ہی ان تمام گناہوں کو دعوت دیتا ہے۔'' تب آپؒ نے فرمایا۔ ''واقعی آپ بہت بڑے عابد و زاہد ہیں۔'' اس بات کو سن کر وہ بولے۔ ''اگر آپ مجھ سے بھی زیادہ بڑے عابد و زاہد کو دیکھنے کے خواہش مند ہیں تو آپ اس سامنے والے پہاڑ پر چڑھ جائیں۔'' یہ سن کر آپ پہاڑ پر چڑھ گئے دیکھا کہ وہاں ایک سرسبز مقام پر ایک جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ اس کے اندر دروازے کے قریب ہی ایک جوان بیٹھا ہے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ دروازے کے سامنے ہی ایک پاؤں کٹا ہوا پڑا ہے جسے کیڑے اپنی غذا بنا رہے ہیں۔ آپ نے اس جوان کو سلام کیا اور پوچھا۔ ''یہ کیا حالت ہے اور یہ پاؤں کیسے کٹا پڑا ہے؟'' تب اس جوان نے بتایا۔

''ایک روز میں اسی طرح بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ماہ پیکر نازنین اس طرف سے گزری' دیکھتے ہی دل اس کی طرف مائل ہوگیا اور بے ساختہ آرزو پیدا ہوئی کہ اس کے قریب جاؤں اور اس سے گفتگو کروں، یہ سوچ کر جس وقت میں اٹھا اور قدم آگے بڑھایا تو عین اسی وقت ایک قدم اندر تھا اور ایک باہر کہ غیب سے ایک آواز میرے کان میں آئی کہ شرم نہیں آتی تیس سال تک ہماری اطاعت کرنے کے بعد اب شیطان کی اطاعت کا ارادہ کررہا ہے۔ یہ آواز سنتے ہی بس ایک برق سی میرے قلب پر کوندگئی۔ سر سے پیر تک کانپنے لگا سخت ندامت ہوئی۔ احساسِ شرمندگی و گناہ سے میں نے اسی وقت وہ پیر کاٹ ڈالا جو جھونپڑی سے باہر نکلا تھا اور وہ سامنے پڑا کیڑوں کی غذا بن رہا ہے اور اب میں حیران و پریشان اس انتظار میں بیٹھا ہوں کہ مجھے اس غلطی کی کیا سزا ملتی ہے۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ نے جو ان دونوں بزرگوں کو دیکھا تو بے حد متاثر ہوئے دل میں ایک درد سا پیدا ہوگیا۔ آپ بوجھل دل کے ساتھ پہاڑ سے اتر رہے تھے کہ راستے میں آپ نے دیکھا ایک اندھا پرندہ ایک درخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ وہ پرندہ درخت سے نیچے اترا اور ادھر اُدھر پھرنے لگا۔ آپ کو خیال آیا کہ اس کی تو بینائی زائل ہوچکی ہے اسے کیا ملے گا اور یہ کہاں سے دانہ پانی کھائے گا۔ آپ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اس پرندے نے ایک جگہ رک کر اپنی چونچ سے زمین کھودنی شروع کردی۔ آپ نے دیکھا کہ زمین سے دو پیالیاں برآمد ہوئیں ایک سنہری پیالی تھی جس میں دانہ بھرا ہوا تھا اور دوسری پیالی میں پانی بھرا ہوا تھا۔ آپ کے سامنے اس پرندے نے دانہ کھایا پھر پانی پیا اور خوب پیٹ بھر کر درخت پر دوبارہ جا بیٹھا اور آپ کی نظروں کے سامنے ہی یہ دونوں پیالیاں غائب ہوگئیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر آپ تڑپ اٹھے اور آپ کو اپنے رب کی عظمت، اس کی رزق رسائی اور توکل پر پورا، پورا اعتماد ہوگیا اور آپ نے صدقِ دل سے توبہ کی اور بارہ گاہِ الٰہی میں اپنی ذات کو سرنگوں کردیا اور پھر آپ کے مراتب بلند سے بلند ہوتے چلے گئے۔ ایک توبہ کہاں سے کہاں پہنچادیتی ہے۔

### حدیث

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس سیاہ دانے (کلونجی) کو لازماً استعمال کرو۔ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفا ہے۔

مرسلہ: بسمہ حسن، کراچی

☆☆☆

ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے بذریعۂ وحی ارشاد فرمایا۔ ''اے داؤد! میرے ان بندوں کو بتادے جو مجھ سے منہ موڑ کر نافرمانیوں اور گناہوں کی زندگی گزار رہے ہیں اور نفس کی آلودگیوں میں لت پت ہوکر بھول چکے ہیں اگر انہیں معلوم ہوجائے کہ ان کی نافرمانیوں کے باوجود مجھے ان سے کتنا اُنس ہے اور ان کے واپس پلٹ آنے کا کس قدر انتظار ہے اور یہ کہ ان پر میں کتنا مہربان ہوں تو وہ تڑپ، تڑپ کر مرجائیں۔ اگر انہیں پتا چل جائے کہ میں ان کی معصیت کاریوں (گناہوں) کو کیسے درگزر کردیتا ہوں تو میرے شوق میں ان کا جوڑ، جوڑ جدا ہوجائے اور ان کے جسم ریزہ، ریزہ ہوجائیں۔ یہ کیفیت صرف اتنا جان لینے سے پیدا ہوجاتی ہے کہ ہمارا رب ہماری اس قدر نافرمانیوں کے باوجود ہماری توبہ اور بخشش کا بہرحال مشتاق ہے۔ اے داود! میں ان بندوں کے متعلق یہ ارادہ رکھتا ہوں جو مجھے فراموش کرچکے ہیں لیکن میرے ان بندوں کا کیا عالم ہوگا جو پہلے ہی میری طرف متوجہ ہیں اور مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ میرے اشتیاق میں محوِ انتظار ہیں اور جو ہر وقت میرے مشتاق رہتے ہیں۔ میں بھی ان کے لیے سراپا

اشتیاق رہتا ہوں۔''

☆☆☆

حضرت عمر فاروقؓ مدینہ طیبہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک جوان آپ کے سامنے سے گزرا اس نے کپڑوں کے نیچے شراب کی ایک بوتل چھپا رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس جوان سے پوچھا۔ ''نوجوان! کپڑوں کے نیچے کیا چھپا رکھا ہے؟'' نوجوان نے دل میں دعا کی۔ ''یا اللہ مجھے حضرت عمرؓ کے سامنے شرمندہ اور رسوا نہ کرنا ان کے ہاں پردہ پوشی فرمانا میں کبھی شراب نہیں پیوں گا۔'' اس نوجوان نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ ''امیر المومنین! یہ سرکا ہے۔'' آپؓ نے فرمایا۔ ''مجھے دکھاؤ۔'' جب نوجوان نے بوتل نکال کر سامنے کی اور حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا تو واقعی سرکا تھا۔

اے انسان دیکھ ایک بندے کے ڈر سے خلوص دل سے تائب ہونے سے شراب، سرکے میں بدل گئی اس کا سبب توبہ ہے۔ اگر کوئی گناہ گار توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانیوں کو فرمانبرداریوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ شراب، سرکے میں بدل گئی۔

کسی عالم سے سوال کیا گیا کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اسے رد یا قبول کا پتا کیسے چلتا ہے؟ عالم نے جواب دیا۔ ''ہاں کچھ ایسی نشانیاں ہیں جن سے توبہ کی قبولیت کا پتا چل جاتا ہے۔ اللہ اسے گناہوں سے پاک رکھتا ہے۔ وہ اللہ کو ہر دم موجود سمجھ کر نیک لوگوں کے قریب اور بروں سے دور رہتا ہے۔ دنیا کی تھوڑی سی نعمت کو عظیم اور آخرت کے لیے اسے کثیر جانتا ہے۔ اپنی کثیر نیکیوں کو قلیل جانتا ہے۔ اپنے دل کو ہر دم یادِ الٰہی میں مصروف رکھتا ہے۔ فرائض کی ادائیگی میں مصروف اور اپنی زبان کو فضول باتوں سے بند رکھتا ہے۔ ہمیشہ اپنے گزشتہ گناہوں پر نادم اور غمگین رہتا ہے۔''

تو ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے ہر، ہر گناہ کو یاد کرتے ہوئے اپنے ربِ کریم کی بارگاہ میں سچے دل سے جھک جائیں۔ شرمندگی کے آنسو چہروں کو بھگوتے رہیں۔ تو پھر اس عظیم رب کی بے پایاں رحمت کے سامنے گناہوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کسی کو توبہ کی توفیق دینا ہی اس کے فضل و کرم کی نشانی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر اس لغزش کی معافی چاہتے ہیں جو ہم سے سرزد ہوئیں۔ ہم ایسے اقوال کے لیے بھی اللہ کی مغفرت چاہتے ہیں جو ہمارے اعمال کے موافق نہیں۔ ہر اس وعدے کی جو ہم نے اپنے نفسوں سے کیا پھر ایفائے عہد میں کوتاہی کی۔ ہر اس نعمت کی بھی جو ہمیں عطا کی گئی اور اسے ہم نے غلط استعمال کیا۔ ان تمام امور کی مغفرت چاہتے ہیں۔ (ان تمام غلطیوں اور کوتاہیوں کی خاص طور سے میں خود معافی چاہتی ہوں جو مجھ سے اس مضمون کی تیاری میں ہوئی ہوں)

اور امید کرتے ہیں کہ اللہ ہمارے اس مضمون کے لیے اس ادارے کے مالکان، دوسرے اراکین، تمام تعاون کرنے والوں کو اس کو پڑھنے اور سننے والوں کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے گا اور ہمارے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں اور خطاؤں کو درگزر فرمائے گا کیونکہ ہمارے پاس صرف اللہ کے فضل و کرم کے سوا کوئی وسیلہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے درمیان ایک رحمت نازل فرمائی ہے۔ اس ایک رحمت کے باعث وہ آپس میں ایک دوسرے محبت رکھتے ہیں اور اس رب نے ننانوے رحمتیں پیچھے رکھی ہیں۔ ان سے قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔''

اس مضمون کی تیاری میں جن عظیم ہستیوں کے کتب سے استفادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ اپنی رحمتوں کا خاص نزول ان ہستیوں پر ہوتا رہے الٰہی آمین۔

# وہ آئے بزم میں.....

نزہت اصغر

## پاکیزہ کی پرخلوص ساتھی اور ممتاز ادیبہ نیلم احمد بشیر سے بھرپور نشست

موسم گرما کا لطف اٹھاتے ہمارے پیارے قارئین..... آج ہم آموں جیسی میٹھی، آلو بخارے اور آلوچے جیسی کھٹی، خوبانی اور آڑو جیسی صحت بخش، تربوز اور خربوزے کی سی رسیلی اور روح افزا جیسی جاں افروز مٹھاس والی خوب صورت بزم لیے حاضر ہیں۔ جی ہاں ہماری ایک اور ہر دلعزیز لکھاری اپنی گرما گرم گفتگو سمیت اس بزم میں رونق افروز ہیں۔ نیلم احمد بشیر..... جو اپنی کہانیوں میں کبھی نیلگوں نیل

گگن کے نغمے گاتی ہیں تو کبھی معاشرے کے زخم خوردہ دلوں پر اپنی حکایتوں کے مرہم رکھتی ہیں اور کبھی محروم طبقے کو خوشخبریاں دیتی چلی جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ ڈائجسٹ میں کم کم لکھتی ہیں مگر ادبی رسائل ان کی تحریروں سے اکثر سجے رہتے ہیں۔

ماہنامہ پاکیزہ کا ہمیشہ سے یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ تمام تخلیق کار اسے اولین ترین اہمیت دیتے آئے ہیں اور ہم اس کے لیے اپنی تمام قلم کاروں اور شاعرات کے شکر گزار ہیں۔ تو آیئے "ناظرین" اور قارئین اپنی قیمتی رائٹر کی بیش بہا باتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ویسے نیلم نام سے تو ایک بیش قیمت اور بادشاہ گر نگینے (پتھر) کا تصور آتا ہے مگر ہماری یہ نیلم احمد بشیر بھی کسی جواہر سے کم نہیں..... نیلم کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، انہوں نے پاکیزہ کو ہمیشہ اہمیت دی اور اس کے صفحات کو رونق بخشی۔

پاکیزہ: جی آپ کی آمد کا بے حد شکریہ..... قارئین کی بزم میں آمد آپ کو کیسی لگی؟

نیلم احمد بشیر: بہت اچھا لگ رہا ہے، یوں جیسے انسان اپنے گھر میں ہی بیٹھا ہو۔ آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا۔

پاکیزہ: نیلم آپ کافی عرصے سے ڈائجسٹ میں نہیں لکھ رہی ہیں، کوئی خاص وجہ ہے؟

نیلم احمد بشیر: وجہ یہ ہے کہ ایک میری فطری کاہلی اور سستی..... میں بہت زیادہ نہیں لکھتی..... گھریلو مصروفیات اور سوشل، فیملی کمٹمنٹس سے فرصت نہیں ملتی..... دوسرا یہ کہ ڈائجسٹ کے مزاج کی کہانیاں کچھ روایتی پن کی طلبگار ہوتی ہیں اور میرے مضامین قدرے مختلف ہوتے ہیں، بہر حال کوشش تو کرتی ہوں بس پھر غیر حاضری ہو ہی جاتی ہے۔ (ویسے اب تو ڈائجسٹ کی کہانیاں خالص سماجی اور معاشرتی مسائل اور ان کے حل لیے ہوتی ہیں۔ کیا خیال ہے قارئین آپ کا؟)

پاکیزہ: آپ تو پردیسی ہو گئیں کیا وہاں اپنا تشخص برقرار رکھنا آسان ہے؟

نیلم احمد بشیر: میں پردیسی ہی ہوں..... گزشتہ چالیس سال سے امریکا اور پاکستان کے درمیان سفر کر رہی ہوں۔ بچے وہاں آباد ہیں تو دل وہیں لگا رہتا ہے۔ پاکستان میری محبت ہے تو قدم یہاں لے آتے ہیں لیکن دونوں جگہ ہی خوش رہتی ہوں۔ امریکا میں بھی بہت ادبی سرگرمیاں ہوتی ہیں کیونکہ بہت زیادہ تعداد میں پاکستانی وہاں آباد ہیں۔ دوست بھی ہیں، پزیرائی بھی ہوتی ہے تو بس کام چل جاتا ہے۔ (بہت خوب)

پاکیزہ: اچھا قلم اور قرطاس کا یہ سفر کہاں سے اور کب شروع ہوا..... کچھ اپنی یادوں کو کھنگالیے؟

نیلم احمد بشیر: سفر تو خیر بچپن سے ہی شروع تھا۔ ادب پسند اور آرٹ نواز گھرانا تھا۔ موسیقی سے عشق تھا اور اب بھی ہے۔ فنونِ لطیفہ نے مجھ میں اور میری بہنوں کے نصیبوں اور شخصیتوں میں رنگ بھر دیے۔ باقاعدہ افسانہ نگاری کا آغاز تین عدد ماشاءاللہ بچے جوان کرنے کے بعد 1990ء میں کیا اور بس اب تک چل رہے ہیں۔ (ناظرین یاد رہے کہ معروف فنکار بشریٰ انصاری اور اسما عباس، نیلم آپا کی چھوٹی بہنیں ہیں۔ ایک اور بہن سنبل بھی فنکار ہیں)

پاکیزہ: پہلی تحریر چھپی تو خود کو کیسا لگا اور پھر گھر والوں کے کیا تاثرات تھے؟

نیلم احمد بشیر: پہلی تحریر پندرہ سال کی عمر میں چھپی تھی۔ اخبار جہاں میں افسانہ بھیجا تھا۔ لمحوں کا سفر اور ممتاز مفتی صاحب نے پڑھ کر شاباشی کا خط لکھا۔ بس کمرا بند کر کے خط لے کر خوب اچھلی کودی، گھر والوں نے بہر حال اس کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا..... مگر میرے لیے وہ لمحہ ناقابلِ فراموش تھا۔

پاکیزہ: کس سوچ اور جذبے کے تحت لکھنا

(درمیان میں) نیلم احمد بشیر اپنے افسانوی مجموعے کے اجرا کی تقریب میں

شروع کیا، کیا اب بھی وہی سوچ قائم ہے؟

نیلم احمد بشیر: سوچ تو یہ تھی کہ اپنی بات کہی جائے......اردگرد کی بات بیان کی جائے......لکھنا کوئی شعوری فیصلہ نہیں تھا۔ خود بخود لکھنے کو جی چاہتا تھا۔ بس ڈرتے، ڈرتے لکھتی تھی کہ نہ جانے کیا بکواس لکھی ہے۔ اب تو میں سوچتی ہوں کہ یہ میری نجات اور ہستی کا سبب ہے۔ لکھنا میرے ہونے کا اعلان اور اظہار ہے۔ شکر یہ کہ میں ہوں اور لکھ سکتی ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ خوب لکھوں مگر پھر وہی بجلی کے بل جمع کروانا، پانی کی بوتل لانا، فون ٹھیک کروانا جیسے رومانی کام آڑے آجاتے ہیں اور لکھنا آخری کام بن جاتا ہے۔ (واہ بھئی کیا رومان پرور شخصیت ہیں آپ!)

پاکیزہ ❁ پاکیزہ سے کیونکر اور کب پہلا تعارف ہوا؟

نیلم احمد بشیر: پاکیزہ سے تعارف میری دوست سلمٰی اعوان نے کروایا تھا اور کہا تھا اس میں افسانہ بھیجو......یہ بہت مقبول رسالہ ہے پھر میں نے خود دیکھا کہ ماہنامہ پاکیزہ نے تو اپنی ایک الگ دنیا تخلیق کی ہوئی ہے جس میں خواتین بہت خوشی سے حصہ لیتی ہیں۔ یہ بہت متاثر کن بات ہے۔ (جی یہ تو سو فیصد درست بات ہے، بہت شکریہ)

نیلم کا ایک پُرسوچ انداز

پاکیزہ ❁ آج سے بیس، پچیس سال پہلے ڈائجسٹ کی

تحریریں گویا نوجوان لڑکیوں کو خیالی دنیا اور تصوراتی محل میں لے جاتی تھیں، کیا ایسا ہی تھا؟

نیلم احمد بشیر: تب لوگ معصوم تھے۔ رومان بس کتابوں اور ڈائجسٹوں میں نظر آتا تھا۔ اب نوجوان لڑکے لڑکیاں میرا ذاتی خیال ہے اس طرح کے ہوائی خیالی رومان پر زیادہ یقین نہیں رکھتے۔ پہلا اسٹیپ، دوسرا اور پھر تیسرا...... بہت جلد منزلیں طے کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ تیزی آگئی ہے۔ (جی ہاں جبھی صرف ایک رومان سے دل نہیں بھرتا)

پاکیزہ: موضوعات کے حساب سے آج رائٹر کن باتوں کو ترجیح دے رہا ہے؟

نیلم احمد بشیر: میرا خیال ہے مرد، عورت کے درمیان بے وفائی اب زیادہ موضوع بن رہی ہے۔ بہر حال میں خود ذاتی باتوں سے زیادہ معاشرتی بات پر لکھتی ہوں کہ مجھے دکھ ہی دکھ، ہر طرف نظر آتا ہے۔ (یہی تو حساس ہونے کی علامت ہے اور ادیب تو ہوتا ہی حساس اور دردمند ہے)

پاکیزہ: اب تو خیر ڈائجسٹ اور رسالوں کے قلمکار ٹی وی چینلو پر سکہ جمائے ہوئے ہیں یہ رجحان کیسا ہے، کیا آپ بھی اسکرپٹ نگاری کی طرف آئیں؟

نیلم احمد بشیر: ڈائجسٹ رائٹرز اب ڈرامے لکھ رہی ہیں، اچھی بات ہے۔ نئے، نئے تجربے کرتے رہنا چاہیے۔ کوئی حرج نہیں...... اگر کہانی اچھی ہے تو چلے گی۔ میں اس طرف نہیں آتی کیونکہ مجھ سے کسی کی مرضی کے مطابق اور کہنے پر نہیں لکھا جاتا۔ میں لکھنے میں آزادی محسوس کرنا چاہتی ہوں اور ڈراما نگاری کے اپنے تقاضے ہیں...... ریٹنگ، مقبولیت، کمرشل ازم وغیرہ...... جو خواتین ایسا کر سکتی ہیں انہیں شاباش ہے۔

پاکیزہ: اپنی تحریری کاوشوں کو ایک مجموعے کی شکل میں لانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟

نیلم احمد بشیر: میرے افسانوں کے پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور اب انہیں کلیات کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (بہت، بہت مبارک باد)

پاکیزہ: تحریروں پر تبصرے، تنقید، ریمارکس، رائٹر کے لیے مثبت یا منفی کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟

نیلم احمد بشیر: تنقید اور تبصرے مجھے پسند ہیں، میں اسے اچھے انداز میں قبول کرتی ہوں۔ (اتنی وسعت القلبی تو رائٹر میں ہونی ہی چاہیے)

پاکیزہ: آپ نے کس چیز کو تحریر میں مدِنظر رکھا صرف تفریح یا مثبت پیغام؟

نیلم احمد بشیر: تفریح تو نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے لکھا کہ جو کائنات میں چھپا ہوا ہے اور تکلیف دے رہا ہے اسے نکال کر دنیا کے سامنے پیش کر دوں کہ یہ ہے باعثِ آزار...... ویسے کچھ مزاحیہ چیزیں بھی کبھار لکھتی ہوں۔ (ہمیں آپ کی ہلکی پھلکی مزاحیہ تحریر کا بھی انتظار رہے گا)

پاکیزہ: سلسلے وار ناول، مکمل ناول، ناولٹ، افسانہ، انشائیہ کیا فرق ہے، ایک ہی رائٹر بہ آسانی لکھ سکتا ہے؟

نیلم احمد بشیر: میرا خیال ہے لکھ سکتا ہے، میں نے تقریباً ساری اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اب ناول مکمل کر رہی ہوں۔ (بہت خوب)

پاکیزہ: آپ اردو ادب کے کن بڑے ناموں سے متاثر ہیں، کیا کبھی ان کے زیرِ اثر لکھا؟

نیلم احمد بشیر: سبھی بڑے لکھنے والوں کو پسند کرتی ہوں، موجودہ دور میں سے اسلم سراج الدین کے افسانوں کی قائل ہوں۔ عجیب و غریب چیزیں لکھتے ہیں۔ افسوس کہ وہ حال ہی میں گزر گئے۔ (اللہ ان کی مغفرت کرے)

پاکیزہ: اپنی ہم عصروں میں کوئی خاص نام جن کی تحریری صلاحیتوں کی بے حد معترف ہیں؟

نیلم احمد بشیر اپنی پُرخلوص مسکراہٹ کے ہمراہ بزم پاکیزہ میں

نیلم احمد بشیر۔ فرحت پروین، سلمٰی اعوان، سیما پیروز علی اکبر ناطق، پروین عاطف، یہ سب ہم عصر ہیں اور اچھے لکھنے والے ہیں۔

پاکیزہ: اگر آج آپ مختلف ڈائجسٹ پڑھ رہی ہیں تو نئی رائٹرز میں کتنا ہنر، صلاحیت اور دم خم ہے؟

نیلم احمد بشیر: نئی رائٹرز جوان لڑکیاں ہیں، جن کے پاس وقت زیادہ اور ذمے داریاں کم ہوتی ہیں۔ وہ پُراعتماد ہیں اور مجھے ان کو آگے بڑھتا دیکھ کر خوشی ہوتی ہے (بے شک، ماشاء اللہ آج کل تو بہت ٹیلنٹ سامنے آرہا ہے اور ایک سے ایک نیا موضوع پڑھنے کو مل رہا ہے)

پاکیزہ: آج محبت کا خالص موضوع افسانے کا مرکز نہیں بلکہ سوشل ایشوز مرکز بن گئے ہیں اس بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

نیلم احمد بشیر: محبت ہوگی تو محبت کی کہانیاں لکھی جائیں گی.... افسوس کہ اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا..... بس یہی معاملہ ہے، مصائب اتنے ہیں، معاشرتی خرابیاں اتنی ہیں کہ محبت کے موضوع پر لکھنا مشکل لگتا ہے۔ محبت کے انداز بدل گئے ہیں، اب فاسٹ ٹریک محبت اور فاسٹ ٹریک کہانی چلتی ہے۔ (یہ تو درست فرمایا)

پاکیزہ: اچھا اب ذرا کچھ ذاتی باتیں ہوجائیں، اپنی فیملی بہن، بھائی وغیرہ کے بارے میں کچھ بتائیں؟

نیلم احمد بشیر: ہم چار بہنیں ایک بھائی ہے۔ بہنیں شوبز سے وابستہ ہیں، بھائی امریکا میں بزنس مین ہے۔ میرے تینوں بچے شادی شدہ ہیں اور امریکا میں آباد ہیں۔ میں لاہور میں رہتی ہوں۔ امی، بہنوں، دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتی ہوں۔ اپنے ملک سے بہت محبت کرتی ہوں، دہشت گردی کو ایک لعنت سمجھتی ہوں۔ (بے شک ہر محبِ وطن شہری اسے لعنت ہی سمجھتا ہے) چاہتی ہوں پاکستان ایک لبرل،

نیلم احمد بشیر اپنی عزیز دوست کے ساتھ

خوشحال، ترقی پسند ملک بن جائے جیسا کہ 70ء کے عشرے میں تھا۔ زندگی مشکل نہیں تھی۔ (ویسے نیلم جی کافی مسائل ہمارے خودساختہ ہیں)

پاکیزہ ﴾ بچے کس حد تک آپ کی تحریروں کو پسند کرتے ہیں، کیا انہیں بھی شوق ہے؟

نیلم احمد بشیر: بچے انگریزی میں کہیں میرے بارے میں کچھ پڑھ لیں تو خوش ہوتے ہیں، ورنہ انہیں معلوم نہیں کہ اماں گھاس کاٹتی ہے، انجن چلاتی ہے، ان کی دنیا اور ہے۔ (یہ تو کوئی ہم سے پوچھے کہ ان کی ماں کتنا خوب صورت کام کرتی ہے)

پاکیزہ ﴾ گھریلو مصروفیات میں سے اپنی ادبی سرگرمیوں اور لکھنے لکھانے کو کس طرح ٹائم دیا؟

نیلم احمد بشیر: ٹائم نہیں ملتا۔ جی چاہتا ہے کہ کسی جزیرے پر جا بیٹھوں اور موسیقی سنو، لکھوں، پڑھوں، گھاس پر چلوں...... مگر یہ کہاں ممکن ہے۔ (بالکل ممکن ہے کبھی کراچی ہمارے پاس بھی ضرور تشریف لائیں...... جزیرے حاضر ہیں)

پاکیزہ ﴾ کیا مشکل مراحل میں قلم سے ناتا بھی ٹوٹا...... تو کیسا لگا؟

نیلم احمد بشیر: مشکل مراحل میں قلم تھاما ہی نہیں...... اور جب تھام لیا تو چھوڑا نہیں...... لکھنا بہت، بہت شروع کیا...... ہاں مگر کاروبارِ حیات کی وجہ سے لکھنا کتنی بار ممکن نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ﴾ آپ کی نظر میں رسائل اور ڈائجسٹوں کی کیا اہمیت ہے؟

نیلم احمد بشیر: رسائل اور ڈائجسٹ اچھے ہوتے ہیں...... کم از کم لوگوں کو...... مطالعے کی طرف راغب کرتے ہیں...... مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے ورنہ آپ دنیا کی حقیقتوں سے کٹ کر رہ جاتے ہیں۔ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ جاننا بھی ضروری ہے۔ کاش لوگ زیادہ سے زیادہ مطالعے کی طرف آئیں۔ (جی ہاں ہماری بھی یہی دعا ہے، اس کمپیوٹر دور میں تو کتاب دوستی دور ہوتی جا رہی ہے)

پاکیزہ ﴾ آج بھی لوگ نیلم احمد بشیر کو پڑھنا چاہتے ہیں...... کیوں؟

نیلم احمد بشیر: مجھے پڑھنا چاہتے ہیں کیونکہ میں تلخیوں اور سچائیوں کی باتیں لکھتی ہوں، لگی لپٹی نہیں رکھتی۔ لوگ مجھے بولڈ رائٹر کہتے ہیں۔ حالانکہ میں سمجھتی ہوں کہ ہر رائٹر کو بولڈ ہی ہونا چاہیے۔ کم از کم کاغذ پر تو ہم سچ بولیں۔ منافقتوں سے پردہ ہٹائیں۔ (جی ہاں)

پاکیزہ ﴾ اچھا آپ بہت ملنسار ہیں، یہ خوبی کبھی خامی محسوس ہوئی؟

نیلم احمد بشیر: ہاں بھئی یہ ملنساری، خوش مزاجی اور لحاظ کرنا کئی بار بہت مہنگا پڑ جاتا ہے۔ کسی کا دل توڑنا اچھا نہیں لگتا، بہت کچھ خلافِ مرضی بھی کر جاتی ہوں کہ نہ جانے کیوں...... نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی بلائے تو چلی جاتی ہوں لیکن کوئی بات نہیں...... بد مزاجی سے تو اچھی چیز ہے خوش مزاجی اور آسان طبع ہونا...... میں کسی کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی۔

پاکیزہ ﴾ دوستی کے بارے میں آپ کا نظریہ؟ کیا بچپن یا لڑکپن کے دوستانے آج تک چل رہے ہیں؟

نیلم احمد بشیر: دوستی میری پکی ہوتی ہے، بچپن کی تو خاص اب دوستیاں نہیں ہیں، آج کے حالات اور طرزِ زندگی کے مطابق اب ادیب خواتین اور مرد ہی ہم خیال دوست ہیں...... اب جیسی زندگی ہے اس کے حساب سے ہی دوست بھی ہوتے ہیں کیونکہ کامن شیئرنگ ہوتی ہے۔ (ہم خیال، ہم مزاج دوست بھی بہت بڑی نعمت ہیں)

پاکیزہ ﴾ زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے......
زندگی گلزار ہے......
زندگی زندہ دلی کا نام ہے......
آپ کس جملے سے اتفاق کریں گی تھوڑی وجہ

بھی ضرور بتائیں؟

نیلم احمد بشیر: ان تینوں چیزوں میں سے کچھ بھی ایسا نہیں جسے میں اپنی زندگی سے قریب سمجھوں...... زندگی روز بروز آپ کو حیرتوں میں مبتلا کرتی ہے۔ دکھ بھی دیتی ہے، سکھ بھی دیتی ہے، رشتے چھینتی ہے، رشتے عطا کرتی ہے، یہ ایک see saw جھولے کی طرح...... کبھی اوپر کبھی نیچے آپ کو عزت، ذلت، محبت، سبھی ذائقے چکھنے کو ملتے ہیں۔ آپ کسی ایک فارمولے کو زندگی پر لاگو نہیں کرسکتے۔ یہ روز کا روزنامچہ لکھتی ہے اور آپ شطرنج کے مُہرے کی طرح کبھی اس خانے کبھی اس خانے میں چلتے رہتے ہیں۔ (واہ کیا بات کی ہے، مان گئے ادیبہ صاحبہ آپ کو)

پاکیزہ ﴾ آپ تو مستقل بیرونِ ملک کا سفر کرتی ہیں، ہماری آج کی نوجوان نسل اور باہر ممالک کی نسل...... کیا کہیں گی کون آگے ہے کون ہنر مند ہے؟ کون مستقبل بیں ہے اور کیا فرق ہے؟ بلاشبہ وسائل اور مواقع تو بے شک یہاں کم ہیں۔ (سوال ذرا لمبا ہوگیا ہے۔ امید ہے مطلب سمجھ گئی ہوں گی)

نیلم احمد بشیر: ہماری نوجوان نسل فرسٹریشن کا شکار ہے کیونکہ اس ملک میں میرٹ پر تعلیم، ڈگری، نوکری کچھ نہیں ملتا...... سب کچھ سفارش اور تعلقات پر چلتا ہے...... غیر مستحکم معاشی حالات کی وجہ سے طالب علم بیچارے گھبرائے رہتے ہیں کیونکہ گھر کے حالات ہمیشہ انہیں پریشان رکھتے ہیں۔ باہر کی مغربی دنیا میں تعلیم کا معیار بہت اچھا اور career oriented ...... ہے یعنی آپ کو ہنر مندی اور معاشی خودکفالت کی طرف لے جاتا ہے۔ طالب علم پڑھ لکھ کر اپنے قدموں پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہاں تو بچے پڑھ کر بھی ماں، باپ پر ہی بوجھ بنتے ہیں۔ وہی انہیں رکھیں، ان کی شادیاں کریں، ان کے اخراجات اٹھائیں، مغربی ممالک میں اٹھارہ سال کے بعد نوجوان عورت اور مرد خود مختار اور خود کفیل ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں ابھی تک ماں، باپ پر بہت زیادہ dependance (انحصار) ہے۔ ہمارا نظام تعلیم اکثر کیریئر کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔ اسے بہتر بنانے کی بہت ضرورت ہے۔ میں خواتین کی empowerment یعنی معاشی استحکام اور خود کفالت کی حامی ہوں۔ عورت جب کسی سے یعنی والدین، بھائی یا شوہر سے لے کر کھائے گی تو خود اپنی زندگی کے فیصلے کبھی نہیں کرسکے گی۔ (یہ مثبت سوچ ہی تو معاشرے میں رائج کرنے کی ضرورت ہے اور آپ جیسے قلمکار یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں)

ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے نیلم احمد بشیر کا ایک انداز

پاکیزہ ﴾ آپ کی نظر میں ایک لڑکی، عورت بننے کے مرحلے تک وہی صفات وخصوصیات لے کر چلتی ہے یا پھر رشتوں کے ردِعمل سے اپنی اخلاقیات

بھی بدل ڈالتی ہے؟

نیلم احمد بشیر: عجیب سا سوال ہے، میں لڑکیوں کو اس طرح سے نہیں دیکھتی جیسے وہ مائیکرو اسکوپ عدسے کے نیچے رکھی ہوئی ہوں۔ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہیں، ان میں وقت کے ساتھ، ساتھ تبدیلیاں بھی آسکتی ہیں۔ growth اچھی چیز ہے، ہر انسان کو ضرور grow کرنا چاہیے۔ مرد ہو یا عورت...... ذہنی بالیدگی آپ کو بہتر انسان بناتی ہے۔ (ہمارے سوال کا مقصد آپ بالکل صحیح سمجھیں)

پاکیزہ: آج کی لڑکی کو ہم مادہ پرست اور غیر ذمے دار کیوں کہتے ہیں؟

نیلم احمد بشیر: آج کی لڑکی کون ہے بھئی؟ کوئی باہر کی مخلوق تو نہیں...... جیسے لڑکے ہیں ویسے ہی لڑکیاں ہیں...... کیا لڑکے مادہ پرست نہیں ہوتے......؟ ان کی مائیں جہیز میں کاروبار، روپیہ، پیسہ نہیں مانگتیں؟ یہ دور مہنگائی کا دور ہے۔ سبھی آسانیاں چاہتے ہیں۔ لڑکے، لڑکیاں، دونوں کی ضروریات ایک جیسی ہیں۔ لڑکا موبائل فون مانگتا ہے تو لڑکی کیوں نہیں مانگ سکتی؟ یہ مادہ پرستی نہیں...... وقت کے ساتھ چلنے کے تقاضے ہیں، لڑکیوں کو خواہ مخواہ موردِ الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ وہ بھی اتنی ہی انسان ہیں جتنا کہ لڑکے...... ان کی بھی وہی خواہشات ہیں جو لڑکوں کی ہیں... آج آپ لوگوں کو اپنی تحریروں کے ذریعے یہ پرانی بوسیدہ روایتی سوچ بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کم از کم میں ایسی بڑی بوڑھی نہیں ہوں...... میں لڑکیوں کو زیادہ سمجھ دار اور ذمے دار جانتی اور سمجھتی ہوں۔

پاکیزہ: صحیح بات ہے یہ تو ماحول اور تربیت پر منحصر ہوتا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

نیلم احمد بشیر: بے شک ماحول، تربیت، تعلیم اور زمانے کے تقاضے، سبھی آپ کی کردار سازی میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ (یہی باتیں تو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور اسی کے ذریعے شعور دیا جا سکتا ہے)

پاکیزہ: لکھنے لکھانے کے علاوہ آپ کے کیا مشاغل رہے یا آج کل ہیں؟

نیلم احمد بشیر: بس دوستوں سے ملنا، ادبی تقاریب میں جانا، گھر میں چپکے سے گھس کر آرام کرنا...... یہ سب بھی معمولات میں شامل ہے۔

پاکیزہ: آپ کو کیسا کھانا پسند ہے، کیسا لباس، کیسا رنگ اور اپنی پسندیدہ تفریح گاہ وغیرہ......؟

نیلم احمد بشیر: مجھے جو مل جائے کھا لیتی ہوں، خود پکانے کا اب شوق نہیں...... کیونکہ عمر کی وجہ سے کھڑی ہوں تو کمر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ لباس ڈھیلا ڈھالا اور ماڈرن پسند ہے۔ رنگ سارے اچھے لگتے ہیں۔ خاص طور پر لال...... موسم بہار کا اور تفریح میں اچھے دوستوں کی کمپنی......

پاکیزہ: عبادت عادتاً؟ ضرورتاً، مصلحتاً یا پھر معرفت کے ساتھ؟

نیلم احمد بشیر: عبادت دل کی ہوتی ہے، اٹھتے، بیٹھتے جب اللہ سے باتیں کرتی ہوں تو تعلق محسوس ہوتا ہے۔ روایتی عبادات rituals کی اتنی پابند نہیں...... کیونکہ اللہ دل میں رہتا ہے، مسجدوں

## فیضانِ طبِ نبویؐ

☆ جو کا دلیا ایک چمچ، ایک گلاس پانی میں ڈال کر رات بھر کے لیے ڈھک کر رکھ دیں۔ صبح چھان کر دوپہر تک تھوڑا، تھوڑا پی لیں۔ گردے اور جگر کی بیماری میں مفید ہے۔ بھیگے ہوئے جو پکا کر دودھ اور شہد کے ساتھ ناشتے کے طور پر استعمال کریں۔

☆ خربوزہ گردوں کی صفائی کا کام انجام دیتا ہے اسے اپنی غذا میں شامل رکھیں۔

مرسلہ: ماہ نور خان، بہارہ کہو

میں نہیں...... میرا مذہبی اعتقاد صوفیانہ ہے۔ میں اچھے دل اور انسانی سچائی کو عبادت سمجھتی ہوں۔ داڑھیوں، نقابوں والے مجرم، مُلّا اور دہشت گردوں سے قطعاً ہمدردی نہیں۔ میں اللہ کو تھانے دار نہیں اپنا دوست سمجھتی ہوں اور تمام مذاہب کا احترام کرتی ہوں کہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔ (بے شک دین میں جبر نہیں)

پاکیزہ ✻ عام طور پر اپنے بچوں کو کیا نصیحت کرتی ہیں؟

نیلم احمد بشیر: میں بچوں کو اب نصیحتیں نہیں کرتی...... اب وہ خود شادی شدہ اور سمجھدار ہیں اور میں ان کی بات سن لیتی ہوں۔ اپنی حاکمیت نہیں ٹھونستی...... میں اس طرح کی ماں نہیں ہوں۔

پاکیزہ ✻ فضول خرچ ہیں یا کفایت شعار یعنی سوچ سمجھ کر ضرورت کے تحت خرچتی ہیں؟

نیلم احمد بشیر: میں فضول خرچ نہیں ہوں...... ضرورت کی چیزیں ضرور خریدتی ہوں۔ شاپنگ کا قطعاً شوق نہیں...... مصیبت لگتی ہے۔

پاکیزہ ✻ تحفے لینا اور دینا کیسا لگتا ہے، کیا دل چاہتا ہے کہ سرپرائز گفٹس ملیں؟

نیلم احمد بشیر: تحفے لینا دینا زیادہ اچھا نہیں لگتا۔ تردد کرنا اور بوجھ لگتا ہے۔ میں زندگی میں آسانی دیکھنا چاہتی ہوں۔ روایتی باتیں مجھ سے نہیں ہوتیں۔ اب تحفہ دو پھر تحفہ لو...... کیا مصیبت ہے کیونکہ شاپنگ بری لگتی ہے۔

پاکیزہ ✻ فلم بینی اور ٹی وی بینی اور کس قسم کے پروگرامز مختصراً بتا دیں؟

نیلم احمد بشیر: اچھی فلم اور کوئی خاص ڈراما ہو تو ضرور دیکھتی ہوں ورنہ نہیں...... خبریں زیادہ توجہ سے دیکھتی ہوں۔

پاکیزہ ✻ کون سے موضوعات قلم کی زد میں آنے سے رہ گئے؟

نیلم احمد بشیر: موضوعات ابھی رہتے ہیں۔ عورت کا rape ہونا نہیں لکھا۔ عورت کا تیزاب سے جلنا نہیں لکھا۔ چولھے سے جلانا لکھا ہے۔ بچے کا rape لکھا ہے۔ بہت کچھ لکھا ہے اور لکھنا ہے۔

پاکیزہ ✻ آج کی رائٹرز کو کچھ ٹپ دینا چاہیں گی؟

نیلم احمد بشیر: بس یہی دوں گی کہ حقیقت کی باتیں لکھیں...... ڈریں مت اور ممنوعہ موضوعات پر لکھیں...... ورنہ کوئی بات نئی بات نہ ہوگی۔ نئی بات کریں...... تاکہ آپ نوٹس کی جائیں اور آپ کی کوئی کنٹری بیوشن ہو اس سماج کو سدھارنے میں۔ (اس کے لیے ڈھیر سارا مطالعہ اور مشاہدہ بھی تو ضروری ہے۔ کیوں ٹھیک ہے ناں!)

پاکیزہ ✻ کیا خود ستائشی اور خود پرستی اچھا عمل ہے اگر ہاں تو کیوں نہیں تو کیوں؟

نیلم احمد بشیر: خود ستائشی اچھی بات نہیں......

دوسروں کو آپ کی تعریف کرنا چاہیے۔ وہی آپ کی انا کے لیے طاقت ہے۔ (ارے بھئی آج کے معاشرے میں تو بس اپنی اور اپنی چیزوں اور باتوں کی ہی تعریف ہے۔ آپ نے بھی نوٹ کیا ہوگا)

پاکیزہ ﴿ کوئی ناقابلِ فراموش، خوشگوار یا چلیں ناخوشگوار واقعہ، بات جملہ؟

نیلم احمد بشیر: باتیں تو بہت سی ہوتی ہیں، میں نے نائن الیون 2001ء میں امریکا، نیویارک میں دیکھا۔ وہ زندگی کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ہے۔ اس پر میں نے کتاب لکھی تھی۔ ''ستمبر، ستمگر'' اس واقعے نے ساری دنیا بدل دی..... وہ منظر کبھی نہیں بھلا سکتی۔

پاکیزہ ﴿ پاکیزہ کی بزم میں ایک مرتبہ پھر رونق افروز ہونا کیسا لگا؟

نیلم احمد بشیر: اچھا لگا، میں تو بھولی بھٹکی روح ہوں۔ اچھا کیا آپ نے مجھے پکڑ لیا۔ جب کوئی پکارے تو لوٹ آتی ہوں۔ آپ کی محبت اور یاد رکھنے کا شکریہ..... (آپ کا بھی بے حد شکریہ کہ کوئی ناز نخرے کیے بغیر ہماری گزارشات قبول فرمائیں اور بے حد پُر رونق بزم سجائی)

پاکیزہ ﴿ ہمارے رسالے کے لیے کوئی بات کوئی کلمات؟

نیلم احمد بشیر: آپ کا رسالہ پاکیزہ خواتین کو خوش رکھتا ہے۔ وہ اپنے غموں سے نجات پا جاتی ہیں فرار ہونے میں مزہ ہوتا ہے۔ آپ لوگ اسے اسی طرح سنوارتے رہیں مگر سنجیدہ ادب سے بھی ضرور استفادہ کریں کہ اس سے ذوق نکھرتا ہے۔ (بے شک ہماری بھی یہی کوشش ہوتی ہے)

پاکیزہ ﴿ اپنی پسند کا کوئی شعر تو بتائیں، ارے شاعری پر تو بات ہوئی نہیں، کیا کبھی شاعری بھی کی؟

نیلم احمد بشیر: شاعری بھی کر لیتی ہوں لیکن کبھی کبھار..... زیادہ تر مزاحمتی شاعری ہو جاتی ہے۔ رومانی نہیں..... نثری نظم لکھنا پسند ہے۔ پسندیدہ شعر تو بہت سے ہیں۔ چلیں سن لیں۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے.....

پاکیزہ ﴿ بزم سے رخصت ہوتے کیا کہیں گی؟

نیلم احمد بشیر: وقتِ رخصت کہوں گی، خواتین خود میں اعتماد پیدا کریں۔ اپنے آپ کو طاقتور محسوس کریں۔ اس کے لیے علم اور آگہی دنیا سے واقفیت، ہمہ گیریت کی ضرورت ہے۔ وسیع النظری اختیار کریں۔ ترقی کریں..... خواتین اہم ہیں انہیں معمولی نہ سمجھیں۔ (خدا کرے ان جملوں کی گہرائی کو ہماری خواتین کے ساتھ، ساتھ حضرات بھی سمجھیں)

☆☆☆

جی تو پیارے قارئین مان گئے ناں آپ کہ نیلم احمد بشیر کی اس گفتگو نے ہمارے ابتدائی چند تعارفی کلمات کی بے حد لاج رکھی اور اپنی میٹھی، کھٹی دلچسپ اور رسیلی ٹھنڈک بخش باتوں سے آپ کو محظوظ کیا۔

پروردگار سے دعا ہے کہ ہماری یہ پیاری نیلم احمد بشیر اپنے خانوادے سمیت خوش باش رہیں اور کبھی کبھی اپنی بے پناہ مصروفیت سے وقت نکال کر پاکیزہ قارئین کو بھی خوش کرتی رہیں۔

اس چھوٹی سی پیاری سی بات کے ساتھ آج کی اس بزم سے اجازت کہ خوش رکھنا، خوش ہونا اور خوش رہنا سیکھیں..... اللہ ہم سب کا مددگار ہو۔

اگلی مرتبہ کسی اور باہنر اور خوب صورت لکھاری سے گفتگو کریں گے۔ تب تک کہ لیے خدا حافظ.....

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

# مہنگائی کا سیلاب، بجٹ اور موسم کی گرمی

شائستہ زریں

انور شعور نے کہا تھا کہ

بڑھا دیتا ہے یہ ہر سال مہنگائی
سو لوگوں کو پریشانی بڑی ہے
بجٹ کی آمد آمد ہے خدایا
قیامت کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

کبھی یہ خوف بجٹ سے مشروط تھا جو مئی کے آخری عشرے میں شدت اختیار کر جاتا تھا اور اہلِ وطن آنے والی مہنگائی کی اس لہر سے خائف، گناہوں سے تائب خیر کی دعا مانگتے رہتے۔ بجٹ کے بعد مہنگائی میں مناسب اضافہ ہو جاتا لیکن جب سے ''ابنِ بجٹ'' نے سر اٹھایا ہے، مہنگائی محض بجٹ سے مشروط نہیں رہی بلکہ منی بجٹ کے طفیل ''سدا بہار'' ہو کر بارہ مہینے ''گل کھلاتی ہے''۔ مہنگائی ایک لفظ نہیں عذاب ہے جو گزشتہ کئی برسوں سے تسلسل سے ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ سال بھر کسی نہ کسی بہانے مہنگائی میں اضافہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ حکومت کی نامناسب منصوبہ بندی اور غیر متوازن بجٹ کے نتیجے میں مہنگائی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ گزشتہ دہائی اور اب رواں عشرے میں جس تیزی سے مہنگائی کا سیلاب بڑھتا جا رہا ہے اس سے عوام نڈھال ہو چکی ہے۔ یہ وہ سیلاب ہے جو بڑے سے بڑے گھریلو بجٹ کو تنکے کے مانند بہا کر لے جاتا ہے۔ اس پر بند باندھنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ ہمارے ملک میں جون اور بجٹ لازم و ملزوم ہیں اور دونوں ہی غضب کی گرمی ہمراہ لاتے ہیں۔

موسم کی گرمی میں بجلی کی قلت مزید اضافہ کر کے خوب حشر ڈھاتی ہے۔ یہ صبر آزما ساعتیں موسم کی تبدیلی کے ساتھ، ساتھ ختم بھی ہو جاتی ہیں لیکن بجٹ کا دورانیہ طویل ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بجٹ کی تپش بھی تواتر سے محشر برپا کیے رکھتی ہے۔

یہ تو ہماری رائے ہے لیکن اس ضمن میں عوام کی رائے کیا ہے؟ یہ جاننے کے لیے ہم نے چند معزز خواتین و حضرات سے رابطہ کر کے ان سے معلوم کیا کہ.....

سوال نمبر ۱: مہنگائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر کیسے بند باندھا جا سکتا ہے؟

سوال نمبر ۲: بجٹ کی گرمی اور موسم کی گرمی میں کیا مماثلت ہے؟ کون سی گرمی محشر برپا کر دیتی ہے؟

## سلمیٰ اعوان
## سفرنامہ نگار

۱: پہلی اہم بات قناعت اور اطمینان جیسے الفاظ عملی طور پر زندگی میں داخل کرنے ضروری ہیں۔ بنیادی ضروریات جن کے بغیر گزارہ ممکن نہیں..... مگر بات تو اس غیر ضروری پھیلاؤ کی ہے جو ہم لوگوں نے اپنی زندگیوں میں داخل کر لیا ہے۔ بس اس پر کنٹرول کی ضرورت ہے۔ جب اچھے بھلے کپڑے ہوتے ہوئے ہمیں اپنی وارڈ روب خالی، خالی لگے۔ ایک بار کا پہنا ہوا جوڑا دوسری بار کسی تقریب پر پہننا باعثِ شرم ہو۔ میچنگ جوتوں،

جیولری نہ ہونے کی صورت میں جان لبوں پر آنے والی کیفیت ہو۔ زندگی کے ہر پہلو جس کا تعلق سماج سے ہے یا خانگی زندگی سے۔ اس میں نمائشی پہلوؤں کی بھرمار پر بند باندھ دیے جائیں تو پھر مہنگائی کا جن بوتل میں گھس جائے گا۔ سلیقہ اور کفایت شعاری اپنانے اور بچیوں کو اس کی تربیت دینی ضروری ہے۔

۲: Identical Twins جیسی مماثلت۔ دونوں کا تعلق ہم سے، ہماری ذات سے، ہمارے گھر اور معاشرے سے ہے... کیا کریں۔ دونوں کی

سلمی اعوان

گرمی دنگا فساد کی صورت گھر کی چار دیواری سے نکل کر باہر پھیلتی ہوئی گھر اور معاشرے دونوں کو متاثر کرتی ہے۔

## فہیم برنی

### ہدایت کار

۱: سرکاری ملازم اور ہول سیلر بھائی، بھائی ہیں ان کا احتساب کر کے انہیں قرار واقعی سزا دی جائے وہ تائب ہو جائیں گے تو مہنگائی خود بخود قابو میں آجائے گی۔

فہیم برنی

۲: موسم کی گرمی قابلِ برداشت ہوتی ہے لیکن بجٹ کی گرمی نا اہل سرکاری ملازمین کی وجہ سے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔

## حمیرا اطہر

### صحافی

۱: سیلاب کسی بند سے نہیں رکنے والا۔ جس ملک میں ''معاشی دہشت گردی'' عروج پہ ہو۔ ملک ڈوب رہا ہو اور ناخداؤں کو جہاز بچانے کے بجائے اس میں سے صرف اپنا مال و اسباب بچانے کی فکر ہو وہاں کوئی بند کیا کام کرسکتا ہے؟ ویسے بھی یہاں بند بنانے کا رواج کب ہے؟ ہے... یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں...... کالا باغ بند کی مسلسل مخالفت ہو رہی ہے۔ اگر وہ بن گیا ہوتا یا اس کی جگہ کچھ اور چھوٹے، چھوٹے بند بنا لیے جاتے تو آج ملک میں نہ پانی کا بحران ہوتا اور نہ بجلی کا اور جب یہ دونوں اشیا وافر مقدار میں مہیا ہوتیں تو مہنگائی کا سیلاب بھی نہیں آپاتا۔

۲: دونوں میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ بجٹ کی

الیکشن کا خرچہ پورا کرتے ہیں اور یوں عام آدمی کے مسائل پسِ پشت چلے جاتے ہیں۔ مہنگائی کا مسئلہ برسوں سے ہنوز کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ کاش اربابِ اقتدار مہنگائی کو اپنا مسئلہ بھی سمجھ سکتے۔ چونکہ وہ اس مسئلے سے گزرتے نہیں۔ حکومتیں اس طرف غور نہیں کرتیں لہٰذا انہیں خیال ہی نہیں آتا کہ یہ بھی حل طلب مسئلہ ہے۔ اگر حکومت اپنا عملی کردار ادا کرے تو مہنگائی کا بحران ختم ہو سکتا ہے۔

۲: بجٹ کی گرمی سے گھروں میں گرما گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ تلخی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جون کے بجٹ کی گرمی جون کے موسم کی گرمی سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ اور جو گرمی تلخی کا

حمیرا اطہر

گرمی سارا سال خون پسینہ نچوڑتی رہتی ہے۔ جبکہ موسم کی گرمی اپنے مخصوص موسم میں ہی تپش دکھاتی اور جی جلاتی ہے۔ علاوہ ازیں موسم کی گرمی کا توڑ سب کے پاس ہے اُمرا ملک سے باہر یا ملک کے اندر ہی ٹھنڈے اور پُرفضا علاقوں میں چلے جاتے ہیں ''کمتر امرا'' اپنے گھروں میں ہی ''ٹھنڈی مشینیں'' لگا کے گھر ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ غریب غربا پانی کے چھڑکاؤ، شربت اور ستو سے گزارہ کر لیتے ہیں۔ ہائے گرمی، وائے گرمی کرتے، پسینہ بہاتے آخر یہ موسم بیت ہی جاتا ہے جبکہ بجٹ اپنے پیچھے ''منی بجٹ'' کی شکل میں جو ''اولادیں'' چھوڑ جاتا ہے، وہ سارا سال چیخیں نکلواتی رہتی ہیں۔ اس لحاظ سے بجٹ کی گرمی ''محشر'' تو نہیں البتہ ''حشر'' ضرور برپا کر دیتی ہے۔

راشد نور

سبب بنے اس سے تو اللہ ہی بچائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ جون کی گرمی میں موسمِ ابر و باد کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ سبحان اللہ!

## راشد نور

### شاعر۔ صحافی

ا: مہنگائی کے سیلاب پر حکومتیں خود بند باندھنا نہیں چاہتیں اور نہ ہی وہ عام آدمی کے مسائل میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ پہلے دعوے بہت ہوتے ہیں پھر

## ثمینہ اقبال قاسم

### معلمہ

ا: مہنگائی کا سیلاب بدقسمتی سے ختم ہونے والا

ثمینہ اقبال قاسم

نہیں لیکن کوشش کر کے ضروریاتِ زندگی میں اعتدال سے اس سیلاب پر بند باندھنا ممکن ہے۔

۲: دونوں ہی برداشت سے باہر ہیں اور دونوں ہی اپنے، اپنے رنگ میں محشر برپا کر دیتی ہیں۔

## مظہر قریشی

## سابق بینکر.. RJ FM 105

ا: جس طرح سیلاب ایک مرتبہ اپنی حدود سے باہر نکل آئے تو کسی صورت قابو میں نہیں آتا۔ راستے میں آنے والی ہر چیز خس و خاشاک ہو جاتی ہے، جیتی جاگتی زندگیاں سیلاب کی نذر اور بے جان اشیاز مین بوس ہو جاتی ہیں یہی کچھ مہنگائی کا سیلاب کرتا ہے۔ مہنگائی ایک جن ہے جو کسی صورت قابو میں نہیں آتا۔ کم آمدنی والے لوگ بڑی مشکل سے جسم و جاں کے رشتے کو برقرار رکھ پاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ذمّے داری حکومت کی ہوتی ہے کہ وہ تمام غیر معمولی حالات میں لوگوں کی اشک شوئی کرے۔ میرے ملک کے اٹھارہ کروڑ باشندوں میں سے صرف آٹھ لاکھ افراد بھی ٹیکس ادا نہیں کرتے دوسرے معنوں میں ٹیکس چوری کرتے ہیں، دس فیصد لوگوں کے ٹیکس پر کیسے ممکن ہے کہ سو فیصد لوگ اپنی زندگی آسان رکھ سکیں؟ اگر حکومتیں بنیادی ضروریات کی ذمّے داریاں پوری کرتی رہیں، مثلاً انفرااسٹرکچر ملک میں بہم ہوں تو یقیناً ملک میں لوگوں کو کاروبار اور روزگار کے بہتر مواقع میسر ہوں گے اور انڈسٹری کا پہیہ بھی گھومنے لگے گا۔ کارخانے اور انڈسٹری رواں دواں ہوگی تو روزگار مہیا ہوگا یوں مہنگائی قابو میں آجائے گی۔ ہمیں اپنے ملک کو ٹریگر نہیں بنانا بلکہ انڈسٹری کو چلانا ہے جب ہی مہنگائی کے سیلاب پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔

۲: بجٹ کا دورانیہ ایک جون سے دوسرے جون تک ہوتا ہے اور پاکستان میں موسم گرما ہی جون میں اپنی انتہاؤں پر ہوتا ہے۔ انسان تو قدرت کے عطا

مظہر قریشی

کردہ تمام موسموں میں گزر بسر کر ہی لیتا ہے۔ موسم قدرت کے دین ہے اور قدرت کے تمام کاموں میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ گندم کی فصل پکتی ہے اور پھلوں میں رس اور مٹھاس بھی اسی گرمی سے پیدا

ہوتی ہے اور اگر گرمی زیادہ نہ ہوگی تو پانی کیسے بھاپ بن کر سمندر سے اٹھے گا اور کیسے بارشیں ہوں گی؟ کم آمدنی کے مارے دو وقت کی روٹی کا انتظام نہ کر سکنے والے عوام تو اس بجٹ کی گرمی سے اتنے پریشان ہیں کہ خودکشی کرنے، اپنے جگر گوشوں کی فروخت اور انتہا تو یہ ہے کہ انہیں ہلاک کرنے پر مجبور ہیں۔ تو بجٹ کی گرمی ہی حشر برپا کر دیتی ہے۔

## گلناز نواب

## صحافی

۱: اپنے ذرائع آمدنی میں اضافہ کر کے مہنگائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر بند باندھا جا سکتا ہے۔

۲: بجٹ اور موسم دونوں کی گرمی جون میں

گلناز نواب

عروج پر ہوتی ہے لیکن بجٹ کی گرمی محشر برپا کر دیتی ہے کیونکہ یہ سارا سال برقرار رہتی ہے اور سردیوں کے موسم میں بھی لگتی ہے۔

## سیمی تبسم

## سول انجینئر

۱: مہنگائی کے سیلاب پر بند باندھنے کا اصل کام تو حکومت کی ذمے داری ہے مگر انفرادی طور پر اپنی ضروریات محدود کر لینے اور آسائشات کو ضروریات پر ترجیح نہ دے کر ہم کافی حد تک اس پر قابو پا لیتے ہیں۔

۲: بجٹ کی گرمی اور موسم کی گرمی دونوں ہی بے چین کر دینے والے عناصر ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے بھی ہیں، وہ یوں کہ گرمی کا موسم آتے ہی بجلی کا بل یقینی طور پر بڑھ جاتا ہے لیکن اگر مقابلہ کیا جائے تو موسم کی گرمی محشر برپا کر دینے کی صلاحیت زیادہ رکھتی ہے۔

## خاور غفار

## سرکاری ملازم

۱: بہتر حکومتی پالیسیوں اور ان پر یقینی عمل در آمد سے یہ کام ممکن ہے۔ حکومتی ادارے اگر چاہیں تو ایسا ہو سکتا ہے مگر کرپشن کے باعث بند تو کیا دیوارِ چین بھی بنا دیں تو سب بہہ جائے گا۔

۲: گرمی تو گرمی ہی ہوتی ہے چاہے بجٹ کی ہو یا موسم کی، اور دونوں ہی گرمیاں سٹی گم کر دیتی ہیں، مگر بجٹ کی گرمی تو محشر اٹھا دیتی ہے۔

## ثمینہ گابا

## ڈریس ڈیزائنر

۱: میانہ روی، نفس پر قابو اور صبر اختیار کر کے تو اس سیلاب پر باندھا جا سکتا ہے ورنہ جو ملکی حالات ہیں اس میں یہ ممکن نہیں۔

۲: موسمِ گرما میں بجٹ بھی آتا ہے جو اپنے ساتھ اپنی الگ ہی گرمی لاتا ہے۔ موسم کی گرمی سے بچنے کے لیے ہم ٹھنڈے مشروبات کا استعمال کر لیتے ہیں لیکن بجٹ کی گرمی سے بچنا ایک عام انسان کے لیے بہت مشکل ہے کیونکہ وہ اس مہنگائی میں اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے سے قاصر ہے تو یقیناً

ہے۔حکومت دعویٰ کرتی ہے کہ بجٹ عوام دوست ہو گا،اس کے برعکس بجٹ کا سارا بوجھ غریب عوام کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔اشرافیہ کی تمام شاہ خرچیاں غریب اور متوسط ٹیکس گزاروں کو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔بجٹ کے اعلان کے ساتھ ہی غریب اور متوسط طبقے کے لوگ پریشان ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ بجٹ ان کی کھال اتار دے گا۔موسم کی گرمی تو برداشت ہو جاتی ہے لیکن بجٹ کی گرمی ذہنی طور پر بے حال کر دیتی ہے۔

خاور غفار

بجٹ کی گرمی ہی محشر جیسی گرمی برپا کر دیتی ہے۔

## شاھد عبدالرزاق

## تاجر

ا:دریاؤں کے سیلاب کی تباہی عارضی ہوتی ہے لیکن مہنگائی کے سیلاب سے آنے والی تباہی مستقل صورت اختیار کرتی جارہی ہے کیونکہ اس سیلاب سے لوگ معاشی طور پر ٹوٹ جاتے ہیں،ان کے بجٹ ان کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں کہ مخصوص آمدنی میں انہیں گزارہ کرنا ہوتا ہے۔مہنگائی میں اضافے سے آمدنی کم اور اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ مہنگائی روکنے کا ذمہ حکومتِ وقت کا ہے کہ وہ بے روزگاری کا خاتمہ کرے۔اس کے علاوہ عوام بھی انفرادی طور پر محنت کریں خاص طور پر خواتین گھر میں رہتے ہوئے ہوم انڈسٹری بنا کر گھر والوں کو سپورٹ کریں جب تمام افراد برسرِ روزگار ہو جائیں گے۔تو مہنگائی کے جن کو قابو کیا جا سکتا ہے۔

۲:جون میں پاکستان میں شدید گرمی ہوتی ہے اور اس شدت میں اضافہ بجٹ کے ساتھ ہی ہو جاتا

## رضوانہ طاہر

## ورکنگ وومن

ا:اخراجات کو بڑھانا اور گھٹانا عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔سمجھدار اور کفایت شعار عورت ہمیشہ ماہانہ آمدنی کو سامنے رکھ کر بجٹ بناتی ہے اور اس میں سے بچت بھی کرتی ہے۔اگر ہم مہنگی اشیا کو نظر انداز کر کے

رضوانہ طاہر

اپنی آمدنی کے پیشِ نظر اشیا کی خریداری کریں ساتھ ہی اپنے اخراجات میں مناسب کمی کر دیں تو یقیناً مہنگائی کے سیلاب پر بند باندھا جا سکتا ہے۔

2: گرمی خواہ موسم کی ہو یا بجٹ کی اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔ دونوں میں مماثلت یہ ہے کہ دونوں کا اثر دماغ پر پڑتا ہے اور جب دماغ گرم ہوتا ہے تو دماغ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ موسم کی گرمی برداشت کر لی جاتی ہے جبکہ بجٹ کی گرمی جیب پر پڑتی ہے تو دن میں تارے نظر آ جاتے ہیں۔ ایک تنخواہ دار آدمی کو گھر کے راشن اور واجبات کی ادائیگی کے ساتھ مہینہ گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

قارئین کرام!

مہنگائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر بند باندھنا ممکن ہی نہیں یقینی ہو سکتا ہے اگر حکومت اور عوام باہمی تعاون کریں۔ وزیر خزانہ کا میزانیہ درمیانہ ہونا چاہیے یہ نہ ہو کہ بقول انور شعور

اکابر وغیرہ ، عمائد وغیرہ
بٹوریں بجٹ کے فوائد وغیرہ
مساکین و مفلس وغیرہ مسلسل
اٹھائیں بجٹ کے شدائد وغیرہ

فوائد اور شدائد کی جنگ میں غریب عوام ہی پستی ہے اور کیا ہی اچھا ہو کہ عوام بالخصوص خواتین جذبۂ مسابقت میں مہنگی سے مہنگی اشیا ترجیحی بنیادوں پر خریدنے سے گریز کر کے اپنی خواہشات کے سیلاب پر بند باندھ لیں۔ قناعت اور کفایت سے کام لیں مہنگائی از خود قابو میں آ جائے گی۔ ورنہ صبر آزما موسم کی حدت میں تو کمی واقع ہو سکتی ہے مگر بجٹ کی تپش میں جل کر صرف عوام کی خواہشات ہی راکھ نہیں ہوں گی بلکہ عوام بھی اس قیامتِ صغریٰ کی لپیٹ میں آ جائے گی جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ عوام واجبات کی ادائیگی میں ذمے دار اور ایماندار ہو جائے اور حکومت کے "بینا" اپنوں کو ریوڑیاں بانٹنے کی دانائی سے گریز کریں ورنہ بجٹ کی تمازت سے بہت کچھ راکھ بھی ہو سکتا ہے۔

# دل میں ہے درد بہت

ہالہ احمد

''یہ دنیا فانی ہے۔'' یہ جملہ بہت بار پڑھا اور سنا تھا مگر اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی تھی اور جو حقیقتیں ہم کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے...... وہ حقیقتیں خود تلخ ترین روپ میں ہمارے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں اور ہم ان کے سامنے بالکل بے بس ہوتے ہیں۔ 22 فروری 2015ء تک میں موت سے شدید خوفزدہ تھی۔ موت کا ذکر بھی میرے رونگٹے کھڑے کر دیتا تھا مگر...... 23 فروری یعنی اگلے ہی دن وہ ہو گیا جس نے میرے دل سے موت کا خوف تو نکال پھینکا ہی ساتھ ہی دنیا کی بے ثباتی اور فانی ہونے کا یقین بھی مجھے دلا دیا۔ میرے ابو میرے جان سے پیارے ابو...... ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ گئے۔ آسمان سر پر آ گرا یا کوئی پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا...... کیا بے یقینی کی سی کیفیت ہے اور یقین آئے بھی کیسے......؟ چند سیکنڈ......صرف چند سیکنڈ پہلے قہقہہ لگانے والا اگلے تین چار سیکنڈ میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے تو یقین کس کو آئے گا؟ مگر وہ کیا اللہ تعالیٰ کے پیارے انسان تھے کہ جاتے، جاتے بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد بھرپور طریقے سے نبھا کر گئے۔ میری امی کو روزانہ گاڑی میں باہر گھمانے لے کر جاتے تھے کہ انہیں گھر میں بوریت نہ ہو...... امی اور ہم بچوں کو پھولوں کی طرح رکھا۔ محاورتاً نہیں حقیقتاً کبھی سوئی جتنی تکلیف بھی ہمیں نہیں ہونے دی۔ ان کے ہوتے کبھی بچوں کو ذمے داریوں کا احساس تک نہ ہوا۔ زندگی اصل میں کسے کہتے ہیں یہ اندازہ تو اب ہو رہا ہے۔

ایک بیٹی کی حیثیت سے میرا جو تعلق اُن کے ساتھ تھا۔ وہ کیا تھا؟ شاید ہی کبھی کوئی سمجھ پائے۔ اسے جنونی عشق کہوں تو بے جا نہ ہوگا...... دن میں کئی، کئی بار فون پر مجھ سے بات کرتے تھے۔ میرے لاڈ پیار کے بہت سارے نام رکھے ہوئے تھے۔ میرے شادی شدہ ہونے کے باوجود مجھ سے یوں لاڈ کرتے جیسے میں اب بھی ننھی سی بچی ہوں۔ ''چاندنیاں شہزادیاں ابو جانیاں......'' یہ ان کا میرے لیے ایک خاص طرزِ تخاطب تھا۔ آج کتنے روز بیت گئے میرے کان یہ آواز سننے کے لیے ترس رہے ہیں۔ ان کی عادت تھی رات سونے سے پہلے پورے گھر کا چکر لگا کر گیٹ کے پاس کھڑے ہو کر دعا پڑھا کرتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ میں دعا پڑھ کر تیری طرف بھی پھونک مار دیتا ہوں۔ مجھے بھی ہر لمحہ یہ سکون ہوتا تھا کہ ابو کی دعائیں لمحہ لمحہ مجھ تک پہنچ رہی ہیں۔

شادی سے پہلے جب کبھی میں روٹی بناتی تو اتنا وقت کچن میں میرے پاس کھڑے مجھ سے باتیں کرتے رہتے کہ میں اکیلی بور نہ ہو جاؤں۔ جب میں نے پاکیزہ میں لکھنا شروع کیا تو بے حد خوش تھے۔ تب سے انہوں نے بھی پاکیزہ خریدنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ایک بہترین کھلاڑی تھے۔ ہاکی اور کرکٹ میں ان کے کھیل کو دیکھنے والے آج بھی ان کے معترف ہیں۔ جب بہت چھوٹے تھے تو ایک آدھ بار گیند سے ڈر گئے مگر پھر وقت نے انہیں ایک نڈر کھلاڑی ثابت کیا۔ مجھ سے اکثر خواہش کرتے تھے

کہ تم کوئی ایسی کہانی لکھو جو میرے متعلق ہو اور اس کا مرکزی خیال یہ ہو کہ جو بچہ بچپن میں گیند سے ڈرتا تھا بڑے ہونے کے بعد گینداس سے ڈرتی تھی۔

دلیری، بلند حوصلہ، خوش مزاجی، قوتِ برداشت، تحمل اور نہایت صابر وشاکر...... یہ ان کی چند صفات تھیں۔ گھر سے باہر کہیں بھی ہوتے نماز کے وقت مسجد بروقت پہنچنے کی تڑپ ان کے دل میں ہوتی۔ جب ہی اللہ نے بھی اپنے پاس بلانے سے چند منٹ قبل انہیں مغرب کی نماز ادا کرنے کی مہلت عطا فرمائی۔ نماز کے بعد گھر آئے تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ ہنستے مسکراتے، واش روم میں ذرا دیر ہوگئی تو امی نے پوچھا کہ آپ ٹھیک ہیں تو قہقہہ لگا کر بولے۔ ''ہاں، ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں، ابھی آرہا ہوں۔'' اس کے بعد امی کے دل کو کچھ ہوا انہوں نے دوبارہ آواز دی مگر اس بار ان کی پکار کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ بس...... اتنا سا وقت لگا میرے ابو کو ہم سب کو چھوڑ کر جانے میں...... کیسے یقین آئے؟ تقریباً دو گھنٹے پہلے مجھ سے آخری دفعہ فون پر بات کی۔ اس وقت بھی امی کو باہر سیر کروانے لے جا رہے تھے خود بات کر کے مجھ سے آخری جملہ کہا کہ ''لے میرا بچہ امی سے بھی پارا (پیار) کرالے۔'' اور فون امی کو تھما دیا۔

ہمارے گھر میں ایک پالتو بلی ہے کافی سالوں سے۔ کچھ دن پہلے وہ بیمار ہوگئی تو فون پر مجھے بتایا کہ میں صرف یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اگر بلی کو کچھ ہوگیا تو میں تمہیں کس طرح بتاؤں گا۔ یہ انتہا تھی ان کی اس شفیق محبت کی۔ آج کوئی ان سے پوچھے کہ آپ کو پتا ہے ابو؟ آپ کے جانے کی خبر میں نے کس طرح سنی......؟ اور میں پھر بھی زندہ ہوں ابو۔ زندہ مگر ادھوری...... لکھنے کو بے شمار باتیں اور یادیں ہیں مگر گنجائش محدود ہے۔ ابو میرے پیارے ابو رہتی زندگی تک ہمیں ادھورا کر گئے ہیں۔ زندگی کے سارے رنگ ختم ہوگئے ہیں۔ سب کچھ ہے مگر ابو نہیں ہیں۔ یہ خیال کلیجا کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ مجھے نہیں پتا باقی کی زندگی ابو کے بغیر کیسے گزرے گی۔ دل وہ نہیں رہا...... مگر...... اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہی ایمان کی نشانی ہے۔ میری آپ سب سے درخواست ہے کہ میرے ابو کی مغفرت اور بلندیِ درجات کے لیے اور ہمیں یہ جان لیوا درد برداشت کرنے کے لیے ہمت وصبر کی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ کا فضل ہم سب پر ہو، آمین۔

# بہنوں کی محفل

مدیرہ

★ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ!

★ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

★ پیاری بہنو بس کچھ ہی دنوں بعد رمضان کا موسم بہار چھا جانے والا ہے۔ اس کے استقبال کے لیے جہاں آپ بہت سی تیاریاں کر رہی ہوں گی تو اس میں ایک یہ بھی کر لیں کہ اپنے صندوق کو کھول لیں کتنی ہی ایسی چیزیں ہم خوب حفاظت سے رکھتے ہیں جو برسوں ہمارے کام نہیں آتیں تو جو چیز کام نہیں آ رہی تو اسے رکھنے کا کیا فائدہ اور یوں بھی پرانا جائے گا تو نیا آئے گا ناں...... اپنی بڑی پیٹی خالی کرنے کے ساتھ، ساتھ آپ اپنی الماریوں کو بھی بغور دیکھ لیں میچنگ چپلوں اور سینڈلوں کا انبار میں نے بھی نکالا ہے جبکہ میں شاپنگ کرنے کی زیادہ شوقین نہیں ہوں، آپ بھی سوکھی ہوئی چپلیں اور چمکتے دمکتے سینڈلز نکال باہر کریں۔ ہمارے اردگرد یقیناً بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کو ان چیزوں کی بہت ضرورت ہے۔ میری اپنی الماری سے تو پرانے پردے بھی برآمد ہوئے پتا نہیں کیوں سنبھال کر رکھ دیے تھے۔ جبکہ معلوم بھی تھا کہ اب وہ صرف الماری میں سونے کے علاوہ کوئی کام نہیں کریں گے۔ رمضان آنے سے پہلے یہ کباڑ اگر باہر نکال دیا جائے تو دل اور دماغ کو جہاں سکون بھی ملے گا بلکہ لینے والے لوگ دعائیں بھی دیں گے کراکری کے شوق کے حامل لوگوں سے اتنا کہوں گی کہ وہ برتن جو عرصہ پانچ سال سے آپ کے استعمال میں نہیں آئے ہیں تو آپ اپنے آپ کو یہ یقین دلا دیں کہ وہ آئندہ پانچ سال بعد بھی آپ کے استعمال میں نہیں آنے والے تو پھر یہ انبار باہر نکالیں اور اپنے آپ کو اور اپنی چیزوں کو ہلکا کریں کہ یاد رکھیں صدقہ و خیرات ردِّ بلا ہے اور نیکی کا یہ کام آپ کو اپنے اللہ سے قریب کر دیتا ہے تو پھر آپ اپنی الماریوں کی صفائی کر رہی ہیں ناں...... ابھی کر لیں ورنہ کل پر ٹالا تو وقت ٹلتا ہی چلا جائے گا...... جزاک اللہ!

★ گزشتہ دنوں میری پیاری امی اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں اور میں ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گئی۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں اپنی ماں کی وجہ سے ہوں بچپن میں اپنے بازو پر لٹا کر کہانیاں سنانے والی ہستی نے ہی مجھے کہانیاں لکھنے کی ترغیب دی۔ ان کا نام امت النفیس تھا اور وہ واقعی بے حد نفیس سی تھیں۔ ہر، ہر چیز میں صفائی اور نفاست ان کے مزاج کا جز تھی۔ وہ بہت خوب صورت تھیں اور میں ان جیسی بالکل بھی نہیں تھی مگر انہوں نے ایک عام سے خدوخال والی لڑکی کو ہمیشہ یہی احساس دلایا کہ میں بے حد خوب صورت ہوں، اسی لیے آج کی لڑکیوں کی طرح میرے دل میں کبھی یہ خیال تک نہیں آیا کہ میری آنکھیں مزید بڑی ہوتیں، میرے بال گھٹاؤں جیسے ہوتے یا میری رنگت دودھ جیسی ہوتی۔ وہ انگریزی اسکول کی پڑھی ہوئی تھیں اور اپنے زمانے میں گرل گائیڈ کی کیپٹن ہوا کرتی تھیں تو آٹھویں تک انگریزی ہم سب بہن بھائیوں کو خود ہی پڑھائی ان کی یاد کروائی ہوئی پوئمز ہمیں آج تک یاد ہیں۔ ایک مڈل کلاس فیملی کے پانچ بچے جس میں میرے بعد چار بھائی ہیں۔ ان سب کی تربیت ایسی کی کہ ہم سب کو ایمانداری اور حق حلال کی تمیز دی اور ہمیشہ دوسروں کے کام آنے کی تلقین کی، ایک ایسی خاتون جو سب کو دعائیں دیا کرتی تھیں وہ ہمیشہ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتیں کہ ان کے بچے بہت اچھے ہیں، بے حد فرمانبردار ہیں۔ ان کی بہویں ان سے بیٹیوں جیسی محبت کرتی ہیں اور پوتیاں، پوتے، نواسی، نواسے تو اولاد جیسے ہیں۔ ان کی دعاؤں کے طفیل میرا بھائی احمد ندیم سائنٹسٹ ہے، احمد نعیم امریکا کے ایک بینک میں وائس پریذیڈنٹ ہے، ڈاکٹر سہیل انصار کے آر ایل اسلام آباد میں ڈائریکٹر ہے اور سب سے چھوٹا بھائی سلیم انصار سڈنی میں اپنا کام کرتا ہے اور اس کا کام بھی خوب بڑا ہے، ماشاء اللہ۔

میں شادی ہو کر اسلام آباد سے کراچی آئی تو مجھے یوں لگا جیسے میں کسی دوسرے ملک میں چلی گئی ہوں۔ یہ خیال اور یہ احساس مجھے شاید ساری زندگی کچوکے لگاتا رہے گا کہ بیٹی ہونے کے ناتے میں اپنے والدین کی وہ خدمت نہ کر سکی جو میرا فرض تھا۔ مجھے میرا گھر، بچے اور ذمے داریوں نے ایسا باندھے رکھا کہ میں سال میں چند دنوں کے لیے ان کے پاس جایا کرتی تھی اور جب تک ان

کے پاس رہتی وہ میرا اتنا خیال رکھتیں کہ جیسے کہیں سے کوئی بہت بڑا مہمان آیا ہو۔ اس وقت انجم یہ کھائے گی، اب پھل کھانے کا ٹائم اور اب وہ میرے پاس آرام کرے گی اور مجھے ان کے پاس جا کر ہمیشہ یوں لگتا کہ پرانی انجم کہیں سے لوٹ آئی ہے۔ پرانی، پرانی باتیں دہرائی جاتیں وہ ہر وہ بات دہراتیں جو مجھے خوشی عطا کرتی اور ابھی 26 فروری کو میں اپنے شوہر عبدالرب، بیٹے ضیا اور بہو حنا سید کے ساتھ اسلام آباد گئی تھی اور ان کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔ وہ میرے کمرے کا ہیٹر فجر سے پہلے آکر آن کر دیتیں اور بجائے اس کے کہ میں ان کا کوئی خیال کرتی یا کوئی کام وہ الٹا میرا خیال رکھتیں کہ ماشاء اللہ وہ کافی ایکٹو خاتون تھیں۔ اٹھارہ سال سے ہارٹ کی مریضہ ہونے کے باوجود وہ اپنا ہر کام خود کرتی تھیں۔ گھر میں چوبیس گھنٹے دو دو میڈ موجود ہونے کے باوجود بھی بلکہ وہ ان کے بھی لاڈ اٹھایا کرتی تھیں اور اب ان کے جانے کے بعد مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں تو بالکل اکیلی رہ گئی۔ اللہ میرے بھائیوں کو سلامت رکھے مگر اب ہر دوسرے دن فون کرنے والی روزانہ میرے ماتھے پر دعاؤں کے حصار میں رکھنے والی تو چلی گئی اب کون میرے لیے یوں بے کل ہو کر کہے گا۔ ''انجم بیٹا تم بالکل پریشان مت ہو، تمہاری شوگر نارمل ہو جائے گی اور تمہاری طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہو جائے گی میں ہوں ناں بیٹا میں دعا مانگتی رہوں گی اور میری بچی کو کچھ نہیں ہوگا...... کچھ بھی نہیں۔ میری بیٹی تو بہت اچھی ہے اس جیسا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' اب میں کیسے کہوں امی...... میں بہت اکیلی رہ گئی ہوں بے حد تنہا...... اللہ آپ کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام ملے، آمین۔ بے شک ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

ماہنامہ پاکیزہ اور اخبارات میں امی کے انتقال کی خبر شائع ہونے کے بعد میری مصنفات، تبصرہ نگار بہنیں اور قارئین پاکیزہ کی ایک بہت بڑی تعداد نے مجھ سے رابطہ کیا اور میرے دکھ میں شریک ہوئیں۔ تعزیت کے لیے میرے پاس اتنے فون آئے...... کہ میں نہ نام بتا سکتی ہوں اور نہ انہیں شمار کر سکتی ہوں۔ بہت سی بہنوں نے گھر آکر بھی تعزیت کی اور شدید گرمی میں محترمہ عذرا رسول بھی میرے غریب خانے پر تشریف لائیں آپ سب کی اس محبت اور دل دہی کے لیے میں صرف جزاک اللہ ہی کہہ سکتی ہوں۔

* * *

اب آیئے سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں اور ماہ رمضان میں ہر روز یہ دعا لازمی مانگیں کہ ہم سب کا شمار ان لوگوں میں ہو جن کے روزے قبول کر لیے گئے ہوں، آمین۔

### مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

* محترمہ عذرا رسول اپنے بیٹے ذیشان اور بہو فاطمہ کے پاس ان دنوں لندن گئی ہوئی ہیں۔ (ماشاء اللہ)

* مصنفہ شیریں حیدر، اسلام آباد کی بیٹی مہرین کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے جس کا نام مروان منصور رکھا گیا ہے۔ شیریں جی نواسے کی مبارک باد قبول کریں۔

* پاکیزہ کی مستقل قاری اریبہ فہد، اسلام آباد کے ہاں ایک پیاری سی بیٹی ہوئی ہے۔ (مبارک باد)

* پاکیزہ کی مستقل قاری حمیرا یعقوب صدیقی کی پیاری بیٹی صالحہ صدیقی کی شادی محمد معین خان کے ساتھ لاہور میں بخیر و خوبی انجام پائی۔ (مبارک باد)

* پاکیزہ کی مستقل قاری نادیہ ان دنوں آسٹریلیا سے اپنے میکے راول پنڈی آئی ہوئی ہیں۔ (خوش آمدید)

* مصنفہ رخ چوہدری کا نیا ناول خوشبوؤں کے موسم شائع ہو گیا ہے جسے خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور نے شائع کیا ہے۔ ناول کی قیمت صرف پانچ سو روپے ہے اور اس ضخیم ناول کو آپ حاصل کرنے کے لیے اس فون نمبر پر بھی رابطہ کر سکتی ہیں۔ 04237314169 اس دلچسپ ناول کا انتساب ہمارے نام ہے اور پیش لفظ میں رخ چوہدری نے ہمارے بارے میں ایسے تعریفی کلمات لکھے ہیں جو مجھ میں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔

* مصنفہ رفاقت جاوید، اسلام آباد ان دنوں اداس ہیں کہ ان کا پیارا بیٹا بہ سلسلۂ ملازمت آسٹریلیا جا رہا ہے۔ (رفاقت تم کراچی کا چکر لگا لو ناں)

* گزشتہ دنوں ڈسٹرکٹ گورنمنٹ اوکاڑہ اور ڈی سی او اوکاڑہ قیصر سلیم کی طرف سے مصنفہ غزالہ جلیل راؤ کو بہترین رائٹر کا ایوارڈ دیا گیا۔ واضح رہے غزالہ کی اب تک اٹھارہ کتب شائع ہو چکی ہیں جو ڈسٹرکٹ اوکاڑہ میں ریکارڈ ہے یہ پُر ہجوم تقریب

آرٹ کونسل اوکاڑہ میں منعقد ہوئی۔(مبارکاں)

- مصنفہ نزہت جبیں ضیا کی بیٹی صوفیہ اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ سعودی عرب منتقل ہوگئی ہیں۔(مبارک باد)
- مصنفہ اور شاعرہ اور ڈی جی خان کی سماجی شخصیت نیر رانی شفق کو رضا ٹوانہ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ تفویضِ ایوارڈ کی یہ تقریب گونج ادبی فاؤنڈیشن، رضا دبستان، قلم کہانی انٹرنیشنل کی طرف سے بی زیڈ یونیورسٹی کے مظفر گڑھ کیمپس میں منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر اظہر حسین جاوید پرنسپل گورنمنٹ کالج آف کامرس اور چیف کوارڈینیٹر لرننگ پروگرام BZU نے شرکت کی۔(ماشاءاللہ)
- نزہت اصغر کی بیٹی اُم البنین عباس اس سال انٹر پری میڈیکل کا امتحان دے رہی ہیں۔ قارئین دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔
- مستقل قاری نیلوفر خان، بہارہ کہو کی بچیاں شاندار پوزیشن سے پاس ہوکرنئی کلاسوں میں آگئی ہیں۔(مبارک باد)
- مستقل قاری ثوبیہ ظہور، اٹک کے بھائی کے ہاں پیارا سا بیٹا پیدا ہوا ہے۔(مبارک باد)
- ثنا مرتضیٰ، سعودی عرب کے ہاں بھتیجے کی ولادت ہوئی ہے جس کا نام حر عباس رکھا گیا ہے۔ یاد رہے کہ ان کے بھائی، بھابی کی شادی کا احوال تین سال قبل پاکیزہ میں شائع ہوا تھا۔
- ماہنامہ سرگزشت کے ایڈیٹر اور معروف مصنف پرویز بلگرامی کی بیٹی ردا بتول کی شادی احسن حیدر عابدی سے گزشتہ دنوں بخیر و خوبی انجام پائی۔(مبارک باد)
- مصنفہ اور ریڈیو پروڈیوسر، کراچی سیما رضا ردا کو گزشتہ دنوں بہاؤالدین ذکریا ایوارڈ ملا ہے۔(مبارک باد)

## دعائے صحت کے لیے التماس ہے

- رفعت سیٹھی، راول پنڈی کو کالا یرقان ہوگیا ہے۔
- ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی کی طبیعت ناساز ہے۔
- مسز زہرہ رشید، راول پنڈی بسترِ علالت پر ہیں۔
- ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی کی طبیعت ہنوز ناساز ہے۔
- امینہ عندلیب، سلانوالی کو آپ کی دعاؤں کی شدید ضرورت ہے۔
- شاعرہ فریدہ جاوید فری، لاہور علیل ہیں۔
- معروف اور ہر دل عزیز شخصیت ڈاکٹر منور حسین، کراچی ان دنوں بیمار ہیں۔
- پاکیزہ کی قاری فوزیہ، مقدس اور رابعہ کی والدہ آمنہ ان دنوں بیمار ہیں۔
- مصنفہ ارجمند عقیل، کراچی کی سرجری ہوئی ہے۔
- پاکیزہ کی مستقل قاری مسز تنویر بخاری، کراچی علیل ہیں۔
- مستقل تبصرہ نگارہ نگینہ ضیا بنگش، کراچی کا چھوٹا بیٹا علیل ہے۔
- مسز شہلا ظفر، کراچی تاحال بیمار ہیں۔

## انتقالِ پُرملال

- ہم سب کی پیاری رقیہ بجیا کی اس ماہ برسی ہے۔
- محترمہ بسم اللہ بیگم کی اس ماہ برسی ہے
- پاکیزہ کی مستقل قاری صبا سجاد، دبئی کی والدہ گزشتہ دنوں انتقال کرگئی ہیں۔
- ارم کمال، فیصل آباد کی فرسٹ کزن امبر شفیق روٹی پکاتے میں جھلس کر انتقال کرگئیں۔

نوٹ: تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

آیئے اب ایک نظر اپنے کھٹے میٹھے خطوط پر ڈالتے ہیں

☜ شوکت، کراچی سے۔ ''بہت طویل عرصے کے بعد آپ سے رابطہ کررہی ہوں۔ میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔ آپ کی ہر تحریر کو بہت توجہ سے پڑھتی ہوں۔ آپ کی والدہ کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔ آپ کے غم میں شریک ہوں، آپ کے لیے بہت سی دعائیں ہیں۔ مجھے آپ کی مستقل تبصرہ نگار زرین زبیر کو ٹھاری بہت اچھے سے جانتی ہیں۔'' (جزاک اللہ)

☜ رضیہ زبیر، کراچی سے۔ ''انجم آپ کی والدہ کے انتقال کا از حد افسوس ہوا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور آپ کو صبر عطا فرمائے۔ نیک اولاد اپنے والدین کے لیے صدقۂ جاریہ ہوتی ہے۔ آپ روزانہ ان کے لیے ضرور پڑھا کریں (جی ضرور) عذرا رسول کے بیٹے کی شادی کے احوال کی پہلی مختصر قسط پڑھی مگر پڑھ کر اور دولھا، دلہن کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں کہ اتنی معصوم اور کم عمری دلہن میں نے بہت کم دیکھی ہیں۔ دولھا ماشاءاللہ بہت ہی پیارا لگ رہا ہے اور دلہن بھی۔ میری بہت ساری دعائیں عذرا رسول کے لیے ہیں مگر شادی کے تفصیلی حال کا انتظار رہے گا۔'' (عذرا رسول شکریہ کہہ رہی ہیں)

☜ سائرہ رضا، لاہور سے۔ ''انجم باجی آپ کی امی کے انتقال کا پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ کئی روز سے فون کررہی تھی مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا (میں اسلام آباد گئی ہوئی تھی) انجم باجی جب ایک ماہ پہلے آپ نے اسلام آباد جاکر وہاں کے مختصر احوال میں لکھا تھا کہ میری امی مجھے یوں دیکھ رہی تھیں جیسے وہ اپنی آنکھوں میں مجھے بھر رہی ہوں تو اسی وقت پڑھ کر مجھے ایسا لگا تھا کہ شاید انہیں یہ معلوم ہوگیا ہو کہ ان سے یہ آپ کی آخری ملاقات ہے۔'' (ہوسکتا ہے، ایسا ہی کچھ ہو مگر وہ تو نہ صرف مجھے بلکہ ہر ایک کو اس قدر دعائیں دینے والی تھیں کہ کوئی اگر انہیں فون کرتا تو اسے فون منقطع کرنا مشکل ہو جاتا کہ ان کی دعائیں ختم ہی نہیں ہوتی تھیں اور اب ایسی دعائیں مجھے کون دے گا......کوئی بھی نہیں)

☜ فرحانہ ناز، لاہور سے۔ ''پیاری باجی میں باقاعدگی سے تو نہیں مگر جب بھی پڑھنے کو دل چاہتا ہے تو صرف پاکیزہ ہی پڑھتی ہوں۔ آپ اگر برا نہ مانیں تو میں اپنی ننھی منی بھانجی کا نام انجم انصار رکھنا چاہتی ہوں کیا آپ مجھے اپنے نام کا مطلب بتا سکتی ہیں؟'' (پیاری فرحانہ میں کیوں برا مانوں گی میری کوئی اپنے نام پر اجارہ داری تھوڑی ہے۔ آپ ضرور رکھیے۔ میرے نام کا لفظی مطلب ہے مددگار ستارہ یعنی آپ یہ سمجھیں مددگار یعنی ون فائیو)

✉ اسما مخدوم، نگہت بابر، راول پنڈی...مجھ سے اور پاکیزہ کی مصنفات سے آپ کی محبت کے لیے مشکور ہوں۔ آپ دونوں سے مل کر مجھے واقعی بہت اچھا لگا تھا۔ تکبر سے پاک لوگوں کی باتیں مجھے دل سے اچھی لگا کرتی ہیں۔ ہاں اسما تم اپنی آزمودہ تراکیب مجھے ضرور بھیجو میں انہیں ضرور شائع کردوں گی۔ آخر پہلے بھی تو شائع کی تھیں۔

✉ رفعت سیٹھی، راول پنڈی......اللہ آپ کو اور آپ کے شوہر کو کلی صحت اور زندگی عطا کرے آمین۔ ہماری قارئین بہنیں آپ کے لیے ضرور دعا کریں گی۔ آپ کی باتیں مجھے ہمیشہ اچھی لگتی ہیں کہ آپ ایک آئیڈیل خاتون ہیں جو بڑی محنت و محبت سے اپنے گھر کا انتظام چلا رہی ہیں۔ آپ کی بیٹیاں بھی بہت اچھی ہیں کہ ماشاءاللہ آپ نے ان کی اچھی تربیت کی ہے۔

☜ شازیہ، کلثوم اور مسز فرید لاہور سے۔ ''ذیشان کی شادی کی مکمل کوریج اور ڈھیر ساری تصویریں دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ماشاءاللہ......ماشاءاللہ دلہن بہت پیاری تھی اور بہت ہی کم عمر بھی ہے واقعی عذرا باجی کو گڑیا سی بہو ملی ہے (ہاں ایسا تو ہے عذرا نے جیسا چاہا تھا وہی انہیں ملا) میری ایک آنٹی کے پاس پاکیزہ کا وہ شمارہ کھو گیا ہے جس میں آپ نے بتایا تھا اپنے لیے خود پڑھ کر کیا کچھ اپنی اپنی قبروں میں محفوظ کردینا چاہیے پلیز بتادیں۔'' (سورۂ بقرہ اکتالیس مرتبہ، ستر ہزار پہلا کلمہ، تیسرا کلمہ ستر ہزار، استغفار سوا لاکھ، درود پاک سوا لاکھ، سورۂ ملک اکتالیس مرتبہ، سورۂ یٰسین اکتالیس مرتبہ، سورۂ کہف اکتالیس مرتبہ اور جو دل چاہے اس میں اضافہ کرسکتی ہیں۔ ہر ایک کو اپنی حیثیت کے مطابق صدقۂ جاریہ کے کاموں میں اپنا کچھ پیسہ ضرور لگانا چاہیے کہ کام وہی آئے گا جو آپ اپنے ہاتھ سے کر جائیں گے۔ مرنے کے بعد کس کے پاس اتنی فرصت ہوگی جو کوئی کسی کے لیے کچھ کرسکے گا اور یوں بھی ہم جب کسی تقریب میں جاتے ہیں تو اس میں شرکت کی تیاری پہلے سے شروع کردیتے ہیں مگر جہاں، ہم سب نے جانا ہے تو مجھ سمیت زیادہ تر لوگوں کی کوئی تیاری ہی نہیں ہے۔ بس اللہ اپنا کرم فرمائے اور دونوں جہان میں ہم سب کے لیے آسانیاں عطا فرمائے، آمین......ثم آمین)

☜ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ''انجم یقین جانو تمہاری والدہ کی وفات کا بہت افسوس ہوا ماں، باپ کی ابدی جدائی بہت دکھ دیتی ہے مگر رضائے الٰہی یہی تھی۔ مرحومہ سے دو تین بار ملاقات ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے (آمین) انتہائی شفیق، ہمدرد اور ملنسار خاتون تھیں۔ خدا تعالیٰ تم لوگوں کو بھی صبر عطا فرمائے، آمین۔ کافی عرصے بعد شرکت کررہی ہوں ہر دفعہ تبصرہ ادھورا رہ جاتا ہے اور

وقت گزر جاتا ہے۔ پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی رہی مجموعی طور پر بہت اچھا معیار رہا بہت عرصے بعد رضوانہ پرنس نے اپنے مخصوص انداز میں سنبل اقبال سے ملاقات کروائی، ان کا اندازِ بیان بہت اچھا لگتا ہے۔ عنیزہ سید سے ملاقات بھی اچھی رہی مگر تشنگی کا احساس رہا۔ نگہت سیما اور رفاقت جاوید کے ناول دلچسپ ہوتے جا رہے ہیں۔ جنگل کا پھول کا ڈرامائی اختتام ہوا ناول کو گوارا ہی کہہ سکتے ہیں۔ انجم تمہارے کچھ کہنا ہے اور جلترنگ کا جواب نہیں پچھلے شمارے کے تمام خاکے ہی آپ کی اپنی اور ناشکری بہت مزہ دے گئے۔ عظمیٰ سے یہی کہنا ہے کہ اگر کہیں سے دھواں اٹھے یا کچھ جلنے کی بو آئے تو پروانہ کرے اس کی تحریر خود اپنے آپ کو منواتی ہے، ایسے لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے کا دل چاہتا ہے۔ جنہوں نے یہ سوچا کہ عظمیٰ کی سیاحت ادارۂ پاکیزہ کی مرہونِ منت ہے۔ عذرا کو بیٹے کی شادی بہت، بہت مبارک ہو بہت پیاری جوڑی ہے اللہ عذرا کو خوشیاں دکھائے، آمین (عذرا شکریہ کہہ رہی ہیں) عظمیٰ کی مختصری کوریج بہت دلچسپ لگی۔ مجھے یاور کھنے کا بہت شکریہ تفصیلی کوریج کا انتظار ہے۔'' (جی ضرور)

ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے، بہت ہی اچھے انداز میں میرے جیسے عمر رسیدہ لوگوں کو ہمت دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تمہاری باتوں نے نیا حوصلہ عطا کیا ہے جزائے خیر...... سالگرہ نمبر دو مجھے سالگرہ نمبر ایک سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ مئی کے شمارے میں مدرز ڈے کے حوالے سے ماں کی محبت کا احساس دلاتے ہوئے۔ ارجمند عقیل اور رفعت شانہ کی تحریریں اور تمام کارنرز بے حد اچھے لگے۔ دونوں ناولز ٹھیک ہی جا رہے ہیں مگر زمر نعیم کا ناولٹ بہت اچھا لگ رہا ہے۔ متاعِ دل بھی پسند آرہا ہے عقیلہ حق، فرح طاہر اور سعدیہ رئیس کی کہانیاں اچھی تھیں۔ صائمہ اکرم کا ناول چلو ساتھ چلتے ہیں بہت اچھا لگا۔ عذرا رسول نے شادی کا احوال خوب لکھا۔ ماشاء اللہ عذرا کی بہو اور بیٹا دونوں بہت ہی پیارے لگ رہے ہیں۔ فاطمہ کی معصوم مسکراہٹ دل کو چھو رہی ہے۔ ذیشان کی بہن سیمن کا ذکر بہت اچھا لگا۔ عظمیٰ کے قلم سے کھٹی میٹھی جھلکیاں تو پڑھ لیں ٹریلر شاندار ہے۔ اگلے شمارے میں عظمیٰ کے قلم سے پوری فلم دیکھنا چاہتے ہیں۔ اپریل کے شمارے میں جلترنگ میں گال بدل گئے بہت زبردست تھا۔ اس شمارے میں بھی ناشکری نے اداسی دور کر دی۔ بہنوں کی محفل میں تمام کھٹے میٹھے خطوط اچھے لگے۔ ملالہ اسلم کا خط اور تمہارا جواب بھی بے حد دلچسپ تھا۔'' (ذکیہ آپ تو بڑی باریک بینی سے رسالہ پڑھتی ہیں۔ دلچسپ خطوط تک آپ کو یاد رہتے ہیں کیا بات ہے بھئی)

ام ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ سے۔ ''اس دفعہ کا شمارہ میرے لیے وہ خوش خبری لے ہی آیا جس کا مجھے بہت مہینوں سے انتظار تھا۔ کہانی کی اشاعت کے سلسلے میں آپ کے تعاون کی مشکور ہوں۔ اب آتی ہوں تبصرے کی جانب۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں اس بار پھر ایک بامعنی اور اہم بات کی طرف توجہ دلائی آپ نے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ بلکہ میں خود بہت جلد ہمت ہار جاتی ہوں خصوصاً شوگر ہو جانے کے بعد جب ڈپریشن شدید ہوتا ہے تو پھر دنیا خالی اور اپنا آپ بیکار لگتا ہے۔ نگہت سیما کی یہ قسط دلچسپ رہی خصوصاً اسمٰعیل اور بابر کی فیملی کے حوالے سے۔ ذیشان رسول اور ان کی دلہن ماشاء اللہ بہت پیارے لگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر موڑ پر ان کو خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔ شادی کا مختصر احوال پڑھ کر مزہ آگیا۔ تفصیلی احوال کا شدت سے انتظار ہے۔ عذرا صاحبہ ہمیشہ کی طرح خوب صورت اور گریس فل نظر آئیں۔ تنزیلہ کی مختصر تحریر ہمارے معاشرے کی بالکل ٹھیک عکاسی کرتی نظر آئی جہاں بیشتر گھرانوں میں بیٹوں کو بیٹیوں کے اوپر ترجیح دی جاتی ہے ہر معاملے میں جبکہ بیٹیاں ہی ماں باپ کے دکھ سکھ کی ساتھی بنتی ہیں۔ نبیلہ ابر راجا نے شاہ زیب کے بے وقوفی میں کیے گئے فیصلے کی سزا بہت جلد اس کو دے ڈالی جبکہ ایسی ہی کوئی سزا مائرہ کے لیے بھی ہونی چاہیے تھی۔ عقیلہ حق نے عورت کی بے بسی اور مرد کی بااختیاری سے پردہ اٹھایا اور حقیقت بھی یہی ہے۔ صائمہ اکرم کے ناولٹ پر تبصرہ کہانی کے اینڈ پر ہوگا۔ حوا زادی میں ایک اور حوا کی بیٹی مرد کی زیادتی کا شکار ہوگئی اور کسی کو احساس تک نہ ہو سکا۔ سعدیہ رئیس کا ہلکا پھلکا ناولٹ اچھا تھا۔ زمر نعیم کا ناول مجموعی طور پر اچھا رہا ویسے مجھے لگا کہ اس کا اختتام پچھلی قسط میں ہی کر دینا چاہیے تھا۔ سالگرہ کے سروے میں قارئین اور رائٹرز کو پڑھنا اچھا لگا۔ بہنوں کی محفل میں ہمیشہ سب سے پہلے پڑھتی ہوں قارئین اور رائٹرز سے آدھی ملاقات کے ساتھ، ساتھ آپ کی شرکت اس محفل کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ مجموعی طور پر یہ شمارہ مجھے اداس نمبر لگا۔ جلترنگ کو چھوڑ کر جس میں خاکہ آپ کی اپنی سب سے زیادہ مزہ دے گیا۔ اگر جواب کے تاثرات خط پڑھنے کے بعد دے دیتیں تو لطف ہی آجاتا۔'' (تبصرے کا شکریہ، آپ نے تو جلترنگ کے لیے ایک نیا آئیڈیا دے دیا، آئندہ اس طرح بھی قلم اٹھاؤں گی)

فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''سرورق عمدہ رہا، دین کی باتوں کی کمی محسوس ہوئی۔ متاعِ دل بہت دلچسپی و سسپنس سے آگے بڑھ رہا ہے۔ مائرہ کی فضول باتوں پر شاہ زیب کا ردِعمل بالکل درست رہا۔ عذرا جی کے لاڈلے و ہونہار سپوت کی شادی کا مختصر

احوال اچھا لگا۔ تصاویر صاف نہیں آئیں۔ عظمیٰ نے جھلکیاں دکھا کر واضح کر دیا کہ تفصیلی احوال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تنزیلہ زاہرہ کا افسانہ بے حد دلگداز لگا۔ حساس دلوں کے لیے اک تازیانہ، عقیلہ حق کی دیوار شوہر کی عظمت واضح کر گئی۔ رفعت شبانہ کی ماں آخر میں رُلا گئی۔ بہت کم بہویں، ساس اور ماں میں فرق نہیں سمجھتیں۔ فرح طاہر کا پرندہ سبق آموز تحریر رہی۔ صائمہ اکرم کی تحریر زبردست رہی۔ مکمل تبصرہ مکمل پڑھنے کے بعد نارسائی کچے ذہن اور کم عمری کے سبب ہونے والے نادان واقعات پر مبنی تحریر تھی جو جھنجوڑ گئی۔ نیلم کی حوا زادی خواتین کے سلب حقوق پر لکھی گئی قابلِ غور تحریر تھی۔ سالگرہ مبارک شکریہ سعدیہ تم نے مجھے یاد رکھا۔ خوش رہو، باتیں تمہاری ہمیشہ کی طرح مزیدار اور کراری لگیں۔ گلشاد نذیر کی قابلیت پر جھوم رہے تھے کہ انہوں نے افسردہ کر دیا ہمت میری بہن ہمت یہی زندگی ہے۔ شائستہ زریں کا سروے ہمیشہ کے مانند کار آمد رہا۔ واقعی اس میں انعامی سلسلہ شروع کر دیں' بہنوں کی محفل سے اپنائیت اور محبت کی خوشبو آتی ہے۔ خبروں سے آگاہی ہوئی ہے جو مرحومین ہیں ان کے لیے خاص طور پر دعائیں بھی کی ہیں۔'' (جی بالکل)

✿ ارم خان، ڈی جی خان سے۔ ''ایک بار پھر آپ کی محفل میں حاضر ہوں سلسلے وار ناولوں میں اسیرِ وفا زبردست رہی۔ متاعِ دل میں مائرہ اپنی خود غرض طبیعت میں بہت آگے تک چلی گئی۔'' (خود غرضی کی اسپیڈ بھی تو تیز ہوتی ہے)

✿ نسرین بانو، سندھ سے۔ ''باجی میں بی اے کے امتحان کی پرائیویٹ تیاری کر رہی ہوں مگر پڑھا نہیں جا رہا ہے۔ پڑھنے بیٹھتی ہوں تو سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ ہاں ذیشان کی شادی کا مختصر حال تو پڑھ لیا اب تفصیلی جلدی سے لگائیں۔ ہم دلہن کے کلوز پوز بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہاں باجی ٹی وی پر آپ کا سوپ چاندنی پھر دکھایا جا رہا ہے میرا خیال ہے شاید پانچویں مرتبہ سچ بہت مزہ آ رہا ہے۔'' (پیاری نسرین اگر اتنا ٹی وی دیکھوگی تو پڑھنے میں سر میں درد تو ہوگا ناں...... پیاری گڑیا امتحان کے بعد ٹی وی کے ڈرامے دیکھنا اس وقت سنجیدگی سے اپنی تیاری کرو...... شاباش)

✿ نازنین آفریدی، پشاور سے۔ ''آنٹی عذرا رسول کو بیٹے کی شادی بہت مبارک۔ ہر ماہ ہمیں ذیشان بھائی کی شادی پڑھنے کا انتظار ہوتا ہے اور ہر ماہ ہی منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اس دفعہ تو جو جھلکیاں پڑھی ہیں اب تو اور بھی شدت سے انتظار ہے پھر عظمیٰ آپی کے قلم سے میں تو بہت انجوائے کرتی ہوں ان کی تحریریں۔ میں ہمیشہ پاکیزہ کا آغاز بہنوں کی محفل سے کرتی ہوں۔ اس کی تعریف کیا کی جائے شاید بہت سے لوگ پاکیزہ بہنوں کی محفل کی وجہ سے بھی خریدتے ہیں۔ پاکیزہ ڈائری کے صفحات اس بار زیادہ تھے۔ خوش ذائقہ میں اپنی ہی بھیجی ترکیب زیادہ مزے کی لگی۔ تحریروں میں رنگ خلش پڑھ کر ڈر لگ رہا ہے کہیں عادل نے نمرا کے ساتھ کچھ برا نہ کر دیا ہو اعتبار وفا ہے تو اچھی پر بہت آہستہ، آہستہ آگے بڑھ رہی ہے۔ صائمہ اکرم چوہدری کے ناولٹ پر تبصرہ پورا پڑھنے کے بعد اگلے ماہ کروں گی۔ ابا کا گھر اور میں کچھ خاص نہیں لگی۔ عقیلہ حق کی دیوار کا موضوع بھی پرانا سا لگا۔ ناہید فاطمہ حسنین کا افسانہ قرض یونیک سا لگا عموماً ایسا ممکن تو نہیں ماں بھی گوارا تحریر تھی۔ پرندہ میں مصنفہ نے اولاد کی بہترین تربیت کی تلقین کی مگر میں یہ کہوں گی کہ آخر کیا، کیا جائے۔ بچوں کو چھوٹ دے دی جائے تو وہ خراب ہو جاتے ہیں۔ انہیں باندھ کے رکھا جائے تو احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ متاعِ دل میں بس کسی طرح شاہ زیب کی آنکھیں کھل جائیں تو آگے کا کام آسان۔ نیلم احمد بشیر کی حوا زادی جیسا ہی واقعہ ہمارے جاننے والوں میں بھی ہو چکا ہے۔ آنٹی وہ آئے بزم میں کسی دن شیریں حیدر اور صائمہ اکرم چوہدری کو بھی مہمان بنائیں۔'' (جی ضرور...... ہاں تبصرے کا شکریہ)

✿ نورین شہزاد، کراچی سے۔ ''ایک عرصہ انتظار کے بعد بہنوں کی محفل میں میرا خط چھپ گیا اور ایک آزاد نظم پاکیزہ ڈائری میں یقین کریں بہت خوشی ہوئی۔ ویسے تو پاکیزہ کا ہر سلسلہ ہی بہترین ہے۔ ناول، ناولٹ، افسانے مگر اسیرِ وفا زمر نعیم نے بہت خوب لکھا ہے، عرصے کے بعد کوئی ناول پسند آیا ہے اور کالی نگہت اعظمی کا مختلف اور دلچسپ رہا۔ زینی اور گرینی' غزالہ فرح کا بھی بہت اچھا رہا۔ ڈائجسٹ کے ایک دو سلسلوں میں چینج ہونا چاہیے۔ میں اکثر گنگناتی ہوں کو ختم کر کے نیا سلسلہ شروع کریں جس میں بہنیں اپنی کاوشیں لکھیں جو اُن کی ذاتی ہوں تاکہ بہت ساری بہنوں کو لکھنے کا موقع ملے۔ سندیسے سلسلے کو ختم کریں بلکہ کوئی اسلامک نالج جنرل نالج' سائنس نالج کے بارے میں سوال و جواب کا سلسلہ شروع کریں (آپ کی رائے نوٹ کر لی گئی ہے) تمام بہنوں سے کہنا ہے کہ قرآن رہتی دنیا کے لیے ہدایت بن کے آیا ہے۔ اسے اردو ترجمے کے ساتھ پڑھیں اور پلیز، پلیز اسے اپنی زندگیوں میں شامل کریں اور اس

سے راہنمائی حاصل کریں روزانہ آپ تین بار کھاتے ہیں سوتے ہیں لمبی، لمبی فون کالز پر بات کرتے ہیں تو قرآن کریم اللہ کے کلام کو کیوں نہیں سمجھ کے پڑھتے؟'' (آپ کی رائے سے میں سو فی صد اتفاق کرتی ہوں)

✿ مہک گل، حریم خاں اور شفا گل، پیر محل سے۔ ''ہر لکھاری بہن نے اچھا لکھا آپ یقین کریں ہم نے ہر لکھاری سے کچھ نہ کچھ لازمی سیکھا ہے ہماری شخصیت کو نکھارنے میں اپنی بہنوں کا ہاتھ ہے۔ دنیا کے طور طریقے سیکھے گھر بیٹھے، بیٹھے ہی سلیقہ آیا تو زندگی کو برتنا سیکھا ہے پر اب کچھ ایسا ہے ادب کی دنیا ایسے بے ادبوں کے ہاتھ جا لگی ہے کہ مت پوچھیں جس کسی کو موقع ملتا ہے گروپ بنا کر فیس بک پر پوسٹ لگا کر کبھی کسی لکھاری کبھی کسی لکھاری پر تنقید کرتے ہیں تنقید بھی ایسی۔ جس سے دل آزاری ہو بات ذاتیات پر جا پہنچتی ہے۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ آج کل کی نئی نویلی لکھاری جن کے اک آدھ افسانے چھپے وہ اس کام میں پیش، پیش ہیں جو کوئی اللہ کی بندی ان کو روکے تو منہ ہاتھ دھو کر اس غریب کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ ان کے اس عمل سے ہماری لکھاری سسٹرز بد دل ہو رہی ہیں۔'' (اس کا واحد جواب خاموشی ہے آپ ایسی تحریروں کو نظر انداز کر دیا کریں جو اپنے آپ کو بڑھانے کے چکر میں دوسروں کو گرانے کی کوششوں میں ہوتی ہیں)

✿ حمیرا نوشین، منڈی بہاؤالدین سے۔ ''پاکیزہ ملتے ہی عذرا رسول کے بیٹے اور بہو کی خوب صورت تصاویر دیکھ کر دل خوش ہو گیا ان پر یہ مثل بالکل صادق آ رہی ہے کہ ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی۔ عظمیٰ کی کھٹی میٹھی خبریں پڑھ کر لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور ہم نے تصور کی آنکھ سے سب کے حلیے ملاحظہ کر لیے۔ اس کے بعد بہنوں کی محفل کی طرف دوڑ لگائی تو وہاں پر یہ روح فرسا خبر پڑھنے کو ملی کہ ہماری پیاری باجی انجم انصار ماں کی شفقت اور محبت بھرے لمس سے محروم ہو گئی ہیں، مشیت ایزدی کے سامنے سب لاچار ہیں اللہ ان کے درجات بلند کرے آپ کو صبر جمیل عطا کرے اور آپ کے بچے تادیر آپ کے سائے میں رہیں، آمین۔ سالگرہ نمبر دو مجھے نمبر ون لگا سرورق سے لے کر روحانی مشورے تک ہر سلسلہ خوب سجا۔ شائستہ زریں کا سروے ہر مرتبہ زبردست ہوتا ہے قاری بہنوں کی ہمیں بہت خوب صورت باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں باجی شائستہ آپی سے کہیں کہ ان کے سوالنامے ہمارے غریب خانے کا در بھی کھٹکھٹائیں (جی ضرور آپ اپنا موبائل نمبر بتا دیں) افسانوں میں تنزیلہ زاہرہ، رفعت شبانہ اور ارجمند عقیل کے افسانے سبق آموز بھی تھے اور انداز بیان بھی اچھا تھا۔'' (شکریہ)

✿ فریدہ فری یوسف زئی، لاہور سے۔ ''مئی کا سالگرہ نمبر جلد مل گیا ٹائٹل اچھا لگا۔ اس مرتبہ بھی افسانے اور ناولٹ بے حد اچھے لگے۔ سب نے کمال کا لکھا سب سے پہلے مجھے کچھ کہنا ہے پڑھا جو کہ حسب معمول بے حد اچھا تھا عذرا رسول کے بیٹے ذیشان کی شادی میرے بیٹے کی پڑھ کر بے حد مزہ آیا دولہا اور دلہن بے حد پیارے لگ رہے تھے دلہن تو بے حد معصوم سی لگی اللہ ان دونوں کی جوڑی سلامت رکھے، آمین اور عذرا جی کو بیٹے کی شادی کی بے حد مبارک ہو۔ ناہید فاطمہ جی کا افسانہ سب سے پہلے پڑھا واہ کیا افسانہ لکھا ہے اور ہمیں ایوارڈ کی مبارک باد دی شکریہ۔ دیوار، عقیلہ حق کی تحریر بے حد پسند آئی۔ پرندہ، حوا زادی ناولٹ سب کے سب بے حد پسند آئے۔ متاع دل، نارسائی، چلو ہم ساتھ چلتے ہیں سب کے سب ایک سے بڑھ کر ایک...... کیا بات ہے پاکیزہ کی، خصوصی مضامین نے چار چاند لگا دیے۔ سالگرہ مبارک اور سروے پڑھ کر بے حد اچھا لگا۔ سعدیہ ہما شیخ سے ملاقات اسلام آباد مجھے پسند تاریخ کو ریشم ایوارڈ میں ہوئی۔ وہ اب بھی اتنی ہی دلکش اور پیاری لگ رہی تھیں ہم دیر تک پرانی باتیں شیئر کرتے رہے ان کی بیٹی بے حد پیاری ہے حورین۔ بہنوں کی محفل بہت شوق سے پڑھتی ہوں سالگرہ مبارک میں سعدیہ ہما شیخ اور گلشاد کے لکھنے کا انداز بے حد پسند آیا۔ یاسمین اقبال جی ہماری بیماری کے لیے دعا کی بے حد شکریہ۔ انجم جی آپ نے اس مرتبہ ہماری تحریریں لگا کر بے حد خوش کر دیا، شکریہ۔'' (آپ کی خوشی ہمیں بے حد عزیز ہے اللہ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے، آمین)

✿ ستارہ آمین کومل، پیر محل سے۔ ''معذرت چاہوں گی تبصرہ نہ کر سکی۔ دراصل فیس بک پر پیج گروپس کی مصروفیات تحریروں پر تبصرے پوسٹ کرتے وقت گزر گیا۔ مئی کا پاکیزہ کل ملا سرورق زبردست، ارے واہ کمال ہو گیا ماشاء اللہ عذرا رسول صاحبہ کی بہو مجھے بہت پسند آئی۔ خاص کر اس کا باپردہ لباس کاش ہماری ساری دلہن بننے والی بہنیں ایسا ہی مکمل باپردہ لباس زیب تن کریں تو کیا بات ہے۔ عذرا آپی کو بہت، بہت مبارک ہو اللہ پاک سلامت رکھے ڈھیروں خوشیاں عطا فرمائے، آمین۔ عظمیٰ آفاق واہ بجو کمال مزے کی کوریج کی آپ نے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔ اس ماہ ہماری تمام لکھاری بہنوں نے اچھا لکھا۔ خاص کر صائمہ اکرم چوہدری کی آمد بہت اچھی لگی، بہت خوشی ہوئی سو سوئٹ آپی نیلم احمد بشیر میری پسندیدہ ادیبہ ہیں۔ بہت اعلیٰ تحریر ہے متاع دل ہائے آپی نبیلہ ابر راجا کی

کیتا اِی یارا، اُف شاہ زیب اگلی قسط کے شدت سے منتظر ہیں۔‘‘ (پسندیدگی کا شکریہ)

✿ نگہت سیما، چکوال سے۔ ’’اس روز آپ سے بات کرنا بہت اچھا لگا۔ آپ اتنی محبت سے بات کرتی ہیں کہ دل خوش ہو جاتا ہے سب بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ پچھلے دو تین ماہ کے پاکیزہ ابھی تک پڑھ نہیں پائی اس لیے کسی کہانی پر تبصرہ نہیں کر پاؤں گی۔ عذرا رسول صاحبہ کو بیٹے کی شادی بہت مبارک ہو اور عظمیٰ کو بھی اپنی پہلی کتاب کی اشاعت پر بہت مبارک ہو۔‘‘ (شکریہ)

✿ سدرہ کلثوم، لکی مروت سے۔ ’’اس ماہ کا پاکیزہ دو کو ملا ابھی پورا نہیں پڑھا۔ قسط وار ناول کی طرف دوڑ لگادی کیونکہ اس طرح ہماری ایک مہینے کی بھوک ختم ہو جاتی ہے پورا مہینہ انتظار کرتے ہیں جلترنگ کی تو کیا ہی بات خوب ہنسے، محترمہ علینزہ سید کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ آپی انجم آپ نے ایک بار کہا تھا کہ باری آنے پر آپ کے اور آپ کے علاقے کے بارے میں شائع کریں گے آپی میں تو انتظار کرتی رہی۔‘‘ (آپ کا انٹرویو جلد شائع ہوگا)

✿ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ’’سالگرہ نمبر نازیہ کے خوب صورت سرورق سے سجا بہت ہی پسند آیا۔ افسانوں میں کالی، اسیر دفا، جنگل کا پھول، مدرز ونڈر لینڈ، سرپرائز میں، حسن اور میری پڑوسن بہت ہی پسند آئے۔ ہماری دعا ہے کہ ہالہ احمد کے والد شمشاد اختر، صائمہ نایاب کی نانی، انصار حسین صدیقی، نجمہ اصغر کے شوہر ناہید بنت نور کے بھائی، فصیحہ آصف خان کے تایا، فریدہ سجاد کی بہن، صائمہ سجاد بنگش کی نانی کو اللہ تعالیٰ جنت میں جگہ دے اور سب لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ہماری بہنیں امینہ عندلیب اور فریدہ جاوید فری کو تندرستی عطا فرمائے۔‘‘ (آمین)

✿ سمعیہ انصاری، گوجرانوالہ سے۔ ’’میں پاکیزہ کی ایک سال سے خاموش قاری ہوں ہر مہینے سوچتی کہ خط لکھوں بس اسی خیال سے رہ جاتی کہ پتا نہیں میرا خط شائع ہوگا یا نہیں ایسے ہی دل ٹوٹے گا لیکن پھر سب کے ساتھ آپ کا پیار و محبت دیکھ کر رہا نہیں گیا اور قلم اٹھانے پر مجبور ہوگئی اور پاکیزہ کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں (خوش آمدید) آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے میری آپی پاکیزہ پڑھتی تھیں مجھے بھی بہت شوق تھا لیکن تب میں چھوٹی تھی سو یہ شوق پورا نہیں ہوا اور اب پچھلے سال اپریل 2014ء میں وہی پاکیزہ پندرہ سال پرانا میرے ہاتھ لگا تو میں نے پڑھا بہت اچھا لگا اور میں نے جھٹ سے اپریل کا پاکیزہ منگوایا اور تب سے باقاعدگی سے پڑھتی آرہی ہوں۔ ہاں جی تو اب آتے ہیں ہم تبصرے کی طرف جب میں نے پاکیزہ منگوایا تو اسی مہینے اس کی سالگرہ تھی سرورق کی ماڈل ایشا نور کیک کاٹتے ہوئے ایک دم دل کو لگی، بہت خوب صورت تھی ویسے آنٹی اگر آپ ان ماڈلز کی جگہ اگر کسی چھوٹی سی پیاری بچیوں کی تصویر بھی لگائیں تو وہ بھی بہت اچھی لگے گی رائے دے رہی ہوں آگے آپ کی ٹیم زیادہ اچھا جانتی ہیں کہ کیا چیز اچھی ہے لیکن تھوڑا ہٹ کر بھی ہو تو وہ بھی اچھا لگے گا۔ میں سب سے پہلے سلسلے وار ناول، ناولٹ، مکمل ناول اور منی ناول پڑھتی ہوں اس کے بعد اداریہ پڑھتی ہوں اس میں آنٹی آپ واقعی بہت اچھا لکھتی ہیں ہمیں وہ باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں جن کا ہمیں پتا بھی نہیں ہوتا میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ یونہی ہنستا مسکراتا رکھے اور آپ کو صحت والی لمبی زندگی دے، آمین اور آپ یونہی لوگوں کی رہنمائی کرتی رہیں (جزاک اللہ دعاؤں کے لیے) خصوصی مضامین میں بھی سب کچھ بہت اچھا ہوتا ہے جلترنگ کی تو کیا بات ہے آنٹی پاکیزہ میں سندیسے کیسے بھیجتے ہیں پلیز اس کا بھی طریقہ کار بتا دیں (آپ علیحدہ صفحے پر سندیسے لکھیں اور خط علیحدہ اور لفافے میں ڈال کر بھیج دیں) ہاں بیوٹی ٹپس والی رائے سے میں بھی اتفاق کرتی ہوں اور پاکیزہ ڈائری کے لیے کچھ اچھی باتیں بھیجنا چاہتی ہوں۔‘‘ (جی ضرور بھیجیں)

✿ رابعہ یاسمین، کوئٹہ سے۔ ’’آپ کا بے حد شکریہ جو اس بار بہنوں کی محفل میں جگہ دی۔ جی تو چاہتا ہے کہ ہر ماہ شرکت کروں مگر ہم کوئٹہ سے کافی دور ایک گاؤں میں رہتے ہیں اور یہاں ڈاک کا نظام بہت خراب ہے اس لیے بڑی مشکل ہوتی ہے۔ پاکیزہ کا سرورق اچھا لگا، ہم دین کی باتوں اور روحانی مشوروں کے بعد بہنوں کی محفل پڑھتے ہیں جو بے حد پسند ہے۔ پاکیزہ کی ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی سبق ہوتا ہے۔ جن سے آگاہی ملتی ہے اور انسان محتاط ہو جاتا ہے۔ نایاب جیلانی نے کمال کا ناولٹ لکھا، کیا وہ خود بھی ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کر چکی ہیں۔ بہرحال بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ناولٹ تھا۔ مدتوں یاد رہے گا عکس کی طرح۔ اعتبار وفا بھی بہت پسند ہے دوسرے افسانے بھی بہت اچھے تھے اور عظمیٰ کا سفرنامہ تو بہترین تھا۔ پڑھتے ہوئے بے اختیار ہنسی آجاتی ہے وہ بھی آپ کی طرح طنز و مزاح سے بھرپور باتیں کرتی ہیں پڑھ کر بے حد لطف آیا، وہ کوئی افسانہ ضرور لکھیں، رنگ خلش میں سائرہ جیسی بیوی مشکل سے نظر آتی ہے اور عادل کا کردار تو بالکل بھی پسند نہیں آیا۔ اتنی تعلیم اور ایسی حرکتیں۔ تعلیم تو انسان کو شعور دیتی ہے (مگر بعض دفعہ تعلیم بھی ناکام

ہو جاتی ہے اور ایسے کردار ہمیں نظر آتے ہیں) محترمہ عذرا رسول کو ان کے بیٹے کی شادی بہت بہت مبارک ہو ان کی تصویریں کب آئیں گی؟" (انشاء اللہ آپ جلد دیکھیں گی)

✿ نصرت جبیں ملک، خوشاب سے۔ "اپریل کا تازہ شمارہ قدرے ٹھنڈے گرم موسم میں ہاتھ آیا تو موسم کا مزہ بھی دوبالا کر گیا۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں کہتے، کہتے بہت کچھ کہہ گئیں واقعی قلم کار کی ایک ذمے داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاشرے کی نفرتوں، ظلم اور بربریت جیسی پریشانیوں سے نجات کا راستہ بھی اپنے قلم کے ذریعے ہموار کرے۔ انہی سے کچھ فاصلے پر دوسری ملکہ خوش اخلاق عذرا رسول بھی ساتھ تخت پر موجود تھیں۔ جو بڑی محبت سے انجم آپی کی تعریف کر رہی تھیں اور ساتھ رخصت ہوتے ہوئے یہ خوشخبری بھی دے گئیں کہ ذیشان رسول کی شادی کا احوال بھی اب ہم سے زیادہ دور نہیں رہا۔ اندر انجم آپی کی شہزادیوں کی لمبی لائن موجود تھی جو زرق برق موضوعات کے لباس پہنے ناولز اور افسانوں پر مشتمل چھوٹے بڑے تھال لیے موجود تھیں ہم چونکہ آج کل کچھ ڈائٹنگ پر ہیں اس لیے چھوٹے تھالوں یعنی مختصر افسانوں کی طرف پہلے بڑھے اور باقیوں سے پورا ماہ مزہ لینے کے لیے انہیں سنبھال کر رکھ لیا مگر بات نگہت اعظمی کی کالی پر ہوگی جملوں کا انتخاب خوب صورت تھا پڑھنے میں بھی مزہ آیا لیکن آخر میں انہوں نے ہمایوں کی سلطنت کی طرح جیسے افسانے کو لپیٹا ہمیں کالی رنگت سے نہیں عقل سے بھی کالی نظر آئی۔ شہزادی فرحین عثمان نے نفرت کے راستے لکھ کر اس کا اینڈ محبت کے راستے پر کیا شاید نایاب جیسے لوگوں کی وجہ سے یہ دنیا قائم ہے۔ آپی ڈیئر کیا کروں شرم آرہی ہے ویسے اپنے منہ میاں مٹھو بننا واقعی بری بات ہے مگر بندیٔ ناچیز اپنے ہونے کا احساس بھی دلانا چاہتی ہے اس دربارِ خاص میں سوفرحین کے افسانے کے سائے میں چہرے پر گھونگٹ گرائے آپ نے میری تصویر جو نہیں لگائی جو آپ کے پاس موجود تھی اپنا تعارف کروارہی تھی بڑی مہربانی جو آپ نے مجھے یہ اعزاز بخشا مگر اب ہمارے اندازِ بیاں سے متاثر ہو کر کوئی شہزادہ سلیم آئے بھی تو کوئی فائدہ نہیں پھر بہنوں کی محفل او ہو بقول آپی شہزادیوں کی محفل میں پہنچے اور خوب مزہ آیا۔" (نصرت جبیں مجھے تو بالکل بھی یاد نہیں کہ تمہاری کوئی تصویر میرے پاس ہے۔ اگر ایسا تھا تو تمہیں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ میں اپنی تصویر اس وجہ سے نہیں بھیج رہی ہوں کہ وہ آپ کے پاس ہوگی اب برسا برس پرانی باتیں اور پرانی تصویریں مجھے یاد کہاں رہ سکتی ہیں بہرحال مزیدار تبصرے کا شکریہ)

✿ منیزہ نعیم، راولپنڈی سے۔ "پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو ہم بھی لگ بھگ پاکیزہ کے پینتیس سال پرانے قاری ہیں انجم آپا جب آپ ان رائٹرز کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہیں جو ہمیں چھوڑ کر اس دنیا سے جا چکی ہیں تو یقین کریں کہ یہ حساس دل مزید دکھ سے بھر جاتا ہے۔ سانحۂ پشاور اور آرمی پبلک اسکول کا دکھ کم نہیں ہوا تھا کہ فرحانہ ناز ملک کی وفات نے دل دہلا دیا آپی میرے بھی تین جوان بھائی فوت ہوئے ہیں مگر اس دفعہ فروری میں میرے جوان کزن ڈاکٹر مظفر عباس جو سروسز اسپتال کے ایم ایس بھی رہ چکے ہیں برین ٹیومر سے فوت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی بخشش کرے، آمین۔ ان پریشانیوں والے ماحول میں ہم سب سے پہلے انجم آپی کا جلترنگ کھول کر پڑھتے ہیں۔ اس دفعہ تبدیلی اچھا لگا۔ شیریں حیدر کا مئی حسن اور میری پڑوسن اچھا لگا کیا کریں جی مرد دریافت کا پرندہ ہے وہ تو بس کہتے ہیں بیوی ہر وقت گھر کو بچوں کو اور تمام ذمے داریوں کو پورا کرے۔ بس اسے کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے نگہت اعظمی کا کالی، نوشین ناز کا مدرز ونڈر لینڈ اچھے افسانے تھے۔ عظمیٰ آفاق کے سفرنامے پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے ہم بھی ساتھ محوِ سفر ہیں۔ آپی اس دفعہ دعاؤں والا صفحہ کہاں گیا، رضوانہ پرنس اور تمام بہنوں کو اچھا لکھنے پر مبارک۔" (روحانی صفحات مئی میں بھی تھے اور اس ماہ بھی شامل ہیں۔ آپ کی مبارک باد مصنفات تک پہنچائی جارہی ہے)

✿ طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی سے۔ "میں ان دنوں بہت بیمار ہوں۔ بس اتنا کہوں گی کہ ہر تحریر اپنی جگہ بے مثال تھی۔ قسط وار ناول اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ رضوانہ جی آپ کے کیا کہنے ناہید سلطانہ جی نے بھی جی لگا دیا۔ ترکِ وفا کا خوب صورت اختتام۔ مختصر افسانے، سندیسے، شاعری، چھوٹی چھوٹی وہ باتیں جو انسانوں کے ساتھ چل رہی ہوتی ہیں۔ جلترنگ، انٹرنیٹ کی محبتیں، خوش ذائقہ، روحانی مشورے، ہر رنگ دوسرے سے جدا در اصل پاکیزہ کی خوبی اور انفرادیت ہی یہ ہے کہ یہ وہ گلدستہ ہے جس میں ہر رنگ کا پھول دوسرے سے جدا اور خوشنما ہے۔ سب بہنوں کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو اور دعاؤں کے ساتھ رخصت چاہوں گی میرے لیے دعا کریں۔" (پیاری طیبہ تمہاری کلی صحت کے لیے ہماری سب بہنیں دعا کریں گی اور انشاء اللہ تم اس محفل میں بھی ہمیشہ شامل رہو گی)

✿ سلمیٰ غزل، امریکا سے۔ "اس ماہ رانی بھابی کے متعلق اپنی مختصر تحریر پڑھ کر حقیقتاً آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلیں کہ خدا آپ کو ہمیشہ اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ خوش آباد رکھے اور دین و دنیا کی دولت سے مالا مال کرے۔ ایک چھوٹی سی غلطی مصنفات

کی سرگرمیوں میں یہ ہوئی کہ میں تین مئی کو امریکا اپنے بیٹوں کے پاس جا رہی ہوں مگر آپ نے بھانجے چھاپ دیا جو کراچی میں ہی رہتے ہیں لیکن کوئی بات نہیں وہ بھی میرے بیٹے ہی ہیں۔ بے شمار رسالے ساتھ لے جا رہی ہوں مگر تبصرہ کرنے کے لیے صرف دو چیزیں پڑھ سکی عذرا رسول کے بیٹے کی شادی کا احوال اور پھر اس پر عظمیٰ کا تبصرہ، زبردست لاجواب اور پھر جلترنگ کا تو جواب ہی نہیں۔ جانے آپ کس طرح ہر مرتبہ نئے موضوع پر اتنا زبردست لکھ لیتی ہیں خاص طور پر آپ کی اپنی اور میری ہم جولیاں کافی حد تک حقیقت سے قریب کہ قول و فعل کا تضاد معاشرے میں ہر طرف نظر آتا ہے۔'' (شکریہ)

☚ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ''سالگرہ نمبر کا ٹائٹل میرے فیورٹ کلر لیے روشنیاں بکھیر رہا تھا۔ اداریہ اپنے اندر ایک مکمل صحت مند معاشرے کا خواب تھا۔ پاکیزہ کی سالگرہ کے حوالے سے محترمہ عذرا رسول کا پیغام بہت ہی پُر مغز تھا۔ سلسلے وار ناولز اعتبار وفا اور رنگ خلش زبردست ٹریک پر رواں دواں ہیں۔ متاعِ دل میں شاہ زیب تو مائرہ کو پیارا ہو گیا، دیکھنا یہ ہے کہ اب دریکتا کو اشعر خاندانی سازشوں سے کیسے بچاتا ہے۔ کالی چونکا دینے والی تحریر تھی۔ مدرز ونڈر لینڈ نے دل ٹکڑے، ٹکڑے کر دیا واقعی ہماری مدر لینڈ کو آپس کی عداوتیں، جھوٹ، کرپشن، دہشت گردی گھن کی طرح کھا رہی ہے۔ غزالہ فرخ کی زینی اور گرینی پُر اثر تحریر رہی۔ رضوانہ پرنس کا تم میرے کون ہو، خاصے کی چیز تھی آخر تک ہم شرجیل کو راحیل کا بچہ ہی سمجھتے رہے۔ گمان بھی نہ ہوا کہ وہ راحیل کا بھائی ہے میں حسن اور میری پڑوسن، شیریں حیدر کی تمام بہنوں کے لیے آنکھیں کھولنے والی تحریر تھی جب اولادیں جوان ہو جائیں تو سمجھا جاتا ہے کہ اب میاں جی پکے ہمارے اب ہم ان کا دھیان کریں یا نہ کریں یہ کہیں نہیں جائیں گے۔ دراصل ایسے میں ہی زیادہ دھیان اور توجہ کی ضرورت ہر مرد کو ہوتی ہے اس لیے بہنوں شیریں حیدر نے اس تحریر کے ذریعے سب کو چوکنا کر دیا ہے۔ اسیر وفا کا دوسرا حصہ اپنی پوری خوب صورتی و دلفریبی کے ساتھ ہمارے دل میں اتر گیا۔ نفرت کے راستے بہت ہی جادوئی تحریر رہی بہت سی نفرتوں کو ایک سادہ اور پُر خلوص محبت پل بھر میں ختم کر ڈالتی ہے۔ شائستہ زریں کا سروے خوب رہا۔ وہ آئے بزم میں عنیزہ سید سے ملاقات دل کو گارڈن کر گئی۔'' (شکریہ)

☚ کوثر خالد، جڑانوالہ سے۔ ''تمام چھوٹے سلسلے اور تین قسط وار ناول پڑھ لیے ہیں۔ جن میں زندگی کے مختلف اطوار عادات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ فسانہ نہیں حقیقت ہے یہ میں میرا پسندیدہ نام جگمگا رہا تھا۔ سنبل میں اس نام پر غزل بھی لکھ چکی ہوں۔ سنبل کی شکل میری چھوٹی بھابی سے ملتی ہے۔ انٹرویو پسند آیا۔ سروے کی بہار اور پیغام پسند آئے۔'' (شکریہ)

☚ فرخندہ لطیف، رحیم یار خان سے۔ ''سلسلے وار ناول نئی منزلیں طے کرتے ہوئے ہماری تفریح کا سامان کرتے ہیں۔ افسانے تمام ہی بہت اچھے اور سبق آموز تھے۔ سیما سراج نے مختصر کہانی میں کیا پتے کی بات کی اور عالیہ حرا نے دادا جی کے کردار کو بہت مختلف انداز میں دکھایا، اچھا لگا۔ رفعت، ناہید سلطانہ، غزالہ جی اور خولہ بنت حوا کے افسانے بھی پسند آئے۔ اسما قادری کے مکمل ناول نے ہماری توجہ اور دلچسپی کو آخر تک برقرار رکھا۔ ترک وفا کا اختتام اچھا رہا۔ کر بھلا ہو بھلا، انت بھلے کا بھلا اچھائی بیکار اور رائگاں نہیں جاتی۔ بابل تیری دہلیز پر، آہ بابل کی دہلیز تو ایسی ہوتی ہے کہ نہ چھوڑی جاتی ہے اور نہ ہی پکڑی۔ تمام مستقل سلسلے بہت پسند ہیں۔'' (شکریہ)

☚ خولہ عرفان، کراچی سے۔ ''ماہ اپریل کے پاکیزہ میں آپ کے اداریے سے لے کر جلترنگ تک کا سفر تقریباً طے کر لیا ہے پہلے تو عزت افزائی اور قدر دانی کا بہت، بہت شکریہ جس محبت سے آپ میرے خط کو اپنی محفل میں نہ صرف عزت بخشتی ہیں بلکہ بہت خلوص و محبت سے جواب بھی تحریر کرتی ہیں وہ قابلِ تحسین ہے۔ دوسرا آپ نے جن محبتوں سے گڑیا کہہ کر مخاطب کیا تو میں واقعی چند لمحوں کے لیے اپنی گڑیا والی عمر میں چلی گئی بہت اچھا بھی لگا۔ پچھلے خط میں، میں نے بہت بے تکلفانہ انداز میں آپ کو نام کے ساتھ مخاطب کیا میرے اس طرز تکلم کو بے ادبی کے زمرے میں نہیں رکھیے گا صرف محبتوں کے ساتھ آپ کا نام لیا ہے۔ انجم کے ساتھ صاحبہ لگانے میں اجنبیت ظاہر ہوتی ہے۔ باجی لگاؤ تو اندر سے دل ملامت کرتا ہے کہ ننھا بننے کا شوق ہے اور صرف انجم لکھو تو احترام مجروح ہوتا ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو آپ کو انجم جی سے مخاطب کر لوں؟ (جو مزاجِ قلم میں آئے لکھ دو) ہاں اپریل میں بہت اعلیٰ تحریریں پڑھنے کو ملیں اس دفعہ بھی ہاجرہ ریحان صاحبہ کی تحریر معلوم نے عمدہ طرز تحریر کے ساتھ دوستی کے جذبے کی عکاسی کی ہے۔ اس کے علاوہ رضوانہ پرنس صاحبہ کا تم میرے کون ہو مختلف موضوع اور بہترین اندازِ بیاں کے ساتھ احساسات کو چھو گیا۔ شیریں حیدر صاحبہ کا میں حسن اور میری پڑوسن بہت شاندار لگا۔ ماشاء اللہ اور سب سے معلوماتی حصہ عنیزہ سید صاحبہ کے ساتھ گفتگو تھا یقین کریں ادراک کے در وا کرتا محسوس ہوا۔ اتنی خوب صورت اور گہری باتیں کہ دل چاہ رہا ہے بار، بار پڑھا جائے۔ سالگرہ نمبر کو آپ نے واقعی سالگرہ کی طرح سجا دیا۔ باقی افسانے اور ناولٹ بھی مختلف موضوعات کے ساتھ اتنے پُر کشش انداز میں پیش کیے گئے کہ جب تک سب پڑھ نہیں لیے اطمینان

نہیں آیا۔تمام مصنفین کو بہت، بہت مبارک۔ اللہ آپ کی ادارت میں پاکیزہ کو مزید خوب سے خوب تر کی طرف گامزن فرمائے، آمین۔آپ کا جلترنگ واقعی کبھی خوشی اور کبھی دکھ کے ساز سے دل و دماغ ہلا دیتا ہے۔'' (شکریہ، نوازش)

✍ رخ چوہدری، کراچی سے۔ ''مئی 2015 کا پاکیزہ کچھ خوشیوں اور غموں کی خبریں لے کر ہاتھوں میں آیا تو انجم انصار کی والدہ ماجدہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر دل گویا آنسو بن کر آنکھوں میں سمٹ آیا اور اس ماہ کی سب سے بڑی خوش خبری محترمہ عذرا رسول کے صاحب زادے ذیشان کی شادی کی ہے۔تصویری جھلکیوں کے ساتھ عذرا رسول کی خوب صورت انداز میں کمنٹری بہت...... بہت اچھی لگی عذرا جی آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہو بھی آپ کی طرح حسین دی ہے۔بہت، بہت، بہت مبارک ہو۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ذیشان اور ڈاکٹر فاطمہ کو لمبی زندگی اور خوشیوں بھری زندگی عطا فرمائے، آمین اور عذرا جی کو بیٹے بہو کے حوالے سے بے شمار خوشیاں دے، آمین۔ایک بار پھر بہت مبارک ہو۔عذرا جی نے جس انداز میں بیٹے کی شادی کا احوال لکھا ہے ان کے ایک، ایک لفظ سے ممتا جھلک رہی ہے بڑے خوب صورت انداز میں رسموں اور تحائف کے تبادلے کا لکھا ہے۔رائٹرز کے انٹرویوز کا سلسلہ بہت اچھا ہے عنیزہ سید کا انٹرویو بہت اچھا لگا ان کی بہت سی باتوں سے میں متفق ہوں۔باقی سارا پاکیزہ اپنے انفرادی سلسلوں کے ساتھ بہت اچھا لگا۔'' (عذرا اور نزہت اصغر شکریہ کہتی ہیں)

✍ گلشاد نذیر، مری سے۔ ''سب سے پہلے تو آپی آپ کی والدہ صاحبہ کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور والدہ صاحبہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔عذرا رسول صاحبہ کی اتنی پیاری سی بہو کو دیکھ کر قلم مچل گیا پھر کچھ کہنے کے لیے۔سچی آپی اتنی سی عمر میں ایسی پُروقار و باحیا دلہن نہیں دیکھی جو سر سے پیر تک ڈھکی ہوئی تھی اور اتنی ہی معصوم و پیاری لگ رہی تھی اللہ تعالیٰ ذیشان و فاطمہ کو بھی اور خوشیوں سے بھرپور زندگی عطا فرمائے، آمین۔عذرا رسول کو اتنی پیاری بہو سبارک ہو (عذرا رسول شکریہ کہتی ہیں) جی جناب اب کچھ افسانوں کی باتیں ہو جائیں تو زاہدہ پروین نے جنگل کا پھول کو لگتا ہے جلدی، جلدی سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔اختتام جلدی میں کیا گیا کہ مزہ نہیں آیا۔تنزیلہ زاہرہ کا ابا کا گھر بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا۔دیوا عورت کی ... بےبسی کا احساس دلا گیا جبکہ متاع دل بہت مزہ دے رہا ہے۔صائمہ اکرم کا چلو ہم ساتھ چلتے ہیں اگلی قسط کے انتظار میں چھوڑ دیا چلو کوئی گل نہیں جون آوے، آوے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

✍ ثمینہ عمر، کراچی سے۔ ''میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔آپ کی والدہ کے انتقال کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا آپ کا تو حلقہ بہت بڑا ہے۔آپ کے پاس تو بہت لوگ آئے ہوں گے۔'' (بیٹا حلقہ تو میرا بہت بڑا نہیں ہے اور نہ ہی میں کوئی معروف شخصیت ہوں مگر پھر بھی میری تمام مصنفات نے مجھ سے تعزیت کی۔وہ رائٹرز جو پاکیزہ میں نہیں لکھ پا رہی ہیں ان تک نے جیسے عالیہ بخاری، امثل نے چینل سے عامرہ شاہد، رابعہ رزاق اور بہت سی شخصیات جن کے فون سن کر میں حیران بھی ہوئی مجھے خوشی اس بات کی ہے سب نے میری ماں کی مغفرت کے لیے دعا کی اور سب نے ہی پڑھ کر بخشا بھی ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین)

✍ میمونہ قریشی، صوفیہ علی، آکسفورڈ سے۔ ''انجم باجی آپ کی امی کے انتقال کی خبر پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا...... پاکیزہ آکسفورڈ میں بہت پڑھا جاتا ہے......اور آپ پاکیزہ کی تمام مصنفات یہاں ایک فیملی کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔عذرا باجی کو ان کے بیٹے کی شادی کی بے حد مبارک باد پہنچا دیں......مگر اتنی کم تصویروں سے ہماری تسلی نہیں ہوئی۔'' (اس ماہ بھی تصویروں کے نہ آنے کی وجہ سے آپ تفصیلی احوال نہیں پڑھ سکیں گی......انشاء اللہ آئندہ شمارہ عید نمبر ہوگا اور آپ شادی کی بھرپور کوریج عید نمبر میں پڑھ لیں گی)

✍ راحت، گلاسکو سے۔ ''انجم جی میرے پاس ابھی تک آپ کا خط بھی محفوظ ہے جو آپ نے آج سے بارہ سال پہلے مجھے لکھا تھا۔پاکیزہ کی بہنوں کی محفل ہماری اپنی محفل ہے......اور سب کے سکھ دکھ اپنے ہی لگتے ہیں......بہت دل چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات بھی ہو......تو کبھی آپ گلاسکو کا چکر لگائیں......یہاں آپ کے بے شمار فینز ہیں......(جب اللہ کو منظور ہوگا تو آؤں گی) ہاں میری اسپیشل مبارکباد شیریں حیدر، صائمہ اکرم کو پہنچا دیں اور عذرا جی کے بیٹے کی شادی کا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔عذرا جی نے بہت مختصر لکھا......ہم تو بہت ساری تصویریں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' (انشاء اللہ آئندہ ماہ......آپ کی اور دیگر بہنوں کی یہ فرمائش پوری ہوگی)

✍ مسز نزہت اشفاق، کراچی سے۔ ''بلاشبہ سالگرہ نمبر 2 بہت اچھا رہا اور سالگرہ نمبر ایک سے بھی بڑھ کر رہا۔عذرا رسول کی تصاویر بہت اچھی لگیں اور ان کی معصوم اور چھوٹی سی دلہن بے حد کیوٹ لگی......ہم نے پاکیزہ میں پڑھا تھا کہ عمیرہ احمد اپنا ناول پاکیزہ میں دیں گی......اور پھر انہوں نے کہیں اور دے دیا......ایسی وعدہ خلافی کیوں......'' (عمیرہ احمد جتنی اچھی رائٹر ہیں اس سے زیادہ اچھی وہ خود ہیں۔چند

دن پہلے ان کا فون تعزیت کے لیے آیا تھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جس ناول کا انہوں نے پاکیزہ میں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ اس کو پاکیزہ میں ہی دیں گی۔ اس لیے آپ بے فکر ہو جائیں۔ در نجات انشاء اللہ پاکیزہ میں ہی شائع ہوگا یہ وعدہ ہماری عمیرہ احمد کا ہے۔ جی ہاں)

✿ نگہت اعظمی، کراچی سے۔ ''اس دفعہ ہاکر نے پاکیزہ نہیں ڈالا اس لیے اب تک ملا ہی نہیں تھا۔ دکان پر معلوم کیا پتا چلا ختم ہو چکا ہے چنانچہ اپنی بہو کے میکے والوں کے گھر سے منگوایا۔ ابھی دو چار افسانے پڑھے تو ہیں لیکن رائٹرز کے نام دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ رفعت سراج، صبیحہ شاہ، شیریں حیدر غرض جو بھی نام ہے وہ اپنی جگہ ایک آفتاب ہے۔ عنیزہ سید کی باتیں، بہت زبردست...'' (پسندیدگی کا شکریہ)

✿ تسنیم ماہ پارہ، کراچی سے۔ میری والدہ کی تعزیت کرنے کے بعد لکھتی ہیں۔ ''سالگرہ نمبر ایک لاجواب تھا..... ہر تحریر انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑی ہوئی تھی۔ اداریہ بے حد پسند آیا اور عذرا رسول کا پیغام محبت بھی..... ان کا پیغام واقعی بے حد خوب صورت اور دل پر اثر کرنے والا تھا..... شیریں حیدر کی تحریر خصوصی طور پر پسند آئی اور منہ سے بے اختیار واہ نکلا..... سالگرہ نمبر 2 تو بہت ہی اچھا تھا۔ ساری رائٹرز نے بہت ہی اچھا لکھا مگر اس شمارے میں خصوصی تحریر شادی میرے بیٹے کی رہی.....عذرا کا شکوہ برحق مگر ہم ایسی غلطی کرنے پر مجبور ہیں آپ کی پیار بھری ڈانٹ بھی بہت اچھی لگتی ہے اور آپ کی دلہن تو واقعی بہت پیاری ہے۔ جلترنگ نے اس ماہ بھی کمال کیا مگر بدلتے گال پڑھ کر تو بار بار ہنسی آرہی ہے۔'' (آپ کی پُر محبت پسندیدگی کے لیے شکریے کا لفظ تو چھوٹا پڑ گیا ہے)

✿ بشریٰ گوندل، کوٹ مومن سے۔ ''سالگرہ کے حوالے سے قارئین کے خیالات مزہ دے گئے۔ سعدیہ ہما شیخ نے سرگودھا کے تعارف کے ساتھ کوٹ مومن کا حوالہ دیا اچھا لگا۔ ہمارا ذکر خیر بھی ہو جاتا تو مزید اچھا لگتا، چلو کوئی گل نہیں..... سمیرا احمد فرام سرگودھا..... آپ کی سچ بیانیاں اچھی لگیں، ڈیئر بھابڑہ دیکھنے کا اگر اتنا ہی شوق ہے تو کوٹ مومن آجاؤ بھابڑہ میں دکھادوں گی..... باقی بہنوں کا انداز تحریر بھی متاثر کن تھا۔ عذرا رسول صاحبہ کو بیٹے کی شادی کی دل کی گہرائیوں سے مبارک ہو۔'' (نوازش)

☆ پیاری بہنو! مجھے آپ سب کی خفگی کا احساس ہے..... کہ آپ سب کو ذیشان رسول کی شادی کے احوال کا..... بے حد شدت سے انتظار ہے.....اور عذرا رسول صاحبہ کے مختصر احوال کے بعد تو انتظار کی شدت میں اضافہ ہو گیا ہے..... حالانکہ یہ سب بروقت تصاویر نہ ملنے کی وجہ سے ہوا۔ آپ کے اس انتظار اور محبت بھری خفگی کے لیے معذرت..... آپ آئندہ شمارے میں شادی کی بھرپور کوریج پڑھیں گی۔

✱ پیاری بہنو! آپ کی محفل کے صفحات کا کوٹا مکمل ہوا۔ اب آئیں درود پاک پڑھ کر دعا مانگتے ہیں۔ یااللہ یا رحمٰن یا رحیم میرے جسم کو شفا، دل کو اپنی ذات کا یقینِ کامل اور آنکھوں کو نور بصیرت عطا فرما اور جب تک میں زندہ رہوں اپنے ذکر کو صبح شام میری زبان پر جاری فرما دے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے۔ یا رب العالمین مجھ سے میری اولاد سے اور میرے تمام عزیز و اقارب سے ہمیشہ، ہمیشہ راضی رہنا اور ہر گناہ، ہر غلطی اور ہر کوتاہی کو معاف کرنا اور ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا۔ اپنی نظر میں چھوٹا مگر دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دینا اور دونوں جہان میں مجھے خیر عطا کرنا کہ بے شک تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور تیری ثنا سب سے بڑی اور تیری پناہ عزت والی ہے اس لیے صرف اپنا محتاج رکھنا اور ہمیشہ، ہمیشہ اپنی شان کے حساب سے ہم سب پر اپنا رحم و کرم اور فضل کرنا۔ ازل سے ابد تک سب کو معاف کرنا کہ بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے اور میرا رب برکت اور بلندی والا ہے۔

یا مجیبُ یا مجیبُ یا مجیبُ

دعا گو
آپ کی اپنی باجی
انجم انصار


**پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا**

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35895313 EXT 107,118

# پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

## حمد باری تعالیٰ

تُو ہے معبود، تو ہی داور ہے
تیری رحمت کی ہم پہ چادر ہے
رزق دیتا ہے سب کو بے مانگے
ذکر تیری عطا کا گھر، گھر ہے
بے کسوں کی پکار ہے سنتا
جو ہیں مظلوم ان کا یاور ہے
تو نے بھیجا ہے رحمتِ عالمؐ
کتنا پیارا ترا پیمبرؐ ہے
ساری دنیا نے ہم کو ٹھکرایا
آخری آسرا ترا در ہے
اک نگاہِ کرم ہو اس پر بھی
تیرا منگتا یہ پھول احقر ہے

شاعر.....تنویر پھول

مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

## نعتِ رسول مقبولﷺ

اگر بس میں میرے ہوتا
مدینے کی گلی میں بیٹھ کر کچھ یادیں جمع کرتی
بہت سی تلخ باتوں کو مہارت سے نفی کرتی
مسرت میں جو گزرے دن انہیں دو سے ضرب دیتی
انہی ایام کو پیاروں میں پھر تقسیم کر دیتی
مگر ایسا نہیں ممکن!
جمع تفریق سے بھی کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا
ضرب تقسیم سے بھی دردِ دل کچھ کم نہیں ہوتا
خدا جو چاہتا ہے وہ مقدر بن کے رہتا ہے
تمنا گر نہ ہو پوری تو صدمہ کم نہیں ہوتا
مگر جو صبر کرتے ہیں ہمیشہ شاد رہتے ہیں
عفو سے درگزر سے کام لیں، آباد رہتے ہیں
صبر کے ساتھ گر ہو شکر بھی شامل تو یہ جانو
خدا بھی ساتھ ہوتا ہے عدو ناکام رہتے ہیں
درود انؐ پر سلام انؐ پر جو صبح شام کہتے ہیں
درود ان کا سلام ان کا فرشتے لے کے جاتے ہیں
نبی ﷺ کے عشق میں ڈوبو تو دوری ہو نہیں سکتی
مجھے تو فاصلے یونہی سے سب بے نام لگتے ہیں
اور اب آخری بات......!
شفاعت ان کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں
درود انؐ پر سلام انؐ پر جو صبح شام کہتے ہیں

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

## روزے میں غصے سے پرہیز

☆حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ مواسات کا مہینہ ہے۔'' ایک دوسرے سے غم خواری کا مہینہ ہے، لہٰذا غصہ اور غصے کی وجہ سے سرزد ہونے والے جرائم اور گناہ مثلاً جھگڑا، مار پٹائی اور تو تکار، ان چیزوں سے پرہیز کریں۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر کوئی شخص تم سے جہالت اور لڑائی کی بات کرے تو تم کہہ دو کہ میرا روزہ ہے یعنی میں لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ نہ زبان سے لڑنے کے لیے تیار ہوں اور نہ ہاتھ سے...... اس ماہ میں کم از کم ہمیں ہر قسم کی برائیوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے......جس میں لڑائی جھگڑوں کے ساتھ، ساتھ حرام آمدنی بھی ہے۔

مرسلہ: صبا نور، لیہ

## رمضان المبارک کے چار اہم کام

☆لا الٰہ الا اللہ کی کثرت......

☆استغفار میں لگے رہنا......

☆جنت نصیب ہونے کا سوال......

☆دوزخ سے پناہ میں رہنے کی دعا کرنا......

☆سحر اور افطار کے وقت سب گھر والوں کے ساتھ مل کر دعا کرنی چاہیے اور اپنی افطاری میں سے تھوڑا سا حصہ کسی غریب مستحق کو ضرور دیں۔

از: ممتاز خانم، کراچی

## دعا کی قبولیت کے اوقات

احادیث اور آئمۂ دین کے ارشادات کے مطابق ان ایام اور اوقات میں قبولیت کی امید قوی ہے۔ ان میں چند یہ ہیں۔

1۔ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں۔

2۔ شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ بالخصوص سورج ڈوبنے سے پہلے۔

3۔ روزِ عرفہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ۔

4۔ ٹھیک آدھی رات کو کہ اس وقت تجلی خاص ہوتی ہے۔

5۔ پنجگانہ نمازوں کے بعد۔

6۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد۔

7۔ سحری اور روزہ افطار کے وقت۔

8۔ جب مرغ اذان دے حدیث میں آیا ہے کہ وہ رحمت کے فرشتوں کو دیکھ کر بولتا ہے۔

9۔ اذان کے وقت، حدیث میں ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

10۔ رجب کی چاند رات۔

11۔ شب برات، شب عید الفطر اور شب عید الاضحیٰ۔

12۔ جب دھوپ کے ساتھ بارش بھی برسے۔

از: ریحانہ حسن، گلستان جوہر

## لالچ

حضورﷺ نے فرمایا۔ ''انسان کی ہر چیز اس کی عمر کے ساتھ، ساتھ کمزور ہو جاتی ہے۔ ماسوائے دو چیزوں کے۔

1۔ لالچ

2۔ آرزو

جو بجائے کم ہونے کے بڑھتی رہتی ہے۔

از: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

## مسواک

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں، تم انہیں مسواک سے پاک کیا کرو۔ مسواک مسوڑھوں کو قوی کرتی ہے۔ دانتوں کے امراض کو دور کرتی ہے، ہاضمے کو قوی کرتی ہے، پیٹ اور منہ کے امراض کو دور کرتی ہے اور نگاہ اور بصیرت کو جلا بخشتی ہے۔ اور وفات کے وقت اس کی وجہ سے زبان سے کلمہ جاری ہوتا ہے۔

رمضان المبارک میں آپ کثرت سے مسواک کر سکتے ہیں۔

مرسلہ: ام ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ

## سوچیں ذرا

جس گھر میں تلاوتِ قرآں نہیں ہوتی
اس گھر میں رحمتِ یزداں نہیں ہوتی
ہوتا نہیں نومولود قابلِ احترام
جب تک کہ کانوں میں اذاں نہیں ہوتی

از: کوثر خالد...... جڑانوالہ

## افضل ترین دن

حضرت اوس بن اوس سے حضورﷺ نے فرمایا کہ تمام دنوں سے افضل دن جمعہ ہے اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا۔ اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن آخری دھماکا ہوگا۔ پس جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا جب آپ دنیا چھوڑ جائیں

گے تو آپ ﷺ کو ہمارا درود کس طرح پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے زمین کے لیے حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

مرسلہ: فرح ناز، چکوال

## نہ خواب کوئی

بجھے، بجھے سے عجیب دن ہیں
نہ خواب کوئی نہ خیال کوئی
نہ منظروں میں کوئی کشش ہے
نہ موسموں میں جمال کوئی
ہم ایک دوجے کو اپنی، اپنی
ادھوری آنکھوں سے دیکھتے ہیں
اُتر رہا ہے زوال کوئی
جو ہنسنا چاہیں تو اشک نکلیں
جو رونا چاہیں تو ہنستے جائیں
ہمارے جذبات گروی رکھ کر
بنا رہا ہے مثال کوئی
بجھے، بجھے سے عجیب دن ہیں
نہ خواب کوئی نہ خیال کوئی

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

## سنہری الفاظ

1۔ چلتے ہوئے خیال رکھو کہ تمہارے قدموں کی دھول سے کسی کی منزل گم نہ ہو۔

2۔ ہر قہقہے کے پیچھے آنسو...... اور آنسوؤں کے پیچھے زخموں اور آہوں کی جلن ہوتی ہے۔

3۔ جہاں جاؤ وہاں اپنی خوشبو چھوڑ کر آؤ تاکہ لوگ آپ کو اچھے الفاظ میں یاد کریں۔

4۔ کسی کو اتنا نہ چاہو کہ اس کی جدائی برداشت نہ ہو سکے۔

5۔ ساری بات تو تعلق کی ہوتی ہے اگر تعلق ہی ٹوٹ جائے تو شکایتیں کیسی۔

6۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا۔ حرام باتوں سے بچو سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے۔

7۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تمہاری قسمت میں ہے اس پر راضی ہو جاؤ سب سے بڑے غنی بن جاؤ گے۔

8۔ زیادہ نہ ہنسا کرو اس سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔

9۔ تم سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

10۔ اپنے والدین سے حسنِ سلوک کرو، تمہاری اولاد تم سے حسنِ سلوک کرے گی۔

11۔ جو لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں وہ کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔

12۔ زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی سکتی محبت اسے دھاگے اور سوئی کے بغیر سی لیتی ہے۔

مرسلہ: مسز نگہت غفار، کراچی

## انمول موتی

☆ ثبت کام کرنے سے تین برائیاں ختم ہوتی ہیں۔ بوریت، گناہ، غربت......

☆ مت خواہش کرو اس چیز کی جو تمہیں زندگی سے دور کر دے۔

☆ اگر اللہ معاف کر دے تو گناہ کیا ہے اگر اللہ نا منظور کر دے تو نیکی کیا ہے۔

☆ مانا کہ میں غریب ہوں یہ بات سچ تو ہے لیکن دوست......! تو اگر مجھے اپنا بنا لے تو تیرا... ہر غم خرید سکتا ہوں۔

☆ خوش مزاج انسان ٹوٹے ہوئے دلوں کی دوا ہے۔

☆ مسکراہٹوں کے پھول بانٹیں تاکہ زندگی میں موسم بہار زیادہ سے زیادہ رہے۔

☆ ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی، امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

## کل کے عاشق

دل میں کیسے کیسے خنجر لگتے ہیں
کل کے عاشق آج کے بندر لگتے ہیں
قومی بچت کے دفتر بڑھے جاتے ہیں
اپنا منتھلی خرچ وہاں سے لاتے ہیں
ہم بھی گئے تھے لینے کل کچھ سرمایہ
وہیں پہ وہ ظالم ہم سے آٹکرایا
گنجا تھا اور ہاتھ میں اس کے سوٹی تھی
پہلے سے تو میں بھی ویسے موٹی تھی
اک دو۔جے کو دیکھا تو ہم ڈر سے گئے
دل میں سوچا یہ تھا جس پر مرتھے گئے
چہرے پہ ہم دونوں کے ہی جھریاں تھیں
دیکھ کے چلتیں دل پہ سو سو چھریاں تھیں
پیٹ بڑا تھا ڈھیلی تھی اس کی پتلون
ہوگیا میرے مردہ ارمانوں کا خون
اسی صبح میں نے سر میں تیل لگایا تھا
مہندی سے بالوں میں رنگ جمایا تھا
کہنے لگا ظالم ہے سوٹی وقت بڑا
میں نے کہا چل فلرٹ نہ کر ہو دور کھڑا

شاعرہ: نیلم احمد بشیر

مرسلہ: زریں زبیر کوٹھاری، کراچی

## غلطی

گناہِ محبت کا ارتکاب کر بیٹھے
کیا غضب جناب کر بیٹھے
یہ نہ گنی مرے تڑپنے کی گھڑیاں
اپنے رتجگوں کا حساب کر بیٹھے
انہیں کانٹوں سے شکایت ہے صائمہ
ہمیں زخمی گلاب کر بیٹھے

شاعر: صائمہ یاسر شاہ، راول پنڈی

## حقیقت

☆ سو طرح کے پھول چنو، سو طرح کے رنگ

دیکھو..... خوشبو وہی حاوی ہوگی جو بہتر ہے رنگ وہی غالب آئے گا جو حقیقی ہے۔

## رومان

☆ رومان زندگی کی کتاب کا ایک ورق ہو سکتا ہے مگر پوری کتاب نہیں اور یہ ورق پوری زندگی کی کتاب بن جاتا ہے جسے پھاڑنا ممکن ہوتا ہے نہ چھپانا۔

از: حمیرا نوشین، منڈی بہاؤالدین

## سنو.....!

سنو!
اے ابرِ باراں
تم سے ہے اتنی گزارش
یوں بار، بار نہ برسا کرو
کہ تمہارے برسنے کے لمحوں میں
کچھ پیار بھرے لمحے مجھ کو بہت ستاتے ہیں
مجھ سے ہیں جو دور بہت
وہ لوگ بہت یاد آتے ہیں

شاعرہ: سامعہ ملک پرویز، بھیرہ خانپور ہزارہ

## مستقبل

ایک مینڈک نے نجومی سے اپنے مستقبل کے بارے میں پوچھا۔ تو نجومی نے بتایا
''تمہیں ایک لڑکی ملے گی جو تمہارا دل لے جائے گی۔''
مینڈک نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا۔
''وہ کہاں ملے گی؟''
''بائیولوجی لیب میں۔'' نجومی نے جواب دیا۔

## پتے کی بات

دو دل تب ایک ہو سکتے ہیں جب وہ ایک دوسرے پر بھروسا کرنا سیکھ لیں۔ ایک دوسرے پر یقین کریں، زخم ایک کو آئے تو تکلیف دونوں محسوس کریں۔ اعتماد اور یقین ہی محبت کی عمارت کو مضبوطی فراہم کر سکتے ہیں۔

از: ارم کمال فیصل آباد

## ہائے اللہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے

بشارت بھائی کو ہم نے تو جب بھی..... دیکھا اپنی گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے وہ چار آدمی ڈھونڈا کرتے۔ ایک دو دفعہ تو مارے تعجب کے پوچھ بھی لیا۔

”کہاں جا رہے ہو جو اتنے ساتھی بطورِ کمک کے بھی چاہئیں؟“

مگر جلد ہی سب کو پتا چل گیا کہ ایسا وہ اس لیے کرتے تھے کہ وہ گاڑی کو زوردار دھکا لگائیں۔ جس سے غرّا کر وہ پہلے ڈکرائے اور پھر اسٹارٹ ہو جائے (یہی وجہ تھی محلے کے لڑکوں نے ان کی گاڑی کا نام ہی نخرے والی رکھ دیا تھا)

گاڑی بیچنے کو وہ بے غیرتی سے تعبیر کرتے تھے۔ اس لیے گاڑی اس وقت تک تبدیل نہ کرتے جب تک کہ اس کا انجن سیز ہو جاتا (اور مرنے کے بعد کوئی دوسرا اس کی جگہ تیار نہیں ہے)

جب گاڑی کا انجن سیز ہوتا تو ان کی شکل ماتمی سی ہو جاتی۔ مارے غم کے ان سے کھانا بھی نہیں کھایا جاتا۔ ہاں اہلِ محلہ مارے سرشاری کے ایک دوسرے کو مٹھائیاں تک کھلاتے اور نئی نخرے والی کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے۔ بشارت میاں کی گاڑی خاندان والوں کے لیے بھی لطائف کا خزانہ تھی۔

ایک مرتبہ بڑے چاچا کو لفٹ دی تو گاڑی کا ہارن مسلسل بجتا رہا۔ چاچا جب گاڑی سے اترے تو انہوں نے ہنس کر کہا۔ ”تمہاری گاڑی تو پولیس کی گاڑی لگی جس کا ہارن رکتا ہی نہیں ہے۔“

موٹی مامی جب بحالتِ مجبوری بیٹھیں تو ان کا دروازہ کھلا ہی نہیں۔ بیچاری پیچھے سے پہلے اسٹیئرنگ والی سائڈ میں آئیں۔ وہیل ان کی ٹھوڑی سے ٹکرایا۔ چپلیں اور دوپٹا وہیں رہ گیا جب وہ گاڑی سے آئیں تو ننگے سر اور ننگے پیر تھیں۔ بشارت میاں کے بیٹے نے دوڑ کر چپلیں اور دوپٹا ان کو نکال کر دیا، بجائے اس کے کہ وہ شکریہ ادا کرتیں۔ بشارت میاں کو صلواتیں سناتی ہوئی اپنے گھر میں داخل ہوئیں۔

”کیسی کیسی کھٹارا لے کر پھرتے ہیں..... شرم تک نہیں آتی۔“ ان کی بڑبڑاہٹ جانے کے بعد بھی بشارت میاں کے کان میں انگارے بھرتی رہی۔

”بس اب میں نئی کار لوں گا۔“ گھر آ کر انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔

”آپ کی موجودہ کار تو پچھلی سے بارہ سال چھوٹی ہے اس کو اتنی جلدی چھوڑنے کا ارادہ کیونکر پیدا ہو گیا؟“ ان کی بیگم لگیں کریدنے۔

”ذرا، ذرا سے بچے نئی نکور گاڑیاں لیے پھرتے ہیں اور میں ساری زندگی ڈھینچوں مار کہ گاڑی چلاتا رہا۔ اب میں صرف نئی گاڑی لوں گا۔“ اور پھر انہوں نے لیزنگ پر ایک نئی نکور گاڑی لے لی۔

پہلی دفعہ وہ گاڑی میں بیٹھ کر گھر آئے تو محلے والے یہی سمجھے کسی دوست کی گاڑی میں کہیں سے آئے ہیں۔ یوں بھی ان کا دوست عنایت ان کے ساتھ ہی تھا۔ جس کی مارکیٹ میں بہت بڑی دکان تھی۔

گھر والے تو نئی گاڑی سے خوش تھے ہی محلے والے اس سے زیادہ ہوئے۔ اتنی تر و تازہ سی گاڑی تو کسی کی بھی نہیں تھی۔ اگر گاڑی کو کوئی ہاتھ بھی لگاتا تو اس کا سسٹم ایسا تھا کہ اس کا ہارن مختلف سائونڈ میں بجنے لگتا تھا۔ بقول بشارت میاں کہ اگر کوئی گاڑی کو

ہاتھ لگائے تو وہ چیخیں مارنا شروع کر دیتی ہے۔
اب محلے کے لوگ ان سے خوشامدانہ انداز میں لفٹ بھی مانگنے لگے تھے۔ جسے وہ کبھی ٹال بھی جاتے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر زیادہ لوگ اس میں بیٹھیں گے تو گاڑی جلدی پرانی ہو جائے گی۔
ایک دن موٹی مامی ان کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ یہ اچھا موقع تھا مامی کو نئی گاڑی کا دیدار بھی کروایا جائے مگر وہ باہر نکل کر بھی گاڑی کو دیکھ کر رکنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ ان کا ڈرائیور چھوڑ کر گیا تھا اور دو گھنٹے کے بعد انہیں لینے بھی آنا تھا۔ خدا کر کرنا یہ ہوا کہ ان کے آتے ہی ان کے گھر مہمان آگئے اور ان کی بیٹی نے فون پر فوراً گھر آنے کو کہا۔ موٹی مامی اس خیال میں تھیں کہ کوئی انہیں ٹیکسی لا دیتا کہ وہ گھر چلی جائیں۔
''مامی میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں گھر۔'' بشارت میاں نے کالر اچکاتے ہوئے کہا۔
''نہیں بھیا، تمہاری گاڑی میں تو، میں کبھی بھی نہ بیٹھوں۔'' موٹی مامی کو پرانی ہزیمت یاد تھی۔
''ارے کمال کرتی ہیں آپ، میں نے تو اسی سال کی کالٹیکس لے لی ہے اب۔'' بشارت میاں نتھنے نے پھلا کر کہا۔
''اے ہے کس نے دے دی؟'' مامی نے بے یقینی سے پوچھا۔
''گاڑی بھی کوئی کسی کو کیا دیا کرتا ہے۔'' بشارت میاں نے اپنی آنکھوں کو دائرے میں گھماتے ہوئے گردن پر بائیں ہاتھ سے مکھی مارتے ہوئے کہا۔
''اچھا چلو۔'' موٹی مامی نے اپنا پرس اٹھایا اور دو پٹے کو ماتھے تک لے گئیں۔
دادی جی جو اپنے بستر سے ہی سب مہمانوں کو خدا حافظ کہنے کی عادی تھیں۔ بشارت میاں کی نئی گاڑی کی وجہ سے موٹی مامی کو گیٹ تک خدا حافظ کہنے آئیں۔
جب مامی باہر آئیں تو بشارت گاڑی کا دروازہ کھولے پہلے سے کھڑے تھے۔

''گاڑی تو واقعی اچھی ہے۔'' موٹی مامی نے اس میں بیٹھتے ہوئے کہا۔
بشارت میاں نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور ٹیپ بھی چلا دیا۔ یہ نئی، نئی سہولت ملی تھی۔ ورنہ پرانی گاڑی کو اس وجہ سے گاڑی کہا جاتا تھا کہ اس میں چار پہیے تھے اور طوعاً و کرہاً چل لیا کرتی تھی۔
''آج گرمی بہت ہے، اے سی چلا دو۔'' موٹی مامی نے کہا۔
''اچھا'' بشارت میاں نے سرشاری سے جواب دیا اور لگے اے سی کا بٹن ڈھونڈنے اس سے قبل انہوں نے اے سی اسٹارٹ کر کے دیکھا ہی نہیں تھا۔
کئی بٹنوں کو دبایا تو گاڑی کا ہیٹر چل گیا۔
''مامی آپ پچھلا شیشہ بند کر لیجیے ورنہ گاڑی ٹھنڈی نہیں ہوگی۔''
''یہ کیسا اے سی ہے۔ ٹھنڈک کے بجائے گرمی بڑھ رہی ہے۔'' موٹی مامی نے حیرت سے کہا۔
بشارت میاں نے ایک نظر ابر آلود موسم کو دیکھا۔ ''آج گرمی بہت زیادہ ہے اس لیے اے سی بھی کتنا کام کرے گا۔''
موٹی مامی کا جب گھر آیا اس وقت تک وہ پسینے، پسینے ہو چکی تھیں۔ اے سی چلانے کے چکر میں جب بشارت میاں مختلف بٹنوں کو ہاتھ لگا رہے تھے تو اس بٹن کو بھی دبا بیٹھے تھے جس سے پیچھے کے دروازے لاک ہو جاتے ہیں۔ اب موٹی مامی لاکھ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر دروازہ نہیں کھل رہا تھا۔ اس سے قبل کہ موٹی مامی دروازے کو ہی توڑ دیں بشارت میاں ان سے خوشامدانہ لہجے میں بولے۔
''مامی جی لگتا ہے دروازہ شاید جام ہو گیا ہے آپ ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر باہر آ جائیں۔''
مامی نے ایک قہر کی نظر ان پر ڈالی اور ناچار اپنے بھاری وجود کو پہلے آگے لائیں وہیل ان کے چہرے سے ٹکرایا۔ بشارت میاں نے ان کا ایک ہاتھ کھینچ کر

باہر نکالا۔ اس دھینگا مشتی میں ان کی ایک چپل اور دوپٹا گاڑی میں ہی رہ گیا۔ مامی صلواتیں سناتی ہوئی اسی حالت میں اپنے گھر میں داخل ہوئیں تو ان کے گھر کا گارڈ بلند آواز میں چیخنے لگا۔

''اماں جی کی طبیعت خراب ہے جلدی آؤ۔ باجی جی، جلدی آؤ دیکھو اماں جی کس حال میں باہر سے آئی ہیں۔''

اور بشارت میاں تیزی سے اپنی گاڑی گھر کی جانب دوڑا رہے تھے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ آئندہ کسی کو بھی لفٹ نہیں دیں گے۔ نئی گاڑی بھی ایسی ہوگی وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

## وجۂ تسمیہ

پورے محلے میں دھوم سی مچ گئی تھی۔ امجد پنواڑی کے ہاں کیسا جہیز آیا تھا۔ مغرب کے وقت سوزوکیاں گلی میں آکر رکنا شروع ہوئیں۔ عشا کی اذان ہوگئی مگر سامان اترنا ختم نہیں ہوا۔ لگتا تھا کہ کسی حاتم طائی سے ناتا جوڑا ہے۔ حمیدہ بانو جو ان کے سامنے ہی رہتی تھیں چھت پر آدھی لٹک کر سامنے کے گھر میں آتا جہیز دیکھ رہی تھیں۔ کیا چیز تھی جو جہیز میں نہیں آئی تھی۔ ان کی رال اس بری طرح ٹپک رہی تھی کہ بڑا سا رال بند باندھنا پڑ گیا تھا۔ بڑا سا ٹی وی، چھت کو چھوتا ہوا فریج، اوک کی لکڑی کا فرنیچر، کھانے کی میز کرسیاں، ڈیوائڈر، اسپلٹ اے سی اور جنریٹر۔ لائٹ چلی جائے تو ان کی لاڈلی پریشان نہ ہو۔ محلے کی ہر دوسری عورت یہی پوچھ رہی تھی کہ کیا دلہن کی کوئی دوسری بہن بھی ہے یا نہیں اور شہباز کی بہنیں نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔ امجد پنواڑی کا گھر بھی اچھا خاصا سجا ہوا تھا پھر بھی اس نے اپنے پرانے سامان کو کباڑی کو بیچ دیا تھا۔

''اماں شہباز کی کتنی عزت بڑھ گئی ہے محلے میں۔ اتنا فرنیچر اور سامان تو کسی کا بھی نہیں آیا۔'' حمیدہ کے بیٹے ناصر نے خاصا بلک کر کہا کہ اگلے اتوار کو اس شادی تھی اور دو دن بعد اس کا سامان بھی آنے والا تھا۔

''تیری بھی عزت خوب بڑھے گی۔ جب تیری سسرال سے رکشے میں جہیز کا سامان آئے گا۔''

''رکشے میں کیوں آئے گا؟'' ناصر تیوری تان کر کہا۔

''جو لڑکے عشق کے طفیل شادی کرتے ہیں ان کی بیویاں جہیز نہیں لایا کرتیں ......'' اور بیچارہ ناصر اپنے ہونٹ اپنے دانتوں سے کاٹتا ہوا خاموش ہوگیا کہ واقعی......ایسا تو ہو رہا ہے۔

## پسندیدہ بہو

اچھی بھلی چار چاند سے بیٹوں کی اماں تھیں۔ جہاں جاتیں ہاتھوں ہاتھ لی جاتیں۔ سبحان کی شادی کے لیے جب انہوں نے سوچا تو خاندان تو کیا دور دراز رہنے والی بھی بہت سی مائیں اپنی، اپنی صائمہ اور راشدہ کے لیے ان کے پاس آپہنچیں۔ اس کرۂ ارض پر جتنی خواتین کی خوبیاں ہوسکتی ہیں اس سے دگنی ان میں موجود تھیں۔ کون سا کام تھا جو ان کو کرنا نہیں آتا تھا۔ کون سا ہنر تھا جو وہ نہیں جانتی تھیں۔

''میرا سبحان بے حد سیدھا سا ہے۔ اس کے لیے سیدھی سادی لڑکی ہونی چاہیے تاکہ اس کی زندگی آسان رہے۔'' یہ سوچ کر انہیں شمائلہ پسند آگئی حالانکہ ناصرہ کو لانے سے ان کا پورا گھر سیٹ ہوسکتا تھا۔ ناصرہ کی اماں صاف، صاف کہہ گئی تھیں کہ وہ اپنی بیٹی کو جہیز میں مکان سجا کر دیں گی۔ تبسم کو لانے سے عزت وشہرت گھر کی باندی ہوسکتی تھی۔ کس قدر معروف گھرانا تھا۔ اس کے ابا ٹی وی کے ٹاک شوز میں خوب دھانسو قسم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ بس ہاتھا پائی کی نوبت رہ جاتی تھی۔ ان کی بڑی آپا سیلولیس شرٹ پہن کر ٹی وی پر گانا گایا کرتی تھیں اور لوگ گانے سے زیادہ ان کے نحیف ونزار بازو دیکھ کر خاصا کڑھا کرتے تھے۔ ہاں شمائلہ ایسی لڑکی تھی جو بے حد سیدھی سادی تھی۔ اس کے میکے میں ننھیال، ددھیال دونوں ہی جگہ گاؤدی قسم کے لوگ تھے جو صرف ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کوئی بات کرنا ہی نہیں جانتے تھے۔

آخر کار سبحان کی شادی شمائلہ سے ہی ہوئی اور بھئی شمائلہ بڑی پسندیدہ بہو ٹھہریں جو بہت کم کھاتی تھی، بے حد کم سوتی تھی مگر بہت زیادہ کام کرتی تھی۔

## گود

عجیب بیماری پھیلی ہوئی ہے یا عجیب سی وبا کہ نہ بیٹیاں فرمانبردار ہی ہیں اور نہ بیٹے...... بہوؤں اور دامادوں کی تو کیٹیگری ہی علیحدہ ہے۔ اب رضیہ کی ضد تھی کہ شادی کرے گی تو ناصر سے ہی کرے گی۔ ناصر اس کے ساتھ کسی پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتا تھا۔ رضیہ بی اے اینڈ تھی اور ناصر ایف ایس سی رضیہ کی عمر پچیس سال تھی اور خوب لمبی تڑنگی سی تھی اور قد بت سے تیس سال سے کم کی نہیں لگتی تھی۔ ناصر کی عمر اول تو اکیس بائیس سال تھی اور اس پر دبلا پتلا اور کوتاہ قد تھا دیکھنے میں اٹھارہ انیس سال سے زیادہ کا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اگر اسکول کا یونیفارم پہن کر کھڑا ہو جاتا تو اسی اسکول کا آٹھویں یا نویں جماعت کا طالب علم دکھائی دیتا......

اب ان دونوں میں عشق اس قدر طوفانی تھا کہ رضیہ کو ناصر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، ادھر ناصر کو رضیہ بھی ابلا پری دکھائی دیتی تھی۔ رضیہ کی ماں کا شماران ماؤں میں ہوتا تھا جنہیں بیٹیاں چلاتی ہیں۔ رضیہ نے جب ماں کو یہ بتایا کہ اسے ناصر سے اچھا لڑکا مل ہی نہیں سکتا تو انہوں نے اپنے گھر پر ناصر کی آؤ بھگت اسی طرح کرنی شروع کردی جیسے دامادوں کی سی ہوتی ہے۔

''ارے، کباب تو کھائے ہی نہیں، کھیر تو اتنی سی لی ہے، یہ گلاب جامن تو خاص طور پر تمہارے لیے ہی منگوائی تھیں اور ہاں آئس کریم کھائے بغیر جانے نہیں دوں گی۔'' جیسے میزبانی کے فرائض علیحدہ ادا کرتیں۔

ناصر نے اپنے گھر میں شادی کی بات کی تو والدین نے ڈپٹ کر کہا۔

''تم سے بڑی چار بہنیں بیٹھی ہیں...... خبردار جو شادی کا نام بھی لیا اگر شادی کرنی ہے تو اس گھر سے علیحدہ ہو جاؤ اور خود جا کر کرلو، ہمارے گھر سے کوئی شریک نہیں ہوگا۔'' یہ سب سن کر رضیہ نہال ہو گئیں۔ ظالم سسرال سے نجات مل گئی، اکیلے گھر میں رہیں گے، ناصر صبح شام محبت کے گیت علیحدہ سنایا کرے گا۔ اب رضیہ کی ماں کو صرف یہ فکر تھی کہ خاندان والے کیا کہیں گے تن تنہا دولہا کو دیکھ کر ذلیل بھاوجیں اور مکار جٹھانیاں کیا، کیا سوالات کریں گی تو اس کا بھی حل نکل آیا۔ ہم نے جو اپنی نئی فرم کھولی ہے اس سے وہ مستفید ہو گئیں اور یوں رضیہ اور ناصر کی شادی خیر و عافیت سے ہوگئی۔ ہماری فرم سے اگر آپ مستفید ہونا چاہیں تو رابطہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں دولہا کے ماں، باپ، بہن، بھائی اور رشتے دار کرائے پر دستیاب ہیں اب یہ آپ کی پسند اور کلاس پر منحصر ہے کہ ساس، سسر کس کیٹیگری کے چاہئیں غرارے والی ساس چاہیے یا ساڑی والی، چڑ پڑ بولنے والی چاہیے یا انگریزی بولنے والی، شیروانی والے سسر چاہئیں یا سوٹ بوٹ والے، نندیں ٹیکا لگا کر اتراتی ہوئی آئیں یا سلیولیس بلاؤز پہنے کندھے اچکاتی ہوئی آئیں جیسا مال ویسا ہی کرایہ ہے۔ ہماری یہ فرم ایسے لوگوں کی پریشانیاں چٹکیوں میں حل کر دیتی ہے جو سماج کے ستائے ہوئے ہیں۔ رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ، ہما ہمی، جھوٹی آن بان شان سے ٹکرانے والوں اور ٹکراتے ہوئے مسائل کے انبار پیدا ہو رہے ہیں۔ ایسے میں ہماری فرم کرائے کے رشتے دار مہیا کرتی ہے جو آپ کی ڈوبی ہوئی نیا کو پار لگانے میں معاون ہوں۔

یاد رکھیں رشتے دار اصلی ہوں یا نقلی ہماری زندگی کا ایک ایسا ستون ہیں جو نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود ضرور ہوتا ہے اور جس کی ضرورت کسی بھی پل پڑ سکتی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی کی ضرورت نہیں وہ جھوٹے ہوتے ہیں اور ہماری فرم کی کامیابی و کامرانی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ کی پریشانیاں ہم گود لے لیتے ہیں۔

☆☆☆

☆ صائمہ سجاد...... کوہاٹ
کوئی کنکر بھی جمود نہ توڑ سکا
دل کے سمندر میں سناٹے ایسے تھے

☆ نگینہ ضیا بنگش...... کیماڑی
ہم جو چلتے ہیں تو خود بنتا چلا جاتا ہے
لاکھ مٹی میں چھپا کر کوئی رستہ رکھ دے

☆ رابعہ شاہد...... دبئی
نام پر منصور اس کے زندگی کو واردوں
بس یہی ہے میری فطرت ابتدا تا انتہا

☆ کائنات عبدالحلیم...... میر پور خاص
اس سے پہلے کہ جفاؤں پہ کریں ہم تنقید
دیکھنا یہ ہے کہ اور بابِ وفا ہیں کتنے

☆ عنبر وسیم...... گوجرانوالہ
سلگ رہی ہیں نہ جانے کس آنچ سے آنکھیں
نہ آنسوؤں کی طلب ہے نہ رتجگوں کی جلن

☆ نیلوفر خان...... بہارہ کہو
مانا کہ بزمِ حسن کے آداب ہیں بہت
جب دل پہ اختیار نہ ہو کیا کرے کوئی

☆ نگہت اعوان...... سرگودھا
دلِ بے تاب کا وہ عالمِ وارفتگی توبہ
نگاہِ شوق کی وہ بے زبانی یاد آتی ہے

☆ ماریہ فراز...... لاہور
دل نے اکثر یہ تمنا کی ہے
تری آواز کو چھو کر دیکھوں

☆ امینہ مشیر...... نئی دلی
بہت دنوں سے کیوں دوریوں میں رہتا ہے
وہ ایک شخص جو میری دھڑکنوں میں رہتا ہے

☆ سیما ممتاز عباسی...... لاڑکانہ
مجھے کیا پتا دکھوں کی قیمت کا صاحب
میرا دوست مجھے مفت میں دے دیتا ہے

☆ ارم کمال...... فیصل آباد
میں نے روتے ہوئے پونچھے تھے کسی دن آنسو
مدتوں ماں نے نہیں دھویا دوپٹا اپنا

☆ ثوبیہ ظہور...... ضلع اٹک
جو ڈوبنا ہے تو اتنے سکون سے ڈوبو
کہ آس پاس کی لہروں کو بھی پتا نہ لگے

☆ ماہم شاہد...... کراچی
یہ نیند آنکھ کو دیتی کہاں سے گوہر خواب
سفر کی ساری کمائی تھکن سے آتی ہے

☆ نرگس نسیم...... صابہ موہڑہ
نہ ہم روتے ہیں فرقت میں نہ ہم فریاد کرتے ہیں
خدا شاہد ہے دل ہی دل میں تم کو یاد کرتے ہیں

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر
چلے جائیں گے تجھے تیرے حال پر چھوڑ کر ظالم
قدر ہوتی ہے کیا یہ تو تجھے وقت دکھا دے گا

☆ عروبہ ناز...... کوٹلی
میری مجبوریوں میں بے وفائی ڈھونڈنے والے
چھلکتے تم نے ان آنکھوں میں پیمانے نہیں دیکھے

☆ ارم فاطمہ...... لاہور
نہیں فرصت یقیں مانو ہمیں کچھ اور کرنے کی
تیری یادیں، تیری باتیں، بہت مصروف رکھتی ہیں

☆ ظل شاہین...... رحیم یار خان
کوئی تعویذ دو ردِ بلا کا
مرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

☆ جبیں نیاز...... ملتان

کیسے تیر چلاؤں اس پر باتوں کے
لے کے چپ کی ڈھال مرے گھر آیا ہے
اک مدت کے بعد وہ میرا چاند ضیا
اوڑھ کی کالی شام مرے گھر آیا ہے

☆ ایس انمول...... بھابھڑا شریف

جسم کی پوجا کو محبت سمجھ بیٹھا ہے آج کا فلسفہ
اگر یہی ہے دورِ حاضر کی محبت تو میں جاہل اچھا

☆ ثنا مرتضیٰ...... سعودی عرب

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

☆ عروبہ ناز...... کوٹلی

ذرا دیکھ تو دروازے پر دستک کون دیتا ہے
محبت ہو تو کہنا کہ یہاں اب ہم نہیں رہتے

☆ نگہت نسیم...... لاہور

شام سورج کو ڈھلنا سکھادیتی ہے
شمع پروانے کو جلنا سکھادیتی ہے
گرنے والے کو تکلیف تو ہوتی ہے مگر
ٹھوکر انسان کو چلنا سکھادیتی ہے

☆ حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

کہیں ساغر لبالب ہے، کہیں خالی پیالے ہیں
یہ کیسا دور ہے ساقی، یہ کیا تقسیم ہے ساقی

☆ فرخندہ اعوان...... سرگودھا

مجھ کو ڈھونڈا ہے کسی نے رات بھر
ہیں کتابیں میز پر بکھری ہوئی

☆ امینہ بشیر...... جہلم

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

☆ امبر صادق...... واہ کینٹ

بہارِ قرب سے پہلے اجاڑ دیتی ہیں
نفرتوں کی ہوائیں و محبت کے چمن

☆ حنا شاہد...... کراچی

یقیں بھری بہار کا بھی کچھ نہیں
اگر یہ شاخِ درد ہی ہری نہ ہو

☆ کوثر خالد...... جڑانوالہ

بھیگے بھیگے موسم کی آنکھ کا آنسو تم ہو
پہلی، پہلی بارش میں مٹی کی خوشبو تم ہو
گاؤں میں تم چھاؤں، ٹھنڈے پیڑ کی تمثیل ہو
گہری، گہری روشنی میں شام کا پہلو تم ہو

☆ شبانہ ملک...... ڈی جی خان

ہوا بھی خوب ہے واقف میرے سلیقے سے
میں ٹوٹ سکتا ہوں لیکن بکھر نہیں سکتا
یہ دشتِ دل ہے اڑانا پڑے گی خاک یہاں
سفید پوش اِدھر سے گزر نہیں سکتا

☆ سدرہ کلثوم...... لکی مروت

کتابوں سے دلیلیں دوں یا خود کو سامنے رکھوں
وہ مجھ سے پوچھ بیٹھا ہے محبت کس کو کہتے ہیں

☆ صبا سجاد...... دبئی

ہم نشینی اگر کتاب سے ہو
اس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

☆ زریں مشتاق...... بھلوال

وہ ہمیں بھولنا چاہیں تو بھلادیں پل میں
ہم انہیں بھولنا چاہیں تو زمانے لگ جائیں
گھر میں بیٹھوں تو اندھیرے مجھے نوچیں بیدل
باہر آؤں تو اجالے مجھے کھانے لگ جائیں

☆ فصیحہ آصف خان...... ملتان

میں اور دکھ چلتے ہیں ساتھ ساتھ
جیسے رات اور دن ملتے ہیں ساتھ ساتھ

☆ ثوبیہ نذیر...... فیصل آباد

کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہر و وفا ہرگز
کہ اس بے جا شرافت سے بڑا نقصان ہوتا ہے

☆☆☆

پیاری بہنو..... آج کے اس خوش ذائقہ دسترخوان میں پہلے ہم کچھ مشروبات سے لطف اندوز ہو... لیں تاکہ ٹھنڈے ٹھار ہو کر کچن کا رخ کریں تو سب سے پہلے کیوں نہ فالسے کا شربت پی لیا جائے۔

## شربتِ فالسہ/ فالسہ اسکوائش

اشیا: پکے ہوئے فالسے، ایک کلو۔ چینی، ایک سے ڈیڑھ کپ۔ ٹھنڈا پانی، تین گلاس یا ضرورت کے حساب سے..... روح کیوڑہ، دو سے تین قطرے.....

ترکیب: یہ بہت آسان ترکیب ہے، فالسے دھو کر بلینڈر جگ میں ڈالیں۔ چینی بھی ڈال دیں اور ٹھنڈا پانی بھی شامل کریں اور خوب اچھی طرح بلینڈر میں چلالیں۔ اب ایک موٹی جالی میں چھان لیں۔ بیج جالی میں رہ جائیں گے اور گودا شربت میں آجائے گا۔ اب اس میں کیوڑے کے قطرے اور کٹی برف ملا کر مہمانوں کی تواضع کریں۔ صبح صبح بنالیں تاکہ سارا دن پی سکیں اگر چھان نہ پائیں تو جگ میں بھر کر رکھ دیں بیج خود ہی نیچے بیٹھ جائیں گے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ آپ ایک کلو فالسے، ایک کلو پانی میں ابال لیں۔ گٹھلی سے گودا جدا ہو جائے تو اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر موٹی جالی کے کپڑے میں چھان لیں اور شکر کا شیرا پکا کر اس میں ملالیں۔ وقتِ استعمال کٹی برف ڈال کر پیش کریں۔ اسے ریفریجریٹر میں محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

## لیموں ود منٹ لیوز

اشیا: لیموں، (پہلے ایک کلو لیموں کا عرق نکال کر محفوظ کریں)، چینی، پودینے کی ہری پتیاں، کالا نمک، کالی مرچ، کٹی برف۔

ترکیب: ایک گلاس لیموں کے شربت کے لحاظ سے محفوظ کیا ہوا عرق بلینڈر میں ڈالیں اور چھ سے سات پودینے کی پتیاں، چینی، کالا نمک، کالی مرچ اور کٹی برف ڈال کر خوب بلینڈر کریں اور چھان کر صاف گلاس میں نکال لیں۔ ثابت لیموں کے باریک گول سلائس گلاس کے کنارے اٹکائیں، دو پودینے کی صاف پتی اس پر سجائیں اور ٹھنڈا ٹھار شربتِ لیموں پیش کریں۔ تمام اجزا آپ اپنی عقل سے حسبِ ضرورت لے سکتی ہیں ایک، ایک گلاس کا حساب کرلیں۔

مرسلہ: زرینہ خان، بہارہ کہو

## شربتِ آم

شربتِ آم بنانا تو کوئی مشکل کام نہیں..... بس تھوڑی سی محنت درکار ہے۔ ایک کلو کیری چھیل کر ثابت ہی ایک کلو پانی میں ابال لیں۔ گل جانے پر ٹھنڈا کر کے گودا اور گٹھلی الگ کرلیں اور گودا بہت اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔ اب اس میں آدھا کلو شکر ڈال کر پکالیں۔ شکر حل ہو جائے تو ٹھنڈا کر کے محفوظ کرلیں۔ وقتِ ضرورت دو کھانے کے چمچ ایک گلاس کے حساب سے گودا، اسی حساب سے ایک جگ میں صبح سے شام تک کے لیے بنا کر رکھ لیں شدید گرمی میں باہر سے آنے والوں کو پیش کریں۔

## مزے دار پکوڑے

اشیا: چنے کی دال 2 / 1 کلو۔ سوکھی پیس

لیں۔ لہسن، ادرک کا پیسٹ، ایک، ایک چائے کا چمچ۔ زیرہ سفید، ایک چائے کا چمچ۔ کٹی سرخ مرچ، نمک، حسبِ ذائقہ۔ چند ہری مرچیں، تھوڑا پودینہ اور ہرا دھنیا باریک کاٹ لیں۔ ثابت دھنیا اور رائی کوٹ لیں۔ میٹھا سوڈا، ایک چٹکی، تیل فرائی کے لیے۔

ترکیب: پسی ہوئی چنے کی دال میں تمام مسالا ڈالیں اور پانی کے ساتھ مکس کرلیں آمیزہ نہ پتلا ہو اور نہ گاڑھا جیسے عام طور پر سادے پکوڑوں کے لیے پھینٹتی ہیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے چھوٹے، چھوٹے پکوڑے ڈالتی رہیں تیز گولڈن ہونے پر اتارلیں اور کھٹی میٹھی چٹنی کے ساتھ پیش کریں ان کا ذائقہ روایتی پیاز والے پکوڑوں سے ہٹ کر ہوگا۔

مرسلہ: ماہ نور خان، بہارہ کہو

## کاک ٹیل بوٹی

اشیا: گوشت، 1/2 کلو۔ شملہ مرچ، 8 عدد۔ ادرک پیسٹ، 1 چائے کا چمچ۔ پیاز، 2 عدد۔ لہسن پیسٹ، 1 چائے کا چمچ۔ چقندر، 1 عدد۔ گرم مسالا پاؤڈر، 1/2 چائے کا چمچ۔ آلو، 1 عدد۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ تیل، حسبِ ضرورت۔ انڈے دو یا تین عدد۔

ترکیب: گوشت کی چھوٹی بوٹیاں بنوالیں۔ اسے ایک پتیلی میں ڈال کر اس میں ادرک لہسن پیسٹ، نمک، سرخ مرچ پاؤڈر، گرم مسالا پاؤڈر اور ڈیڑھ کھانے کا چمچہ تیل ڈال دیں۔ ایک سے آدھا کپ پانی ڈال کر گوشت کو گلالیں۔ اگر پانی باقی بچ جائے تو سُکھا کر ختم کردیں۔ آلو کے چھوٹے، چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں۔ ان میں آدھا چائے کا چمچ لال مرچ پاؤڈر اور تھوڑا نمک ملا کر ابال لیں تاکہ مسالا آلو میں جذب ہوجائے۔ اسی طرح سے چقندر کے ٹکڑے کاٹ کر نمک، لال مرچ پاؤڈر کے ساتھ ابال کر خشک کرلیں۔ (چقندر کو چھیل کر ذرا باریک کاٹنا ہے) پیاز کاٹ کر ایک، ایک پرت نکال لیں۔ شملہ مرچوں کے

## کارآمد ٹوٹکے

☆ فرنچ فرائز (آلو کے چپس) کاٹنے کے بعد انہیں گرم پانی میں نمک اور سرکہ ڈال کر رکھ دیں جب تلنا ہو تو چھننے میں چھان لیں...... اس طرح خستہ اور کرارے چپس بنیں گے۔ اگر سوکھے کارن فلاور میں یہ آلو الٹ پلٹ کر پھر تلیں تو مزید مزیدار ہوں گے۔

☆ آلو اگر میٹھے ہوں تو اس صورت میں بھی نمک اور سرکے میں ملا کر رکھیں اور پکتے وقت چھان کر سالن میں شامل کرلیں۔

☆ سالن میں نمک زیادہ ہوجائے تو ایک سادہ سفید کاغذ ڈال دیں یا آٹے کا چھوٹا پیڑا بنا کر ڈال دیں، سرو کرتے وقت یہ نکال لیں۔

☆ لہسن کو بہ آسانی چھیلنے کے لیے نمک اور سرسوں کا تیل لگا کر رکھ دیں پھر چھیلیں۔ دوسرا ٹوٹکا یہ ہے کہ لہسن کی پوتھی کو گرم پانی میں ڈال کر رکھیں اور بہ آسانی چھیل لیں۔

مرسلہ: بنین عباس، کراچی

بیج نکال کر چار، چار ٹکڑے کرلیں۔ اب لکڑی کی اسٹکس لے لیں، ایک انڈے کی زردی اور سفیدی کو الگ الگ پھینٹ لیں، اب صرف سفیدی کو اتنا پھینٹیں کہ جھاگ جائے۔ (زردی نہیں ڈالنا) اب ایک اسٹک میں پہلے آلو، شملہ مرچ، بوٹی، چقندر، پیاز لگائیں، پھر دوبارہ یہی اشیا لگائیں اب اسی طرح ساری اسٹکس بنالیں۔ ایک سیدھی پلیٹ میں سفیدی ڈالیں اور سیخ جو تیار کی تھی اس میں رول کرلیں۔ تیل گرم کر کے اس میں فرائی کرلیں، گولڈن ہونے پر اخبار یا بٹر پیپر پر نکال لیں۔ رائتے کے ساتھ گرم، گرم سرد کریں۔

مرسلہ: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

☆☆☆

## پاکیزہ کے نام

تمہارے سلسلوں میں ہے اِک سحر
سدا ان کی خوب صورتی سلامت رہے
روز افزوں تم ترقی کرو
مقدر کی ایسی کرامت رہے
از: حمیرا نوشین، منڈی بہاؤالدین

## کاشف بلال سپرا کے نام

کیا کہوں تم کیا ہو میرے لیے
صبح کی پہلی کرن ہو تم
کھلتے پھولوں کا جوبن ہو تم
چودھویں رات کا چاند ہو تم
ساون کی پہلی بارش ہو تم
ڈوبتی شفق کی لالی ہو تم
جلتی دھوپ میں سایہ ہو تم
موسم سرما کی ٹھنڈک ہو تم
ہر خوشی کا محور ہو تم
میرے دن کا آغاز ہو تم
میرے دل کی دھڑکن ہو تم
میری زندگی کی بہار ہو تم
میرے چارسُو بس تم ہی تم
کاوش، بشریٰ باجوہ، اوکاڑہ

## خود آگہی

نہ فکر مجھ کو عروج کی نہ جستجو راہِ مقصود کی
میری منزلیں سدا میرے زیرِ پا رہی ہیں
ہوں خوش نصیب یہ اعتراف مجھ کو برملا ہے
میرے گرد پُرخلوص محبتیں بیش بہا رہی ہیں
کیسے ڈگمگا سکتے ہیں پُرخار راہوں پر میرے قدم
میرے ساتھ ہمیشہ میرے والدین کی دعائیں رہی ہیں
از: سامعہ ملک پرویز، بھیرہ خانپور ہزارہ

## تم ہو کیا......

نہ کبھی ہماری محبت کی آزمائش کرسکو گے
جاں سے زیادہ کیا فرمائش کرسکو گے
چاہتے ہیں تم کو اتنا جتنا سمندر میں ہے پانی
کیا سمندر کے پانی کی پیمائش کرسکو گے
شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

## ہمیشہ یاد رکھنا

پیاری بہنو...... ہمیشہ یاد رکھنا......
باپ کی موجودگی سورج کی طرح ہوتی ہے سورج گرم ضرور ہوتا ہے مگر نہ ہو تو اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ماں کی موجودگی چاند اور رات کے مانند ہوتی نہیں...... چاند نہ ہو تو روشنی نہیں ملتی اور رات نہ ہو تو سکون نہیں ملتا...... سو پلیز اپنے ماں باپ کا بہت خیال رکھا کریں۔
از...... مہرین ضیا بنگش، کراچی

## سندس کے نام

سندس سنبل بولوں گی
بھید ہزاروں کھولوں گی
سہاگ سے سنجوگ میرا
ساری خطائیں دھولوں گی
سفر مکہ، سفر مدینہ
یاد کروں گی رولوں گی

سلام لکھوں گی ایسا میں
اقبال کے دل کو موہ لوں گی
ساری دنیا کر کے مسخر
رب کے گھر میں سولوں گی
کاوش: کوثر خالد، جڑانوالہ

## دھوپ چھاؤں

وہ مہربان ایسا ہے دوستو!
کہ..... نظر کرم کرے تو نرم دل
اس کا پانی لہجہ
سختی کی ہر گنجائش کو مٹا ڈالے
جو پھیر لے نظریں تو
نگاہوں...... باتوں اور رویوں
سے بھی پتھر برسائے
یوں کہ کوئی آشنائی نہ ہو
جیسے کوئی اجنبی
عجب دھوپ چھاؤں جیسی ہے
اس کی محبت بھی
شاعرہ: حیا ترمذی، کاغان

## ایک بار مسکرادو

☆ تین دوست بیٹھے ہوئے اپنے، اپنے دکھوں کی داستان سنا رہے تھے۔
رانا شمشاد بولے۔ ''میں تین سال افریقہ کے جنگلوں میں رہا ہوں۔''
محمد حفیظ بولے۔'' میں پانچ سال عرب کے صحرا میں رہا ہوں۔''
غفور قیصر نے روتے ہوئے کہا۔'' میری بھی تو سنو...... میں بیس سال سے اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔''

☆☆☆

☆ نیاز احمد نیازی نے ایک پہلوان سے پوچھا۔

## سندیسے

''تم ایک ہی، وقت میں کتنے آدمی اٹھا سکتے ہو؟''
پہلوان نے فخریہ انداز میں کہا۔'' دس آدمیوں کو۔''
نیاز احمد نیازی بولے...... ''بس دس آدمی...... تم سے تو اچھا ہمارا مرغا ہے جو صبح، صبح پورے محلے کو اٹھا دیتا ہے۔
از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

## آفر

اتنے اچھے موسم میں
روٹھنا نہیں اچھا
ہار جیت کی باتیں
کل ہم اٹھا رکھیں
آج دوستی کر لیں
شاعرہ: پروین شاکر
مرسلہ: بسما ممتاز عباسی، لاڑکانہ

## آئینہ

اس نے کہا
میں چاہتا ہوں اِک حسین ہم سفر
میں نے
اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا
اور کہا......
دیکھو حسین ہم سفر کے ساتھ چلتے ہوئے
تم خود کیسے لگو گے

☆☆☆

## نصیحت

ایسا رہا کرو کہ کریں لوگ جستجو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے
از: ارم کمال، فیصل آباد

☆☆☆

ادارہ

رمضان المبارک آنے والا ہے، اس کی برکتیں اور رحمتیں بے شمار ہیں، یہ آخرت کمانے اور بنانے کا مہینہ ہے، اس کے لیے پہلے سے تیاری کرنے کی ضرورت ہے، اس ماہ میں جتنے کام عام طور پر پیش آتے ہیں ان میں سے جتنے کام رمضان المبارک سے پہلے ہوسکیں انہیں پہلے ہی کرلیں اور جو کام رمضان المبارک میں کرنے ہوں، ان میں بھی کم سے کم وقت لگائیں اور زیادہ سے زیادہ وقت رمضان المبارک میں ذکر وعبادت اور دعا و تلاوت کے لیے فارغ کریں، بلا ضرورت لوگوں سے ملاقات بھی نہ کریں تاکہ فضولیات میں قیمتی مہینہ یا اس کے لمحات ضائع نہ ہوں۔

اس ماہ میں گناہوں سے بچنے کی خوب کوشش کریں، ناک، کان، ذہن، دل، زبان اور ہاتھ پیروں کو گناہوں سے بچائیں۔ بے جا ٹی وی نہ دیکھیں، گانا نہ سنیں، خواتین بے پردگی کے گناہ سے بطور خاص بچیں، جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی گلوچ اور لڑائی، جھگڑے سے بچیں اور تراویح پورے ماہ پابندی سے ادا کریں۔ گڑگڑا کر اپنی، اپنے والدین، اہل وعیال، بہن بھائی، دوست احباب، عزیز واقارب اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کی مغفرت کے لیے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر اس کی رضا اور جنت مانگیں، اس کی ناراضی اور دوزخ سے پناہ مانگیں۔

## ماہِ رمضان کا اجرو ثواب

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینے میں ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہونے (یعنی تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے، (جس کا بہت ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔

یہ صبر کا مہینہ اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے افطار کرایا تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزے دار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا...... تو کیا غربا اس ثوابِ عظیم سے محروم رہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزے دار کا روزہ افطار کرادے (رسول اللہ

ﷺ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزے دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کردے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا۔ (بیہقی)

فائدہ: ماہِ رمضان کیسا مبارک مہینہ ہے کہ اس میں ہر فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر اور ہر نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر ہے۔ یہ صبر و غمخواری کرنے کا مہینہ، روزہ افطار کرانا، گناہوں کی مغفرت اور دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہے نیز روزہ کھلوانے سے جس کا روزہ کھلوایا ہے اس کے روزے کے برابر روزہ کھلوانے والے کو ثواب ملتا ہے اور پیٹ بھر کر کھانا کھلانا حوضِ کوثر سے جامِ کوثر نصیب ہونے اور جنت ملنے کا ذریعہ ہے، اس ماہ کا ہر عشرہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ پہلا عشرہ سراسر رحمت ہے، دوسرا عشرہ دن و رات مغفرت کا عشرہ ہے اور تیسرا عشرہ دوزخ سے آزادی کے لیے ہے۔ اس لیے اس ماہ کی دل و جان سے قدر کریں اور مذکورہ تمام فضائل حاصل کرنے کی فکر کریں ورنہ گزرا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا جو کچھ حاصل کرنا ہے جلدی کرلیں ورنہ آخرت میں سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ ہوگا۔ (پہلا اور تیسرا کلمہ روزانہ کثرت سے پڑھیں)

## فرشتوں کی دعا اور یاقوت کا محل

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ بھی رمضان شریف کی آخری رات تک بند نہیں کیا جاتا۔ اور کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں سے کسی رات میں نماز پڑھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر سجدے کے بدلے میں ڈھائی ہزار نیکیاں لکھے گا اور اس کے لیے جنت میں سرخ یاقوت کا ایک مکان بنادے گا جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے اور ہر دروازے کے لیے سونے کا ایک محل ہوگا جو سرخ یاقوت سے آراستہ ہوگا پھر جب روزہ دار رمضان المبارک کے پہلے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اس کے گزشتہ سب گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اور اس روزہ دار کے لیے روزانہ صبح کی نماز سے لے کر غروبِ آفتاب تک ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ کی مغفرت چاہتے رہتے ہیں۔ اور رمضان شریف کی رات یا دن میں (اللہ کے حضور جب) کوئی سجدہ کرتا ہے تو ہر سجدے کے عوض اس کو (جنت میں) ایک ایسا درخت ملتا ہے، جس کے سایہ میں سوار پانچ سو برس تک چل سکتا ہے (الترغیب والترہیب)

فائدہ: رمضان المبارک میں ہر سجدے کے بدلے ڈھائی ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور جنت میں سرخ رنگ کے یاقوت کا ایک محل بنادیا جاتا ہے جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے اور روزہ دار کے پچھلے سارے گناہِ صغیرہ معاف ہوجائیں گے اس کے لیے روزانہ صبح سے لے کر شام تک ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کریں گے۔ ہر سجدے کے بدلے کے لیے جنت میں ایک ایسا درخت لگایا جائے گا جس کے سایہ میں سوار پانچ سو سال تک چل سکتا ہے۔ اس ثوابِ عظیم کو حاصل کرنے کے لیے ماہ رمضان تک اگر دنیاوی مصروفیات بالکل چھوڑ دی جائیں تو بھی بہت سستا سودا ہے ورنہ ان کو کم سے کم کرنا تو کچھ مشکل نہیں، روزانہ استغفار کی تسبیح کثرت سے پڑھیں۔☆

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

## ماہانہ نظام

### حنا یامین۔ لانڈھی کراچی

مسئلہ نمبر 1: مجھے ماہانہ ایام بہت تکلیف سے آتے ہیں۔ اس دوران پیڑو میں سخت درد ہوتا ہے پیٹ اور کولہے بھاری ہو گئے ہیں۔ مینسز کے ایام کے وقت پیٹ سخت ہو جاتا ہے اور بڑھا ہوا لگتا ہے میری ٹھوڑی اور اپرلپس پر بھی غیر ضروری بال نکل آئے ہیں۔ میرے لیے اچھا سانسخہ تجویز کریں۔ شکریہ۔



## ناک کا گوشت

مسئلہ نمبر 2: دوسرا مسئلہ میری بیٹی کا ہے۔ اسے نزلہ رہتا ہے شروع ہی سے منہ سے سانس لیتی ہے۔ سوتے وقت منہ کھول کر سوتی ہے۔ قد ٹھیک ہے لیکن وزن زیادہ ہے۔ چہرے، بازو اور پیٹھ وغیرہ پر غیر ضروری بال زیادہ ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کا ناک کا گوشت بڑھا ہوا ہے۔ دوا کے ساتھ پرہیز بھی بتایئے گا۔ آپ کی بہت مشکور رہوں گی۔ اللہ آپ کو اس کا بہترین اجر دے گا۔ شکریہ۔

جواب: مسئلہ نمبر 1: لگتا ہے کہ آپ کے اندر ورم بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ خون کی کمی بھی ہے اور ہارمونز کی

تبدیلیاں بھی ہو رہی ہیں۔ آ کر بتائیں تو زیادہ اچھا تھا۔ حیض کے دنوں میں خصوصاً اور عام دنوں میں گرم پانی کی ٹکور کریں اور ہلکے، ہلکے مساج بھی کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے کی Magnesium Phosphoricum Pentarkan Ptk-60 کی 2-2 گولیاں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ کھانے میں مرغن چیزوں کے علاوہ فروٹ اور سبزیوں کا استعمال زیادہ کریں۔

جواب: مسئلہ نمبر 2: بیٹی سے کہیں وہ دن میں 5 مرتبہ ناک میں اوپر تک پانی چڑھایا کریں اور اگر نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اس کو ناک میں چڑھائیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ تمام قسم کی ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔ (آئس کریم قلفی لال شربت، کولڈ ڈرنکس) اور بغیر دیکھے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب تک ٹھیک ہوگا فی الحال 2 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کا Cinnabaris Pentarkan Ptk-31 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

## بواسیر

## کلثوم۔ راولپنڈی

مجھے ایک سال سے بادی بواسیر ہے۔ مسوں سے خون نہیں آتا۔ البتہ مسے وقفے، وقفے سے تکلیف کرتے ہیں اور لگتا ہے جیسے ایک جگہ جمع رہتے ہیں۔ اسی سے مجھے تھکن اور کمزوری ہے، ٹانگوں میں درد ہے۔ دل پر گھبراہٹ رہتی ہے۔

جواب: مختصر سا خط مختصر سے صفحے میں، بڑی کفایت شعار لگتی ہیں۔ وزن نہیں لکھا۔ کیا کرتی ہیں؟ نہیں بتایا۔ حیض کی شکایت ہے یا نہیں؟ بلڈ پریشر اور نبض چیک کرائیے۔ شوگر کتنی رہتی ہے؟ کولسٹرول کتنا ہے؟ کیلشیم کی مقدار اخون میں کتنی ہے؟ ساری تفصیل بتائیں تاکہ ایک صحیح نسخہ تجویز کیا جا سکے۔ فی الوقت ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کے Aesculus Pentarkan Ptk3 اور Rhustox

SCHWABE

Pertarkan Ptk-73 کے 10-10 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

## پتے کی پتھریاں اور نسوانی حسن

## مسز علی کاظمی۔ ساہیوال

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ اور لمبی زندگی عطا فرمائے اور ضرورت مندوں کے کام آنے کی مزید توفیق دے، آمین۔

مسئلہ نمبر 1: میں اپنے نسوانی حسن میں کمی کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ مجھے احساس کمتری بھی رہتا ہے۔ بہت سی دوائیاں بھی استعمال کیں مگر بے فائدہ رہیں۔ اس وجہ سے میری ازدواجی زندگی متاثر ہو رہی ہے۔ مہربانی فرما کر پلیز.... اور جلد اثر والی دوائی تجویز کریں۔ کیا یہ دوائی دورانِ حمل بھی لے سکتے ہیں؟

مسئلہ نمبر 2: پچھلے رمضان کے بعد سے میرا وزن کافی بڑھ گیا ہے۔ پہلے مناسب تھا لیکن اب پیٹ، Hips اور بازو بہت موٹے ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے بھی دوائی تجویز کیجئے۔

مسئلہ نمبر 3: تقریباً تین سال سے میرے پتے میں پتھریاں ہیں۔ پہلے کبھی کبھار تکلیف ہوتی تھی تو Pain Killer لگوانا پڑتا تھا۔ اس وقت تین چھوٹی پتھریاں ہیں۔ جواب کی منتظر اور دعا گو۔

جواب: بچے ماشاءاللہ دو ہیں۔ ایک لڑکا اور لڑکی یعنی دونوں نعمتوں سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے۔ اب آپ کی جو عمر ہے اس عمر میں بچہ نہ ہو تو اچھا ہے۔ دورانِ حمل وزن کی کمی و زیادتی اور نسوانی کمی کی نشوونما کی ادویات نہیں لی جا سکتیں۔ البتہ پتے کی پتھری کے لیے دوا استعمال کی جا سکتی ہے۔ آپ کے اندر ہارمونز کی تبدیلیاں ہوئی ہیں جس کی وجہ سے آپ کے

بریسٹ کے سائز میں فرق ہوا۔ مقوی طاقتور غذاؤں کا استعمال کریں۔ ہلکی ورزش کیا کریں۔ میٹھی اور چکنی چیزوں سے پرہیز کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Carduus Marianus Pentarkan Ptk-23 اور Chelidonium-Ø اور Iodium-30 کے 10-10 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ 2 ماہ بعد U/s liver کی رپورٹ کے ساتھ دوبارہ اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

## نزلہ

### عانیہ عاشر۔ کراچی

عرصہ 20 سال سے پاکیزہ زیرِ مطالعہ ہے۔ بہت اچھا رسالہ ہے۔ ہومیو کلینک بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ آپ نہایت توجہ سے تمام مریضوں کو علاج بتاتے ہیں اسی بنا پر میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ مسئلہ میرے بیٹے کے ساتھ ہے جس کی عمر 7 سال ہے۔ تقریباً ایک سال سے اسے نزلہ حلق میں گرنے کا مسئلہ ہے۔ سڑسڑ کر کے سارا دن نزلہ حلق میں گرتا ہے۔ کبھی ٹھیک ہو جاتا ہے کبھی دوبارہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی گلا خراب ہو جاتا ہے۔ کھانسی بھی ہوتی ہے۔ میرا یہ بیٹا ماشاء اللہ سے حفظ کر رہا ہے۔ 5 پارے حفظ ہو چکے ہیں۔ ماشاء اللہ سے ذہین بھی ہے۔ کھانا پینا بھی صحیح ہے۔ باہر کی ٹافیوں، جوس یا فالتو اشیا سے مکمل پرہیز کرواتے ہیں۔ گھر کی تیار اشیا لنچ کے لیے دیتے ہیں۔ کولڈ ڈرنک، آئسکریم بھی کم استعمال کرتے ہیں۔

جواب: جب نزلہ مستقل رہنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نمبر 1 خاندانی ہے۔ نمبر 2 ناک کا گوشت یا ہڈی یا پھر دونوں بڑھ چکے ہیں۔ آ کر دکھاتیں تو زیادہ بہتر تھا۔ بچہ مدرسے میں لگے کولر سے تو پانی نہیں پیتا؟ چیک کیجیے۔ نیم گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر غرارے بھی کرائیں اور ناک میں اوپر تک بھی چڑھائیں تمام قسم کی ٹھنڈی چیزوں، فریج کی رکھی ہوئی ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کرائیے۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cinnabaris Pentarkan Ptk-31 کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیے۔

## غلط کاری

### ملک عامر نواز۔ تحصیل ضلع لیّہ

میری عمر 27 سال ہے۔ نومبر 2015ء میں میری شادی ہونے والی ہے۔ غلط صحبت کی وجہ سے صحت کافی خراب ہو چکی ہے۔ کمزوری بہت زیادہ ہے۔ ابھی تک میں نے کسی ڈاکٹر سے چیک اپ نہیں کرایا۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز فرما دیں تاکہ میری ازدواجی زندگی اچھی گزر سکے۔

جواب: بچپن کی غلط کاری کیا تھی اس کی تفصیل لکھیں۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کمزوری ہے۔ مکمل تفصیل لکھیں تاکہ کیس کی صحیح صورت معلوم ہو سکے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Damiana Penterkan Ptk-40 کے 15-15 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ 2 ماہ بعد حالات سے مطلع کریں۔

## رمضان المبارک میں بیماری و صحت سے متعلق سوالات

بہت سارے خطوط میں رمضان المبارک میں بیماریوں اور عام صحت سے متعلق سوالات پوچھے گئے ہیں کہ

۱) کیا رمضان میں وزن کم کیا جا سکتا ہے؟
(ایمان، لاہور)

۲) شوگر کے مریض روزہ رکھ سکتے ہیں؟
(نادیہ، ناتھ ناظم آباد، کراچی)

۳) دل کے مریض روزہ کس طرح رکھیں؟

(راحیلہ، گلبرگ، لاہور، رمضان، کریم آباد کراچی)

۴) روزے میں سانس ہو جائے تو کیا کریں؟

(ریحانہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی)

۵) میرے گردے میں پتھری اور پیشاب میں انفیکشن ہے، کیا میں روزہ رکھ سکتی ہوں؟

(فریدہ، حیدرآباد کالونی، کراچی)

۶) لیکوریا ہونے کی وجہ سے کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ (کراچی)

۷) بلڈ پریشر بڑھا رہتا ہے تو رمضان میں دوائی کیسے استعمال ہوگی؟

(علی، پی آئی بی کالونی، کراچی)

۸) آپ اور عموماً ڈاکٹر حضرات دن میں 3 سے 4 مرتبہ دوائی کا استعمال بتاتے ہیں تو یہ روزے میں کس طرح ممکن ہے؟ (غزالہ، پی ای سی ایچ ایس، کراچی)

۹) میرا بچہ 8 ماہ کا ہے، میں اس کو دودھ پلا رہی ہوں، کمر کی تکلیف ہے کیا کروں؟ اور کیا میں روزہ رکھ سکتی ہوں؟ (کراچی)

جواب: ان سب سوالوں کا فرداً فرداً جواب دینے سے پہلے میں ایک جنرل اصول بیان کروں گا جس سے بہت ساری چیزیں ہمارے ذہن میں صاف ہوجائیں گی۔ رمضان المبارک کا مہینہ سال میں ایک بار آتا ہے۔ جس کا مقصد ہماری روح کی پاکیزگی ہے۔ یعنی اس کے اندر جو خرابیاں ہیں اس کو ختم کرنا اور اس کے اندر موجود کمزوریوں کو دور کرنا۔ روح اور جسم کا ایک بڑا گہرا تعلق ہے۔ جسم روح کے بغیر کسی کام کا نہیں ہے۔ اس لیے روح جتنی طاقتور اور صحت مند ہوگی جسم بھی اتنا ہی اچھا ہوگا۔ روزہ ہمیں کچھ درس دیتا ہے، کچھ احساس دلاتا ہے۔ کچھ چیزوں سے روکتا ہے۔ نظم وضبط سکھاتا ہے۔ اللہ کے دیکھنے کا احساس کہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ غصے کو روکتا اور غیبت سے بچاتا ہے۔ اوقاتِ مقررہ پر کھانا پینا تقریباً 24 گھنٹے

حالتِ عبادت میں گزرتے ہیں اور یوں روح طاقتور ہوجاتی ہے۔

فکر، غم وغصہ، غیبت، بد نیتی، حرص وطمع، حسد، کینہ روح کو کمزور کرتے ہیں۔ ہر وقت کھاتے پیتے رہنے یا افطار و سحر میں مرغن غذاؤں کا استعمال روح اور جسم دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس تمام گفتگو کا مقصد آپ کو یہ باور کرانا ہے کہ اپنے عمل کی وجہ سے ہم رمضان کے مہینے کو بامقصد، بارحمت وبرکت والا بھی بنا سکتے ہیں اور بے مقصد و مصیبت وتکالیف والا بھی۔ اس لیے اس بابرکت ورحمت والے مہینے میں...

(جواب:۱) ایسی غذا کا استعمال کریں جو زیادہ مرغن نہ ہو... اگر عام روٹی سالن کا استعمال یا چاول کا استعمال کریں تو یہ صحت کے لیے انتہائی مفید ہے۔ عبادات کے لیے وقت زیادہ نکالیں پھر آرام کے لیے اور اس کے بعد کچھ وقت کھانے پینے کے لیے جبکہ عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ کھانے پکانے کے لیے وقت بہت زیادہ نکالا جاتا ہے۔ پھر کھانے میں وقت گزرتا ہے اس کے بعد آرام میں اور معمولی وقت عبادت میں...... یوں وزن بڑھتا ہے، کولیسٹرول بڑھتا ہے، بلڈ پریشر بڑھتا ہے، دل کے دورے وغیرہ ہوتے ہیں۔ پھر دہراتا ہوں کہ کم ٹھنڈے پانی کا استعمال کریں اور زیادہ مقدار میں پئیں، گردے کی پتھری اور انفیکشن سے محفوظ رہیں گے اور علاج میں معاون بھی بنے گا۔

سادہ غذا کا استعمال کریں، یہ شوگر، بلڈ پریشر، کولیسٹرول اور وزن کو کنٹرول کرنے کے ساتھ دل کے مسائل سے محفوظ رکھے گا۔ واک کا اہتمام کریں۔ یہ شوگر، بلڈ پریشر، کولیسٹرول اور وزن کے لیے مفید ہے۔ اللہ کا ذکر و عبادت (نماز) ڈپریشن کے لیے انتہائی مفید ہے۔

(جواب:۲) شوگر کے وہ مریض جو غذائی پرہیز پر ہیں ان کے لیے روزہ انتہائی مفید ہے۔ شوگر کے وہ مریض جو ادویاتی علاج پر ہیں وہ بھی روزہ رکھ سکتے

ہیں۔شوگر کے وہ مریض جو انسولین پر ہیں اگر وہ صبح و شام لیتے ہیں تو وہ روزہ رکھ سکتے ہیں۔ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انسولین کی مقدار شام کو زیادہ اور صبح کم لیں۔شوگر کے وہ مریض جو ہومیو پیتھک دوا پر ہیں ان کے لیے بھی کوئی مسئلہ نہیں۔

(جواب:۳ اور ۷) دل کے مریض اور بلڈ پریشر کے مریض اپنے دل کی کیفیت معالج سے مشورہ کرکے اور دوائیوں کی مقدار کو ایڈ جسٹ کرکے روزہ رکھ سکتے ہیں۔لیکن معالج سے ضرور مشورہ کریں۔

(جواب:۴) سانس کے مریض روزے کی حالت میں دوا کو سونگھ سکتے ہیں کیونکہ ہومیو پیتھک دوا کو سونگھ کر یا جلد پر لگا کر مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

(جواب:۵) معمولی انفیکشن و پتھری میں کوئی قباحت نہیں لیکن بہتر ہے کہ اپنے معالج سے مشورہ ضرور کریں۔

(جواب:۶) لیکوریا کا بہترین علاج ہومیو پیتھی میں ہے، اس کا علاج کریں، علامات کی تفصیل لکھیں، نسخہ تجویز کر دیا جائے گا البتہ اس سے روزے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(جواب:۸) یقیناً دن میں روزہ ہوتا ہے اور روزے میں دوا کا استعمال ممنوع ہے اس لیے ہر دوا کو افطار کے بعد، تراویح کے بعد سوتے وقت اور سحری میں استعمال کرتے رہیں۔

(جواب:۹) اللہ تعالیٰ نے جہاں روزہ فرض کیا ہے وہاں ان لوگوں کو رعایت دی ہے جو بیمار ہیں یا دودھ پلانے والی مائیں کمزور لوگ جن کو روزہ رکھنے کے بعد کمزوری بڑھنے کا خدشہ یا بیماری بڑھنے کا ڈر ہو۔ایسے لوگ روزہ چھوڑیں، ٹھیک ہونے کے بعد قضا روزہ رکھیں یا فدیہ دیں۔

کمر کے درد کے لیے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc.Carb30 استعمال کریں۔5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ اور Alfalfa Q کے 10 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔کھانے پینے کا خیال رکھیں۔ وزن اُٹھاتے وقت احتیاط کریں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان کی خیر و برکت عطا فرمائے۔آمین!

## نفسیاتی مسئلہ

### عروبہ خوش بخت۔اسلام آباد

ماہانہ ایام کی خرابی کی وجہ سے وزن بہت زیادہ ہوگیا ہے، بال دو منہ والے ہوگئے ہیں۔حافظہ بہت کمزور ہو چکا ہے۔بات کرتے ہوئے بھول جاتی ہوں۔ACCA کی طالبہ ہوں، سبق پر ٹھیک سے دھیان نہیں دے پاتی، جو یاد کرتی ہوں بھول جاتی ہوں۔گھٹنوں میں درد ہوتا ہے۔نماز پڑھتے وقت ٹانگیں فولڈ کر کے دوبارہ سیدھی کرنے پر کڑکڑ کی آواز نکلتی ہے۔معدے میں تیزابیت بھی ہوجاتی ہے۔اکثر سر سن ہوجاتا ہے۔کبھی کبھی کانوں میں سیٹی کی سی آواز ہوتی ہے۔بات کرتے کرتے بھول جاتی ہوں۔

جواب: ذہن پر بہت بوجھ ہے۔گھر کا ماحول کیسا ہے؟ سہیلیاں کیسی ہیں؟ متوازن غذا لیں۔غذا کو چبا کر کھائیں اور کھانے کے ساتھ پانی یا کسی مشروب کا استعمال نہ کریں۔دودھ دہی کا استعمال بڑھائیں، بالوں کے لیے ہمارا شیمپو استعمال کریں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ادویات ایک ماہ استعمال کے بعد دوبارہ کیفیت سے مطلع کریں۔Anacardium-30، Kali Phos-30 کے 5-5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پییں۔